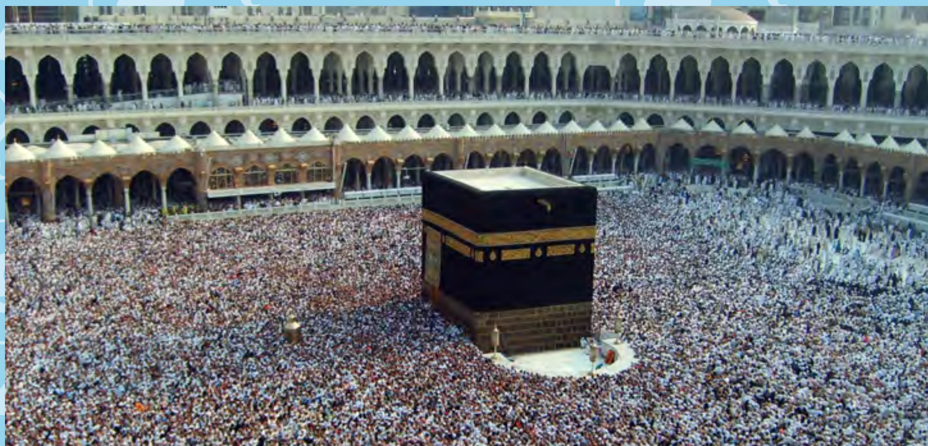
قندیل حق



رانا عبدالرزاق خان

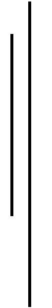


خانہ کعبہ و مسجد الحرام (مکہ مکرمہ)



مسجد نبوی ﷺ (مدینہ منورہ)

قندیلِ حق



مؤلفہ

رانا عبدالرزاق خان کاٹھ گڑھی ۔لندن

نام کتاب : قندیل حق

مؤلفہ : رانا عبدالرزاق خان

ناشر : قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

تعداد : 300

سن اشاعت : 2017

ملنے کا پتہ :

14 Woburn Road SM 5 1RT
Carshalton Surrey London
E-mail:ranarazzaq52@gmail.com
(M) 00447886304637

Qindeel-e-Huq

(Articals on Ahmadiyyat Education & Poetry.)

By: Rana Abdul Razzaq Khan London

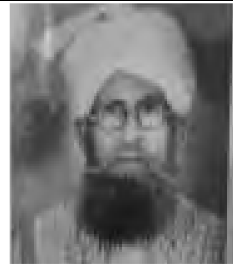
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ والسَّلَامُ عَلٰی اَحۡمَد المَوعُوۡدِ



فہرست مضامین





تعارف مؤلف



چوہدری عبداللطیف خان صاحب کاٹھ گڑھی چوہدری عبدالحمید خان صاحب کاٹھ گڑھی

میرا خاندان تقسیم ہند سے قبل موضع کاٹھ گڑھ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب میں آباد تھا۔ میرے بزرگ تقریباً پانچ سو سال قبل راجستھان سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے۔ جاگیر دار تو تھے ہی۔ مگر گھڑسواری اور گھوڑے پالنا ان کا شوق تھا۔ اس لئے (گھوڑے واہ راجپوت) کہلوائے۔ اکبر بادشاہ (1556ء تا1605ء) کے زمانے میں غالباً مسلمان ہوئے۔ اور کافی جوان پیشہ سپاہ گری سے منسلک رہے۔ ہمارے بڑے بزرگ کا نام کافی خان تھا۔ ہم اہل دیہہ زیادہ تر اُنہی کی اولاد ہیں۔ 1903ء میں ہمارے ایک بزرگ پردادا مکرم حضرت چوہدری غلام احمد خاں صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ جبکہ آپ کے ساتھ برادری کے ایک صد افراد نے بھی احمدیت قبول کی تھی۔ اُن بزرگوں میں (اُن کے کزن) میرے سگے دادا مکرم حضرت غلام نبی خاں صاحب بھی تھے۔ اُن کے بیٹے چوہدری عبدالحمید خان جو اس وقت گیارہ سال کے تھے۔ وہ بھی مبائعین میں شامل تھے۔ بعدازاں انہوں نے قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت بھی کی۔ تقسیم ہند 1947ء میں میرے کچھ رشتہ دار اور خاندان کے افراد آبادکاری کی سکیم کے تحت چک نمبر 2ٹی ڈی اے خوشاب میں آباد ہو گئے۔ میرے دادا جان کے بیٹوں، اقرباء اور نمبرداری سمیت ہمارے پاس گاؤں کا 1000 ایکڑ رقبہ تھا۔ انکے پانچ بیٹے تھے بڑا بیٹا عبداللطیف خان جو کہ چک نمبر 2 ٹی ڈی اے خوشاب میں نمبردار تھا۔ میں ان کا بیٹا ہوں۔ ہم تین بھائی ہیں۔ میرے دادا جان چوہدری عبدالحمید خان 18، اپریل 1985ء کو فوت ہوئے۔ اور ان کی تدفین بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔ اور میرے والد بھی موصی تھے۔ ہم نے احمدیت کو اپنے گھر میں مکمل رائج پایا۔ احمدیت سے لگاؤ اور اطاعت خلافت ہم نے اپنے دادا مرحوم سے پائی۔

خاکسار تعلیم الاسلام سکول و کالج ربوہ میں پڑھا۔بی اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔پیکیجز لمیٹڈ لاہور میں تین سال ملازمت کے بعد بحرین ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ (دیوان الامیری) میں دس سال ملازمت کی ۔1984ءمیں والد صاحب کی وفات کے بعد چک نمبر 2ٹی ڈی اے خوشاب میں نمبردار مقرر ہوا۔وہاں بھی 15سال جماعت کا صدر رہا۔ضلع خوشاب میں بھی ملک محمد جہانگیر جوئیہ مرحوم کی مجلس عاملہ میں (بعد ازاں ملک منور اقبال مجوکہ) کئی عہدوں پر خدمت کا موقع ملا ۔2005ءمیں لندن برطانیہ میں سکونت اختیار کی ۔یہاں اللہ کے فضل سے خدمت دین اور اُردو ادب کی خدمت میں مصروف ہوں ۔مجلس انصاراللہ مرکزیہ میں مسلسل بارہ سال سے خدمت کر رہا ہوں ۔تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا جنرل سیکٹری ہوں ۔رسالہ المنار،اوراخبار احمدیہ میگزین یوکے کے ادارتی بورڈ میں بھی شامل ہوں ۔اس سے قبل میری دو عدد کتابیں (قندیل علم) (دانشکدہ عظیم) شائع ہو چکی ہیں ۔یہ تیسری کتاب ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جس کو شائع کرنے کی توفیق پا رہا ہوں ۔اس کے بعد تاریخ احمدیہ کاٹھگڑھ،ہوشیار پورانڈیا بھی لکھنے کا ارادہ ہے۔ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن میگزین عرصہ پانچ سال سے نکال رہا ہوں ۔قندیل ادب کے نام سے ایک ویب سائٹ بھی چلا رہا ہوں۔قندیل شعروسخن کے فورم سے چالیس سے زائد مشاعرے بھی کروانے کا اعزاز حاصل ہے ۔جس میں ملک کے نامور شعراء شامل ہوئے ۔دوستوں سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خدمات قبول کرے آمین۔

راناعبدالرزاق خان

لندن



پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشان احسان ہے کہ اُس نے ہمیں اپنے فضل سے امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کو قبول کرنے کی توفیق دی۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیں صحیح اسلامی اقدار سکھائے۔ بہترین تعلیم وتربیت کی۔ اطفال الاحمدیہ کی عمر سے اس بات کی خواہش تھی کہ جب کوئی اچھا مضمون یا تقریر کا موقع ملا تو اُس مضمون کو سنبھال کر رکھ لیا تا کہ بعد میں وہ مضمون کسی وقت کام آسکے۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ خواہش بھی جوان ہوتی گئی اور مضامین کے انتخاب کا دائرہ کار بھی بڑھتا گیا۔

پاکستان میں رہتے ہوئے بعض دیگر مصروفیات کی وجہ سے ادبی اور تعلیمی کاموں میں اتنا وقت دینا ممکن نہ ہوا مگر جس قدر بھی وقت ملا اپنے علم کی تسکین کی لیکن جب 2005ء میں لندن آیا تو پھر وقت ہی وقت تھا۔ضرورت تھی کہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ الحمدللہ لندن آکر ادب اور کالم نگاری کا پرانا جذبہ دوبارہ عود کر آیا۔اس دوران جو بھی مطالعہ کیا وہ مختلف فائلوں میں جمع کرتا گیا۔ یہاں تک کہ جب کافی مواد ہو گیا تو الحمدللہ سال 2016ء میں قندیل علم کے نام سے کتاب مرتب کرنے کی توفیق ملی۔ بعدہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی تاریخ ''دانشکدہ عظیم'' کے نام سے آخری مراحل میں ہے۔

اب یہ تیسری کتاب ''قندیل حق'' کے نام سے مرتب کی ہے۔اس کتاب میں اکثر مضامین جماعتی اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ خاکسار اخبارات کا ممنون ومشکور ہے۔خاکسار نے اُنہیں ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے تا کہ علمی کام کرنے والوں کو مختلف اخلاقی علمی تربیتی و اصلاحی مضامین ایک ہی جگہ پر میسر آسکیں۔ اور اُن کے ازدیاد علم کا باعث ہوں۔اسی طرح کتاب میں خاکسار نے اپنے بعض کالم بھی شامل کئے ہیں جنہیں احباب نے خصوصی طور پر پسند کیا ہے۔

اس کتاب کا مقصد صرف اور صرف خدمت ہے اگر یہ انتخاب کسی کے کام آئے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائے تو میرا مقصد پورا ہو گیا۔قارئین سے خاکسار دعا کی درخواست بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے علم وادب کی پہلے سے بڑھ کر خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

خاکسار اپنے احباب اور بزرگوں کا ممنون ہے جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور معاون بھی ثابت ہوئے۔اور ہر قدم پر میری مدد کی۔ پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ میں خاکسار کی مدد کی اور کتاب کو تیار کرنے کے تمام مراحل سے بخوشی گزرے۔

آپ سب کی دعاؤں کا طلب گار

خاکسار

راناعبدالرزاق خان



تبصرہ

مبارک احمد صدیقی شاعر و ادیب

پریزنٹر ایم ٹی اے۔صدر TICOSA UK

ماشاءاللہ رانا عبدالرزاق خان صاحب نے اپنی تیسری کتاب قندیل حق کا مسودہ بھجوایا ہے۔ جو کہ مختلف مضامین کی وجہ سے کافی معلوماتی بھی ہے اور دلچسپ بھی ۔ پہلے سیرت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت صحابہ پر،، پھر محاسن قرآن کریم، اسلامیات، خلافت، احمدیت، تربیتی وتاریخی مضامین، پھر سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اُن کے صحابہ کے متعلق، اردو ادب وطنز و مزاح پر لکھا گیا ہے۔ آخری باب میں اُن کے سیاسی کالم بھی ہیں۔ رانا صاحب کافی دیر سے اخبارات میں لکھ رہے ہیں۔ شاعر و ادیب کے علاوہ زبردست کالم نگار اور مصنف بھی ہیں۔ ہر لحاظ سے، گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ بڑے پُر جوش مبلغ اسلام بھی ہیں۔ جماعتی رسائل میں بھی مسلسل لکھ رہے ہیں۔ ایک ماہنامہ قندیل ادب عرصہ پانچ سال سے پابندی کے ساتھ نکال رہے ہیں۔ جو کہ اب ان کی پہچان بن چکا ہے۔ اور مشاعرے کرانے میں تو یہ زبردست ماہر ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رانا عبدالرزاق خانصاحب کو ہمیشہ صحت وتندرستی والی زندگی عطا کرتا چلا جائے۔ اور ان کی نیک تمناؤں کو پورا کرے آمین۔

مبارک صدیقی

لندن

کلمات طیبات امام الزمان

محبت الٰہی اور اس کی علامات



حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک ہندو سادھو کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''انسان اپنی محبت کا خود امتحان کرے، اگر اس کو اس سوختہ دل عاشق کی طرح چلتے پھرتے بیٹھتے اٹھتے غرض ہر حالت میں بیداری کی ہو یا خواب کی اپنے محبوب کا ہی چہرہ نظر آتا ہے اور کامل توجہ اُسی طرف ہے تو سمجھ لے کہ واقعی مجھے خدا تعالیٰ سے ایک عشق ہے اور ضرور ضرور خدا تعالیٰ کا پرکاش اور پریم میرے اندر موجود ہے لیکن اگر درمیانی امور اور خارجی بندھن اور رکاوٹیں اس کی توجہ کو پھرا سکتی ہے اور ایک لحظہ کے لئے وہ خیال اسکے دل سے نکل سکتا ہے۔ تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کا عاشق نہیں۔ اور اس سے محبت نہیں کرتا اور اسی لئے وہ روشنی اور نور جو سچے عاشقوں کو ملتا ہے اسے نہیں ملتا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آکر اکثر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور خدا کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ نادانوں نے اپنی محبت کا امتحان نہیں کیا۔ اور اس کا وزن کئے بدوں ہی خدا پر بدظن ہو گئے ہیں۔ پس میرے خیال میں خدا تعالیٰ کا غیب میں رہنا انسان کی سعادت اور رشد کو ترقی دینے کی خاطر ہے۔ اور اس کی روحانی قوتوں کو صاف کر کے جلا دینے کے لئے تا کہ وہ نور اس میں پرکاش ہو جو ہم بار بار اشتہار دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو تجربہ کے لئے بلاتے ہیں۔ بعض لوگ ہمیں دوکاندار کہتے ہیں کوئی کچھ بولتا ہے کوئی کچھ۔ غرض ان بھانت بھانت کی بولیوں کو سن کر جو ہر ملک میں جو اس دنیا پر آباد ہے۔ ہم پھر بھی یورپ اور امریکہ وغیرہ میں اشتہار دیتے ہیں اس کی غرض کیا ہے۔

ہماری غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں تا کہ لوگوں کو اُس خدا کی طرف راہنمائی کریں جسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ سنی سنائی بات اور قصہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم اپنی ذات اور

اپنے وجود کو پیش کر کے خدا تعالیٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی بات ہے۔خدا تعالیٰ کی طرف جس قدر کوئی قدم اٹھاتا ہے۔خدا تعالیٰ اس سے زیادہ سرعت اور تیزی کے ساتھ اس کی طرف آتا ہے۔دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک معزز آدمی کا منظور نظر عزیز اور واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے۔تو کیا خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا اپنے اندران نشانات میں سے کچھ بھی حصہ نہ لے گا۔ جوخدا تعالیٰ کی قدرتوں اور بے انتہا طاقتوں کا نمونہ ہوں۔

مقربان بارگاہ الٰہی پر مخالفانہ حملے ہونے کی وجہ۔

یہ یادرکھو کہ خدا تعالیٰ کی غیرت کبھی تقاضا نہیں کرتی کہ اس کو ایسی حالت میں چھوڑے کہ وہ ذلیل ہوکر پیسا جاوے۔نہیں بلکہ وہ خود وحدہٗ لاشریک ہے۔وہ اپنے اس بندہ کو بھی ایک فرد اور وحدہٗ لا شریک بنا دیتا ہے۔دنیا کے تختہ پر کوئی انسان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے ہیں اور ہر حملہ کرنے والا اس کی طاقت کے اندازہ سے بے خبر ہو کر جانتا ہے کہ میں اسے تباہ کر ڈالوں گا لیکن آخر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا بچ نکلنا انسانی طاقت سے باہر کسی قوت کا کام ہے۔کیونکہ اگر اسے پہلے سے یہ علم ہوتا تو وہ حملہ ہی نہ کرتا۔پس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے حضور ایک تقرب حاصل کرتے ہیں دنیا میں اس کی سچائی اور ہستی پر ایک نشان ہوتے ہیں۔

بظاہر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک مخالف اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میرے مقابلہ میں یہ بچ نہیں سکتا۔کیونکہ ہر قسم کی تدبیر اور کوشش کے نتائج اسے یہیں تک پہنچاتے ہیں لیکن جب وہ اس زد میں سے ایک عزت اور احترام کے ساتھ اور سلامتی سے نکلتا ہے تو ایک دم کے لئے تو اسے حیران ہونا پڑتا ہے کہ اگر انسانی طاقت کا ہی کام تھا تو اس کا بچنا محال تھا لیکن اب اس کا صحیح سلامت رہنا انسان کا نہیں بلکہ خدا کا کام ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ مقربان بارگاہ الٰہی پر جو مخالفانہ حملے ہوتے ہیں وہ کیوں ہوتے ہیں۔معرفت اور گیان کے کوچہ سے بے خبر لوگ ایسی مخالفتوں کو ایک ذلت سمجھتے ہیں مگر ان کو کیا خبر ہوتی ہے کہ اس ذلت میں ان کے لئے ایک عزت اور امتیاز نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور ہستی پر ایک نشان ہوتا ہے اسی لئے یہ وجود آیات اللہ کہلاتے ہیں۔(ملفوظات جلد دہم)



تعلق باللہ کے ذرائع

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

’’جب سے خدا نے زمین اور آسمان کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو۔ بلکہ وہ ان کے لئے بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے اور اب بھی دکھلائے گا۔ وہ خدا نہایت ہی وفادار خدا ہے اور وفاداروں کے لئے اس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن ان پر دانت پیستا ہے۔ مگر وہ جو انکا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے ان کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس خدا کا دامن نہ چھوڑے۔ ہم اس پر ایمان لائے ہم نے اس کو شناخت کیا تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا‘‘ (کشتی نوح صفحہ 19) اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور ہم اس کی مخلوق۔ وہ رب ہے اور ہم اس کے بندے۔ عربی زبان میں جوامّ الالسنہ ہے اور نہایت پُرحکمت زبان ہے بندے کے لئے جو انسان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ دو اُنسوں اور محبتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اُنس اس کو اللہ تعالیٰ سے ہے اور دوسرا انس اپنے بنی نوع سے ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذاریات ع 3) یعنی میں نے بڑے اور چھوٹے تمام انسانوں کو عبد بننے کے لئے پیدا کیا اور عبد اس وجود کو کہتے ہیں جو دوسروں کا نقش قبول کرے۔ پس انسان کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی صفات کو اپنے وجود میں پیدا کرے اور اس کی صفات اور اخلاق کے لئے بطور آئینہ کے بن جائے۔ اسی طرح دوسری آیات میں فرماتا ہے۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (العلق ع 1) یعنی انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا مادّہ رکھ دیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی محبت، اس کے رنگ میں رنگین ہونا اور اس کی پاک صفات سے متصف ہونا انسانی پیدائش کا مقصود ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ وراء الورا ہستی ہے اور یہ دنیا اپنے اجرام فلکی

کے ساتھ ایک شیش محل کی طرح ہے جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی شدید القویٰ ہستی کام کر رہی ہے اس وجہ سے اکثر لوگوں کو غلطی لگی اور انہوں نے ان ہی شیشوں کی طرف اس کام کو منسوب کر دیا اور اس واحد یگانہ اور مالک حقیقی سے بیگانہ ہو گئے۔ پس ضروری ہے کہ ان ذرائع اور وسائل پر غور کیا جائے جو اس محبوب حقیقی کے پانے اور اس سے تعلق مستحکم کرنے کے لئے قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا ذریعہ:۔ سو پہلا ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پانے کا یہ ہے کہ اسے صحیح رنگ میں پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ سچا خدا اپنے طالبوں کو مدد دیتا ہے۔ مگر مردہ مُردہ کو مدد نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ پر سچے ایمان کا اندازہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔ ”کیا بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوب صورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے۔ اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں۔ اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھادوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں۔ اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں“۔ (تقویۃ الایمان ص45) پس اللہ کو پانے اور اس سے تعلق مضبوط کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ سچے خدا پر ایمان لایا جائے جو اپنی ہر صفت میں بے مثل ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے۔

2۔ دوسرا ذریعہ۔ دوسرا ذریعہ دعا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کمزور اور ضعیف اور کمزور ہے، اور اپنے مقصد اور مدعا کو اپنے زور بازو اور اپنی ذاتی قوت سے ہرگز حاصل نہیں کر سکتا اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے دعا سکھائی تا اس ذریعہ سے اس کو خدائی مدد اور تائید حاصل ہو۔ اور جو روکیں مقصود حقیقی تک پہنچنے میں حائل ہیں وہ دور ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ (المومن ع6) یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (بقرہ ع24) یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں۔ تو میں ان کے قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار دعا کے لئے رغبت دلائی ہے۔

3۔ **تیسرا ذریعہ**۔ایک ذریعہ خدا تعالیٰ کو پانے کے لئے قرآن مجید میں مجاہدہ ٹھہرایا گیا ہے۔یعنی اپنی جان، مال، عزت۔عقل، علم اور ہنر کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اسے ڈھونڈا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ (بقرہ ع7) یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کرو۔نیز فرماتا ہے۔ رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ بقرہ ع1) یعنی جو کچھ بھی مال، جان، علم، عقل، ہنر، فہم اور فراست ہم نے دیا وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگانا چاہیے۔ نیز فرماتا ہے (عنکبوت ع7) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں۔ہم اُن کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔ نیز فرماتا ہے (الشقاق ع1) یعنی اے انسان! تو اپنے رب کی طرف پورا زور لگا کر جانے والا ہے اور پھر اس سے ملنے والا ہے۔غرض اللہ تعالی کی ملاقات عمر بھر مسلسل محنت اور مجاہدہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔یعنی نجات پا گیا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کیا۔اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو بگاڑا۔فلح چیرنے کو کہتے ہیں۔فلاحت زراعت کو کہتے ہیں۔تزکیہ نفس بھی فلاحت ہے۔مجاہدہ انسانی نفس کو اس کی خرابیوں اور سختیوں سے صاف کر کے اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس میں ایمان صحیحہ کی تخم ریزی کی جا سکے۔جس کے بعد وہ شجر ایمان بارآور ہونے کے لائق بن جاتا ہے" (تقریر جلسہ سالانہ 30 دسمبر 1897ء)

4۔ **چوتھا ذریعہ**۔اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کے حصول کا ایک ذریعہ استقامت ہے۔یعنی طالب راہ سلوک میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جائے اور امتحان سے ڈر نہ جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (حٰم سجدہ ع4) یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور توحید خالص پر قائم ہو گئے۔ پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلاؤں کے وقت ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو۔اور مت غمگین ہو۔اور خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس جنت کے وارث ہو گئے جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے۔ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں"۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام استقامت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔" یہ سچ بات ہے کہ

استقامت فوق الکرامت ہے۔کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کومحیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطرہ میں پاویں اور کوئی تسلی پانے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خدا تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلّی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کر دے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے اس وقت نامردی نہ دکھلاویں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔اورصدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ذلت پر خوش ہو جائیں موت پر راضی ہو جائیں۔اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے۔نہ اس وقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بےکس اور کمزور ہونے کے اور کسی تسلی کے نہ پانے کے سیدھے کھڑے ہو جائیں۔اور ہر چہ بادا باد کہہ کر گردن کو آگے رکھ دیں۔اور قضا وقدر کے آگے دم نہ ماریں۔اور ہرگز بےقراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں۔جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے۔یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے۔یہی وہ چیز ہے جسکی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آ رہی ہے۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی)

5۔**پانچواں ذریعہ۔** پانچواں ذریعہ صحبت صالحین ہے۔جاننا چاہیے کہ انسان طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے۔اور کامل نمونہ سے دل میں رغبت اور شوق پیدا ہوتا اور قدم آگے بڑھانے کے لئے ایک زبردست امنگ پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ؛ **كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ** (توبہ) یعنی تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راست باز ہیں۔یہ بات ظاہر ہے کہ جس طرح بھٹی کے قریب بیٹھنے والا آگ کی چنگاریوں سے اور عطر کے قریب بیٹھنے والا عطر کی خوشبو سے حصہ لیتا ہے۔اسی طرح نیک لوگوں کے قریب بیٹھنے والا ان کے نیک خیالات سے متاثر ہوتا ہے۔اور جب دو شخص اکھٹے بیٹھے ہوں اور ایک دوسرے سے ہم کلام نہ بھی ہوں تب بھی خیالات کی رو اندر ہی اندر ایک سے دوسرے میں سرایت کرتی اور متاثر کر رہی ہوتی ہے۔پس طالب اور سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک صالح اور صادق مردان خدا کی تلاش کرے اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر فیض حاصل کرے۔

6۔**چھٹا ذریعہ۔** چھٹا ذریعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے خیر خواہی کی جائے۔اور خدمت خلق کی عادت پیدا کی جائے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔جو شخص اس خیال اور جذبہ سے نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند پر بھی رحم کرتا ہے۔کہ وہ میرے رب کی مخلوق ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے رحم، شفقت اور محبت کو

جذب کرنے والا اوراس کے فضلوں کا وارث بن جاتا ہے۔درحقیقت ''خدمت خلق'' کواسلامی تعلیم میں ایک امتیازی نشان حاصل ہے۔اور اس پر بہت زور دیا گیا ہے ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔الخلقُ عیال اللہ فاحسن الخلق من احسن الیٰ عیالہ(مشکوٰۃ باب الشفقۃ) یعنی مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔پس بہترین شخص وہ ہے جواللہ تعالیٰ کے کنبہ سے احسان کرے۔

7۔**ساتواں ذریعہ**۔اس مالک حقیقی کی محبت حاصل کرنے اوراس سے تعلق بڑھانے کاایک ذریعہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اور ہرلحظہ اس کی یادتازہ رکھے۔نہ صرف یہ کہ اس کی حمدوثناء سے دل اور زبان معمور ہوں۔ بلکہ اس کی صفات پر ہمیشہ غوراورفکرکرتا رہے۔اوردست درکاردل بایار کاعملی نمونہ ہوقرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔(آل عمران ع20) یعنی حقیقی عقلمندوہی لوگ ہیں جواللہ تعالیٰ کواٹھتے بیٹھتے اوراپنے پہلوؤں پر یادکرتے رہتے ہیں۔اورآسمان اورزمین کی پیدائش کی حکمتوں پرغورکرتے رہتے ہیں۔اور کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے اس عالم کو بے فائدہ پیدانہیں کیا۔تو ایسے بے مقصد کام کرنے سے پاک ہے۔پس توہمیں آگ کے عذاب سے بچااور ہماری زندگی کو بے مقصد بننے سے بچا لے''۔حضرت مصلح موعودرضی اللہ تعالیٰ نے خوب فرمایا۔

عادت ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشق صنم، لب پہ مگر نام نہ ہو۔



شرک (بہائی تحریک)

ساری دنیا کے اہل مذاہب کے نزدیک شرک ایک نجس اورغلیظ چیز ہےشرک ایک ایسا گناہ ہے جس کی سزا کے تصور سے جسم پرلرزہ طاری ہوجاتا ہے۔جس طرح دنیا میں اورگناہ پائے جاتے ہیں۔اسی طرح دنیامیں مشرک افراداورمشرک مذاہب بھی موجودہیں۔آج سے کوئی ڈیڑھ سوسال قبل خطہ ایران میں ایک صاحب پیدا ہوئے جن کا اصل نام تو مرزاحسین علی تھا مگرانہوں خودنے اپنا نام بہاء اللہ رکھ لیا تھا۔جناب بہاء اللہ نے سب سے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ ''تحقیق میں خداہوں اورمیرے سوا کوئی خدانہیں''۔ پھر کہا کہ میں شریعت اسلامی کومنسوخ کرتا ہوں۔اس دعویٰ الوہیت وغیرہ پر

ایران کے کچھ ایسے لوگ جوصرف نام کے مسلمان تھے ایمان تو لے آئے لیکن ان کی فطرت ان کو ملامت کرتی تھی کہ وہ اس عقیدہ کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔اس لئے وہ اس عقیدے کوایک پہیلی یا چیستان کے رنگ میں پیش کرتے رہے۔اورآج تک بھی بہائی صاحبان کا یہی حال ہے کہ وہ بہاء اللہ کے کے دعوے کو کھلے اور صاف الفاظ میں پیش نہیں کرتے۔ اس سوال کے جواب میں کہ بہاءاللہ صاحب کا کیا دعویٰ تھا۔ بہائی جماعت کے سب سے بڑے مبلغ جناب محفوظ الحق صاحب علمی لکھتے ہیں:۔''اہل بہاءدور نبوت کوختم جانتے ہیں۔امت محمدیہ میں بھی نبوت جائز نہیں سمجھتے۔ہاں خدا کی قدرت کوختم نہیں جانتے اس لئے خدا کی قدرت کے نئے ظہور کوتسلیم کرتے ہیں۔جونبوت سے آگے ایک نئی شان رکھتا ہے۔اور یہ دور نبوت کے ختم ہونے کا کھلا کھلا اعلان ہے۔اس لئے اہل بہاء نے کبھی نہیں کہا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی۔اورموعودکل ادیان نبی یارسول ہے۔ بلکہ اس کا ظہور مستقل خدائی ظہور ہے''۔(رسالہ کوکب ہند 22 جون 1928)

علمی صاحب کے گھبرائے ہوئے اور پریشان الفاظ ناظرین کے سامنے ہیں۔اس تقیہ درتقیہ عبارت سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بہائی لوگ بہاءاللہ کوقطعی خدا مانتے ہیں۔علمی صاحب سے کوئی پوچھے کہ''بہاءاللہ کاظہور ایک مستقل ظہور تھا''۔ان الفاظ سے آپ کی کیا مراد ہے؟۔جب آپ نے مان لیا کہ خدا تعالیٰ ہی ایک لامحدود ہستی ہے وہ مرزاحسین علی کا انسانی چولہ دھارن کر کے مستقل طور پر ظاہر ہوا تھا تو اب بہاءاللہ کومستقل خدا ماننے میں کیا شبہ ہے؟۔خود بہاءاللہ نے کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ:۔''تحقیق میں خدا ہوں میرے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ میں ہر چیز کا رب ہوں۔اور جو کچھ میرے سوا ہے وہ میری مخلوق ہے''۔نیز کہا:۔میں حکم دیتا ہوں کہ اے میری مخلوق صرف میری ہی عبادت کرو''۔پھرعلی محمد باب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔''اورنہیں جانتے کہ آنحضرت(یعنی علی محمد باب) عرش یفعل مایشاء پرجلوہ نما اورکرسی یحکم مایرید پر جالس ہیں۔کوئی عقل آپ کے ظہور کونہیں سمجھ سکتی۔اورکوئی علم آپ کی کمیت کونہیں جان سکتا۔کل اقوال آپ کی تصدیق پرموقوف اورکل امورآپ کے امر کے محتاج ہیں۔آپ کے سواسب آپ کے حکم سے پیدا ہوئے اور آپ کے حکم سے موجود ہیں''۔(ایقان ص 281) ناظرین! اپنی پاک انسانی فطرت کی روشنی میں فرمائیں کہ کیا اتنا بڑا مشرک انسان دنیا کی تاریخ میں پہلے بھی گزرا ہے؟۔ ❁❁❁

سیرۃ النبی کی ضیاء پاشیاں

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس والدین

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ اور تقویٰ شعار والدین کا مختصر تذکرہ۔

تاریخ انبیاء خدا تعالیٰ کی ازلی سنت پر شاہد ہے کہ وہ ان لوگوں کو منصب نبوت عطا کرتا ہے جو راستباز ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ مشرک نہ تھے'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 23)

آپ فرماتے ہیں۔''خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور سنت یہی ہے کہ وہ صرف اُن لوگوں کو منصب دعوت یعنی نبوت وغیرہ پر مامور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں اور ذاتی طور پر بھی چال چلن اچھے رکھتے ہوں کیونکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تا کہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔یہی وجہ ہے جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں۔اِسی حکمت اور مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نسبت ان دونوں خوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ (التوبۃ 128) یعنی تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو خاندان اور قبیلہ اور قوم کے لحاظ سے تمام دنیا سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ پاک اور بزرگ خاندان رکھتا ہے۔اور ایک اور جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (الشعراء 218 تا 220) یعنی خدا پر توکل کر جو غالب اور رحم کرنے والا ہے۔وہی خدا جو تجھے دیکھتا ہے جب تو دعا اور دعوت کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔وہی خدا جو تجھے اس وقت دیکھتا تھا کہ جب تو تخم کے طور پر راستبازوں کی پشتوں میں چلا آتا تھا یہاں تک کہ اپنی بزرگ والدہ آمنہ معصومہ کے پیٹ میں پڑا اور ان کے سوا اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں ہمارے بزرگ اور مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علو خاندان اور شرافتِ قوم اور بزرگ قبیلہ کا ذکر ہے۔'' (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 281.280) ملک عرب قبائل کی سرزمین جہاں کسی بھی شخصیت کی پہچان اس کے قبیلے سے ہوا کرتی تھی۔قبیلہ معزز ہوتا تو وہ باعث عزوشرف سمجھا جاتا انہیں قبائل میں سے

ایک قبیلہ قریش بھی تھا۔اس میں خاندان بنو ہاشم مکہ کی سرزمین میں ہونے والے عظیم حج کے اجتماع میں مہمانوں کی میزبانی کا فریضہ سرانجام دینے کے علاوہ نیکی صداقت حلال کمائی ،حیا، جود وسخا ،علم تدبر، فراست ،بصیرت ،کاعلمبردار سمجھا جاتا تھا۔یہی وہ خاندان تھا جوخوب سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری خوبصورتی اوروجاہت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔یہ خاندان ان تمام خوبیوں کا جامع کیوں نہ ہوتا۔

حسن یوسف، دم عیسی، ید بیضا داری
آں چہ خوباں، ہمہ دارند، تو تنہا داری

کا مصداق وجود پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ

ان کا اصل نام عامر تھا لیکن اپنے چچا کے غیر معمولی تعلق کی وجہ سے لوگوں نے آغاز ہی سے آپ کا نام عبدالمطلب رکھ دیا تھا۔آپ اس کے علاوہ ''شیبۃ الحمد'' بھی کہلاتے تھے۔یعنی ایسا سفید بالوں والا جوقابل تعریف ہو۔آپ کے چاچا مطلب بن مناف آپ کو مدینہ میں اپنے ہمراہ لائے تھے جب کہ آپ لڑکپن کی عمر سے گزررہے تھے۔

کمی اولاد کے طعنے ۔عرب میں کنبوں کا شرف بیٹوں کی کثرت کی وجہ سے ہوتا تھا ۔ حضرت عبدالمطلب کا صرف ایک بیٹا تھا ،جس کا نام حارث تھا۔لوگوں باتوں باتوں میں آپ کو کمی اولاد کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے دعا کی ''اے اللہ میرا قبیلہ مجھے اولاد کی کمی کا طعنہ دیتا ہے اگر تو مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ عنفوان شباب کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک بیٹا میں تیرے لئے قربان کردوں گا'' اس دعا کے نتیجہ میں اللہ نے آپ کو مزید 9 بیٹے عطا فرمائے (البدایہ النہایہ)

خدا کے کئے ہوئے وعدہ کا ایفاء ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ آپ کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے جو جوانی کی عمر کو پہنچ گئے۔آپ نے اپنی نذر پوری کرنے کے لئے اپنے تمام بیٹوں حارث، زبیر، ابوطالب، عبداللہ، حمزہ، ابولہب، ضرار، عباس، الغیداق، المقوم کو اکٹھا کیا اور اپنی نذر کا ذکر کیا۔آفرین ہے ان فرزندوں پر جنھوں نے یک زبان ہوکر کہا'' اے ہمارے باپ! ہم حاضر ہیں آپ جس طرح چاہیں ہم حاضر ہیں''۔حضرت عبدالمطلب نے فرمایا سب ایک ایک تیر لے کر ان پر اپنے اسماء لکھیں۔تاکہ قرعہ ڈالا جائے۔آپ دس تیر

لے کے آئے جن پر علیحدہ علیحدہ نام لکھے ہوئے تھے۔ بیٹوں کے ہمراہ خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ قرعہ ڈالا گیا اور خدا کی تقدیر دیکھیں قرعہ آپ کے فرزند اصغر عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت مطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، دوسرے ہاتھ میں چھری لی اور خانہ کعبہ میں جہاں لوگ قربانیاں کیا کرتے تھے ذبح کرنے کے لئے چل پڑے۔ سردار قریش اور آپ کی بہنوں نے آہ فغاں شروع کردی۔ عبداللہ کے ماموں عبداللہ بن مخزوم نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور کہا اس قربانی کے بدلے آپ فدیہ دے دیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اس پر اتفاق کیا۔ علامہ ابن کثیر نے البدایہ النہایہ میں لکھا ہے کہ اس فدیہ کی رقم دس اونٹ تجویز کی گئی۔ قرعہ ڈالا جائے گا اگر قرعہ اونٹوں پر نکلا تو دس اونٹ قربان کردئے جائیں گے اور عبداللہ کے نام نکلا تو دوبارہ قرعہ ڈالا جائے گا۔ اس طرح ہوتا رہا۔ اونٹوں کی مقدار میں اضافہ ہوتا رہے گا جب تک کہ قرعہ عبداللہ کے نام نہ نکل آئے۔

ابن ہشام نے السیرۃ النبویۃ میں لکھا ہے کہ قرعہ ڈالنے کا آغاز ہوا۔ دس اونٹوں کے بالمقابل عبداللہ تھے۔ اور قرعہ عبداللہ پر نکلا۔ چنانچہ فیصلہ کے مطابق دس اونٹ بڑھا دئے گئے مگر دوسری دفعہ بھی قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ حتیٰ کے اونٹوں کی تعداد اس سے بڑھتی ہوئی دسویں بار سو تک پہنچ گئی۔ اب جب کہ قرعہ ڈالا گیا تو وہ بجائے عبداللہ کے اونٹوں کے نکالا جس سے قریش کے سارے افراد نہایت خوش ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے رب کی رضا معلوم کرنے کے لئے تین بار سو اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ ڈالا تینوں دفعہ قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ جس سے آپ مطمئن ہو گئے اور سو اونٹ ذبح کئے۔ کئی دن ان کا گوشت انسان تو انسان حیوانوں نے بھی کھایا۔

دیت کی مثال

عرب کی اس عظیم شہر مکہ کی تاریخ میں سب سے پہلے حضرت عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے دیت کے طور پر اونٹ ذبح کرنے کا آغاز کیا جس کو بعد میں عبداللہ کے عظیم فرزند رسول پاک ﷺ نے قیامت تک کے لئے جاری کردیا۔ (الخصائص الکبری امام جلال الدین سیوطی)

حضرت عبداللہ۔ آپ کی ولادت 545ء کو ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمر بن عائذ تھا آپ کے ساتھ آپ کی بہن (ام لاحکیم البیضا) جڑواں پیدا ہوئی۔

حضرت عبداللہ کی شخصیت

آپ نہایت حسین وجمیل تھے۔آپ کی خوبصورتی کا عرب کے کونے کونے میں چرچا تھا۔ سعادت مندی انتہاء کی تھی۔نہایت سیر چشم اور سخی تھی۔اخلاق میں ایک معتبر شہادت رکھتے تھے۔دل کے رحیم تھے آپ کی نیک شہرت آپ کا طرہ امتیاز تھی۔

چند اور خوصوصیات

آپ فطری طور پر سعادت مند تھے۔دین ابراہیم پر قائم تھے۔اطاعت کی زندہ تصویر اور فرشتہ صفت انسان تھے۔مکہ کی کئی عورتیں آپ سے شادی کرنے کے لئے بے قرار تھیں۔آپ طہارت ظاہری وباطنی سے مرصع تھے۔اپنے بھائی بہنوں کے چہیتے ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بھی اُن پر جان نچھاور کرتے تھے۔نور نبوت کے امین اور بہترین تاجر تھے۔

آپ کی وفات اور کل اثاثہ

آپ کی وفات 570ء میں ہوئی۔مختلف روایات سے استنباط کیا جائے تو آپ کی عمر 25 سال کے قریب بنتی ہے۔آپ عین جوانی میں خشک کھجوروں کی تجارت کی غرض سے یثرب گئے۔جہاں آپ پر بیماری نے شدید حملہ کیا۔جس کے نتیجہ میں اپنے ننہال میں وفات ہوئی اور وہیں پر دفن ہوئے۔آپ کی وفات پر حضرت آمنہ نے اپنے غم کا اظہار اس طرح کیا(اشعار کا ترجمہ)رات جب اس کا تابوت دوستوں اور غمگساروں سے اٹھایا تو اتنا ہجوم تھا کہ ہر کوئی کاندھا دینے کے لئے دوڑ رہا تھا کہ کہیں وہ اس سے محروم نہ ہوجائے۔(طبقات الکبریٰ شرح مواہب الدنیہ القسطلانی) آپ نے ورثہ میں 5۔اونٹ ایک چھوٹا بھیڑ بکریوں پر مشتمل ریوڑ کپڑے کے کاروبار کی دوکان کھجور اور چمڑے کا ذخیرہ دوغلام اور ایک لونڈی ایمن چھوڑی۔

حضرت آمنہ کا حسب ونسب

حضرت آمنہ کا تعلق قبیلہ بنوزہرہ سے تھا۔آپ چوتھی پشت میں کلاب سے جاملتی ہیں۔ اور اسی کلاب سے عبداللہ پانچویں پشت میں ملتے ہیں۔گویا اس نیک صورت اور نیک سیرت جوڑے کی اصل ایک ہی تھی۔آپ کا پورا نام آمنہ بنت وہب بن عبد مناف زہرہ بن کلاب ہے(الروض الانف امام سہیلی)

پیدائش

آپ کی پیدائش 551ء میں ہوئی آپ کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالعزی تھا جن کا نسب پانچویں پست میں قصی سے جا ملتا تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد تھے۔

رشتہ ازدواج۔

حضرت عبد اللہ اور حضرت آمنہ کے قبائل میں شروع سے ہی باہم ہمدردی کے تعلقات تھے۔دونوں اطراف سے بچے آپس میں گھلتے ملتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شریک ہوتے باہم مشورے ہوتے۔تجارتی تعلقات پر باتیں ہوتیں۔ان تمام وجوہات کی بناء پر دونوں خاندان بخوبی ایک دوسرے سے آشنا تھے۔آپ کے والد عبدالمطلب کی طرف سے رشتہ کی پیشکش کی گئی۔ جو بلا تامل قبول کر لی گئی۔(سیرت بیت النبویہ مصنفہ عائشہ بنت الشاطی) شادی کے وقت آپ کی عمر بیس برس تھی۔ ہر چند کے حضرت عبداللہ کی طرف سے رشتہ کی پیش کش کی گئی تھی۔مگر تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا ہوا تھا۔شادی کے بعد تین دن سسرال میں رہ کر اپنے مکان ''رفق المولد'' میں آ گئے۔مگر یہ رفاقت صرف 7 ماہ ہی رہی مگر وہ اپنی ایک نشانی آپ کے پاس چھوڑ گئے۔

حضرت آمنہ کے تین کشف۔

خصائص الکبریٰ میں لکھا ہے کہ حضرت آمنہ نے فرمایا مجھے کشف میں دکھایا گیا۔ایک فرشتہ آیا اور مجھے کہنے لگا تمہیں معلوم ہو کہ تو حاملہ ہے؟ میں نے جواب دیا مجھے علم نہیں۔اس نے مجھے بتایا تو ایسے بچے کی حاملہ ہو جو سردار اور نبی ہوگا۔ یہ سوموار کا دن تھا۔قریب ولادت بھی وہی فرشہ آیا اور کہا یہ دعا کرتے رہو'' میں اللہ سے جو واحد اور معبود ہے اس بچے کے لئے پناہ چاہتی ہوں کہ وہ اسے ہر حاسد کے شر سے محفوظ رکھے۔'' پھر جب آپ کو دردِ زہ ہوا تو عین اس وقت کشف ہوا۔آپ فرماتی ہیں۔'' میں اکیلی اپنے مکان میں تھی کہ میں نے ایک خوفناک دھماکے کی آواز سنی جب کہ عبدالمطلب کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ یہ آواز ایسی تھی گویا دیوار گر گئی ہو۔ میں ڈر گئی۔ میں نے دیکھا سفید رنگ کا ایک پرندہ اُترا اور اُس نے اپنے بازو سے میرے دل کی جگہ کو چھوا۔ چنانچہ میرا خوف دُور ہو گیا اور دردِ زہ بھی جاتا رہا۔ پھر ایک برتن میں سفید رنگ کا مشروب دیکھا۔ میں نے اس کو پی لیا پھر میں نے ایک نور کو اپنے قریب آتے دیکھا جو بہت اُونچا تھا اور میں نے عورتیں دیکھیں جو دراز قد ہیں یہ میرے ارد گرد ہیں اور میں حیران ہوں کہ یہ میرے حال سے کیسے واقفیت رکھتی ہیں'' خصائص الکبریٰ میں حضرت آمنہ کے تیسرے کشف کا احوال

آپ ہی کے الفاظ میں سنئے۔فرماتی ہیں۔''جس وقت مجھے حمل ہوا تو آواز آئی کہ تم ایسے وجود کی امانت دار ہو جو قوم کا سردار ہوگا۔جس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی پیدائش کے وقت ایسا نور نکلے گا جس سے بصرہ کے محل روشن ہو جائیں گے۔جس وقت یہ بچہ پیدا ہو اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھنا۔''اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں اپنی ماں کا وہ رؤیا ہوں کو انہوں نے ظاہری آنکھ سے دیکھا کہ ان کی جسم سے ایک نور نکلا ہے جس میں انہیں شام کے محلّات نظر آئے اور انبیاء کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے۔''

عظیم ماں کی دعا۔

عرب کے دستور کے مطابق جب دودھ پلوانے کیلئے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا گیا تو آپ نے ان الفاظ میں دعا کی اور اپنے بچے کو رخصت کیا۔''میں اپنے بچے کو رب ذوالجلال کے سپرد کرتی ہوں اور اس شر سے جو پہاڑوں میں پلتا ہے یہاں تک میں اسے اونٹ پر سوار دیکھوں وہ غلاموں اور بیکس لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے والا ہے''(الطبقات الکبریٰ)

حضرت آمنہ کی وفات۔

آپ ہر سال اپنے شوہر کی قبر پر زیارت اور دعا کی غرض سے جایا کرتی تھیں۔آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال اور چند ماہ ہوئی تو آخری بار ایک قافلہ کے ہمراہ یثرب روانہ ہوگئیں۔آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ خادمہ اُم ایمن بھی تھیں۔آپ نے وہاں پر ایک ماہ قیام کیا اور واپسی پر مکہ اور مدینہ کے وسط میں اچانک بیمار ہوگئیں۔آپ کو کمزوری اور دردِ سر کے ساتھ بخار نے آلیا۔آپ چند روز بیمار رہ کر 25 سال کی عمر میں اپنے چند سالہ بچے سے جدا ہو کر 576ء کو اپنے خالق سے ملیں۔آپ کو''ابوا''کے مقام پر دفن کیا گیا۔جو دور ہی سے پہاڑ کی چوٹی سے نظر آجاتا ہے۔مزید اوصاف۔مزید اوصاف میں آپ کی قناعت اور منکسر المزاجی شامل ہے۔آپ شرک سے بیزار اور توحید سے چمٹی ہوئی تھیں۔اپنے شوہر کی مطیع اور فرمانبردار ہونے کے ساتھ ساتھ زیرک اور موقع شناس تھیں۔چنانچہ آپ کی شادی کے تھوڑے عرصے بعد آ کے خاوند کو تجارت کی غرض سے کہیں جانا پڑ گیا تو مزاحمت نہ کی۔(الروض الانف امام سہلی)



تاجدارِ نبوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بھیج درود اُس محسن پر دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰ سب نبیوں کا سردار

سبق نمبر1۔ آپ کا نام محمد تھا۔جس کے معنی تعریف کیا گیا کے ہیں۔آپ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔آپ 570 عیسوی میں پیدا ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر درود بھیجا اور سلامتی بھیجی۔ یہ الفاظ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ باقی انبیاء کے ناموں کے ساتھ ''علیہ السلام'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلامتی نازل کی۔ صحابہؓ کے ناموں کے ساتھ '' رضی اللہ عنھم '' یعنی اللہ اُن سے راضی ہوا کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جو خلفاء صحابی نہ ہوں اُن کی وفات کے بعد ان کے ناموں کے ساتھ'' رحمہ اللہ تعالیٰ'' یعنی اللہ نے اُن پر رحم فرمایا، استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی زندگیوں میں '' ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز '' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔جس کے معنی ہیں کہ اللہ اُن کی تائید ونصرت فرمائے۔

سبق نمبر2۔آپ کی آمد سے پہلے عربوں کی حالت

اُس وقت عرب قوم بہت زیادہ جہالت اور گناہوں میں مبتلاء تھی۔ جیسے شرک بُت پرستی، شراب نوشی، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا، یا گلا گھونٹ کر مار دینا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت لمبی لمبی خوں ریز جنگیں، غلاموں اور لونڈیوں کا رواج، عرب قوم میں کچھ خوبیاں بھی تھیں۔ وہ لوگ مہمان نواز تھے۔ بہت بہادر تھے۔ان کا پیشہ تجارت تھا۔

سبق نمبر3۔(حالات زندگی (نبوت سے پہلے)

آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے والد صاحب وفات پا چکے تھے۔6 سال کی عمر میں والدہ بھی وفات پا گئیں۔ چونکہ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے والد صاحب وفات پا چکے تھے پھر آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی پرورش کا ذمہ لیا۔آپ بچپن سے کھیل تماشوں سے نفرت کرتے تھے بلکہ آپ کو سوچنے اور فکر کرنے کی عادت تھی۔ جوانی میں قدم رکھتے آپ صادق اور امین یعنی سچ بولنے والے اور امانت دار مشہور ہو چکے تھے۔ جب آپ کی عمر 25 سال ہوئی تو آپ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہوئی۔

اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر 40 سال تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب 30 برس کی عمر کو پہنچے تو آپ کی طبیعت عبادت الٰہی کی طرف زیادہ راغب ہونے لگی۔ چنانچہ آپ چند روز کا راشن ساتھ لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور سب سے الگ ہو کر اپنے خدا کو یاد فرماتے۔

سبق نمبر 4۔نبوت کی ذمہ داری

جب آپ کی عمر مبارک 40 برس کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت عطا فرمایا۔ جب آپ پر پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی تو آپ بہت گھبرائے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک فرماتے ہیں۔ مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ سارے اعلیٰ اخلاق پر عمل کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ آپ کو کبھی ضائع نہیں فرمائے گا۔

سبق نمبر 5۔اسلام کی ابتداء

آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ پھر آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ آپ پر ایمان لائے۔ حضرت ابوبکرؓ جو شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ کو علم ہوا تو فوراً آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ایمان لے آئے۔ یہ تھی مومنوں کی چھوٹی سے جماعت جو شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئی۔

سبق نمبر 6۔مخالفتوں کا آغاز

جب بھی کوئی نبی خدا تعالیٰ سے خبر پا کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو ایمان لانے والے بہت کم ہوتے ہیں لیکن مخالفت کرنے والے بہت زیادہ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو بہت زیادہ تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ حضرت بلالؓ کو گرم ریت پر لٹایا جاتا اور آپ پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تا کہ آپ ہل نہ سکیں۔ جب آپ کو اسلام سے انکار کرنے کو کہا جاتا تو آپ جواب میں احد احد کا نعرہ لگاتے یعنی اللہ ایک ہے۔ اس پر آپ کو مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ حضرت خباب لوہار تھے۔ آپ کو بھٹی کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا جاتا۔ یہاں تک کہ کوئلے آپ کے بدن کے نکلنے والے خون سے ٹھنڈے ہو جاتے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاک پھینکی جاتی۔ آپ پر پتھر برسائے جاتے آپ کو قتل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ایک دفعہ آپ کے گلے میں پٹہ ڈال کر اتنے زور سے کھینچا کہ آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ وہاں پہنچ گئے اور آپ کو چھڑایا۔ مسلمانوں کا مقاطعہ بھی کیا گیا۔ سارے مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور رہنا پڑا۔ وہاں آپ نے تین سال انتہائی تکلیف میں گذارے۔

سبق نمبر 7۔ہجرت

مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کی اجازت سے حضرت نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔ کفار کو جب آپ کے روانہ ہونے کی خبر ملی تو آپ کا تعاقب کیا۔ آپ نے غارِ ثور میں پناہ لے رکھی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ساتھ تھے۔ کفار کھوج لگاتے لگاتے غارِ ثور تک پہنچ گئے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیا اور وہ غار کے اندر جھانکے بغیر واپس چلے گئے۔ جب مکہ والے آپ کی تلاش میں ناکام رہے تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی انہیں زندہ یا مردہ واپس لائے گا اسے 100 اونٹنی انعام دی جائے گی۔ چنانچہ سُراقہ بن مالک نے تلاش کرتے کرتے آپ کو پا لیا۔ جب اس کا گھوڑا آپ کے قریب پہنچا تو گھوڑے نے بہت زور سے ٹھوکر کھائی۔ سُراقہ نیچے گر گیا اس نے اپنے تیر نکال کر فال لیا جو کہ اس کے خلاف نکلی لیکن انعام کی لالچ میں اس نے دوبارہ گھوڑا دوڑانے کی کوشش کی لیکن گھوڑے کو دوبارہ ٹھوکر لگی اور اس کے پاؤں ریت میں دھنس گئے۔ سُراقہ نے پھر فال نکالی۔ فال پھر بھی اس کے خلاف نکلی۔ گویا خدا نے خود ہی آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت کا سامان کیا۔ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے خود ہی سُراقہ سے یہ کہا کہ سُراقہ تمہارا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔ چنانچہ یہ عظیم الشان پیشگوئی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ بہرحال آنحضرت ﷺ بخیریت مدینہ پہنچ گئے اور مدینہ کے مسلمانوں نے آپ کا عظیم الشان استقبال کیا۔ ہجرت کے اس واقعہ سے ہی سن ہجری کا آغاز ہوا۔

سبق نمبر 8۔غزوہ بدر

ہجرت کے صرف 13 ماہ بعد کفار کے 1000 سے زائد مسلح افراد بے سروسامان 313 مسلمانوں کا بدر کے مقام میں آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ کفار کے بہت سارے سردار جن میں ابوجہل بھی شامل تھا ہلاک ہوئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے اپنے سے تین گنا تعداد والے لشکر کو شکست دی۔ جس کی خبر آنحضرت ﷺ پہلے ہی مسلمانوں کو دے چکے تھے۔ اسی جنگ کے موقعہ پر انصار مدینہ نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے ’’ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے۔ آپ کے پیچھے بھی لڑیں گے۔ آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے۔‘‘ یاد رہے کہ غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے شرکت فرمائی ہو۔

سبق نمبر9۔غزوہ اُحد

کفار کے لشکر نے بدر کے میدان میں شکست کھانے کے بعد یہ اعلان کیا تھا کہ اگلے سال دوبارہ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ اگلے سال ابوسفیان کی قیادت میں 3000 سپاہیوں کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ جب کہ مسلمانوں کی تعداد 700 تھی۔ ان میں 50 سپاہی ایک درّہ کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے اور انہیں تاکید کی گئی کہ خواہ کچھ بھی حالات ہوں اس درّہ کو نہیں چھوڑنا۔ باقی 650 صحابہ کا لشکر بے سروسامانی کی حالت میں تقریباً 5 گنا لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آیا اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ درّہ پر موجود 50 صحابیوں میں سے اکثر سے درّہ کو چھوڑ دیا۔ سمجھا کہ اب لڑائی ختم ہوگئی ہے اور دشمن بھاگ چکا ہے۔ کفار نے درہ کو خالی پا کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی زخمی ہوئے۔ اور بہت سارے مسلمان شہید ہوئے۔

سبق نمبر10۔غزوہ خندق

ہجرت کے پانچویں سال تقریباً 20000 ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آوار ہوا اس جنگ میں کفار کے بہت سارے گروہ اور قبیلے اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اس لئے اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ مدینہ کے ایک طرف بہت بڑے بڑے ٹیلے تھے۔ ایک طرف باہم جڑے ہوئے مکانات تھے اور ایک طرف باغات وغیرہ تھے ایک طرف کھلا میدان تھا۔ اسی میدان کی طرف سے حملہ کا زیادہ خطرہ تھا۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرف خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمانوں نے دن رات مشقت اور تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے دشمن کے پہنچنے سے پہلے خندق کھود لی۔ جسے پار کر کے حملہ کرنا کفار کے لئے بہت مشکل تھا۔ دشمن کئی روز تک کھلے میدان میں لشکر کے ساتھ قیام پذیر رہا۔ ایک روز خدا تعالیٰ کی تقدیر سے زوردار آندھی چلی۔ جس سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ جو آگ انہوں نے روشن کر رکھی تھی ہوا کے زور سے بجھ گئ اور وہ سب کے سب ناکام ہو کر واپس لوٹ گئے اور ان کے دلوں پر رعب بیٹھ گیا کہ مسلمانوں کو بچانے والا ان کا خدا ہے۔

سبق نمبر11۔فتح مکہ

غزوہ خندق کے بعد اسلام نے تیزی سے ترقی شروع کر دی۔ مدینہ کے ارد گرد کے قبائل کی اکثریت مسلمان ہوگئی۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب قائم فرما دیا۔ چنانچہ 8 ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ سے باہر لشکر قیام پذیر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم

سے ہر خیمے کے باہر آگ روشن کی گئی۔جس سے مسلمانوں کے لشکر کا رُعب اور بھی بڑھ گیا۔کفار کی بھی آنکھیں کھلی کہ وہ مسلمان جنہیں اذیتیں دے کر ہجرت کے لئے مجبور کیا گیا۔آج ان کی تعداد میں ہزاروں گنا اضافہ ہو چکا ہے۔انہیں احساس ہوا کہ یقینا مسلمانوں کے عقائد ہم سے بہتر ہیں۔ان کا خدا ہمارے بتوں کے مقابل پر ان کی مدد کرنے پر زیادہ قادر ہے۔کفار کا سردار ابوسفیان جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں امن کی درخواست لے کر پہنچا۔اُس نے مسلمانوں کو با جماعت نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو اطاعت اور تنظیم کے اس مظاہرے نے اس کے دل پر بہت اثر کیا۔آنحضرت ﷺ نے ابو سفیان سے فرمایا اے ابوسفیان کیا ابھی بھی یہ حقیقت تم پر روشن نہیں ہوئی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ابو سفیان کے وفد میں دو اور ساتھی بھی تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور پھر ابوسفیان بھی مسلمان ہو گیا۔کفار کے سردار کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی درخواست پر سارے مکہ والوں کو امن کی ضمانت دی گئی۔چنانچہ دنیا کی اس عظیم الشان فتح پر کوئی خوں ریزی نہ کی گئی۔آنحضرت ﷺ نے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یعنی آج تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔) کا اعلان فرما کر اپنے سخت ترین دشمنوں کو معاف فرما دیا۔کسی سے انتقام نہ لیا۔اور دنیا کے سامنے ایسی مثال قائم فرمائی جس کی نظیر پیش کرنا ناممکن ہے۔

سبق نمبر 12 حجۃ الوداع۔آپ کی وفات اور خلافت کا قیام

سن 9 ہجری کو آپ نے آخری حج فرمایا۔اور حج کے موقعہ پر ایک تاریخی خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔آپ نے فرمایا کہ تمام دنیا کے انسان برابر ہیں۔گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر کوئی فضیلت نہیں۔بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔آپ نے عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی پھر آپ نے فرمایا کہ کسی انسان کی جان لینا یا مال پر قبضہ کرنا حرام ہے۔آپ نے فرمایا کہ یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔آپ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی نصیحت فرمائی اور پھر یہ بھی فرمایا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس لئے ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔
اس حج سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ چند روز بیمار رہنے کے بعد وفات پا گئے۔اس وقت آپ کی عمر مبارک 63 سال تھی آخری نصیحت جو آپ نے فرمائی وہ خدائے واحد کے متعلق تھی۔آخری عبادت جس کے لئے آپ نے کوشش فرمائی وہ نماز کے قیام کی تھی۔اور آخری الفاظ جو آپ کی زبان مبارک سے دہرائے گئے وہ یہ تھے " الی الرفیق اعلیٰ" یعنی اپنے اعلیٰ دوست کی طرف جا رہا ہوں۔آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا۔ ۞۞۞

شمائل حضرت محمد ﷺ

اہل دنیا کو نہ جانے کیا اچھا لگا
اہل دل کو بس محمد مصطفیٰ اچھا لگا



ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت ﷺ کا وجود باجود ایسا شجرہ طیبہ ہے جس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔اور جڑیں فطرت انسانی کی پاتال میں پیوست ہیں۔ایک ایسا سدابہار درخت ہے۔جو ہر موسم ہر زمانہ میں اپنے رب کے اذن سے پھل دیتا ہے۔آپ کی سیرت ایسا شجر مبارکہ ہے کہ جو شرقی ہے نہ غربی بلکہ کل عالم اس کے فیض سے معطر ہوتا ہے۔ایک ایسی بارش ہے کہ جو ہر خشکی اور تری پر اُترتی اور نہال ہوتی ہے۔ایک ایسا نور ہے جو ہر تاریکی کو اُجالے میں بدل دیتا ہے۔ایک فرقان ہے جو حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے۔الغرض ایک ایسا لال بے بہا ہے جس کے اوصاف لکھنے کے لئے سات سمندر سیاہی اور تمام درخت قلمیں بن جائیں تب بھی اس کا حق ادا نہیں ہوتا فطرت انسانی میں کتنا تنوع ہے۔اس کی ضرورتیں ان گنت اور مسائل بے شمار ہیں۔ملک ملک ،قوم قوم قبیلہ قبیلہ، ،فرد فرد ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو ذاتی اوراجتماعی اور پھر بین الاقوامی تعلقات کے حوالہ سے کامل رہبر کا متلاشی ہے۔اور حضرت محمد ﷺ کی ہستی وہ کامل ہستی ہے جو کسی کو مایوس نہیں کرتی۔ ہر ضرورت مند کا ہاتھ پکڑتی اور اسے روشنی دکھاتی ہے۔زمین سے زمین اور پھر آسمان تک راستوں کے مسافر کو ہر قدم پر زادراہ مہیا کرتی ہے مبارک وہ جو اس چاند سورج کو اپنے سینے میں اتار لے۔اور دل میں بسا لے۔حضرت محمد ﷺ کی پاک سیرت کا چمن ہزاروں شاخوں اور لاکھوں پھولوں سے سجا ہوا ہے۔یہ دلکش مناظر ان پاک وجودوں نے بیان کئے ہیں۔جنہوں نے اس صاحبِ جلال و جمال کو اپنی ظاہری و باطنی آنکھوں سے دیکھا۔جنہوں نے اس چشمہ رواں سے جام بھر بھر پیئے۔اور اس حسن و احسان کی تابناکی سے خود بھی روشن ہو کر ستارے بن

گئے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نوروں کا مجموعہ ہے۔جس سے رنگا رنگ کی شعائیں پھوٹتی ہیں اور سیرت کے ہر واقعہ سے متعدد اخلاق کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس رحمت عالم کی سچی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔جس کی پیروی سے خدا تعالیٰ ملتا ہے۔اور ظلماتی پردے اٹھتے ہیں اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

سیرت نبوی کا جامع نقشہ

حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی سنت کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:''معرفت میرا سرمایہ ہے۔اور عقل میرے دین کی بنیاد اور محبت میری اساس اور شوق میری سواری اور ذکر الٰہی میرا مونس، وثوق میرا خزانہ،غم میرا رفیق،علم میرا ہتھیار،صبر میری چادر، رضا میری غنیمت، عاجزی میرا فخر، زہد میرا پیشہ،صدق میرا شفیع،اطاعت الٰہی میرا حسب، جہاد میرا خلق،اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ذکر الٰہی میرے دل کا پھل ہے اور میرا غم میری امت کے لئے اور میرا شوق اپنے رب عز وجل کی طرف ہے۔(الشفاء عیاض بن موسیٰ صفحہ 81)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خراج عقیدت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاقی اعجاز۔''اخلاقی حالت ایک ایسی کرامت ہے کہ جس پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا۔اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے بڑا اور قوی اعجاز اخلاق کا ہی دیا گیا جیسے فرمایا۔انک لعلیٰ خُلقٍ عظیم۔یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قسم کے خوارق قوت ثبوت میں جملہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے بجائے خود بڑھے ہوئے ہیں مگر آپ کے اخلاق اعجاز کا نمبر ان سب سے اوّل ہے۔جس کی نظیر دنیا کی تاریخ نہیں بتلاسکتی اور نہ پیش کرسکتی ہے۔(ملفوظات جلد اول ص 89)

اخلاق الٰہیہ کا کامل نمونہ

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک عظیم الشان زندگی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اخلاق فاضلہ کے اور کیا بلحاظ اپنی قوت قدسی اور عقد ہمت اور کیا بلحاظ اپنی تعلیم کی خوبی اور تکمیل اور کیا بلحاظ اپنے کامل نمونہ اور دعاؤں کی قبولیت کے۔غرض ہر طرح اور ہر پہلو میں چمکتے ہوئے شواہد اور آیات اپنے ساتھ رکھتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ایک غبی سے غبی انسان بھی بشرطیکہ اس کے دل میں بے جا غصہ اور عداوت نہ ہو صاف طور پر مان لیتا ہے کہ آپ تخلّقوا باخلاقِ اللہ کا کامل نمونہ اور کامل انسان ہیں''۔(الحکم 10 اپریل 1902)

اے پاک اخلاق والے

ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ جو خدائے مھیمن کا نور اور تاریکیوں کو دور کرنے والے ہیں۔ اے پاک اخلاق اور پاک ناموں والے کیا آپ ہمیں اپنی نعمتوں سے محروم رکھیں گے۔ (انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد 11 ص 268۔280) حسن مجسم اور ظاہری حسن کا بے مثال نمونہ۔ حضرت حسن بن علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ پوچھا کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کرنے میں بہت ماہر تھے اور میں چاہتا تھا کہ وہ میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسی باتیں بیان کریں جنہیں میں پلے باندھ لوں۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مجھ سے کچھ یوں بیان فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سینہ میں ایسی کشش تھی اور ایسا حسن تھا کہ جو دیکھنے والوں کو مرعوب کر لیتا تھا۔ آپؐ کا چہرہ مبارک بھرا ہوا تھا۔ شرافت اور عظمت کے آثار اس پر نمایاں تھے۔ اور رعب و وجاہت اس سے ٹپکی پڑتی تھی۔ وہ چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور حسن اس میں موجیں مارتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ آپ نہ تو کوتاہ قد تھے اور نہ حد سے زیادہ لمبی بلکہ آپ کا قد بہت مناسب اور درمیانہ تھا۔ سر بڑا تھا اور بال گھنے تھے۔ جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے لیکن اس سے نیچے نہیں گرتے تھے۔ ان میں قدرتی طور پر ایسا سنوار پایا جاتا تھا کہ وہ کبھی بھی بکھرتے یا پراگندے نہیں ہوتے تھے اور انہیں کنگھی کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ بعض اوقات آپؐ کے بالوں میں خود بخود مانگ پڑ جاتی تھی۔ جو نمایاں ہوتی تھی۔ ورنہ حضورؐ خود عام طور پر مانگ نہیں نکالتے تھے۔ آپ کا رنگ سفید اور کھلتا ہوا تھا۔ پیشانی کشادہ تھی۔ اَبرو باریک لیکن بھرے ہوئے لمبے ہلالی تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان فاصلہ تھا۔ غصہ کی حالت میں اَبروؤں کے اس درمیانی فاصلہ میں ماتھے پر ایک رگ ابھر کر نمایاں ہو جاتی تھی۔ ناک پتلی اور کھڑی ہوئی تھی۔ جو سرسری نظر دیکھنے والوں کو اصل سے زیادہ اُٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس پر نور چھلکتا تھا۔ داڑھی گھنی تھی۔ رخسار نرم اور ملائم تھے۔ دہانہ کشادہ تھا۔ دانت خوب چمکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔ بلکہ ان میں ایک قدرتی فاصلہ تھا۔ جو بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اور آپ کی لمبی گردن بس اُس کا حسن نہ پوچھو اُسے تو خدا نے اپنے ہاتھ سے گھڑا تھا اور وہ چاند کی طرح چمکتی تھی۔ جسم کی عمومی

بناوٹ بہت موزوں تھی۔ وہ بھرا بھرا لیکن بہت متناسب تھا۔ پیٹ کمر کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اور سینہ پیٹ کے ساتھ ہموار تھا۔ آپ کا سینہ چوڑا اور فراخ تھا۔ آپؐ کے جوڑ امضبوط بھرے ہوئے اور نمایاں تھے۔ جلد چمکتی ہوئی نرم اور ملائم تھی چھاتی اور پیٹ پر بال نہیں تھے۔ ہاں بالوں کی ایک باریک دھاری سینے کے نیچے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ سینہ کے اوپر کے حصہ اور کاندھوں پر اسی طرح کلائی سے کہنیوں تک ہاتھوں پر خوب بال تھے۔ ہاتھ (یعنی کلائی سے کہنیوں تک بازوں کے حصے) لمبے تھے۔ دست چوڑے تھے انگلیاں لمبی تھیں۔ ہاتھ اور پاؤں نرم اور گوشت سے خوب بھرے ہوئے تھے۔ تلوے زمین کے ساتھ ہموار نہیں تھے۔ بلکہ درمیان سے ان میں خم تھا۔ پیر ایسے چکنے اور ملائم تھے کہ جب ان پہ پانی پڑتا تھا تو ٹھہرتا نہیں تھا فوری بہہ جاتا تھا۔ چال ایسی سبک تھی جیسے ڈھلوان پر سے اتر رہے ہوں۔ لیکن بڑی ہی پُروقار اور باوجود تیزی کے قدم زمین پر ٹھہراؤ سے پڑتا تھا۔ چہرہ اٹھا کر نہیں چلتے تھے، اکڑ کر اور گھسٹتے نہیں تھے قدم اٹھا کر چلتے تھے۔ جب کسی کی طرف رخ پھیرتے تھے تو پورا رُخ پھیرتے تھے۔۔ نظر ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ یوں لگتا جیسے فضا کی نسبت زمین پر نظر زیادہ پڑتی تھی۔ عادتاً نیم وا نظروں سے نگاہ ڈالتیاور جب صحابہ کے ساتھ چل رہے ہوں تو ہمیشہ انہیں اپنے سے آگے رکھتے تھے جب کسی سے آمنا سامنا ہوتا تو ہمیشہ آپ ہی سلام میں پہل کیا کرتے تھے۔'' (شمائل ترمذی باب فی خلق رسول اللہ) دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت اور سیاہ تھیں سُرمہ نہ بھی لگائے ہوئے ہوں تو لگتا یہی تھا کہ سرمہ آنکھوں میں پڑا ہوا ہے آنکھوں کی سفیدی میں ہلکی سی سرخی بھی جھلکتی تھی۔ چہرہ مبارک پر ہمیشہ بشاشت ہوتی تھی۔ اور مسکراہٹ بکھری رہتی تھی۔ فرفر کر کے کلام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ گفتگو میں سمجھانے کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔ اور بات کو اکثر دہرایا کرتے تھے۔ تاکہ دوسرے کے ذہن نشین ہو جائے۔ کوہِ وقار تھے۔ کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا ناممکن تھا جو دوسروں میں کراہت پیدا کرے۔ ہر ادا دل کو موہ لینے والی تھی۔ ہر انداز میں حسن ٹپکتا تھا۔ آپ نہایت پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جس میں حسن نے اپنا کمال نہ دکھایا ہو چہرہ حسین تھا۔ جسم مرقع حسن تھا۔ انداز بیاں سحر کُن تھا۔ نگاہ مبارک اُٹھتی تھی تو فضا میں حسن بکھر جاتا تھا۔ اُٹھنا بیٹھنا سونا، آپ کی مجلس آپ کی خلوت سب کچھ ہی تو حسن میں ڈوبا ہوا

تھا یہ تو ایسی داستان ہے جس کا بیان ختم نہیں ہوسکتا۔ چاند سے زیادہ حسین۔حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ہم باہر کھلے میدان میں بیٹھے تھے حضورؐ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ اور ایک سُرخ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ چاندنی رات تھی۔ چودھویں کا چاند تھا۔ خوب روشن، بڑا حسین، لیکن میری نگاہ بار بار حضورؐ کے چہرہ کی طرف اُٹھتی تھی۔ حضورؐ آج بہت ہی پیارے لگ رہے تھے۔ حضورؐ کا حسن تو ہمیں ہمیشہ ہی گھائل کئے رکھتا تھا لیکن آج تو یہ کچھ اور ہی رنگ دکھا رہا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ اس چہرہ سے زیادہ کوئی اور چیز حسین ہوسکتی ہے۔ پھر میری نگاہ چاند پر پڑی پھر میں نے حضورؐ کے چہرہ کی طرف دیکھا پھر چاند کو دوبارہ دیکھا پھر حضورؐ کے رخ مبارک پر نگاہ گڑ گئی۔ اُف! آپ کتنے حسین لگ رہے تھے۔ میں نے کہا نہیں اے چاند تیرا حسن اس حسن کے آگے ماند پڑ گیا ہے۔ (شمائل ترمذی باب خلق رسول اللہ)



سب سے زیادہ آزمائے جانے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سب سے بڑھ کر مومن اور سب سچوں کے سردار تھے۔ انہیں سب سے زیادہ آزمایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب آزمائشوں میں، امتحانوں میں سب سے اعلیٰ درجہ میں کامیاب و کامران رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اول المومنین قرار دیا۔

1۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان پر حملہ کیا گیا اور جان پر حملے کے جتنے بھی انداز اس زمانے میں ہو سکتے تھے۔ ان کو اختیار کیا گیا۔ تیر کے ذریعے، تلوار کے ذریعے، نیزہ کے ذریعے، پتھروں کی بارش کے ذریعے، گلا گھونٹنے کے ذریعے، زہر خورانی کے ذریعے، انفرادی حملے کے ذریعے، اجتماعی طور پر لشکر کے حملے کے ذریعے۔ 2۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مال پر حملہ کیا گیا۔ دشمنوں نے بھی اور بعض عزیزوں نے بھی، جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ 3۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت پر حملہ کیا گیا اور ہر طرح کی ناواجب باتوں سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ 4۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیمتی وقت ضائع کرنے کی کوشش کا ابتلاء بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیا۔ دشمنوں کی طرف سے بھی اور سادہ مزاج ماننے والوں کی طرف سے بھی۔ 5۔ یتیمی اور والد کی شفقت سے محرومی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنی پڑی۔ 6۔ گھر سے بے گھر ہونے اور گھر سے دور صحرائی، سادہ اور جفاکشی کی زندگی بھی گزارنا پڑی۔ 7۔ شفقت اور محبت بھری والدہ کی وفات کا صدمہ بھی اٹھانا

پڑا۔8۔حضرت عبدالمطلب ،حضرت ابوطالب جیسے بزرگ گارڈین کی وفات کا غم بھی آپ کو پہنچا۔ 9۔تضحیک واستہزاء کی آزمائش بھی آئی جس میں اپنی پاک اومعصوم بیوی پر ناپاک الزام کا دکھ بھی اٹھانا پڑا۔10۔بدنی زخم بھی کھانے پڑے جنگ احد میں سارا جسم زخمی ہو گیا۔ طائف میں لہولہان ہو گئے۔11۔رشتہ داروں کی وفات کا غم بھی کھایا۔بنیادی طور پر ایک انسان کے رشتہ دار،ماں باپ، بیٹا بیٹی،میاں یا بیوی ہوتے ہیں۔جو ایک انسان کے براہ راست رشتہ دار ہوتے ہیں۔درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا، باقی رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، دادا، نانا، پوتا،نواسہ کسی اور واسطے سے بنتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام بلاواسطہ رشتہ داروں باپ، ماں، بیٹا، بیٹی اور بیوی کی وفات کا غم برداشت کیا۔12۔جسمانی بدنی محنت ومشقت اور مسلسل دن رات کی محنت وریاضت کے امتحان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیاب ہوئے۔13۔بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماری کی تکلیف اٹھائی۔14۔خوف کا امتحان بار بار آیا، مکہ، مدینہ، اُحد اور بدر میں بھی۔مسیلمہ کذاب کی آمد کے وقت بھی جب وہ (بخاری) کے بیان کے مطابق لشکر کثیر لے کر آپ سے آپ کے بعد حکومت کا مطالبہ لے کر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب مقامات خوف میں سے سرخرو ہو کر نکلے۔15۔بھوک کا ابتلاء بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کئی بار آیا اور خندق کھودتے ہوئے بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔16۔اپنے دکھوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیاروں کے دُکھ بھی دیکھنے پڑے۔ جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا کے ہاتھ چکی چلا چلا کر زخمی ہو جاتے۔17۔تین سال تک قید و بند کا امتحان بھی ہوا۔دوسری قیدوں میں قید کرنے والے دو وقت کی روٹی بھی مہیا کرتے ہیں۔شعب ابی طالب کے باہر آدمی مقرر تھے جو اندر کھانا نہیں جانے دیتے تھے۔18۔حکومت وقت کی دھمکیوں کے سامنے ثابت قدمی کا اعلیٰ نمونہ بھی آپ نے دکھایا۔دنیا کی دوسری بڑی سلطنت ساسانی سلطنت کے شہنشاہ نے (جس سے عرب خوف کھاتے تھے) نے دھمکی دی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کارندہ کو جواب دیا کہ ہمارے خدا نے تمہارے شہنشاہ کو مار دیا ہے۔19۔غیرت کا امتحان بھی ہوا جبکہ لوگ جوش میں آکر جنگ وجدل شروع کر دیتے ہیں۔وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت اور تحمل کا غیر معمولی اُسوہ دکھایا۔جب حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں بعض تکلیف دہ کلمات بولے۔20۔کھلے دشمن کے مقابلہ کے علاوہ اندرونی گھرے دشمن منافقین کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑا۔21۔خدا کی خاطر سفر کی انتہائی تکلیف دہ شدت بھی برداشت فرمائی اور تبوک کے سفر کی گرمی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ

نے فرمایا۔ قُل نارُ جھنَمَ اَشَدُّ حَرا22۔ اُس ملک میں اور معاشرہ میں جہاں بارہ سال کا لڑکا جوان ہو کر شادی کی طلب کرتا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحت مند جوانی میں بغیر شادی کے جوانی میں پاکیزگی کا بلند معیار بلند فرمایا۔ 23۔ دو تہائی رات عبادت اور کئی کئی دن وصالی روزوں کی عبادت کا بوجھ برداشت کیا۔ 24۔ آپ نے پیارے وطن مکہ سے جدائی کا غم اُٹھایا۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہتے ہیں۔

تَذکَّرتُ یوماً فیہِ اُخرِجَ سیدی۔

فَفاضت دُمُوعُ العینِ مِنّی بمَنتلِ

کہ مجھے وہ دن یاد آیا جس دن میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکلنا پڑا تو بھری مجلس میں میری آنکھ سے آنسو بہہ پڑے۔ 25۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب مقام اللہ کا گھر خانہ کعبہ تھا اور تیرہ سال دعویٰ کے بعد روزانہ اس امتحان سے گزرنا پڑتا۔ کہ گھر جو توحید کے قیام کے لئے بنا تھا اس کے اندر اور اس کے باہر 360 بت رکھے ہوئے ہیں اور مشرکین اس گھر کے احترام کی بجائے وہاں لغو اشعار کی مجلسیں قائم کرتے اور تالیاں بجاتے اور سیٹیاں مارتے ہیں۔ 26۔ اپنے پیاروں اور عزیزوں کے مطالبات پورے کرنے کی بجائے ان کو جفاکشی، سادگی، عبادت اور ذکر الٰہی کی تلقین کرنے کا امتحان بھی آپ نے برداشت فرمایا۔ جیسے حضرت فاطمۃ الزہراء جیسی لاڈلی بیٹی کے نوکر کے لئے درخواست پر فرمایا میں اس سے بہتر بات تمہیں بتاتا ہوں۔ کہ سونے سے پہلے 33 بار سبحان اللہ 33 بار الحمدللہ اور 34 بار اللہ اکبر کہا کرو یہ نوکر سے بہتر ہے۔ 27۔ قومی کاموں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مقابلہ میں مآخذ کی کمی کا امتحان بھی صبر آزما ہے ایک موقع پر جنگ کے لئے جانے والوں کی درخواست پر کہ ہمیں سواریاں یا چپلیاں مہیا فرمادیں فرمایا۔ لَآ اَجِدُ مَا اَحمِلُکُمْ علیہِ۔ 28۔ اہم کاموں ماتحتوں خصوصاً ماتحت ذمہ دار افسروں کی غلطی پر ضبط نفس اور تحمل کا امتحان اللہ تعالیٰ نے لیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے کمانڈر کے غلط اقدام پر ضبط وصبر کرتے ہوئے دعا پر اکتفا کی۔ 29۔ اہم قومی کاموں کے لئے مکان، دفتر، کام میں سہولت پیدا کرنے والے سامان نہ ہونے کا ابتلاء عمر بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آیا۔ 30۔ اپنی کسی حقیقی ضرورت اور احتیاج کے باوجود کسی سائل نے وہ چیز مانگی اور آپ نے عطا فرمادی۔ یہ آزمائش بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آتی رہی۔ 31۔ اہم کاموں پر متعین لوگوں کو جسمانی محنت اور مشقت کے لئے مناسب غذا کے لئے مناسب غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ سے لے کر وفات تک اس

کے فقدان کے امتحاں سے گزرتے رہے۔32۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت حد درجہ حیادارتھی۔ دیکھنے والے کہتے ہیں۔کَانَ اَشَدَّ حَیاَءً مِنَ العذُرَاءِ فِی خِدُرِ ھَادوشیزہ سے جو اپنے پردہ میں ہوآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے زیادہ حیادار تھے۔اللہ تعالیٰ نے فرضی توہمات اور جھوٹی رسوم کوتوڑنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ امتحان لیا۔کہ آپ کوحضرت زینب ؓ سے شادی کا حکم دیا جوحضرت زید ؓ کی مطلقہ تھی۔جو متبنّٰی بنانے کی رسمکی حرمت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متبنّٰی تھے۔عرب کے جاہلی دستور کے لحاظ سے یہ بہت بڑا امتحان تھا۔اورمخالف اورتمسخرکرنے والوں کے لئے ایک موقع پیدا ہوسکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امتحان سے بھی سرخرو ہوکر نکلے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرآنے والے ابتلاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔’’خیال کرنا چاہیے کہ کس استقلال سے آنحضرت اپنے دعویٰ نبوت پر باوجود پیدا ہو جانے ہزاروں خطرات اور کھڑے ہوجانے لاکھوں معاندوں اورمعاندوں اورمزاحموں اورڈرانے والوں کے اول سے اخیر تک ثابت اورقائم رہے۔برسوں تک وہ مصیبتیں دیکھیں اور وہ دُکھ اٹھانے پڑے جوکامیابی سے بکلی مایوس کرتے تھے۔اورروز بروز بڑھتے جاتے تھے کہ جن پرصبر کرنے سے کسی دنیوی مقصد کا حاصل ہوجانا کے وہم بھی نہیں گزرتا تھا۔بلکہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے ازدست اپنی پہلی جمیعت کوبھی کھو بیٹھے اور ایک بات کہہ کر لاکھ تفرقہ خرید لیا اور ہزاروں بلاؤں کو اپنے سر پر بلا لیا۔وطن سے نکالے گئے۔قتل کے لئے تعاقب کئے گئے۔گھر اوراسباب تباہ اور برباد ہوگیا۔باربار زہر دی گئی۔اور جو خیرخواہ تھے وہ بدخواہ بن گئے۔اور جودوست تھے وہ دُشمنی کرنے لگےاورایک زمانہ دراز تک وہ تلخیاں اٹھانی پڑیں کہ جن پرثابت قدمی سےٹھہرے رہنا کسی فریبی اورمکار کا کام نہیں۔اورپھر جب مدت مدید کے بعد غلبہ اسلام کا ہوا تو ان دولت اوراقبال کے دنوں میں کوئی خزانہ اکٹھا کیا۔کوئی عمارت نہ بنوائی۔کوئی بارگاہ تیار نہ ہوئی۔کوئی سامان شاہانہ عیش کا تجویز نہ کیا گیا۔کوئی اورذاتی نفع نہ اٹھایا۔بلکہ جوکچھ آیا وہ سب یتیموں،اورمسکینوں اور بیوہ عورتوں اورمقروضوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا رہااورکبھی ایک وقت بھی سیر ہوکر نہ کھایا‘‘۔

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 108,109)(ازکتاب خلق القران صفحہ 165.160 مصنفہ محترم سید میر محمود احمد ناصر)



حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شگفتہ مزاح

1۔اونٹ کا بچہ

ایک دفعہ ایک صحابیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔اور سواری کے لئے اونٹ طلب کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے اونٹ کا ایک بچہ دے دو''۔ صحابیؓ نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اونٹ کے بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ ''مجھے تو سواری کی ضرورت ہے اونٹ دلوایئے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا'' نہیں تجھے اونٹ کا بچہ ہی دیا جائے گا'' وہ صحابیؓ بہت پریشان ہوئے ۔لوگ ہنسنے لگے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''نادان! آخر اونٹ بھی تو اونٹ کا بچہ ہی ہوگا'' ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مذاق کوئی خلاف واقعہ نہ تھا کہ ہر اونٹ فی الحقیقت اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے۔اس خوش طبعی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا انداز اختیار فرمایا جس سے سب نے لطف اٹھایا۔

2۔بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب جو بہت بوڑھی تھیں۔ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ضد کرنے لگیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی مجھے جنت میں داخل فرمائے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔'' وہ حیران رہ گئیں اور رونے لگیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' بڑی اماں روتی کیوں ہو؟ کیا قرآن نہیں پڑھا۔بوڑھے لوگ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہ ہونگے بلکہ وہ جوان ہو کر جنت میں جائیں گے۔

3۔تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟

ایک دفعہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دل لگی کے طور پر ایک شخص سے پوچھا'' بتاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟'' وہ شخص سادہ لوح واقع ہوا تھا، سر جھکا کر سوچنے لگا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے۔اور آپ نے فرمایا۔ہوش کر کیا تجھے اپنی ماں بھول گئی؟ وہی تو تیرے ماموں کی بہن ہے''۔

4۔اندھا جنت میں نہ جائے گا

ایک دفعہ ایک نابینا شخص حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میری بخشش ہو جائیگی؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' بھائی کوئی اندھا جنت میں نہ جائے گا۔'' اندھا رونے لگا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا؛'' بھائی کوئی اندھا، اندھے کی حیثیت

سے جنت میں داخل نہ ہوگا سب کی آنکھیں روشن ہونگی۔''

5۔ اے دو کانوں والے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ ایسے سعادت مند تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش طبعی کے طور پر انہیں یوں پکارا؛ '' اے دو کانوں والے'' پھر اکثر ایسا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں محبت سے '' اے دو کانوں والے'' کہہ کر پکارتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس پر بہت ہنستے اور سمجھ جاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش طبعی فرما رہے ہیں۔

6۔ تمہاری چڑیا نے کیا کیا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے۔ جن کا نام عمیرؓ تھا۔ انہوں نے ایک سرخ رنگ کی ایک چڑیا پال رکھی تھی۔ اتفاق سے وہ چڑیا مرگئی۔ تو عمیرؓ کو اس کا بہت رنج ہوا اور رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو روتے دیکھا تو اسے بہلانے کے لئے فرمایا ''اے ابو عمیرؓ تمہاری چڑیا نے کیا کیا'' یہ ایک ایسا پیارا جملہ تھا جسے سن کر بچہ ہنس پڑا اور دوسرے لوگ بھی اسے خوش کرنے کے لئے یہی جملہ استعمال کرنے لگے۔

7۔ زیادہ کھجوریں کس نے کھائی ہیں؟

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب کچھ کھجوریں لے آئے۔ اور بطور تحفہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو کھجوریں کھانے کا حکم دیا اور خود بھی کھانے میں شریک ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو عمر میں چھوٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از راہ مذاق کھجوریں کھا کر گٹھلیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آگے رکھنے لگے۔ جب صحابہؓ نے یہ دیکھا تو وہ بھی کھجوریں کھا کر گٹھلیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آگے رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے بہت سی گٹھلیاں جمع ہوگئیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا '' آپ نے اتنی کھجوریں کھائی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا '' میں نے تو صرف کھجوریں کھائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو گٹھلیاں بھی کھا گئے ہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے۔



رحمۃ اللعلمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غیروں کی نظر میں

1۔ٹالسٹائی روس کا مشہور مورّخ ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلیق،متواضع،روشن خیال اور صاحب بصیرت تھے۔آپ لوگوں سے عمدہ برتاؤ کرتے تھے۔آپ کی طبیعت اصلاح اور دینی مباحثات کی طرف شروع ہی سے مائل تھی۔

2۔موسیو کاسٹن کار لکھتا ہے۔اسلام درحقیقت ایک اجتماعی مذہب ہے یہ ایک مقبول مذہب ہے اس میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جن سے ہمارے اس زمانہ کا تمدن بنا ہے۔

3۔امریکہ کے مشہور پروفیسر ہوورڈ نے ڈیل نیو یارک ٹائمز میں لکھا ہے۔ہم لوگ خواہ کتنا ہی انکار کریں مگر واقعات کو سامنے رکھ کر یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس قوم پر حکومت کر رہا ہے جو تاریکی کے زمانہ میں عیسائیوں کے لئے شمع بنی رہی ہے اور جس نے ہمارے دماغوں کو اپنے علوم وفنون سے سیراب کر دیا ہے۔اس کی الہامی کتاب قرآن ہے جو روز اول سے اس طرح محفوظ ہے۔

4۔ پروفیسر ایڈورڈ مونٹے کا یورپ کی مسلمہ شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔آپ کی تحقیق اور صاف گوئی ضرب المثل ہے۔آپ نے اسلام کا بخوبی مطالعہ کیا ہے۔آپ اپنی کتاب ''تبلیغ عیسائیت'' اور مخالف اسلام میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت پر لکھتے ہیں کہ ''یہ سچ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وجدان صحیح اور ذوق سلیم کے مجموعہ تھے۔آپ کا دل اسلام کی روشنی سے منور تھا۔ اور آپ نے اس نور کو مسلمانوں کے دلوں میں بھر دیا تھا۔

5۔مسٹر اسٹینل جو ایک بہت بڑا عالم اور مصنف ہے۔Speeches of Mohammad میں لکھتا ہے۔''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت رحم وشجاعت کا حیرت انگیز مجموعہ ہے۔آپ کئی سال عربوں کی مخالفت کا تن تنہا مقابلہ کرتے رہے۔آپ اتنے خوش خلق تھے کہ ہر ادنی واعلی سے محبت سے پیش آتے۔ غیروں کے ساتھ شفقت کرتے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عظیم الشان فیاضی، بہادری واستقلال اور بے غرضانہ محبت بلاشبہ قابل تعریف ہے۔اور آپ پر عیش پسندی،ظلم وغیرہ کے جو اتہامات لگائے جاتے ہیں ہم تحقیق کی بناء پر کہتے ہیں کہ یہ سب بے بنیاد ہیں''۔

6۔انگلینڈ کے مشہور رائٹر ٹامس کارلائل اپنی کتاب Hero and hero worship میں لکھتے ہیں۔یعنی میں آپ کو سچا تو یقین کرتا ہوں لیکن آپ سب انبیاء سے سچے ہیں۔کارلائل نے حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر ایک مقالہ لکھا ہے۔جس میں لکھتے ہیں ''محمد نہ غلطی خوردہ ہے نہ مفتری بلکہ وہ اپنے دعویٰ میں راستباز اور صادق تھے''۔

7۔غیر متعصب مفکرین یورپ میں سے باسورتھ سمتھ ایم اے لکھتے ہیں۔قرآن مجید جو ایک غیر تعلیم یافتہ اُمّی کی کتاب ہے۔وہ ایک ہی وقت میں منظوم بھی ہے۔دعاؤں کی بھی کتاب ہے۔اور بائیبل بھی ہے۔اور آج کے دن تک تمام نسل انسانی کے نصف حصہ لوگوں کی آبادی کی نظر میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور معجزہ خیال کی جاتی ہے۔جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے Standing Miracle قرار دیا ہے۔اور کیوں نہ ہو۔جبکہ وہ واقعی ایک معجزہ ہے۔پھر لکھتے ہیں۔علم تاریخ میں یہ ایک بے مثال قسم کی بات ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیک وقت ایک قوم اور ملت کے اور ایک ایمپائر کے اور ایک مذہب کے کامیاب بانی قرار پائے۔

8۔جارج برنارڈ شا لکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانوں کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس جیسے شخص کو اس زمانہ میں متمدن دنیا کی ڈکٹیٹرشپ سونپی جائے تو وہ اسکی بہت سی مشکلات کے حل میں ایسے طریق پر کامیاب ہوجائے گا۔جس سے مطلوبہ امن اور سلامتی حاصل ہوجائے۔

9۔ایک یورپین مشہور محقق Pierrs Crailitles لکھتے ہیں تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں۔جب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان ماؤں،اور بیویوں اور لڑکیوں کو وہ درجہ اور وہ حرمت اور عزت مرتبہ دیا ہے جو ابھی تک مغرب کے قوانین میں عورتوں کو عام طور پر نہیں دیا گیا۔

10۔Montgomsry Watt.W نے دو کتابیں سیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شائع کی ہیں۔نمبر 1 محمد ایٹ مکہ۔نمبر 2۔محمد ایٹ مدینہ۔ان ہر دو کتابوں میں اس نے آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب نام نہاد لگائے گئے الزامات کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے جواب دیا ہے۔

11۔A.J.Arberry پروفیسر عربی کیمبرج یونیورسٹی نے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن کریم اور حضرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بعض پہلوؤں کی تعریف کی ہے۔

12۔CraggKeneth مسلم ورلڈ امیکہ کا ایڈیٹر تھا۔اس نے ''کال آف دی منرٹ'' نامی کتاب لکھی ہے۔اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق شہادت دی ہے اور قرآن کریم کے،تعلق بھی عمدہ بیان دیا ہے۔

13۔اطالوی خاتون نوگ لی ایری جونیپلز یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر تھی۔اس نے کتاب اپالوجی

آف اسلام لکھی ہے۔جس کا انگلش ترجمہ انٹروڈکشن آف اسلام ہے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے عشق میں ڈوبی ہوئی کتاب ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اس رنگ میں پیش کی گئی ہے کہ اس شخص کی زندگی قرآن کا نمونہ ہے۔(ملخص از تقریر چوہدری ظفر اللہ خاں)۔

14۔لالہ کنور سنگھ چیف جسٹس کشمیر نے 24 جون 1934ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی تھے آپ کی سیرت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ توحید اور مساوات آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

15۔پروفیسر شانتا رام۔ایم اے اندرا کالج بمبئی نے لکھا ہے''محمد صاحب ایسے مہا پرش تھے کہ ان کے مقابلہ کا اوتار روئے زمین کی تاریخ میں نظر نہیں آیا۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑے ریفارمر ہیں۔آپ نے ہی اخلاق، محبت و مساوات کی روشنی پھیلائی۔اور غریبوں کی مظلومیت کا خاتمہ کر دیا''۔ اہم ہستیوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سب سے بلند ہے۔اس کے علاوہ دنیا کے اہم اور بڑے لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ تعریفی کلمات سے یاد کیا ہے۔ ہندوستان میں مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، سروجنی نائیڈو، مسٹر مارکس ڈاڈ، سرٹیگور، پنڈت گوپال کرشن ایڈیٹر بھارت بمبئی۔لالہ رام چند ایسے سینکڑوں لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمدہ سیرت لکھی ہے۔

16۔مشہور مستشرق ڈی کچی لکھتے ہیں۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں۔تو وہ ہمیں گونا گوں اوصاف حسنہ کے جامع نظر آتے ہیں۔ان میں ہم وہ فہم و ذکا پاتے ہیں۔جو قریش کی امتیازی خصوصیت تھے۔وقات، سلیقہ، میانہ روی اور ضبط نفس کی وہ جیتی جاگتی تصویر تھے۔اور وہ یہ اوصاف ہیں۔جو اعلیٰ درجہ کے انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔

(برگزیدہ رسول غیروں کی نظر میں صفحہ 32/الفضل ربوہ یکم فروری 2011ء)

17۔بائبل قرآن اور سائنس'' کے نام سے موسوم کتاب اصل میں فرانسیسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ جس کا مصنف موریس بوکائلے جو کہ ایک سرجن ہے لکھتا ہے۔''اب اگر ہم مسلمان مفسرین کی توضیحات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ قرآن کو بالکل ہی مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں۔تقریباً چودہ صدی کا عرصہ ہوا۔ماحول مکہ میں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم استغراق میں تھے۔تو آپ کو جبرائیل (علیہ السلام) کے ذریعہ اللہ کا پہلا پیغام ملا۔پھر پہلے پیغام کے بعد فترت وحی کا طویل عرصہ گزرنے پر مسلسل نزول وحی ہوتا رہا۔جس کا پھیلاؤ بیس سال کی مدت پر ہی یہ وحی نہ صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں

ضبط تحریر میں لے آئی گئی تھی۔ بلکہ السابقون الاولون کے وہ صحابہ جن کو آپ کی محبت نصیب ہوئی۔ زبانی اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔آپ کی رحلت (632ء) کے بعد مختلف اجزاء کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کر دیا گیا۔جس کے بعد وہ کتاب قرآن کے نام سے موسوم کی گئی۔ یہ خدا کا کلام ہے اور انسان کی جانب سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔وہ خطی نسخے جو اسلام کی پہلی صدی کے وقت سے ہماری دسترس میں ہیں۔آج کے متن کی تصدیق وتوثیق کرتے ہیں۔ایک خوبی جو پوری طرح قرآن کریم کیساتھ مخصوص ہے۔ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بحث کی جاتی ہے تو اس میں متعدد مقامات پر تمام انواع کے قدرتی حوادث سے متعلق اظہار خیال دکھائی دیتا ہے۔یعنی فلکیات سے لے کر انسانی توالد وتناسل کرہ ارض، عالم حیوانی و نباتاتی تک سب ہی کچھ اس میں موجود ہے۔ (بائبل قرآن اور سائنس از موریس بوکائلے صفحہ 7۔8 / الفضل ربوہ مورخہ 15/اپریل 2011ء)۔

18۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت انصار اور مہاجرین نے کفار کے قیدیوں کے ساتھ بڑی محبت اور مہربانی کا سلوک کیا چنانچہ بعض قیدیوں کی اپنی شہادت تاریخ میں ان الفاظ میں مذکور ہے کہ خدا بھلا کرے مدینہ والوں کا وہ ہم کو سوار کرتے تھے اور آپ پیدل چلتے تھے ہم کو گندم کی روٹی دیتے تھے اور آپ صرف کھجوریں کھا کر پڑے رہتے تھے۔اس لئے (میور صاحب لکھتے ہیں) ہم کو یہ معلوم کر کے تعجب نہ کرنا چاہیے کہ بعض قیدی اس نیک سلوک کے اثر کے نیچے مسلمان ہو گئے اور ایسے لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا گیا........جو قیدی اسلام نہیں لائے ان پر بھی اس نیک سلوک کا اثر ہوا''۔ Life of Mohamat Londonpage242by sir william muir1978.(الفضل ربوہ 21/اپریل 2011ء)

19. مشہور مستشرق سٹینلے پول فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔جس دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی وہی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے نفس پر فتح حاصل کرنے کا دن تھا۔قریش نے سالہا سال تک جو کچھ رنج اور صدمے دیئے تھے اور بے رحمانہ تحقیر و تذلیل کی مصیبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر ڈالی تھی۔آپ نے کشادہ دلی کے ساتھ ان تمام باتوں سے درگذر کی اور مکہ کے تمام باشندوں کو ایک عام معافی نامہ دے دیا'' Speaches and table talk of the prophet Mohammad by Londonstainley lane-pool Interoduction 1882

(الفضل ربوہ 21۔اپریل 2011ء)

20۔جارج سیل لکھتا ہے'' محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے۔شکل میں

نہایت خوبصورت،فہیم، اور دُور رَس عقل والے، پسندیدہ وخوش اطوار،غرباء پرور، ہر ایک سے متواضع، دشمنوں کے مقابلہ میں صاحبِ استقلال وشجاعت، سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے تعالیٰ کے نام کا نہایت ادب و احترام کرنے والے تھے ۔جھوٹی قسم کھانے والوں، زانیوں، سفاکوں، جھوٹی تہمت لگانے والوں، لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف نہایت سخت تھے۔ بُردباری، صدقہ وخیرات، رحم وکرم، شکر گزاری، والدین اور بزگوں کی تعظیم کی نہایت تاکید کرنے والے اور خدا کی حمد وتعریف میں نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے"

fifthedition.PhiladelphiaJ.BLippincott ,The Quran by George Sale,Gent)

1860 7.page 4and co(از ماہنامہ انصاراللہ ربوہ اگست ستمبر 2014 ناموس رسالت نمبر)

21۔سٹینلے لین پول لکھتا ہے۔"محمد ﷺ کی جب اپنے آبائی شہر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے۔تو ان سب کو معاف کر دیا یہ ایسی فتح تھی اور ایسا پاکیزہ فاتحانہ داخلہ تھا جس کی مثال ساری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔"

The speeches and] Tablets of the prophet,Mohammad by Stainley

Lane Poole,Macmillan and co 1882.]

22۔ پروفیسر ایچ جی ویلز۔The outline of history کے مصنف ہیں۔ کہتے ہیں کہ"پیغمبر اسلام کی صداقت کا یہی بڑا ثبوت ہے جو آپ کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔وہی آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے ۔۔۔ حضرت محمد ﷺ کی ہرگز جھوٹے نبی نہ تھے ۔۔۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام میں بڑی خوبیاں اور باعظمت صفات موجود ہیں ۔۔۔ پیغمبر اسلام نے ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ظلم اور سفا کی کا خاتمہ کیا گیا"

The outline of history by H.G.Wells,part2

دی لیسی اولیرے۔ پھر De Lacy O L eary اپنی کتاب اسلام ایٹ دی کراس روڈز میں لکھتا ہے کہ:

"تاریخ نے اس بات کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ شدت پسند مسلمانوں کا اس دنیا پر فتح پا لینا اور تلوار کی نوک پر مقبوضہ اقوام میں اسلام نافذ کر دینا تاریخ دانوں کے بیان کردہ قصوں میں سے فضول ترین اور عجیب

ترین قصہ ہے‘‘۔یعنی جو مورخین لکھتے ہیں کہ اسلام نے تلوار کی نوک پر فتح پائی یہ فضول ترین قصے ہیں۔‘‘

page8 London 1923,Islam at the Cross Roads by De Lacy O Leary

23۔مہاتما گاندھی لکھتے ہیں کہ’’ میں اس شخص کی زندگی کے بارہ میں سب کچھ کہنا چاہتا تھا جس نے بغیر کسی اختلاف کے لاکھوں پر حکومت کی۔اس کی زندگی کے بارہ میں مطالعہ کر کے میرا اس بات پر پہلے سے بھی زیادہ پختہ یقین ہوگیا ہے کہ اسلام نے اس زمانے میں تلوار کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی بلکہ اس پیغمبر کی سادگی، اپنے کام میں مگن رہنے کی عادت، انتہائی باریکیوں کے ساتھ اپنے عہدوں کو پورا کرنا اپنے دوستوں اور پیروکاروں کے ساتھ انتہائی عقیدت رکھنا، بے باک و بے خوف ہونا، اور خدا کی ذات اور اپنے مشن پر کامل یقین ہونا، اُس کی یہی باتیں تھیں جنہوں نے ہر مشکل پر قابو پایا، جو سب کو ساتھ لے کر چلیں۔جب میں نے اس پیغمبر کی سیرت کے متعلق دوسری جلد بھی پڑھ لی تو اس کے ختم ہوجانے کی وجہ سے مجھ پر اُداسی چھا گئی۔‘‘

. Young India,1924,Mahatma Ghandhi Statement Published in

24۔Sir John Begot Glub لکھتے ہیں کہ’’اس بات کا انکار ممکن نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے روحانی تجربات اپنے اندر پرانے اور نئے عہد ناموں کے قصوں اور عیسائی بزرگوں کے روحانی تجربات سے حیران کُن حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔اسی طرح ممکن ہے کہ ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے ماننے والے افراد کے ان گنت رؤیا اور کشوف سے بھی مشابہت رکھتے ہوں۔مزید یہ کہ اکثر اوقات ایسے تجربات تقدس وفضیلت والی زندگی کے آغاز کی علامت ہوتے ہیں۔ایسے واقعات کو نفسانی دھوکہ قرار دینا کوئی موزوں وضاحت معلوم نہیں ہوتی۔کیونکہ یہ واقعات تو بہت سے لوگوں میں مشترک رہے ہیں۔ایسے لوگ جن کے درمیان ہزاروں سالوں کا فرق اور ہزاروں میلوں کے فاصلے تھے۔جنہوں نے ایک دوسرے کے متعلق سنا تک نہ ہوگا لیکن اس کے باوجود ان کے واقعات میں ایک غیر معمولی یکسانیت پائی جاتی ہے۔یہ رائے معقول نہیں کہ ان تمام افراد نے حیران کُن حد تک مشابہ رؤیا وکشوف اپنے طور پر ہی بنا لئے ہوں۔باوجود یہ کہ یہ افراد ایک دوسرے کے وجود ہی سے نابلد تھے۔

24۔The life of Mohammad میں جان ولیم ڈریپر John William Draper لکھتے ہیں کہ Justiman کی وفات کے چار سال بعد 569 عیسوی میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے

تمام شخصیات میں سب سے زیادہ بنی نوع انسان پر اپنا اثر چھوڑا۔ اور وہ شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔جسے بعض یورپین لوگ جھوٹا کہتے ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر ایسی خوبیاں تھیں۔جن کی وجہ سے کئی قوموں کی قسمتوں کے فیصلے ہوئے۔وہ ایک تبلیغ کرنے والے سپاہی تھے۔وہ جب تقریر کے میدان میں اترتے تو فصیح ہوتے اور جب میدان جنگ میں آتے تو بہادر ہوتے۔ان کا مذہب یہی تھا کہ ایک خدا ہے۔اس سچائی کو بیان کرنے کے لئے انہوں نے نظریاتی بحثوں کو اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے ماننے والوں کو صفائی،نماز،روزہ جیسے امور کی تعلیم دیتے ہوئے ان کی معاشرتی حالتوں کو عملی رنگوں میں بہتر بنایا۔اس شخص نے صدقہ خیرات کو باقی تمام کاموں پر فوقیت دی۔‘‘

History of the intellectual Depelopement of europe byJohn William

244Draper MD,LL.D Newyork Harper and brothers 1863 page

25۔ولیم منٹگمری لکھتے ہیں کہ’’حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پر جتنا غور کریں اتنا ہی آپ کی کامیابیوں کی وسعت کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔اُس وقت کے حالات نے آپ کو ایک ایسا موقع فراہم کیا جو کم لوگوں کو ملتا ہے گویا آپ اُس زمانے کے لئے موزوں ترین انسان تھے۔اگر آپ کے پاس دور اندیشی،حکومت کرنے کی انتظامی صلاحیتیں،توکل علی اللہ،اور اس بات پر یقین کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے نہ ہوتا تو انسانی تاریخ میں ایک اہم باب رقم ہونے سے رہ جاتا۔

Mohammad of Madina,Oxford at the ,William Montgumry Watt

.pp335,Clerendon Press 1956

26۔باسورتھ سمتھ مشہور عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ’’مذہب اور حکومت کے راہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دو شخصیتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں جمع تھیں۔آپ پوپ تھے۔مگر اس کی طرح ظاہر داریوں سے پاک۔آپ قیصر تھے مگر قیصر کے جاہ وحشمت سے بے نیاز۔اگر دنیا میں کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ اس نے باقاعدہ فوج کے بغیر،محل شاہی کے بغیر،اور لگان کی وصولی کے بغیر صرف خدا کے نام پر دنیا میں امن اور انتظام قائم رکھا تو وہ صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔آپ کو اس ساز وسامان کے بغیر ہی سب طاقتیں حاصل تھیں‘‘۔

پھر صفحہ 133 پر لکھتے ہیں:۔’’یہ کہنا کہ عرب کو انقلاب کی ضرورت تھی۔بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیے کہ پیغمبر کے ظہور کا وقت آ گیا تھا۔اگر ایسا ہی تھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ پیغمبر کیوں نہ ہوں؟اس زمانے میں

موجودہ زمانے کے مصنف سپرنگر نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی آمد سے سالہا سال قبل ایک پیغمبر کے ظہور کی توقع بھی تھی اور پیشگوئی بھی تھی"۔ پھر آگے بیان کرتے ہیں"مجموعی طور پر مجھے حیرانی نہیں کہ حضرت محمد ﷺ مختلف حالات میں کتنے بدل گئے تھے۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے آپ کی شخصیت میں کتنی تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔صحرائی گلہ بانی کے ایّام میں،شامی تاجر کے طور پر، غارِحرا کی خلوت گزینی کے ایّام میں،اقلیتی جماعت کے مصلح کے طور پر (مکہ میں) مدینہ میں جلاوطنی کے ایام میں،ایک مسلمہ فاتح کے طور پر، یونانی بادشاہوں اور ایرانی ہرقلوں کے ہم مرتبہ ہونے کی حالت میں، ہم آپ کی حیثیت میں ایک غیر متزلزل استقلال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ اگر کسی اور آدمی کے خارجی حالات اس قدر زیادہ بدل جاتے تو کبھی اُس کی ذات میں اس قدر کم تبدیلی رونما نہ ہوتی۔حضرت محمد ﷺ کے خارجی حالات تو تبدیل ہوتے رہے۔مگر ان تمام حالتوں میں مجھے اُن کی ذات کا جوہر ایک جیسا ہی دکھائی دیتا ہے"۔صفحہ 133۔ واشنگٹن ارونگ اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتا ہے کہ:۔آپؐ کی فتوحات نے نہ تو حضرت محمد ﷺ کے اندر نہ تو تکبر پیدا کیا، نہ کوئی غرور،اور نہ کسی قسم کی مصنوعی شان وشوکت پیدا کی۔اگر ان فتوحات میں ذاتی اغراض ہوتیں تو ضرور ایسا کرتے۔اپنی طاقت کے جوبن پر بھی اپنی عادات اور حلیہ میں وہی سادگی برقرار رکھی، جو آپ کے اندر مشکل ترین حالات میں تھی۔یہاں تک کہ اپنی شاہانہ زندگی میں بھی اگر کوئی آپ کے کمرہ میں داخل ہوتے وقت غیر ضروری تعظیم کا اظہار کرتا تو آپ اسے ناپسند فرماتے۔

Life of Mohomet by William Irving Leipzig Bernhard Touchritz 1850 pp272,273]

27۔سر ولیم میور لکھتا ہے کہ"حضرت محمد ﷺ اپنا ہر ایک کام کرتے اور جس کام کو بھی ہاتھ میں لیتے جب تک اسے ختم نہ کر لیتے اُسے نہ چھوڑتے۔معاشرتی میل جول میں بھی آپ کا یہی طریق رہتا۔جب آپ کسی کے ساتھ بات کرنے کے لئے اپنا رُخ موڑتے تو آپ آدھا نہ مڑتے بلکہ پورا چہرہ، پورا جسم اُس شخص کی طرف پھیر لیتے۔کسی سے مصافحہ کرتے وقت آپ اپنا ہاتھ پہلے نہ کھینچتے۔اسی طرح کسی اجنبی سے گفتگو کرتے ہوئے درمیان میں نہ چھوڑتے اور اگلے شخص کی بات پوری سنتے۔آپ کی زندگی پر آپ کی خاندانی سادگی غالب تھی۔آپ کو ہر کام خود کرنے کی عادت تھی۔جب بھی آپ صدقہ دیتے تو سوالی کو اپنے ہاتھ سے دیتے۔گھریلو کام کاج میں اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے ۔۔۔" پھر لکھتا ہے:۔آپ تک ہر کس و ناکس کی پہنچ ہوتی جیسے دریا کی پہنچ کناروں تک ہوتی ہے۔باہر سے آئے ہوئے وفود کو عزت و احترام سے خوش آمدید کہتے ان وفود کی آمد اور دیگر حکومتی

معاملات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے اندر ایک قابل حکمران کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔''

The life of Mohammad by Willium Miur .vol 4 London .Smith.

Elder and Co 65 Cornhill,1861 pp510.13

پھر لکھتا ہے کہ ''ایک اہم خوبی وہ خوش خلقی اور وہ خیال تھا جو آپ اپنے معمولی سے معمولی پیروکار کا رکھا کرتے۔حیاء،شفقت،سخاوت،صبر،عاجزی،آپ کے اخلاق کے نمایاں پہلو تھے۔اور ان کے باعث آپ اپنے ماحول میں ہر شخص کو اپنا گرویدہ کر لیتے۔انکار کرنا آپ کو ناپسند تھا۔اگر کسی سوالی کی فریاد پوری نہ کر پاتے تو خاموش رہنے کو ترجیح دیتے۔کبھی یہ نہیں سنا کہ آپ نے کسی کی دعوت رد کی ہو۔خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ آپ نے کسی کا پیش کیا ہوا تحفہ رد کر دیا ہو۔خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔آپ کی ایک نرالی خوبی یہ تھی کہ آپ کی محفل میں موجود ہر شخص کو یہ خیال ہوتا کہ وہی اہم ترین مہمان ہے اگر آپ کسی کو اپنی کامیابی پر خوش پاتے تو گرم جوشی سے اس سے مصافحہ کرتے اور گلے لگاتے۔اور محروموں اور تکلیف میں گھرے افراد سے بڑی نرمی سے ہمدردی کا اظہار کرتے۔بچوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔اور راہ کھیلتے بچوں کو سلام کرنے میں عار نہ سمجھتے۔

پھر لکھتا ہے کہ اپنی طاقت کے عروج پر بھی آپ منصف اور معتدل رہے۔آپ اپنے ان دشمنوں سے بھی نرمی میں ذرا کمی نہ کرتے۔جو آپ کے دعاوی کو بخوشی قبول کر لیتے۔مکہ والوں کی طویل اور سرکش ایذا رسانیاں اس بات پر منتج ہونی چاہیے تھیں کہ فتح مکہ اپنے غیظ وغضب میں آگ اور خون کی ہولی کھیلتا لیکن حضرت محمد ﷺ نے چند مجرموں کے علاوہ عام معافی کا اعلان کر دیا اور ماضی کی تمام تلخ یادوں کو یکسر بھلا دیا۔ان کے تمام استہزاء، گستاخیوں اور ظلم وستم کے باوجود،آپ نے اپنے سخت ترین مخالفین سے بھی احسان کا سلوک کیا۔مدینہ میں عبداللہ اور دیگر منحرف ساتھی (جو منافقین تھے) جو کہ سالہا سال سے آپ کے منصوبوں میں روکیں ڈالتے اور آپ کی حاکمیت میں مزاحم ہوتے رہے ان سے درگزر کرنا بھی ایک روشن مثال ہے اسی طرح وہ نرمی جو آپ نے ان قبائل سے برتی جو آپؐ کے سامنے سرنگوں تھے اور قبل ازیں جو فتوحات میں بھی شدید مخالف رہے تھے۔ان سے بھی نرمی کا سلوک فرمایا۔پھر لکھتا ہے کہ ''یہ حضرت محمد ﷺ کی سچائی کے لئے ایک تائیدی نشان تھا'' (کئی جگہ پر مخالفت میں بھی اور قرآن کے بارے میں بھی لکھتا ہے) کہ ''یہ حضرت محمد ﷺ کی سچائی کے لئے ایک تائیدی نشان ہے کہ جو آپؐ پر

اول اول ایمان لائے وہ اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ بلکہ آپ کے قریبی دوست تھے اور گھر کے افراد بھی جو کہ آپ کی ذاتی زندگی سے اچھی طرح واقف تھے آپؐ کے کردار میں وہ خامیاں نہ دیکھ سکے جو عام طور پر ایک منافق، دھوکہ باز کے گھریلو تعلق اور باہر کے روّیہ میں ہوتی ہیں۔'' صفحہ نمبر 97۔98۔

28۔ سر تھامس کارلائل Sir Thomas Carlyle حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمی ہونے کے متعلق لکھتے ہیں کہ

''ایک اور بات ہمیں بھولنی نہیں چاہیے کہ اس وقت کسی مدرسے کی تعلیم میسرّ نہ تھی۔ اس چیز کو جسے ہم سکول لرننگ کہتے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ لکھنے کا فن تو عرب میں بالکل نیا تھا۔ یہ رائے بالکل سچی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی خود نہ لکھ سکے۔ اس کی تمام تعلیم صحرا کی بود و باش اور اس کے گرد گھومتی ہے۔ اس لامحدود کائنات، اپنے تاریک علاقہ اور اپنی انہی مادی آنکھوں اور خیالات سے وہ کیا کچھ حاصل کر سکتے تھے۔؟ مزید حیرت ہوتی ہے جب دیکھا جائے کہ کتب بھی میسر نہ تھیں۔ عرب کے تاریک بیابان میں سُنی سنائی باتوں اور اپنے ذاتی مشاہدات کے علاوہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے تھے۔ وہ حکمت کی باتیں جو آپؐ سے پہلے موجود تھیں یا عرب کے علاوہ دوسرے علاقے میں موجود تھیں ان تک رسائی نہ ہونے کے باعث وہ آپؐ کے لئے نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ایسے حکام اور علماء میں سے کسی نے اس عظیم انسان نے براہ راست مکالمہ نہیں کیا۔ وہ اس بیابان میں تنِ تنہا تھے اور یوں ہی قدرت اور اپنی سوچوں کے محور میں پروان چڑھے۔'' پھر آپ کی شادی کے بارے میں اور گھریلو تعلقات کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ کیسے خدیجہ کا ساتھی بنا؟ کیسے ایک امیر بیوہ کے کاروباری امور کا مہتمم بنا؟ اور سفر کر کے شام کے میلوں میں شرکت کی؟۔ اُس نے یہ سب کچھ کیسے کرلیا؟ ہر ایک کو پتہ ہے کہ یہ اس نے انتہائی خوبی اور مہارت سے کرلیا۔ خدیجہؓ کے دل میں ان کا احترام اور ان کی کے لئے شکر کے جذبات کیونکر پیدا ہوئے؟ ان دونوں کی شادی کی داستان، جیسا کہ عرب کے مصنّفین نے ذکر کیا ہے، بڑی دلکش اور قابلِ فہم ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 25 سال تھی۔ پھر لکھتا ہے کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس محسنہ کے ساتھ انتہائی پیار بھری، پرسکون اور بھرپور زندگی بسر کی۔ وہ خدیجہؓ سے حقیقی پیار کرتے تھے۔ صرف اُسی کے تھے اس کو جھوٹا نبی کہنے میں یہ حقیقت روک ہے کہ آپ نے یہ زندگی کا یہ دور اس انداز سے گزارا کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔ یہ دور انتہائی سادہ اور پرسکون تھا یہاں تک کہ آپؐ کی جوانی کے دن گزر گئے۔''

پھر لکھتا ہے کہ ''ہم لوگوں یعنی عیسائیوں میں جو یہ بات مشہور ہے حضرت محمد ﷺ ایک پر فتن اور غیر فطرتی شخص اور جھوٹے دعوے دار نبوت تھے۔ اور ان کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے۔ اب یہ باتیں لوگوں کے قریب غلط ٹھہرتی چلی جارہی ہیں۔'' پھر کہتا ہے کہ جو جھوٹ متعصب عیسائیوں نے اس انسان یعنی حضرت محمد ﷺ کی نسبت بنائے تھے اب وہ الزامات قطعاً ہماری رُوسیاہی کا باعث ہیں اور جو باتیں اس انسان (حضرت محمد ﷺ) نے منہ سے نکالی تھیں، بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں اس وقت جتنے لوگ حضرت محمد ﷺ پر اعتقاد رکھتے ہیں ان سے زیادہ کسی کے کلام پر اس زمانے کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ میرے نزدیک اس خیال سے بدتر اور ناخدا پرستی کا کوئی دوسرا خیال نہیں ہے۔ کہ ایک جھوٹے آدمی نے یہ مذہب پھیلایا۔ (یہ بالکل غلط ہے)

Six Lectures on Heroes, Heroes Worship and the Heroe in the History by Thomas Carlyle]

29۔ لامارٹین (Lamartine) پھر ایک فرنچ فلاسفر اپنی کتاب (ہسٹری آف ٹرکی) میں لکھتا ہے کہ ''اگر کسی شخص کی قابلیت کو پرکھنے کے لئے تین معیار مقرر کئے جائیں کہ اس شخص کا مقصد کتنا عظیم ہے، اُس کے پاس ذرائع کتنے محدود ہیں اور اُس کے نتائج کتنے عظیم الشان ہیں۔ آج کون ایسا شخص ملے گا جو حضرت محمد ﷺ سے مقابلے کی جسارت کر سکے۔ دنیا کی شہرہ آفاق شخصیات نے صرف چند فوجوں، قوانین اور سلطنتوں کو شکست دی۔ اور انہوں نے محض دنیاوی حکومتوں کا قیام کیا۔ اور ان میں سے بھی بعض طاقتیں ان کے سامنے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئیں مگر حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف دنیا کی فوجوں، قوانین، حکومتوں، مختلف اقوام اور نسلوں بلکہ دنیا کی کل آبادی کے ایک تہائی کو یکجا کر دیا مزید برآں اُس نے قربان گاہوں، خداؤں، مذاہب، عقائد، افکار اور روحوں کی تجدید کی۔ حضرت محمد ﷺ کی بنیاد صرف ایک کتاب تھی۔ جس کا حرف حرف قانون بن گیا۔ اُس شخص نے ہر زبان اور ہر نسل کو ایک روحانی تشخص سے نوازا''۔ پھر لکھتا ہے:۔ حضرت محمد ﷺ ایک فلسفہ دان، خطیب، پیغمبر، قانون دان، جنگجو، افکار پر فتح پانے والا، عقلی تعلیمات کی تجدید کرنے والا بیسیوں روحانی اور ظاہری حکومتوں اور ایک روحانی حکومت کو قائم کرنے والا شخص تھا۔ انسانی عظمت کو پرکھنے کا کوئی بھی معیار مقرر کرلیں۔ کیا حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی عظیم شخص پیدا ہوا۔؟''

History Of Turkey by A. De Lamartine,New york;D.Appleton and Company ,346.348 Braodway ,1855,vol.1pp154.155.]

30۔جان ڈیون مارٹ(John Devonport) لکھتا ہے کہ

''کیا یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ جس شخص نے حقیر و ذلیل بت پرستی کے بدلے، جس میں اُس کے ہم وطن یعنی اہل عرب مبتلا تھے۔، خدائے واحد کی پرستش قائم کر کے بڑی بڑی ہمیشہ رہنے والی اصلاحیں کیں۔کیا وہ جھوٹا نبی تھا؟ کیا ہم اس سرگرم اور پر جوش مصلح کو فریبی ٹھہرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کاروائیاں مکر پر مبنی تھیں۔نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے۔بے شک حضرت محمد ﷺ بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ ابتدائے نزول وحی سے اخیر دم تک مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔جو لوگ ہر دم اُن کے پاس رہتے تھے وہ جو اُن سے بہت کچھ ربط ضبط رکھتے تھے۔ان کو بھی کبھی آپ پر ریاکاری کا شبہ نہ ہوا۔'' پھر لکھتا ہے کہ:۔ یہ بات یقینی طور پر سچائی سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر مغربی شہزادے مسلمان مجاہدین اور ترکوں کی جگہ ایشیا کے حکمران ہو گئے ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ اس مذہبی رواداری کا سلوک نہ کرتے جو مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔کیونکہ عیسائیت نے تو اپنے ان ہم مذہبوں کو نہایت تعصب اور ظلم کے ساتھ تشدد کا نشانہ بنایا جن کے ساتھ اُن کے مذہبی اختلافات تھے۔''

31۔کیرن آرم سٹرانگ(Karen Armstrong) لکھتی ہے کہ

''حضرت محمد ﷺ کو بنیادی توحید پر مبنی روحانیت کے قیام کے لئے عملاً صفر سے کام کا آغاز کرنا پڑا۔جب آپ نے اپنے مشن کا آغاز کیا تو ناممکن تھا کہ کوئی آپ کو اپنے مشن پر کام کرنے کا موقع فراہم کرتا، عرب قوم توحید کے لئے بالکل تیار نہ تھی وہ لوگ ابھی اس اعلیٰ معیار کے نظریہ (توحید) کے قابل نہ ہوئے تھے۔درحقیقت اس متشدد اور خوفناک معاشرے میں اس نظریے کو متعارف کروانا انتہائی خطرناک ہو سکتا تھا۔اور حضرت محمد ﷺ بہت ہی خوش قسمت ہوتے اگر اپنی زندگی کو بچا پاتے۔درحقیقت حضرت محمد ﷺ کی جان اکثر خطرات میں گھری رہتی اور ان کا بچ جانا قریب قریب ایک معجزہ تھا مگر حضرت محمد ﷺ کامیاب ہوئے۔اپنی زندگی کے اختتام تک حضرت محمد ﷺ نے قبائلی تشدد کی پرانی روایت کا قلع قمع کر دیا اور عرب معاشرے کے لئے لادینیت کوئی مسئلہ نہ رہا۔اب عرب قوم اپنی تاریخ کے ایک نئے دور میں داخل ہونے کے لئے تیار تھی۔'' پھر لکھتی ہیں:۔آخر یہ مغرب ہی تھا نہ کہ اسلام، جس نے مذہبی مباحثات پر پابندی لگائی۔صلیبی جنگوں کے وقت تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ یورپ دوسروں کے نظریات دبانے کی آرزو میں جنونی ہو چکا تھا اور جس جوش

سے اس نے اپنے مخالفین کوسزائیں دی ہیں ۔ مذہب کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ۔اختلاف رائے کرنے والوں پرمظالم، پروٹسٹنٹ کے کیتھولک پرمظالم اوراسی طرح کیتھولک کے پروٹسٹنٹ پر مظالم کی بنیادان پیچیدہ مذہبی عقائد پرتھی ۔جن کی اجازت یہودیت اوراسلام نے ذاتی معاملات میں اختیاری طور پر دی ہے عیسائی ملحدانہ عقائد کا یہودیت اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں ۔جن کے مطابق (عیسایت)الوہیت کے بارے میں انسانی تصورات کو ناقابل قبول حدتک لے جاتا ہے بلکہ اُسے مشرکانہ بنادیتا ہے۔''

[54.A biography of the prophet by Karen Armstrong page 53)

32۔اینی بسانٹ(Annie Besant) لکھتی ہیں کہ''ایک ایسے شخص کے لئے جس نے عرب کے عظیم نبی کی زندگی اوراُس کے کردار کا مطالعہ کیا ہواور جو جانتا ہو کہ اُس نبی نے کیا تعلیم دی اورکس طرح اس نے اپنی زندگی گزاری ۔اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ خدا کے انبیاء میں سے اس عظیم نبی کی تعظیم نہ کرے میں جو باتیں کہہ رہی ہوں ان کے متعلق بہت لوگوں کوشاید پہلے سے علم ہوگا لیکن میں جب بھی ان باتوں کو پڑھتی ہوں ۔تو مجھے اس عربی استاد کی تعظیم کے لئے ایک نیااحساس پیدا ہوتا ہےاوراس کی تعریف کا ایک نیارنگ نظرآتا ہے۔''

The life and Teachings of Mohammad,Madras 1932 page 4

33۔روتھ کرینسٹین(Ruth Cranston) لکھتی ہیں کہ

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی جنگ یا خونریزی کا آغاز نہیں کیا۔ہر جنگ جوانہوں نے لڑی وہ مدافعانہ تھی ۔وہ اگرلڑے تو اپنی بقا کو برقرار رکھنے کے لئے اور ایسے اسلحے اورطریق سے لڑے جو اُس زمانے کارواج تھا۔یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ چودہ کروڑعیسائیوں میں سے(1949 میں لکھی گئی کتاب)جنہوں نے حال ہی میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائدانسانوں کوایک بم سے ہلاک کردیا ہو،کوئی قوم بھی ایسی نہیں جوایک ایسے لیڈر پرشک کی نظرڈال سکے جس نے اپنی تمام جنگوں کے بدترین حالات میں بھی صرف پانچ یا چھ سوافراد کو تہ تیغ کیا ہو۔عرب کے نبی کے ہاتھوں ساتویں صدی کے تاریکی دور میں جب لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہورہے ہوں، ہونے والی ان ہلاکتوں کا آج کی روشن بیسویں صدی کی ہلاکتوں سے مقابلہ کرنا ایک حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں ۔اس بیان کی تو حاجت ہی نہیں

جو قتل انکوزیشن اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں ہوئے جب عیسائی جنگجوؤں نے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ وہ ان بے دینوں کی کٹی پھٹی لاشوں کے درمیان ٹخنے ٹخنے خون میں پھر رہے تھے۔"

[page 155,New York 1949 Haper and Row publishers,World Faith by Rurh Caranston)

34۔گاڈ فرے ہیگنز لکھتے ہیں کہ "اس بات سے زیادہ عام طور پر کوئی بات سننے میں نہیں آئی کہ عیسائی پادری حضرت محمد ﷺ کے مذہب کو اس کے تعصب اور غیر رواداری کی وجہ سے گالیاں دیتے ہیں۔عجیب یقین دہانی اور منافقت ہے۔یہ کون تھا جس نے سپین سے اُن مسلمانوں کو جو عیسائی ہو چکے تھے، بھگا یا تھا، کیونکہ وہ سچے عیسائی نہ تھے؟ اور وہ کون تھا جس نے میکسیکو اور پیرو میں لاکھوں لوگوں کو تہ تیغ کر دیا تھا اور اُن کو غلام بنالیا تھا کیونکہ وہ عیسائی نہ تھے؟ اور کیا ہی عمدہ اور مختلف نمونہ تھا جو مسلمانوں نے یونان میں دکھایا۔صدیوں تک عیسائیوں کو اُن کے مذہب ، اُن کے پادریوں، لاٹ پادریوں، اور راہبوں، اور اُن کے گرجا گھروں کو اپنی جاگیر پر پُر امن طور سے رہنے دیا۔۔۔۔۔"

(As Cited inOpology for Mohammad by Godfrey Higgins, Lahore ,page,123.124]

35۔ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) لکھتے ہیں کہ "حضرت محمد ﷺ کی مذہب کی تعلیم کی بجائے اُس کا دوام ہماری حیرت کا موجب ہے۔حضرت محمد ﷺ نے مکہ اور مدینہ میں جو خالص نقش جمایا وہ بارہ صدیوں کے انقلاب کے بعد بھی قرآن کے انڈین، افریقی، اور ترک نو معتقدوں نے ابھی تک محفوظ رکھا ہوا ہے۔مریدانِ۔حضرت محمد ﷺ اپنے مذہب اور عقیدت کو ایک انسان کے تصور سے باندھنے کی آزمائش اور وسوسے کے مقابل پرڈٹے رہے۔اسلام کا سادہ اور ناقابل تبدیل اقرار یہ ہے کہ میں ایک خدا اور خدا کے رسول۔حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں۔یعنی یہ ہے کہ "لا اِلہ الا اللہ محمد رسول اللہ" خدا کی یہ ذہنی تصویر بگڑ کر مسلمانوں میں کوئی قابل دید بُت نہیں بنی۔پیغمبر اسلام کے اعزازات نے انسانی صفت کے معیار کی حدود سے تجاوز نہیں کیا اور ان کے زندہ فرمودات نے ان کے پیروکاروں کے شکر اور جذبہء احسان کو عقل اور مذہب کی حدود کے اندر رکھا ہوا ہے۔"

(History of the Sarasun Empire by Edward Gibbson Alexx Murray and sons London 1870 page 54 (از ماہنامہ انصاراللہ ربوہ اگست ستمبر 2014 ناموس رسالت نمبر)



حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا نام عبداللہ تھا۔ والد کا نام عثمان بن عامر اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ آپ کا شجرہ نسب آٹھویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپ کے محلے میں سکونت پزیر ہوئے۔ اس دوران آپ کے دوستانہ مراسم گہرے ہوتے گئے۔ تقریباً ایک ہی قسم کی پاکیزہ عادات، نیک خیالات اور پاک و صاف دل رکھنے کے باعث دوستی گہری ہوتی گئی۔ اس زمانے میں حضرت ابوبکرؓ نے رویا میں دیکھا کہ مکہ میں چاند اُترا ہے۔ اور اس کی سب گھروں میں روشنی پھیل گئی ہے پھر وہ ابوبکر کی آغوش میں اکٹھا ہو گیا۔ بعض اہل کتاب سے اس کی تعبیر کا پتہ چلا کہ موعود نبی ظاہر ہوگا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا۔ آپ اس وقت بغرض تجارتی سفر مکہ سے باہر تھے۔ آپ کو جب دعویٰ کی خبر ہوئی تو استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم مجھ پر ایمان لاؤ تو حضرت ابوبکرؓ نے فوراً بیعت کر لی۔ اور یوں ان کے اسلام لانے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''جب لوگوں نے انکار کیا ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی۔ اور اپنے مال اور جان سے میری مدد کی۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہت تکالیف اُٹھائیں۔ آپؓ کو بعض دفعہ قریش نے اتنا مارا کہ سر کے بال گر گئے۔ کیونکہ کفار آپ کے سر اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر کھینچتے تھے۔ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے جبکہ مسلمان چالیس سے بھی کم تھے۔ آپ نے خانہ کعبہ میں کفار کو دعوت اسلام دی۔ جس پر کفار نے پاؤں سے اور جوتوں سے اتنا مارا کہ آپکا حلیہ بگڑ گیا۔ اور آپ پہچانے نہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو کپڑے میں ڈال کر گھر پہنچایا گیا۔ اندیشہ تھا کہ جانبر نہ ہو سکیں۔ بے ہوشی میں کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ شام کو جب ہوش آیا تو پہلا سوال تھا کہ میرے آقا کا کیا حال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔؟ بیعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ اور ہمیشہ اشاعت دیں کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کمر بستہ رہے اور اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ ایک دفعہ ایک کافر نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں کپڑا ڈال کر بل دینے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں سے چھڑایا

اور کہا'' کیا تم ایک شخص کو اس کئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ اس پر ان ظالموں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ لیا اور مار مار کر بے حال کر دیا۔آپؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ پاک ہے اللہ جو جلال اور عزت والا ہے۔نوفل بن خویلد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت طلحہؓ کو رسی سے باندھ دیا کرتا تھا تا کہ یہ دینی کاموں سے رُک جائیں مگر آپ ثابت قدم رہے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت مدینہ کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''ابوبکر انتظار کرو شاید اللہ تمہارا کوئی اور ساتھی پیدا کر دے''۔ چند دن بعد جب کفار مکہ نے دارالندوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت مل گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بتایا کہ اجازت ہجرت مل گئی ہے۔فوراً عرض کیا'' الصحبۃ یا رسولاللہ'' کہ یا رسول اللہ اپنے اس غلام کو ہمراہی کا شرف بخشیں۔حضرت اسماءؓ کہتی ہیں۔کہ ہمارے ابا نے راہ خدا میں خرچ کرنے کے بعد ہجرت کے لئے جو کچھ بچا رکھا تھا۔وہ بطور زادِ راہ ساتھ لے گئے۔یہ رقم پانچ ہزار درہم کے قریب تھی۔ہجرت مدینہ کے مبارک سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وفاداری اور جان نثاری کا نمونہ دکھایا وہ عشق ووفا کی منفرد داستان ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بلا معاوضہ پیش کر دی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمت ادا کرنے کی شرط پر قبول فرمائی پھر غار ثور میں جان خطرہ میں ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی توفیق پائی۔جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا۔ثَانِیَ اثْنَیْنِ إِذْ هُمَا فِی الْغَارِ (سورہ توبہ آیت 40) یعنی وہ دو میں سے دوسرا جبکہ وہ غار میں تھے۔۔۔۔۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام غزوات میں بدر سے فتح مکہ تک شرکت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاون ومددگار اور سلطان نصیر رہے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح کی ضرورت پیش آئی تو عمروں کے تفاوت کے باوجود نہ صرف اپنی لخت جگر حضرت عائشہ کا رشتہ بخوشی پیش کر دیا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت کے پیش نظر جلد رخصتی کی خاطر آپ کے لئے حق مہر کا انتظام بھی خود کیا۔غزوہ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک جھونپڑی بغرض حفاظت بنائی گئی۔حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں'' کہ ہم سوچ رہے تھے کہ اس نازک جگہ پر مشرکین کے حملہ سے حفاظت کے لئے کون ڈیوٹی دے۔کہ معاً حضرت ابوبکرؓ تلوار سونتے وہاں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جو حملہ آور اس طرف بڑھے گا میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔بلاشبہ ابوبکرؓ ایک بہادر انسان تھے۔غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت

ابوبکرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت اور بہادری دیکھ کرفرماتے تھے۔’’آپ اپنی تلوار روک رکھیں ہمیں آپ کی ذات کا نقصان قبول نہیں‘‘۔احد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے تعاقب کا فیصلہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ اان جانثاروں میں سے تھے۔جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا اور غزوہ حمراء الاسد میں شرکت کی۔غزوہ بنومصطلق میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں تھا حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے وفادار ساتھی فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب ہوتے ہوئے فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔فتح مکہ کے اگلے سال جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج پر نہ جاسکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔حجۃ الوداع کے اگلے سال دس ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور مسجد میں نماز پڑھانے تشریف نہ لے جاسکے تو نماز کی امامت حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کئی عرب قبائل نے مرتد ہوکر بغاوت کردی اور زکوۃ دینے سے انکاری ہوگئے تھے۔حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی مسلمانوں کی وحدت قائم رکھنے اور باغیوں اور منکرین زکوۃ کا قلع قمع کیا۔فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو اُونٹ کی نکیل بھی زکوۃ میں دیتا تھا وہ جب تک وصول نہ کر لوں جنگ کروں گا۔حضرت اسامہ کا لشکر روکنے کے اور لوگوں کے علاوہ حضرت عمر جیسا دل گردے والا شخص بھی یہی مشورہ دیتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔’’خدا کی قسم! اگر مجھے یقین ہو کہ درندے مدینہ میں آکر میرا جسم نوچ لیں گے تب بھی میں اسامہؓ کے اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا۔آپ نے باغیوں اور منکرین و مرتدین کے نام زبردست خطوط لکھے جن میں اطاعت قبول کرنے والوں سے صلح اور باغیوں سے جنگ کا اعلان تھا۔سارا عرب پھر زکوۃ دینے لگا۔ان خطرناک حالات میں حضرت اسامہ کا لشکر بھی آپ نے بھجوایا اس کے علاوہ جمع قرآن کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ابوبکر ایک عظیم بہادر، جری، عبقری اور مرد خدا تھا۔اس نے ہر اس شخص سے مقابلہ کیا جس نے اسلام کو چھوڑا۔اس نے اسلام کی اشاعت کے لئے شدائد برداشت کیں۔۔۔۔۔اگر صدیق اکبر نہ ہوتا تو اسلام کے اندر ضعف داخل ہوجاتا اسلام کو جو حسن و جمال اور سرسبزی و شادابی بخشی وہ ابوبکرؓ ہی کی وجہ سے عطا فرمائی۔اس نے کوئی اجر نہیں مانگا اور رضائے باری کے لئے یہ سب کام کیا۔اے اللہ تو ہم پر رحم فرما۔آمین (سرالخلافہ روحانی خزائن جلد 8 ص 393)



اصل فاتح اعظم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ہم نے بچپن میں پڑھا تھا کہ مقدونیہ کا الکیز نڈر 20 سال کی عمر میں بادشاہ بنا، 23 سال کی عمر میں مقدونیہ سے نکلا، سب سے پہلے یونان فتح کیا پھر ترکی میں داخل ہوا، پھر ایران کے دارا کو شکست دی، پھر شام میں داخل ہوا اور وہاں سے یروشلم اور بابل کا رخ کیا اور پھر مصر پہنچا۔ وہاں سے ہندوستان آیا اور راجہ پورس کو شکست دی، اپنے عزیز از جان گھوڑے کی یاد میں پھالیہ شہر آباد کیا اور پھر مکران کے راستے واپسی کے سفر میں ٹائیفوائیڈ میں مبتلا ہو کر بخت نصر کے محل میں 33 سال کی عمر میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دنیا کو بتایا گیا کہ وہ اپنے وقت کا عظیم فاتح جنرل اور بادشاہ تھا اور اسی وجہ سے دنیا اس کو الکیز نڈر دی گریٹ یعنی سکندر اعظم ۔بمعنی فاتح اعظم ۔کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

آج اکیسویں صدی میں دنیا کے مورخین کے سامنے یہ سوال رکھا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کیا واقعی الکیز نڈر فاتح اعظم کے لقب کا حقدار ہے؟ سوچیے، الکیز نڈر جب بادشاہ بنا تو اسے بہترین ماہروں نے گھڑ سواری اور تیر اندازی سکھائی، اسے ارسطو جیسے استادوں کی صحبت ملی اور جب 20 سال کا ہوا تو تخت و تاج پیش کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سات پشتوں میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا تھا اور وہ اونٹ چراتے چراتے جوان ہوئے تھے۔ آپ نے نیزہ بازی اور تلوار چلانے کا ہنر بھی کسی استاد سے نہیں سیکھا تھا۔ الکیز نڈر نے ایک منظم فوج کے ساتھ دس برسوں میں 17 لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی بڑی منظم فوج کے دس برسوں میں 22 لاکھ مربع میل کا علاقہ زیرنگوں کیا جس میں روم اور ایران کی دو عظیم مملکت بھی شامل ہیں

یہ تمام علاقہ جو گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر فتح ہوا اس کا انتظام وانصرام بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بہترین انداز میں چلایا۔ الکیز نڈر نے جنگوں کے دوران بے شمار جرنیلوں کا قتل بھی کرایا اور اس کے خلاف بغاوتیں بھی ہوئیں۔ ہندوستان میں اسکی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار بھی کیا لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی کو انکے کسی حکم کی سرتابی کی جرات نہ تھی وہ ایسے جرنیل تھے کہ عین میدان جنگ میں حضرت خالد بن ولید جیسے سپہ سالار کو معزول کیا، حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفے کی گورنری سے ہٹایا، حضرت حارث بن کعب سے گورنری واپس لی، حضرت عمرو بن العاص کا مال ضبط کرنے کا حکم دیا اور حرص کے علاقے کے ایک اور گورنر کو واپس بلا کر سزا کے طور اونٹ چرانے پر لگا دیا۔

آپ کے ان تمام سخت فیصلوں کے خلاف کسی کو حکم عدولی کی جرات نہ ہوئی سب کو معلوم تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فیصلہ صرف عدل کی بنیاد پر کرتے ہیں اور عدل کے خلاف وہ کچھ بھی برداشت نہیں فرماتے۔

الکیزنڈر نے 17 لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا لیکن دنیا کو کوئی نظام نہ دے سکا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کو ایسے ایسے نظام دیے جو آج تک کسی نہ کسی شکل میں پوری دنیا میں رائج ہیں۔ دینی فیصلوں میں آپ نے فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ فرمایا، آپ کے عہد میں باقاعدہ تراویح کا سلسلہ شروع ہوا، شراب نوشی کی سزا مقرر ہوئی اور آپ نے سنہ ہجری کا آغاز کروایا، موذنوں کی تنخواہ مقرر کی اور تمام مسجدوں میں روشنی کا بندوبست فرمایا۔ دنیاوی فیصلوں میں آپ نے ایک مکمل عدالتی نظام تشکیل دیا اور جیل کا تصّور دیا، آبپاشی کا نظام بنایا، فوجی چھاؤنیاں بنوائیں اور فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔ آپ نے دنیا بھر میں پہلی مرتبہ دودھ پیتے بچوں، بیواؤں اور معذوروں کے لئے وظایف مقرر کی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر کبھی دو سالن نہیں ہوتے تھے، سفر کے دوران نیند کے وقت زمین پر اینٹ کا تکیہ بنا کر سو جایا کرتے تھے، آپ کے کرتے پر کئی پیوند رہا کرتے تھے، آپ موٹا کھردرا کپڑا پہنا کرتے تھے اور آپ کو باریک ملایم کپڑے سے نفرت تھی۔ آپ جب بھی کسی کو گورنر مقرر فرماتے تو تاکید کرتے تھے کہ کبھی ترکی گھوڑے پر نہ بیٹھنا، باریک کپڑا نہ پہننا، چھنا ہوا آٹا نہ کھانا، دربان نہ رکھنا اور کسی فریادی پر دروازہ بند نہ کرنا۔ آپ فرماتے تھے کہ عادل حکمران بے خوف ہو کر سوتا ہے۔ آپ کی سرکاری مہر پر لکھا تھا عمر۔ نصیحت کے لئے موت ہی کافی ہے

آپ فرماتے ظالم کو معاف کرنا مظلوم پر ظلم کرنے کے برابر ہے، اور آپ کا یہ فقرہ آج دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیموں کے لئے چارٹر کا درجہ رکھتا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو آزاد پیدا کرتی ہیں، تم نے کب سے انہیں غلام بنالیا؟ آپ کے عدل کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو فاروق کا لقب دیا اور آج دنیا میں عدل فاروقی ایک مثال بن گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہادت کے وقت مقروض تھے چنانچہ وصیّت کے مطابق آپ کا مکان بیچ کر آپ کا قرض ادا کیا گیا۔ اگر آج دنیا بھر کے مورخین الکیزنڈر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا موازنہ کرتے ہیں تو انھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پہاڑ جیسی شخصیت کے سامنے الکیزنڈر ایک کنکر سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ الکیزنڈر کی بنائی سلطنت اسکے مرنے کے پانچ سال بعد ہی ختم ہو گئی تھی جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جس جس خطّے میں

اسلام کا جھنڈا لگایا وہاں آج بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا سنائی دیتی ہے۔الیکزنڈر کا نام آج صرف کتابوں میں ملتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دیئے ہوے نظام آج بھی کسی نہ کسی شکل میں دنیا کے 245 ملکوں میں رائج ہیں۔آج بھی جب کبھی کوئی خط کسی ڈاک خانے سے نکلتا ہے، یا کوئی سپاہی وردی پہنتا ہے، یا وہ چھٹی پر جاتا ہے، یا پھر کوئی معذور یا بیوہ حکومت سے وظیفہ پاتے ہیں تو بلا شبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت تسلیم کرنی پڑتی ہے

تقسیم ہند کے دوران لاہور کے مسلمانوں نے ایک مرتبہ انگریزوں کو دھمکی دی کہ اگر ہم گھروں سے نکل پڑے تو تمہیں چنگیز خان یاد آجائے گا..اس پر جواہر لال نہرو نے کہا کہ افسوس یہ مسلمان بھول گئے کہ ان کی تاریخ میں کوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھا۔



حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بینک اکاونٹ

کیا آپ کو معلوم ہے کہ سعودی عرب کے ایک بینک میں خلیفہء سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آج بھی کرنٹ اکاونٹ ہے.!!

یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ مدینہ منورہ کی میونسپلٹی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر باقاعدہ جائیداد رجسٹرڈ ہے۔آج بھی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر بجلی اور پانی کا بل آتا ہے۔کیا آپ جانتے ہیں کہ مسجد نبوی کے پاس ایک عالی شان رہائشی ہوٹل زیر تعمیر جس کا نام عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوٹل ہے؟؟ تفصیل جاننا چاہیں گے؟؟ یہ وہ عظیم صدقہ جاریہ ہے جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدق نیت کا نتیجہ ہے۔

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پینے کے صاف پانی کی بڑی قلت تھی۔ایک یہودی کا کنواں تھا جو مسلمانوں کو پانی مہنگے داموں فروخت کرتا تھا۔اس کنویں کا نام ''بئر رومہ'' یعنی رومہ کنواں تھا۔۔مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کون ہے جو یہ کنواں خریدے اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دے۔ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں چشمہ عطاء کرے گا'' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودی کے پاس گئے اور کنواں خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔کنواں چونکہ منافع

بخش آمدنی کا ذریعہ تھا اس لیے یہودی نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تدبیر کی کہ یہودی سے کہا پورا کنواں نہ سہی، آدھا کنواں مجھے فروخت کر دو، آدھا کنواں فروخت کرنے پر ایک دن کنویں کا پانی تمہارا ہو گا اور دوسرے دن میرا ہو گا۔۔ یہودی لالچ میں آ گیا۔ اس نے سوچا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دن میں پانی زیادہ پیسوں میں فروخت کریں گے ،اس طرح زیادہ منافع کمانے کا موقع مل جائے گا۔ اس نے آدھا کنواں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفروخت کر دیا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دن مسلمانوں کو کنویں سے مفت پانی حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔۔لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن مفت پانی حاصل کرتے اور اگلے دن کے لیےبھی ذخیرہ کر لیتے۔ یہودی کے دن کوئی بھی شخص پانی خریدنے نہیں جاتا۔۔ یہودی نے دیکھا کہ اس کی تجارت ماند پڑ گئی ہے تو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باقی آدھا کنواں بھی خریدنے کی گزارش کی۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راضی ہو گئے اور پورا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔۔ اس دوران ایک آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنواں دوگنا قیمت پر خریدنے کی پیش کش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس سے کہیں زیادہ کی پیش کش ہے۔اس نے کہا میں تین گنا دوں گا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے کئی گنا کی پیش کش ہے۔اس نے کہا میں چار گنا دوں گا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے کہیں زیادہ کی پیش کش ہے۔ اس طرح وہ آدمی رقم بڑھاتا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی جواب دیتے رہے۔ یہاں تک اس آدمی نے کہا کہ حضرت آخر کون ہے جو آپ کو دس گنا دینے کی پیش کش کر رہا ہے؟۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا رب مجھے ایک نیکی پر دس گنا اجر دینے کی پیش کش کرتا ہے۔۔وقت گزرتا گیااور یہ کنواں مسلمانوں کو سیراب کرتا رہا یہاں تک کہ کنویں کے ارد گرد کھجوروں کا باغ بن گیا۔عثمانی سلطنت کے دور میں اس باغ کی دیکھ بال ہوئی۔ بعدازسعودی کے عہد میں اس باغ میں کھجوروں کے درختوں کی تعداد پندرہ سو پچاس ہوگئی۔۔ یہ باغ میونسپلٹی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر رجسٹرڈ ہیں۔۔وزارتِ زراعت یہاں کے کھجور، بازار میں فروخت کرتی اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر بینک میں جمع کرتی رہی یہاں تک کہ اکاونٹ میں اتنی رقم جمع ہو گی کہ مرکزی علاقہ میں ایک

پلاٹ لیا گیا جہاں فندق عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر ایک رہائشی ہوٹل تعمیر کیا جانے لگا۔ اس ہوٹل سے سالانہ پچاس ملین ریال آمدنی متوقع ہے۔جس کا آدھا حصہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم ہوگا باقی آدھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بینک اکاونٹ میں جمع ہوگا۔

اندازہ کیجیئے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انفاق کو اللہ تعالیٰ نے کیسے قبول فرمایا اور اس میں ایسی برکت عطاء کی کہ قیامت تک ان کے لیے صدقہ جاریہ بن گیا۔۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے ساتھ تجارت کی ۔جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا ،اچھا قرض، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں کئی گنا بڑھا کر لوٹا دیا۔



حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ جات واستدلال

اللہ تعالی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ،رضی اللہ عنہ پر بے شمار انعام نچھاور کیے،ان کے علم اور ذہانت کے واقعات آج بھی تاریخ میں موجود ہیں، جناب حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے پوچھا گیا کہ یا حضرت اگر ایک آدمی ایک کوٹھری میں بند ہو اور کھڑکی روشن دان اُس میں کوئی نہ ہو اور کوٹھری مُقفل ہو اس کوٹھری کے باھر ایک اور کمرہ ہو اور اسکے گرد ایک اور فصیل ہو اور یہ سب کچھ ایک قلعے میں بند ہو تو اس آدمی کا رزق کس راستے سے آئے گا حضرت علی نے فرمایا جس رستے سے اسکی موت آئے گی اسی راستے سے اسکا رزق آجائے گا“

ایک مرتبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے دعویٰ کیا حضورؐ! میرے پاس ایک گدھا تھا اور اس شخص کے پاس ایک بیل، اس کے بیل نے میرے گدھے کو مار ڈالا، حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب بولے کہ جانور بے زبان پر کیا ضمان وتاوان، حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تم ان دونوں میں تصفیہ کردو، حضرت علیؓ نے فریقین سے سوال کیا، یہ دونوں رسی میں بندھے تھے یا کھلے تھے یا ایک بندھا تھا اور ایک کھلا تھا؟ فریقین نے جواب دیا گدھا بندھا تھا، مگر بیل چھوڑا ہوا تھا اور بیل کا مالک اس کے پاس تھا، آپؓ نے حکم دیا: بیل والے پر ضمان ہے، گدھے کی قیمت اس کے مالک کے حوالہ کردے، حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فیصلہ پسند فرمایا اور یہی حکم جاری کیا۔

دو شخص کھانے بیٹھے، ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دوسرے کے پاس تین، جب دونوں نے اپنا اپنا کھانا سامنے رکھا تو ایک تیسرا شخص ادھر سے گذرا اور ان کو سلام کیا، دونوں نے اس کو بلایا، وہ بھی آکر

بیٹھ گیا، تینوں نے مل کر وہ سب آٹھ روٹیاں کھا ڈالیں، تیسرا شخص اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے ہوئے آٹھ درہم دونوں کو دیتے ہوئے کہا: یہ کھانے کا عوض ہے، جو میں نے تمہارے ساتھ کھایا ہے، اس کے جانے کے بعد دونوں میں حجت وتکرار شروع ہوئی جس کی پانچ روٹیاں تھیں، اس نے کہا: میں پانچ درہم لوں گا اور تجھ کو تین درہم ملیں گے؛ کیونکہ تیری روٹیاں تین تھیں، تین روٹی والے نے کہا: میں تو نصف سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گا، یعنی چار درہم لے کر چھوڑوں گا، یہ جھگڑا اتنا طول پکڑا کہ بالآخر حضرت امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور انصاف طلب کیا گیا، آپ نے دونوں کے بیانات سن کر تین روٹی والے سے فرمایا تم کو تین درہم ملتے ہیں، یہ کم نہیں ہے؛ کیونکہ تمہاری تین ہی روٹیاں تھیں؛ لہٰذا تم کو جو ملتا ہے اس پر راضی ہو جاؤ،

مدعی: میں اپنا پورا حق لوں گا، علیؓ: اگر حق پر چلتے ہو تو تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تین درہم جو تم کو ملتا ہے تمہارے حق سے کہیں زیادہ ہے، مدعی: سبحان اللہ! آپ نے اچھا فیصلہ کیا، تین درہم یہ شخص خود دیتا رہا اور میں اس پر راضی نہ ہوا، اب آپ فرماتے ہیں کہ تیرا حق ایک ہی درہم ہے، علیؓ: بے شک تمہارا حق صرف ایک درہم ہے، تمہارا فریق تین درہم پر صلح کرتا رہا، مگر تم نے نہ مانا اور بات بڑھا دی، اب تم مانتے نہیں تو سن لو کہ تمہارا حق کیا ہے، مدعی: فرمایئے اور وجہ معقول بیان کیجئے، علیؓ: آٹھ آٹھ روٹیوں کے تین ٹکڑے برابر کے کرو تو چوبیس (24) ٹکڑے ہوئے، آپ تینوں آدمی نے کھائے، یہ تو معلوم نہیں کہ کس نے زیادہ کھایا اور کس نے کم؛ لہٰذا فرض کرلو کہ سب نے برابر کھائے، مدعی: ہاں، بے شک، علیؓ: تو اس صورت میں ہر ایک نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، تیری روٹیوں سے صرف ایک ٹکڑا بچا جو تیسرے نے کھایا اور تمہارے فریق کی پانچ روٹیاں تھیں، جن کے پندرہ ٹکڑے ہوئے، آٹھ ٹکڑے تو نے خود کھائے اور سات تیسرے کو کھلائے، اب تمہاری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے صرف ایک ٹکڑا تیسرے آدمی نے کھایا جس کا عوض ایک درہم ہے اور تمہارے فریق کے سات ٹکڑے کھائے جس کا عوض سات درہم ہے، مدعی: آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا، بے شک میرا حق ایک ہی درہم ہے اور میں راضی ہوں۔''

ایک مرتبہ ایک نوجوان چند آدمیوں کی شکایت لے کر آیا کہ لوگ میرے باپ کو سفر میں لے گئے تھے، یہ سب لوگ تو واپس آ گئے؛ لیکن میرا باپ واپس نہ آیا، میں ان سے پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اور جب اس کا مال دریافت کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ مال نہ تھا؛ حالاں کہ وہ بہت سا مال اپنے ساتھ لے گئے تھے، حضرت علیؓ نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ رکھا اور پہلے ایک کو

بلایا۔اوراس سے تمام تفصیلات معلوم کیں ،مگراس نے اس کے قتل کرنے کا اقرار نہ کیا،حضرت علیؓ نے ایک نعرہ تکبیر بلند کیا، جتنے ان کے ساتھ علیحدہ کمروں میں تھے،انہوں نے سمجھا کہ ان کے ساتھی نے راز فاش کردیا،اس کے بعد جب یکے بعد دیگرے وہ سب بلائے گئےتوسبھوں نے اس کے باپ کے قتل کرنے کا اقرار کیا،آپؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کو قصاص میں قتل کردیا جائے۔

ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں ،حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے ادوارخلافت میں مشورے لیتے تھےاوران کی ذھانت اور معاملہ فہمی کے قائل تھے،۔اللہ اکبر۔۔۔۔۔۔سبحان اللہ



قبولیت اسلام کی چند درخشندہ یادیں

حضرت طفیل بن عمر دَوسی رَضی اللہ تعالیٰ عَنہُ

حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ جو قبیلہ دوس کے ایک معزز سرداراور شاعر تھے۔ایک دفعہ حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ کسی تقریب کے سلسلہ میں تشریف لائے قریش مکہ میں سے آپ کے ملنے والوں نے آپ کو بتایا کہ آپ ہمارے شہر میں اس حال میں آئے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک ایسا شخص ہے جو ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہےاس وجہ سے ہمارے خاندان میں افتراق پیدا ہو چکا ہے۔باپ بیٹے کا اور بیٹا باپ کا دشمن بن رہا ہےاس لئے آپ کواس سنگین صورت حال میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ان کفار کی باتیں سُن کرآپ بہت محتاط ہو گئے۔اوراس قدراحتیاط برتی کہ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔تا کہ کہیں اتفاق سے بھی آپ کے کانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز نہ پڑ سکے لیکن ایک روز عجیب اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن مسجد نبوی کے کونہ میں نماز ادا کر رہے تھے اور طفیل دوسیؓ بھی قریب ہی عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرے اونچی آواز میں تلاوت فرمارہے تھےجس کی وجہ سے باوجود کانوں میں روئی ہونے کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک ان کے کانوں میں پہنچ رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رقت آمیز اور دلنشین آواز اور حسین کلام نے وہ اثر کیا کہ حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ اپنے آپ سے خود ہی کہنے لگے۔میری ماں مجھے کھوئے میں ایک عاقل و

بالغ اور باشعور انسان ہوں اور اپنی اچھائی اور برائی میں خوب تمیز کرسکتا ہوں تو پھر میں نے کیوں اپنے کانوں میں یہ روئی ڈال رکھی ہے۔فوراً اپنے کانوں سے روئی باہر نکال پھینکی اور بڑے غور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سننا شروع کیا پھر کیا تھا خدا تعالیٰ کے اس روح پرور کلام کی پاک تاثیر نے حضرت طفیل بن عمر دوسی رضی اللہ عنہ کے سارے زنگ دور کر دیئے۔اور اس میں اسلام کی شمعیں فروزاں کر دیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک صحبت میں حاضر ہوئے اور اپنے ایمان ویقین کا اظہار فرمایا۔

حضرت عداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب اہل مکہ کے ظلم وستم حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے تبلیغ اسلام کے سب دروازے بند کر دیئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ طائف کا تاریخی سفر اختیار کیا جس میں اہل طائف نے بھی اپنے قریش کفار بھائی بندوں کی طرح نبی معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت ناروا اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا۔رؤسائے طائف نے اپنے اُوباش نوجوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو گالی گلوچ کرتے ہوئے آپ کے پیچھے ہو لئے اور کئی میل تک آپ پر پتھر برساتے رہے جس سے آپ کا جسد اطہر زخمی ہو کر لہولہان ہو گیا۔اس اذیت ناک صورت حال میں بڑی مشکل کے ساتھ طائف سے تین میل کے فاصلے پر ایک باغ میں پہنچے۔اور ایک دعا کی۔

یعنی اے میرے رب میں اپنے میں اپنے ضعف قوت اور قلت تدبر اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی بے بسی کی شکایت تیرے ہی پاس کرتا ہوں۔اے میرے خدا تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔اور کمزوروں اور بے کسوں کا تو ہی نگہبان اور محافظ ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے میں تیرے ہی مونہہ کی روشنی میں پناہ کا خواستگار ہوں کیونکہ تو ہی ہے جو ظلمتوں کو دور کرتا اور انسان کو دنیا اور آخرت کی حسنات کا وارث بناتا ہے۔دعوت الی اللہ۔لیکن اس اذیت ناک اور خطرناک ساعت میں بھی آپ نے دعوت الی اللہ کے فرض کو کما حقہ سرانجام دیا۔

عسر ہو یُسر ہو تنگی ہو یا آسائش
کچھ بھی ہو بند مگر دعوت اسلام نہ ہو

یہ باغ مکہ کے ایک رئیس ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شعبہ کا تھا اگرچہ یہ دونوں اسلام کے بڑے دشمن تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تکلیف دہ حالت کو دیکھ کر ان کے دل میں بھی آپ کے لئے ہمدردی کے جذبات

پیدا ہو گئے۔انہوں نے اپنے ایک غلام عداس نامی کے ذریعہ کچھ انگور آپ کی خدمت میں بھجوائے۔جب وہ غلام آپ کے پاس انگور لے کر آیا۔آپ نے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا اس پر عداس بڑا حیران ہوا اور پوچھا۔میں نے آج سے پہلے کبھی کسی کو یہ الفاظ کہتے ہوئے نہیں سنا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں کہ رہنے والے ہیں۔اور کس مذہب کے پابند ہیں۔عداس نے کہا میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔اور مذہباً عیسائی ہوں اسپر آپ نے فرمایا کیا وہی نینوا جو خدا کے صالح بندے یونس بن متی کا وطن تھا۔عداس نے بڑی حیرانگی سے کہا ہاں مگر آپ کو یونس نبی کا حال کیسے معلوم ہوا۔آپ نے فرمایا کہ وہ میرا بھائی تھا کیونکہ وہ اللہ کا نبی تھا۔اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔پھر آپ نے حضرت عداس کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی جس کا ان کے قلب سلیم پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ فوراً ایمان لے آئے۔اور جوش عقیدت و اخلاص سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک چوم لئے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت عداس کو بھی دولت ایمان سے مالا مال کر دیا۔

صاف دل کو کثرت اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوف کردگار

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے وقت یہاں پر یہود کے تین قبائل آباد تھے۔تاریخ اسلام میں ان یہودی قبائل کی خدا تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ظلم وستم اور ریشہ دوانیوں کی ان گنت داستانیں محفوظ ہیں۔اہل یہود میں سے بہت ہی کم لوگوں کو اپنے علم وفضل اور مال و دولت کے تکبر کے باعث قبولیت اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔اہل یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب وجود ہیں جو ایک نہایت ہی نیک فطرت انسان تھے جن کو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اسلام کی نعمت عظمیٰ سے مالا مال فرما دیا۔آپ اپنے قبولیت اسلام کا واقعہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں جب مکہ میں اجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ کے بارہ میں علم ہوا تو میں بہت خوش ہوا لیکن خاموش رہا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور قبا کے مقام پر بنی عمر بن عوف کے ہاں مقیم تھے میں اس وقت مدینہ میں اپنے ایک باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھ کر کوئی کام کر رہا تھا اور میرے ساتھ میری پھوپھی بھی تھیں۔اس وقت کسی شخص نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد

کی خبر دی۔ میں نے یہ خبر سنتے ہی زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس پر میری پھوپھی کہنے لگی کہ خدا تجھ کو خراب کرے۔ واللہ اگر تو موسیٰ بن عمران کے آنے کی خبر سنتا تب بھی کس قدر خوش نہ ہوتا میں نے کہا اے پھوپھی مجھے خدا کی قسم ہے یہ بھی موسیٰ کے بھائی ہیں اور ان ہی کے دین پر ہیں۔ جیسے کہ خدا نے انہیں مبعوث کیا تھا ان کو بھی مبعوث کیا ہے میری پھوپھی نے کہا کہ اے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر ہم کو دی گئی ہے کہ قیامت کے قریب مبعوث ہونگے۔ میں نے کہا کہ ہاں وہی ہیں۔ کہنے لگی بس ٹھیک ہے میں فوری طور پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر لیا اس پر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ میں اپنی قوم کی ذہنیت اور ادا سے خوب واقف ہوں۔ دروغ گو اور بہتان تراز ہیں اس لئے جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوں تو مجھے اندر بٹھا دیں اور میری غیر موجودگی میں ان سے میرے بارہ میں استفسار فرمائیں۔ پھر آپ دیکھیں کہ وہ آپ کو میرے بارے میں کیا جواب دیتے ہیں کیونکہ انکو ابھی میرے بارے میں اسلام لانے کی خبر نہیں جب ان کے قبیلہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے استفسار فرمایا کہ تم میں سے حصین (عبداللہ بن سلام کا اسلام سے پہلے نام) کون ہے۔ ان کے قبیلہ والوں نے کہا ہمارا سردار اور ابن سردار ہے۔ اور ہم میں سے ماہر و عالم ہے۔ جب وہ میری تعریف سے فارغ ہوئے تو میں باہر نکل کر ان کے سامنے آیا اور اپنی قوم سے کہا اے گروہ یہود! خدا سے ڈرو اور اس دین کو قبول کرو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔ واللیہ تم جانتے ہو کہ یہ اللیہ کے رسول ہیں۔ انکا نام ان کی صفات کے ساتھ تم توریت میں لکھا پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ خدا کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں۔ اس پر یہود بول اٹھے تو جھوٹا ہے اور مجھے بُرا بھلا کہنے لگے۔ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ غور فرمائیں میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں یہ لوگ بہتان باز اور جھوٹے اور فاجر اور فاسق ہیں۔ اس لئے ایمان نہ لائیں گے اور حیلے بہانے تراشیں گے اس کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا اور اپنے اہل خانہ اور اپنی پھوپھی کو بھی اسلام کی حقانیت کے بارے میں بتایا جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں انشراح صدر عطا فرما دیا اور وہ سب داخل اسلام ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہُ

عاص بن وائل مکہ کا ایک معروف رئیس تھا اور دشمن اسلام تھا۔ ایک دن رؤسائے مکہ نے آنحضور ﷺ کے خلاف ایک میٹنگ منعقد کی جس میں اسلام کی شب و روز ترقی پر غم وغصہ کا اظہار کیا اور ازسر نو اس کے سد باب کے لئے تجاویز اور مشورے کئے گئے اس پر عاص بن وائل نے کہا کہ محمد کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس کی مخالفت کرنے سے اس کو زیادہ شہرت مل رہی ہے۔ چونکہ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے اس لئے اس کی وفات کے ساتھ ہی اس کا دین بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کے بارہ میں فرمایا إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (سورہ کوثر) یہ دشمن جو آپ کو ابتر کہہ رہے ہیں۔ یہی ابتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی۔ کہ اس دشمن اسلام عاص بن وائل کے بیٹے نے اسلام میں داخل ہو کر حضرت محمد ﷺ کا روحانی فرزند بن کر اپنے ہی باپ کو ابتر بنا دیا۔ اور یہ بیٹا عمرو بن العاص ؓ ہیں۔ جو اسلام کے عظیم المرتبت ہیرو ہیں۔ اور بہت سی اسلامی فتوحات کا سہرا آپ کے سر ہے۔ جنگ خندق میں ناکامی و نامرادی کی وجہ سے کفار مکہ میں سخت مایوسی پیدا ہوگئی خاص طور پر سرداران مکہ کے لئے یہ بات باعث ننگ تھی۔ کہ ان کی سالہا سال کی مخالفت کے باوجود وہ اسلام کا بال بھی بیکا نہیں کر پائے۔ اس کے برعکس اسلام کی عظمت دن دوگنی اور رات چگنی ترقیات کی منازل طے کر کے اکناف عالم میں پھیلتی جا رہی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کو بخوبی احساس ہونے لگا تھا کہ عنقریب مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے سیاہ کارناموں کی وجہ سے اپنے ذلت ناک انجام سے خائف تھے۔ ایک دن حضرت عمرو بن العاص نے اپنے دوستوں سے کہا۔ ہمیں یہاں سے ہجرت کر جانی چاہیے تا کہ اپنے عبرت ناک انجام سے بچ سکیں اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہم شاہ حبشہ نجاشی کے لئے کچھ قیمتی تحائف لے کر وہاں جائیں اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لیں کیونکہ میرے نزدیک محمد ﷺ کے طابع رہنے کی نسبت نجاشی کے تحت رہنا بہت بہتر ہے۔ اس طرح آپ حبشہ کو روانہ ہو گئے۔ حضرت عمر بن امیہ زمری ؓ کو ان دنوں حضرت رسول پاک ﷺ نے مہاجرین حبشہ حضرت جعفر ؓ بن ابی طالب وغیرہ کے پاس کسی غرض سے بھجوایا ہوا تھا۔ اتفاق سے جب عمرو بن العاص نجاشی کے دربار میں داخل ہو رہے تھے اس وقت حضرت عمر بن امیہ دربار نجاشی سے باہر نکل رہے تھے۔ حضرت عمرو بن العاس نے حضرت عمر بن امیہ کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔ میں اس کو نجاشی سے مانگ لوں گا اور اسے

قتل کروں گا۔ پھر اگر قریش محمد ﷺ کا قتل کر دیں گے تو میں بھی ان کے برابر ہو جاؤں گا۔ بعدازیں جب وہ دربار میں حاضر ہوئے۔ حسب دستور بادشاہ کو سجدہ کیا۔ درباری آداب بجالائے اور بادشاہ کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کئے۔ بادشاہ ان تحائف سے بہت خوش ہوا اور ان معزز عرب مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور ان کی آمد پر مسرت و انبساط کا اظہار کیا اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آپ نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ ابھی ابھی ہمارے دشمن کا سفیر آپ کے دربار سے باہر گیا ہے اگر اجازت فرمائیں تو میں اس کو قتل کر دوں۔ نجاشی نے یہ کلمات سنے تو غصہ سے اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے بڑے زور سے اپنا ہاتھ اپنے ناک پر مارا۔ حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ مجھے بادشاہ کے اس رویہ سے اس قدر شرمندگی ہوئی کہ میرا دل چاہتا تھا۔ کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ اس صورت حال کو بھانپ کر آپ نے بادشاہ سے معذرت کی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا اگر مجھے یہ احساس ہوتا کہ آپ کو میری یہ بات اسقدر نا گوار گزرے گی تو میں کبھی بھی ایسی بات نہ کرتا۔ اس پر بادشاہ نے آپ سے کہا تم اس شخص کے سفیر کو قتل کرنا چاہتے ہو جس کے پاس موسیٰ کی طرح خدا تعالیٰ کا فرشتہ آتا ہے اس پر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے حیرانگی کے ساتھ کہا کہ اے بادشاہ کیا یہ بات درست ہے۔ اس پر بادشاہ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر آپ نے کہا پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم میری اطاعت کرو اور محمد ﷺ کی بیعت کرلو۔ بے شک وہ حق پر ہیں اور عنقریب وہ اپنے تمام مخالفین پر غالب آجائیں گے۔ جیسے کہ موسیٰ فرعون کے لشکر پر غالب آ گئے تھے۔ اس پر آپ نے بادشاہ سے کہا کیا آپ مجھ سے اسلام کے نام پر بیعت لیتے ہیں نجاشی نے کہا کہ میں بیعت لیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ حبشہ سے مدینہ کو روانہ ہو گئے تا کہ خود حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کر سکیں راستہ میں حضرت خالد بن ولید ؓ سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ان سے پوچھا کدھر جا رہے ہیں حضرت خالد بن ولید ؓ نے کہا اب کہاں تک ہم مخالفت کریں گے۔ واللہ بے شک وہ سچے نبی ہیں میں تو اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ جا رہا ہوں۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا میں بھی اسی غرض سے مدینہ جا رہا ہوں اس پر دونوں دوست اکھٹے مدینہ پہنچے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ

حضرت سعد بن معاذ ؓ کا شمار حضرت محمد ﷺ کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کے

قبول اسلام کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔اور وہ کچھ یوں ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر حضرت محمد ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بطور مبلغ اہل مدینہ کے ساتھ جانے کا ارشاد فرمایا۔تاکہ مدینہ میں نومسلموں بھائیوں کے لئے تعلیم وتربیت کا فریضہ سرانجام دیں۔اور اس علاقہ میں تبلیغ اسلام بھی کریں۔چنانچہ حسب ارشاد نبویؐ حضرت مصعبؓ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اسد بن زرارہؓ (ابوعمامہ) کے مکان پر اپنا ڈیرہ لگایا۔اس لحاظ سے ان کے مکان کو مدینہ میں پہلا اسلامی مرکز کہہ سکتے ہیں۔ایک روز حضرت ابوعمامہ نے حضرت مصعبؓ کو اپنے ساتھ لیا اور تبلیغ وتربیت کے لئے گھر سے نکل پڑے۔راستہ میں ابوعمامہؓ کے ایک خالہ زاد بھائی سعد بن معاذ کا باغ تھا۔یہ لوگ وہیں ہی بیٹھ گئے۔تاکہ ادھر موجود احباب سے بات چیت کریں اور اس دوران کچھ اور نومسلم بھائی بھی آگئے اس پر حضرت مصعبؓ نے ان صحابہ کو دین کی باتیں سکھانی شروع کردیں۔چونکہ یہ باغ سعد بن معاذ کا تھا۔جب ان کو اس بات کا علم ہوا۔تو آپ سخت ناراض ہو گئے۔حضرت سعد اپنی قوم کے بڑے معروف سردار تھے۔اور مدینہ میں اسلام کی آمد سے سخت نالاں رہتے تھے۔جب انہیں یہ علم ہوا کہ مسلمان میرے باغ میں میٹنگ کر رہے ہیں تو ان کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اپنے ایک عزیز اسد بن حزیر (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) سے کہا کیونکہ اسد بن زرارہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔میں انہیں کچھ کہتے ہوئے شرماتا ہوں اس لئے تم باغ میں جاکر ان لوگوں کو وہاں سے نکال دو۔کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ ان جاہلوں کو بہکا کر مسلمان نہ بنالیں۔حضرت اسید بن الحزیر باغ میں گئے۔دیکھا کہ حضرت مصعبؓ لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں۔حضرت ابوعمامہ نے حضرت اسید کو آتے دیکھا تو مصعب سے کہا یہ آدمی اپنی قوم کا سردار ہے۔اسے ذرا تبلیغ کرو۔اسید بڑے غصے کی حالت میں آئے اور آکر حضرت مصعب کو برا بھلا کہا۔حضرت مصعبؓ نے بڑی نرمی سے کہا آپ ذرا بیٹھیں اور میری چند باتیں سماعت فرمائیں اگر اچھی لگیں تو قبول کرنا اگر نہ لگیں تو جو جی میں آئے کرلینا۔اسید مان گئے اور اسلحہ زمین پر رکھا اور ایک طرف بیٹھ گئے۔حضرت مصعب نے بڑی خوش الحانی سے قرآن پاک کی تلاوت کی اور اس کے بعد بڑے احسن طریق پر اسلامی تعلیم پیش کی جس سے اسید کے دل پر گہرا اثر ہوا۔اور آپ کا پتھر دل موم ہو گیا۔اور آپ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔اب حضرت سعد بن زرارہؓ اور اسیدؓ نے مشورہ کیا کہ کس طرح حضرت سعد بن معاذؓ کو بھی تبلیغ کی

جائے۔اور وہ بھی اسلام قبول کرلیں۔کیونکہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں گے تو پھر مدینہ میں کوئی مشکل نہ ہوگی۔حضرت اسید وہاں سے اٹھ کر سیدھے حضرت سعدؓ کے ڈیرے پر گئے۔جب حضرت سعدؓ نے اسید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ساتھیوں سے کہا۔جس حال میں اسیدؓ یہاں سے گیا تھا اس طرح واپس نہیں آرہا۔حضرت سعدؓ نے پوچھا کہ کیا کرکے آرہے ہو۔اسید نے جواب دیا میں نے ان میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں دیکھی۔ہاں یہ سنا ہے کہ تمہارے دشمن بنی حارثہ کے لوگ تمہاری دشمنی کی وجہ سے اسد کو قتل کرنے کے لئے اس کی طرف جارہے ہیں اس پر سعدؓ فوری طور پر غصے سے اٹھے اور باغ کی طرف روانہ ہوگئے وہاں پہنچے تو دیکھا وہ لوگ بڑے سکون سے باتیں کررہے ہیں اس پر وہ سمجھ گئے کہ دراصل اسید نے مجھے ادھر بھجوانے کا یہ منصوبہ بنایا ہے۔آپ نے ادھر پہنچتے ہی ان دونوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کردیا اور کہا کہ اسد تم میرے ساتھ رشتہ داری کا غلط فائدہ اُٹھارہے ہو۔اگر تم میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو تمہیں میرے باغ میں آکر اس طرح میٹنگ کرنے کی جرائت نہ ہوتی۔اس پر حضرت مصعب نے کہا۔آپ ذرا تشریف رکھیں اگر آپ کو ہماری باتیں اچھی لگیں تو مان لینا اگر بُری لگیں تو جو جی میں آئے کرلینا اس پر سعدؓ بولے ٹھیک ہے اس پر حضرت مصعبؓ نے قرآن پاک کی چند آیات کریم کی بڑی خوب صورت آواز میں تلاوت فرمائی اور بعد میں اسلامی تعلیمات کو بڑے دلکش انداز میں ان کے سامنے پیش کیا۔جس سے ان کا چہرہ نور ایمان سے دمک اُٹھا اور کہا کہ تم لوگ کس طرح اسلام میں داخل ہوتے ہو۔حضرت مصعبؓ نے بتایا پہلے آپ غسل کریں پاک کپڑے زیب تن کرکے کلمہ شہادت پڑھیں۔حضرت سعد نے ایسا ہی کیا اور اس طرح آپ بھی عظیم فرزندان اسلام میں شامل ہوگئے۔اس پر آپ اپنی قوم کے پاس تشریف لائے اور انکو مخاطب ہوکر کہا۔اے بنی اشہل تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ان سب نے یک زبان کہا تم ہمارے سردار ہو ہم میں سے افضل اور بہتر ہو۔اور صاب الرائے ہو۔اس پر آپ نے کہا۔میں تمہیں کہتا ہوں آج سے مجھ کو تمہارے مرد عورت اور بچے سے کلام کرنا حرام ہے۔جب تک تم اسلام قبول نہ کرلو۔تاریخ گواہ ہے کہ اسی روز شام سے پہلے پہلے سارا قبیلہ بنی اشہل داخل اسلام ہوگیا۔

حضرت زاہرؓ بن حرام

حضرت زاہر بن حرام کا تعلق بنو اشجع قبیلہ سے تھا۔انہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر

میں شرکت کی توفیق ملی۔ حضرت انسؓ اور حضرت سالمؓ بیان کرتے تھے حضرت زاہر بن حرام صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحرا کے رہنے والے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صحراء سے تحفے لایا کرتے تھے۔ جب وہ واپس جانے لگتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں تحفے دے کر رخصت کرتے اور فرماتے ''زاہر ہمارا دیہاتی اور ہم اس کے شہری ہیں''۔ ہر چند کہ حضرت زاہرؓ ایک بالکل سادہ اور ادنیٰ سی شکل کے آدمی تھے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی سادگی اور اخلاص کی وجہ سے ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مورد۔ ایک روز حضرت زاہرؓ اپنا سامان فروخت کرنے گاؤں سے شہر آئے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کی بجائے سیدھا گاؤں سودا بیچنے چلے گئے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ منڈی میں اپنا سودا بیچ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو اپنی محبت کے اظہار کے لئے حضرت زاہرؓ کے کندھوں کے پیچھے سے جپھی ڈالی۔ پھر اُن کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اُن کا منہ دوسری طرف تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہیں سکے۔ اپنے دھیان میں کہنے لگے۔ کون ہو مجھے چھوڑ دو! پھر جو گردن گمائی تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پہلے فرط محبت سے آپ کا ہاتھ چوما پھر اپنے لاڈ اور پیار کا اظہار کرتے ہوئے خوشی سے اپنی پشت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ سے ملنے لگے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! پھر تو آپ مجھے بہت کم قیمت پائیں گے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں نہیں تم کم قیمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری بہت قدر ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کے نزدیک تم بہت منافع پانے والے ہو'' نیز یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہر شہری کا کوئی دیہاتی (رابطہ) ہوتا ہے اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیہاتی زاہرؓ بن حرام ہے''۔ حضرت زاہرؓ بن حرام بعد میں کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔ (از سیرت صحابہ مصنفہ محترم حافظ مظفر احمد صاحب)

حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین

تعارف وقبول اسلام۔ حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا قبیلہ بنی مزینہ سے تعلق رکھتے تھے۔۔ حضرت عبداللہؓ بن مغفل کے چچا تھے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ چچا نے ناز ونعم اور محبت و شفقت سے پرورش کی۔ جب عبداللہ تک اسلام کا پیغام پہنچا تو انہوں نے اسے قبول کرلیا۔ چچا کو پتہ چلا تو

اس نے عبداللہ کی ایماء پر دھمکی دی۔ کہ اگر تم دین محمد کی پیروی کرو گے۔تو جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے۔واپس لے لوں گا۔عبداللہ نے کمال استقامت سے جواب دیا کہ اب تو میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ ان حالات میں انہوں نے ترک وطن کر کے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشرکانہ نام عبدالعزیٰ کی بجائے عبداللہ کا بابرکت نام اور ذوالبجادین کا بابرکت لقب عطا فرمایا اور لقب کے پس منظر میں حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین کے قبول اسلام اور قربانی کی دردناک داستان آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دی۔عبداللہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی قوم کے لوگوں نے ان کے کپڑے تک اتار لئے۔والدہ رہ نہ سکی۔اس نے ایک موٹی چادر اپنے بیٹے کو اوڑھا دی۔عبداللہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنا اسلام بچا کر اسی چادر میں اپنے گھر سے بھاگ نکلے۔ان کا ارادہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے کا تھا۔مدینہ کے قریب آ کر اس چادر کے دو ٹکڑے کر کے نصف کا تہہ بند بنایا اور نصف اوپر اوڑھ لی۔مدینہ پہنچے۔صبح کی نماز کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پر نظر پڑی تو آپ نے نو وارد اجنبی پا کر پوچھا کہ آپ کون ہو؟ کہا عبدالعزیٰ فرمایا نہیں تم آج سے عبداللہ ذوالبجادین ہو یعنی دو چادروں کے ٹکڑے والے۔بس تم میرے در پر دھونی رما کر بیٹھ جاؤ اور پھر یہ وفا شعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کا مجاور ہو گیا۔دن رات قرآن پڑھنے کا شغل رہتا یا تسبیح و تحمید میں وقت گزرتا۔حسن تلاوت۔حضرت ابن الادرغؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت پر معمور تھا ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام سے باہر نکلے مجھے ڈیوٹی پر معمور پا کر میرا ہاتھ پکڑا ہم چل پڑے اور ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نماز میں باآواز بلند قرآن پڑھ رہا تھا۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت کا لہجہ سُن کر کہا فرمایا یہ کوئی ریا کار معلوم ہوتا ہے۔ابن الادرغؓ نے عرض کیا یہ شخص تو باآواز بلند قرآن پاک پڑھ رہا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ چیز زبردستی اور طاقت سے حاصل نہیں کر سکتے۔پھر ایک رات ایسا ہوا میں حفاظت کی ڈیوٹی دے رہا تھا۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام سے باہر تشریف لائے۔اور ہم ایک دوسرے شخص کے پاس سے گزرے۔جو نماز میں باآواز بلند قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔تب میں نے کہا کہ یہ بھی کوئی ریا کار نہ ہو۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آواز سُن کر فرمایا نہیں نہیں یہ تو عاجز اور جھکنے والا بندہ معلوم ہوتا ہے۔ میں نے جا کر دیکھا تو یہ حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین تھے۔دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کی بلند آواز تلاوت سن کر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کوئی ریا کار تو نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔رہنے دو وہ یقیناً دردمند دل والا انسان

ہے۔حضرت عقبہؓ بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کے بارہ میں جسے عبداللہ ذوالبجادین کہتے تھے فرمایا ”یہ بڑا دردمند دل رکھنے والا ہے وجہ یہ تھی کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت بڑی کثرت سے کرتا تھا۔اور وہ بآواز بلند تلاوت بھی کرتا تھا۔دُعائے خیراور انجام بخیر۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔میں آدھی رات کو بیدار ہوا تو لشکر کے ایک حصہ میں آگ کی روشنی تھی۔وہاں پہنچا تو دیکھا عبداللہ ذوالبجادین وفات پا چکے ہیں۔اور حضرت رسول کریم ﷺ ابوبکر وعمرؓ وہاں موجود ہیں۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے تھے کہ اب بھی وہ نظارہ مجھے خوب یاد ہے جب غزوہ تبوک میں آپ ﷺ عبداللہ ذوالبجادین کی قبر میں آپ اُترے ہوئے تھے۔حضرت ابوبکر وعمرؓ انہیں قبر میں اتار رہے تھے۔حضرت رسول کریم ﷺ انے فرمایا۔اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔آپ ﷺ نے قبلہ رُخ انہیں لیا اور لحد سے خود اپنے ہاتھوں سے اُتارا۔پھر حضور قبر سے باہر تشریف لائے۔اور صحابہ نے قبر تیار کی۔جب فارغ ہوئے تو آپ نے قبلہ رخ منہ کر کے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ (ترجمہ) ”اے اللہ میں اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا“۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے تھے۔کہ میں نے عبداللہ ذوالبجادین سے پندرہ سال پہلے اسلام قبول کیا تھا۔اس وقت میری دلی تمنا ہوئی کہ اے کاش آج عبداللہ ذوالبجادین کی جگہ میں اس قبر میں دفن ہوتا۔اور حضور ﷺ کی اس دعا کا وارث ٹھہرتا۔خوش نصیب تھے حضرت عبداللہؓ ذوالبجادین جو انجام بخیر کے ساتھ اس حالت میں اس دُنیا سے رخصت ہوئے۔کہ رسول خدا ﷺ کی دعائے خاص کے وارث ہوئے۔(از سیرت صحابہؓ مصنفہ حافظ مظفر احمد)

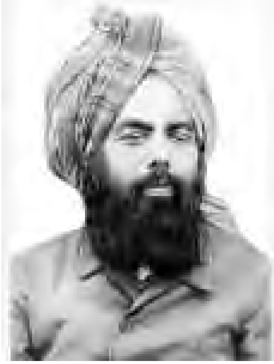
حضرت طلحہؓ بن براء انصاری

حضرت طلحہؓ بن براء انصاری بنی عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔حضرت نبی کریم ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو یہ نوعمر لڑکے تھے۔حضرت نبی کریم ﷺ کو دیکھتے اور ملتے ہی حضور ﷺ کی گہری محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔جس کے نتیجہ میں وہ دیوانہ وار قریب ہو کر چمٹ جاتے اور آپ کی قدم بوسی کرتے۔حضرت نبی کریم ﷺ ایک نوجوان میں اچانک یہ تبدیلی پا کر حیران ہوئے اور مسکرائے بھی۔اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں میں کبھی بھی آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔پھر عرض کیا کہ ”اپنا ہاتھ بڑھائیں اور میری بیعت قبول کریں۔آپ ﷺ نے از راہ امتحان فرمایا ”خواہ میں والدین سے قطع تعلق کا حکم دوں تو تب بھی مانو گے“۔یہ سوچ میں پڑ گئے۔کہتے ہیں کہ

حضرت طلحہؓ اپنی والدہ سے بہت محبت اور احسان کرنے والے تھے۔ دوسری بار بیعت کے لئے عرض کیا تو یہی جواب ملا۔ تیسری بار عرض کیا تو آپ نے پوچھا پھر کس چیز کی بیعت کرتے ہو؟ انہوں نے دین اسلام قبول کرنے اور آپ کی اطاعت کرنے کی بیعت! آپ نے فرمایا ''اچھا جاؤ اور اپنے باپ کو قتل کر آؤ'' اب طلحہ اُٹھے اور تعمیل ارشاد کے لئے چل پڑے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے واپس بلوایا اور فرمایا'' مجھے قطع رحمی کرنے اور رشتوں کے کاٹنے کے لئے نہیں بھیجا گیا میں نے چاہا تھا کہ تمہاری آزمائش کروں کہ بیعت میں کوئی شک وشبہ کی کوئی کسر باقی نہ رہے''۔ پھر حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی اپنے اس اطاعت شعار صحابی سے عجیب و محبت والفت ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد جب طلحہ بیمار ہو گئے تو سخت سردی کے ایام اور بارش کا موسم تھا۔ حضرت نبی کریم ﷺ اس کے باوجود حضرت طلحہؓ کے گھر ان کی بیمار پُرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو مدہوشی کی حالت میں پایا اور فرمایا'' جب ان کو ہوش آجائے تو مجھے بُلوا لینا''۔ دوسری روایت میں ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ طلحہؓ موت کے اس حملہ سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ اگر وفات ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا اور جلدی دفن کرنا کیونکہ مسلمان کی میت کو گھر میں روک رکھنا اچھا نہیں''۔ حضرت طلحہؓ آدھی رات کے قریب ہوش میں آئے تو اپنے آقا کا خیال آیا اور پوچھا کہ کیا حضرت نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اہل خانہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی آمد کا ذکر کیا اور ہوش میں آنے پر انہیں بُلوانے کی بات بتائی۔ وہ کہنے لگے کہ اب آدھی رات کے وقت حضرت نبی کریم کو نہ بُلواؤ۔ مجھے رات کے وقت بلوانے میں آپ ﷺ کے بارہ میں ایک تو یہود سے بھی خطرہ ہے دوسرا خدشہ ہے کہ کوئی سانپ، بچھو نقصان نہ پہنچائے۔ پھر کہا کہ اگر رات میری موت واقع ہو جائے تو حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا۔ اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنے کی درخواست کر دینا۔'' ادھر حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی اپنے اس غلام صادق کی فکر تھی۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے حضرت طلحہؓ کا حال پوچھا تو پتہ چلا کہ وفات پا گئے ہیں۔ آپ نے فوراً دعا کی۔ اے اللہ اس سے اس حال میں ملاقات کرنا کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو۔ پھر صبح کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ حضرت طلحہ کی قبر پر تشریف لے گئے صحابہؓ نے صف بنائی آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی خواہش کے مطابق دعائے مغفرت کی۔ (از سیرت صحابہ مصنفہ حافظ مظفر احمد صاحب)



عظمت قرآن بزبان امام الزمان



امام الزماں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن مجید کی عظمت اور حقانیت کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

جولوگ قرآن کوعزت دیں گے وہ آسمان پرعزت پائینگے ۔
''تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن کومہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پرعزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا نوع انسان کے لئے روئے زمیں پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' (کشتی نوح ص 13)

قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ '' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے اب کوئی شریعت نہیں آسکتی ۔قرآن مجید خاتم الکتب ہے اس میں ایک شوشعہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکات اور فیوض اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہوگیا وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں'' ۔(پیغام امام ص 26 تقریر لدھیانہ 1905)

ہماری کتاب زندہ کتاب ہے۔ ''اسلام زندہ مذہب ہے اور ہماری کتاب زندہ کتاب ہے اور ہمارا خدا زندہ، اور ہمارا رسول زندہ رسول پھر اس کے برکات،انوار اور تاثیرات مردہ کیونکر ہوسکتی ہیں؟ ''(اخبار الحکم 31 اکتوبر 1905ء)

قرآن مجید خدا تعالیٰ کا بے مثال کلام ہے۔ قرآن شریف برابر تیرہ سو برس سے اپنی تمام خوبیاں پیش کر کے ھل ممارض کا نقارہ بجا رہا ہے ۔اور تمام دنیا کو باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی خواص میں بے مثل و مانند ہے اور کسی جن یا انس کو اس کے مقابل یا

معارضہ کی طاقت نہیں۔مگر پھر بھی کسی متنفس نے اس کے مقابلہ پر دم نہیں مارا بلکہ اس کی کم سے کم کسی سورۃ مثلاً سورۃ فاتحہ کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کا بھی مقابلہ نہیں کرسکا۔تو دیکھواس سے زیادہ ودیہی اور کھلا کھلا معجزہ اور کیا ہوگا کہ عقلی طور پر بھی اس پاک کلام کا بشری طاقتوں سے بلند تر ہونا ثابت ہوتا ہے۔اور زمانہ دراز کا تجربہ بھی اس کے مرتبہ اعجاز پر گواہی دیتا ہے۔اور کسی کو یہ دونوں طور کی گواہی کے جوعقل اور تجربہ زمانہ دراز کے رو سے بپایہء ثبوت پہنچ چکی ہے نامنظور ہواور اپنے علم اور ہنر پر نازاں ہو یا دیا میں کسی ایسے بشر کی انشاپردازی کا قائل ہے کہ جوقرآن شریف کی طرح کوئی کلام بنا سکتا ہےتو ہم جیسا کہ وعدہ کر چکے ہیں کچھ بطور نمونہ حقائق ودقائق سورۃ فاتحہ کے لکھتے ہیں اس کو چاہیے کہ بمقابلہ ان ظاہری و باطنی سورۃ فاتحہ کی خوبیوں کے کوئی اپنا کلام پیش کرے''(براہین احمدیہ ص272۔281 حاشیہ نمبر 11)

قرآن کریم کی روحانی تاثیرات ''آسمان کے نیچے فقط ایک ہی نبی اور ایک ہی کتاب ہے،یعنی حضرت محمد ﷺ جو اعلیٰ و افضل سب نبیوں سے،اور اتم و اکمل سب رسولوں سے،اور خاتم الانبیاء اور خیرالناس ہیں۔جن کی پیروی سے خدا ملتا ہے اور ظلماتی پردے اٹھتے ہیں۔اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔اور قرآن شریف جو سچی اور کامل ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہےجس کے ذریعہ سے حقانی علوم اور معارف حاصل ہوتے ہیں اور بشری آلودگیوں سے دل پاک ہوتا ہے اور انسان جہل اور غفلت اور شبہات کے حجابوں سے نجات پا کرحق الیقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے''(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص467)

متبعین قرآن کریم کے لئےعظیم انعام ''اگر کوئی قرآن کریم کی سچی پیروی کرےاور کتاب اللہ کے منشاء کے موافق اپنی اصلاح کی طرف مشغول ہواور اپنی زندگی نہ دنیاداروں کے رنگ میں بلکہ خادم دین کے طور پر بنادے۔اور اپنے تئیں خدا کی راہ میں وقف کردے اور اسکے رسول محمد ﷺ سے محبت رکھے اور اپنی خودنمائی اور تکبر اور عجب سے پاک ہو اور خدا کے جلال اور عظمت کا ظہور چاہے نہ یہ کہ اپنا ظہور چاہےاور اس راہ میں خاک میں مل جائےتو آخری نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ مکالمات الٰہیہ عربی فصیح و بلیغ میں اس سے شروع ہوجاتے ہیں اور وہ کلام لذیذ اور باشوکت ہوتاہت جوخدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے،حدیث النفس نہیں ہوتا''۔(چشمہ معرفت ص300)

اس کشتی میں آخر اسلام کو فتح ہوگی ''میرا بڑا حصہ عمر کا مختلف قوموں کی کتابوں کے دیکھنے میں گذرا

ہے مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے کسی دوسرے مذہب کی تعلیم کو خواہ اس کا عقائد کا حصہ ہو، خواہ اخلاقی حصہ ہو، خواہ تدبیر منزل اور سیاست مدنی کا حصہ ہو، خواہ اعمال صالحہ کی تقسیم کا حصہ ہو، قرآن شریف کے بیان کے ہم پہلو نہیں پایا اور یہ قول اس لئے نہیں کہ میں ایک مسلمان ہوں بلکہ سچائی مجھے مجبور ہو سکتی ہے کہ میں گواہی دوں اور یہ میری گواہی بے وقت نہیں بلکہ ایسے وقت میں جبکہ دنیا میں مذاہب کی کُشتی شروع ہے مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس کشتی میں آخر اسلام کو فتح ہوگی''۔(رسالہ پیغام صلح ص63)

❀❀❀

معرفت کے پھل دینے والا درخت۔سُورۃ فاتحہ

سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ فاتحہ کے بارہ میں فرماتے ہیں۔''حق بات یہی ہے سُورۃ فاتحہ ہر علم اور معرفت پر محیط ہے۔ وہ سچائی اور معرفت کے کے تمام نکات پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔فاتحہ ایک ایسا پاکیزہ درخت ہے جو ہر وقت معرفت کے پھل دیتا ہے۔اور حق وحکمت کے جام سے سیراب کرتا ہے۔ جب کوئی اپنے دل کے دروازہ کو اس کا نور قبول کرنے کے کئے کھول دیتا ہے۔تو اس کا نور اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس سورۃ کے پوشیدہ اسرار سے آگاہ ہو جاتا ہے۔''(کرامات الصادقین ص 103۔104)

ذیل میں آپؑ ہی کی تحریرات پر مبنی سُورۃ فاتحہ کی نہایت مختصر تفسیر پیش خدمت ہے۔ خدا کرے کہ یہ چند الفاظ قارئین کے دلوں میں اس عظیم خزانہ معرفت کو حاصل کرنے کی طلب اور شوق میں اضافہ کا موجب ہوں۔اس خزانے کو حاصل کرنے کی تحریک دلوں میں پیدا ہو۔ سعی کی توفیق ملے اور بالآخر یہ عظیم الشان فصیح وبلیغ سورۃ ان کی راہنمائی کرتے ہوئے اُنہیں منزل مقصود سے ہمکنار کرے آمین۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ۔ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ(شروع کرتا ہوں) جو رحمان اور رحیم ہے۔ ہر کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید ہے۔ یہ ایک مقام عجز ہے۔ گویا اس بات کا اعتراف ہے کہ اے مولیٰ کریم! ساری برکتیں تو فقط تیرے ہی نام سے ہیں۔ اگر تیرے نام کی برکتیں شامل حال نہ ہوں۔تو کوئی کام بھی صحیح طور پر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں اس بات کا

محتاج ہوں کہ میرے اس کام کی احسن پیرائے میں تکمیل کے لئے تو اس میں برکت عطا فرما۔ اپنی صفت رحمانیت کے تحت فضل فرماتے ہوئے ان امور میں بھی مدد فرما جو کہ میری عقل کے احاطہ سے باہر ہونے کی وجہ سے میرے مدّنظر نہیں ہیں۔ مگر تو جانتا ہے کہ وہ میرے اس کام کی تکمیل کے واسطے ضروری ہیں۔ اور اے مولیٰ کریم! جو امور میرے مدّنظر ہیں۔ ان کے لئے بھی تو کما حقہٗ کوشش اور محنت کرنے سے میں قاصر ہوں۔ پس تو اپنی صفت رحیمیت کے تحت میری حقیر مساعی میں برکت عطا فرما۔ میری دعاؤں کو قبول فرما اور ناکامی سے بچاتے ہوئے میرے اس کام کے احسن نتائج مترتب فرما۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ ’’غرض ہر ایک شاندار کام کے شروع میں اس مبدء فیوض کے نام سے مدد چاہنا جو کہ رحمٰن اور رحیم ہے ایک نہایت عبودیت اور نیستی کا طریقہ ہے‘‘۔
(براہین احمدیہ ص364۔347 حاشیہ نمبر 11)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ تمام خوبیاں، تمام صفات اور تمام محاسن اپنے انتہائی کمال کے ساتھ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ الحمدُ للہ اس بات کا اقرار ہے کہ ہر خوبی کا اصل مالک صرف خدا ہے۔ انسان لاشئیِ محض ہے۔ اس کی ذات کے اندر کوئی خوبی نہیں۔ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے عکسی طور پر کوئی خوبی اس کو عطا کرے۔ اس بات پر غور کرنے سے انسان کے اندر عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اور جتنا انسان اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھتا ہے یعنی اپنی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس اَرحم الرَاحمین کا فضل اور پیار حاصل کرتا ہے۔ الحمدُ للہ۔ یعنی۔ ’’تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں‘‘ اس بات کا سچائی کے ساتھ اقرار کرنے والا تکبر و اَنا سے نجات پا کر معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے۔ پھر الحمدُ للہ مقام شکر بھی ہے کہ انسان اگر اپنے اوپر ہونے والے بے شمار فضلوں اور احسانوں کو مدنظر رکھے تو شکرانے کے طور پر ’’الحمدُ للہ‘‘ بے ساختہ زبان پر آتا ہے۔ ہر تکلیف، ہر ابتلاء عُسر، یُسر اور بیماری وغیرہ کے مواقع پر بھی مومن کا دل شکر الحمدُ للہ سے لبریز رہتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ابتلاء بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق ہی سے صبر اور ثابت قدمی عطا ہوتی ہے۔ اور نتیجے کے طور پر انسان انعامات کا وارث قرار پاتا ہے۔ اس لئے ابتلاء بھی مومن کے واسطے سراسر مقام شکر ہی ہوتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ الحمدُ للہ۔ تمام محامد اس ذات معبود برحق مستجمع، جمیع صفاتِ کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ پس خلاصہ مطلب الحمدُ للہ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام

حمد کے کیا باعتبار ظاہر اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں۔ اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور جسقدر محامدِ صحیحہ اور کمالات تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ذہن میں لاسکتا ہے وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں۔

(براہین احمدیہ ص۔ 367۔364 حاشیہ نمبر 11)

''رَبِّ الْعَالَمِین''۔ تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا، پرورش کرنے والا، ترقی عطا کرنے والا۔ صفت رب العالمین کے تحت تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش پر غور کرنے سے خدائے عزوجل کا رُعب اور جلال انسان کے دل پر اجاگر ہوتا ہے اور بے ساختہ اللہ اکبر کی صدا دل سے بلند ہوتی ہے۔ کس قدر وسیع کائنات ہے جو اس رب العالمین نے تخلیق فرمائی ہے۔ ہماری زمین اتنی بڑی ہونے کے باوجود بعض دوسرے سیاروں کے مقابلہ میں محض ایک چنے کے دانے کے برابر ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر بیس ارب سال تک انسان 186000 میل فی سیکنڈ کے حساب سے محوسفر رہے تو وہاں بھی کائنات موجود ہے۔ اس قدر وسیع کائنات میں جتنے بھی اجرام ہیں سب ایک معین نظام کے تحت اپنے اپنے دائروں میں معین رفتاروں سے اور معین قوتوں سے سفر کر رہے ہیں۔ اور یہ سارا نظام معین اصولوں کے تحت چل رہا ہے۔ اور معین اصولوں کے تحت وسعت پذیر ہے۔ خدا ہی ہے جس نے اس کائنات کا نقشہ سوچا اور تخلیق کیا اور وہی ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ زمین کے علاوہ بھی کہیں زندگی پائی جاتی ہے۔ یا نہیں؟ لیکن زمین پر تو بہرحال موجود ہے۔ وہ رب العالمین زمین پر موجود ہر ذی رُوح کی کیا احسن طریق پر ربوبیت فرماتا ہے۔ ہر ذی رُوح کو اس کی ضرورت کے مطابق اور اس کے حالات کے مطابق رزق پہنچانا اسی کا کام ہے۔ وہ رب العالمین خدا نہ صرف پرورش فرماتا ہے بلکہ ہر ذی رُوح کو اس کی استعداد کے مطابق ترقی کے سامان بھی بہم پہنچاتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔'' ترتیب طبعی کے لحاظ سے پہلی خوبی وہ ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں رب العالمین' کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت یعنی پیدا کرنا اور کمال مطلب تک پہنچانا تمام عالموں میں جاری وساری ہے۔ یعنی عالم سماوی اور عالم ارضی اور عالمِ اجسام، عالمِ ارواح، عالمِ جواھر، عالمِ اعراض، عالمِ حیوانات، عالمِ نباتات، عالمِ جمادات اور دوسرے تمام اقسام کے عالم اس کی ربوبیت سے پرورش پا رہے ہیں (ایام صلح ص 18۔19)

الرحمٰن: بن مانگے دینے والا، بغیر عمل کے دینے والا۔ یہ خدا تعالیٰ کے وہ احسانات ہیں جن

میں کسی بھی ذی رُوح کی کسی محنت یا کوشش کا دخل نہیں بلکہ یہ صرف اَلرحمن الراحمین کی عطائے محض ہے۔مثلاً انسانی ضرورت کے واسطے چاند، سورج، ستارے، نباتات و جمادات کا پیدا کرنا، بارش برسانا۔ ہر جاندار کو پیدائش سے پہلے ضروری تربیت مہیا فرمانا جیسے مُرغی کے چوزے کو دانہ چگنا اور گائے کے بچھڑے کو دودھ چوسنا، اس کی صفت رحمانیت کے تحت اس دنیا میں آنے سے پہلے سکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کی اصلاح اور نجات کے واسطے کلامِ الٰہی کا نزول اور انبیا اکرام علیہم السلام کی بعثت بھی صفت رحمانیت کے تحت ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا اور قرآن کریم کا نازل ہونا کیا عرب قوم کی کسی خوبی، دعا یا عمل کا نتیجہ تھا؟ نہیں!! یہ صرف صفت رحمانیت کا جلوہ ہے۔سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔’’اذن الٰہی سے صفت الرحمان کا فیضان انسان اور دوسرے حیوانات کو قدیم سے حکمت الٰہیہ کے اقتضاء اور جوہر قابل کی قابلیت کے مطابق پہنچتا رہا ہے، نہ کہ مساوی تقسیم کے طور پر اور صفت رحمانیت میں انسانوں یا حیوانوں کے قویٰ کے کسب اور عمل اور کوشش کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خالص احسان ہے جس سے پہلے کسی کا کچھ عمل بھی موجود نہیں ہوتا اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عام رحمت ہے جس میں ناقص یا کامل شخص کی کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا‘‘۔(اعجاز المسیح ص90)

اَلرَّحِیم۔ عمل کا نتیجہ پیدا کرنے والا، بار بار رحم کرنے والا، دُعاؤں کو قبول کرنے والا، کوششوں کو بااثر کرنے والا۔صفت رحمانیت میں جو عطا کیا جاتا ہے وہ بلا محنت، کوشش اور دعا کے ہوتا ہے لیکن صفت رحیمیت انسان کی کوششوں کی بارآوری کا نام ہے۔ خدائے رحیم انسان کے ناقص اعمال کو اور ادُھوری کوششوں کو محض اپنے فضل اور رحم کے ساتھ قبول فرما کر ان کے بہتر نتائج پیدا فرماتا ہے۔اور بعض دفعہ بہت تھوڑی کوشش کا بہت زیادہ پھل عطا فرماتا ہے۔سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔’’پھر دوسرا کام اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اپنی صفتِ رحیمیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ بندہ نے محنت اور کوشش کی ہے اس پر نیک ثمرہ مرتب کرے اور اسکی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچا کر گو ہر مراد عطا فرمادے اس صفتِ ثانی کی رُو سے کہا گیا ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے جو مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے۔ جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جاتا ہے یعنی خدا تعالیٰ صفتِ رحیمیت سے کسی کی کوشش اور محنت کو ضائع نہیں ہونے دیتا‘‘۔(براہین احمدیہ جلد چہارم ص364۔347 حاشیہ 11)

مَالِكِ يَوْمِ الدِّين۔ وہ جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔اچھے کام کا بدلہ اس جہان میں بھی ملتا

ہے اوراگلے جہان میں بھی ۔اس طرح برے کاموں کی سزا بھی اسی جہان میں ملنا شروع ہوجاتی ہے لیکن مدِنظر رہے کہ وہ مالک ہے جو کہ مَلِک یعنی جو بادشاہ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ بادشاہ انصاف کا پابند ہوتا ہے۔لیکن مالِک بادشاہ کی طرح انصاف کرنے پر پابند اور مجبور نہیں ہوتا۔نیکی کا اجر وہ اپنی ملکیت کی بناء پرجس قدر چاہے بڑھا کر دے سکتا ہے اور گناہوں کی سزا میں جس قدر چاہے تخفیف کرسکتا ہے ۔سیّدنا حضرت مسیح موعود ومہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ ’’ہر ایک بدی کی سزا دینا خدا کے اخلاق عفواور درگذر کے خلاف ہے۔کیونکہ وہ مالک ہے نہ صرف ایک مجسٹریٹ کی طرح۔جیسا کہ اس نے قرآن شریف کی پہلی سُورۃ میں ہی اپنا نام مالک رکھا ہے۔اورفرمایا کہ مالکِ یوم الدّین یعنی جزاسزا کے دن کا مالک ہے اورظاہر ہے کوئی مالک مالک نہیں کہلاسکتا جب تک دونوں پہلوؤں پراسے اختیار نہ ہو۔یعنی چاہے تو پکڑ لے اور چاہے تو چھوڑ دے‘‘(چشمہ معرفت ص16)

پھر فرماتے ہیں۔ مالکِ یوم الدّین سے یہ مراد نہیں کہ قیامت کو جزاسزا ہوگی بلکہ قرآن شریف میں بار باراور صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ قیامت تو مجازات کبریٰ کا وقت ہے مگر ایک قسم کی مجازات اسی دنیا میں شروع ہے جس کی طرف آیت یَجعَل لَّکُم فُرقاناً (انفال30) اشارہ کرتی ہے(کشتی نوح ص39)

اِیَّاکَ نَعبَدُ وَاِیَّاکَ نَستَعین۔تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ عبادت کرنے یا عبد بننے کا دعویٰ بڑا مشکل دعویٰ ہے ہم اپنی زبان سے تو یہی کہتے ہیں کہ اے خدا ہم تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں لیکن کیا ہم واقعی عبادت کا حق ادا کرنے والے ہیں کیا واقعی ہم عبد بننے کے تقاضے ہم سے پورے ہوتے ہیں؟۔البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔کہ اے رب العٰلمین اے رحمان اور رحیم ہم تیری عبادت سنوار کر کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔تو اپنے رحم کے ساتھ ہماری کمزوریوں کو دور فرما اور اپنی جناب سے ہماری مدد فرماتے ہوئے ہمیں توفیق بخش کہ ہم تیرے عبد بن سکیں۔سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ چھٹی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے۔اِیَّاکَ نَعبَدُ وَاِیَّاکَ نَستَعین ہے جس کے معنی ہیں۔اے صاحبِ صفات کاملہ اور مبدء فیوض اربعہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔اورضرورتوں اور حاجتوں میں مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔یعنی خالصتاً معبود ہمارا تو ہی ہے۔اور تیرے تک پہنچنے کے لئے کوئی اور دیوتا ہم اپنا ذریعہ قرار نہیں دیتے۔نہ کسی انسان کو، نہ کسی بُت کو، نہ اپنی عقل کو اور نہ اپنے علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں اور ہر بات میں تیری ذات مطلق سے

مدد چاہتے ہیں۔(براہین احمدیہ ص 45۔439 حاشیہ 11)

حضرت مسیح موعود و مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ اِیَّاکَ نَعبدُ ۔ گو انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشاء ہے اور وہ اِیّاکَ نَستَعین کے بغیر پورا نہیں ہوتا لیکن اِیّاکَ نَعبدُ کو اِیّاکَ نَستَعین پر مقدم کرکے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے۔اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے اور اس کے بعد خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے دعا کرے۔(الحکم 24۔اکتوبر 1904ص 2۔6مارچ 1905ص 5)

پھر آپ فرماتے ہیں۔''نماز میں سورۃ فاتحہ کی دعا کا تکرار نہایت موثر چیز ہے۔کیسی بے ذوقی اور بے مزگی ہو اس عمل کو برابر جاری رکھنا چاہیے یعنی کبھی تکرار آیت اِیاکَ نَعبدُوَاِیاکَ نَستَعین اور کبھی تکرار اِھدنا الصراط المستقیم کا اور سجدہ میں یا حی یا قیوم برحمتکَ استَغیث (الحکم 20فروری 1898ص 9)

اِھدِناَ الصِرَاطَ المُستَقِیم ۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ایسا راستہ جو انسان کو کم سے کم وقت میں یقینی طور پر منزل مقصود تک پہنچا دے۔المستقیم کہلاتا ہے۔یہاں صراطِ مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جو انسان کو اس کے مقصد حیات سے ہم کنار کرے۔یعنی اسے معبود حقیقی تک پہنچا دے۔ایسا راستہ جس پر چل کر اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہو۔اور وہ انعام یافتہ لوگوں میں شمار ہو جائے ۔حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔''پس خلاصہ یہ ہے کہ اِھدِ ناَ الصراط المستقیم کی دعا انسان کو ہر کجی سے نجات دیتی ہے اور اس پر دین قویم کو واضح کرتی ہے اور اس کو ویران گھر سے نکال کر پھلوں اور خوشبوؤں سے بھرے باغات میں لے جاتی ہے اور جو شخص بھی اس دعا میں زیادہ آہ وزاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو خیر و برکت میں بڑھاتا ہے''۔(کرامات الصادقین 94) صِراطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیہِم ۔ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ ملتا ہے۔'فَاُولئِکَ مَعَ الَّذینَ اَنعمَ اللہُ عَلَیہِم مِنَ النَّبیینَ وَ الصِّدِیقِینَ وَ الشُّھُداۤءِ وَالصّالِحِین (پ5رکوع6)اس راستہ پر چل کر انسان صالح ،شہید،صدیق اور نبی تک کا مقام حاصل کرسکتا ہے۔حضرت مسیح موعؑود فرماتے ہیں:۔''ہم نماز میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اِھدِ نَا الصِرَاطَ المُستَقِیم صِرَاطَ الذِینَ اَنعَمتَ عَلیھِم ۔اس سے یہی مطلب ہے کہ خدا سے ہم اپنے ترقیِ ایمان

اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے چار قسم کے نشان چار کمال کے رنگ میں چاہتے ہیں ۔نبیوں کا کمال ، صدیقوں کا کمال ،شہیدوں کا کمال ،صلحاء کا کمال ۔سو نبی کا خاص کمال یہ ہے کہ خدا سے ایسا علم غیب پاوے جو بطور نشان کے ہواور صدیق کا کمال یہ ہے کہ صدق کے خزانے پر ایسے کامل طور پر قبضہ کرلے یعنی ایسے اکمل طور پر کتاب اللہ کی سچائیاں اس کو معلوم ہو جائیں کہ وہ بوجہ خارق عادت ہونے کے نشان کی صورت پر ہوں ۔اور اس صدیق کے صدق پر گواہی دے اور شہید کا کمال یہ ہے کہ مصیبتوں اور دُکھوں اور ابتلاؤں کے وقت میں ایسی قوت ایمانی اور قوت اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ جو خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان کے ہوجاوے ۔اور مردِ صالح کا کمال یہ ہے کہ ایسا ہر قسم کے فساد سے دور ہوجاوے اور مجسم صلاح بن جائے کہ وہ کامل صلاحیت اس کی خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان مانی جائے سو یہ چاروں قسم کے کمال جو ہم پانچ وقت خدا تعالیٰ سے نماز میں مانگتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ہم خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان طلب کرتے ہیں ۔اور جس میں یہ طلب نہیں اس میں ایمان بھی نہیں ۔ ہماری نماز کی حقیقت یہی طلب ہے جو ہم چار رنگوں میں پنج وقت خدا تعالیٰ سے چار نشان مانگتے ہیں اور اس طرح زمین پر خدا تعالیٰ کی تقدیس چاہتے ہیں ۔تا ہماری زندگی انکار اور شک اور غفلت کی زندگی ہوکر زمین کو پلید نہ کرے اور ہر شخص خدا تعالیٰ کی تقدیس تبھی کرسکتا ہے جب وہ چاروں قسم کے نشان خدا تعالیٰ سے مانگتا رہے''۔(ضمیمہ 5 تریاق القلوب ص4)

غَیۡرِالۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ۔نہ ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔اور نہ ان لوگوں کے راستے پر جو گمراہ ہوئے ۔مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ **مغضوب علیھم** سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد عیسائی ہیں ۔لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمان کو یہ دعا کیوں سکھائی گئی اس بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :۔''قرآن شریف کی پہلی ہی سُورۃ میں جو اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ **مغضوب علیھم** اور ضالین لوگوں میں سے نہ بننا ۔یعنی اے مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کے خصائل کو اختیار نہ کرنا ۔اس میں بھی ایک پیشگوئی نکلتی ہے کہ بعض مسلمان ایسا کریں گے یعنی ایک زمانہ آئیگا کہ ان سے بعض یہود و نصاریٰ کے خصائل اختیار کریں گے کیونکہ حکم ہمیشہ ایسے امر کے متعلق دیا جاتا ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے بعض لوگ ہوتے ہیں ۔(الحکم 31 مارچ 1901 ص10)



جواہرات کی تھیلی قرآن کریم

''جولوگ قرآن کوعزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے''



سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں فرماتے ہیں کہ'' اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا'' (ہماری تعلیم صفحہ 9)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ پاک کلام ہے جو اپنے فضائل، روحانی حسن و جمال۔ افادیت اور پاک تاثیرات کے لحاظ سے نہ صرف تمام صحف انبیاء پر فضیلت رکھتا ہے بلکہ اپنی جامعیت اور فیض رسانی کے لحاظ سے اسقدر افضل و اعلیٰ ہے کہ اس کے پڑھنے والے اور اس کی پاک تعلیمات پر عمل کرنے وال وہ اعلیٰ رفعتیں اور ارلیٰ مقام پاتے ہیں کہ جن کا حصول دوسری کتب کے حاملین کے لئے ناممکن ومحال ہے۔

آنحضورﷺ نے فرمایا **خَیرُ کُم مَن تَعلَّم القرآنَ وَ عَلَّمهُ** (بخاری فضائل القرآن) کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ آنحضورﷺ کے دل میں قرآن کریم سیکھنے اور پڑھنے والوں کی جو عزت و تکریم تھی مندرجہ ذیل احادیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضورﷺ نے فرمایا:۔ انَ الذی لَیسَ فی جوفہ شیءٌ کَالبیتِ الخربُ (ترمذی) کہ جس کو قرآن کریم کا کچھ حصہ یاد نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ جو شخص قرآن کریم کو سیکھتا اور پڑھتا ہے۔ اس کے متعلق آنحضورﷺ فرماتے ہیں کہ'' قرآن کریم پڑھنے والے مومن کی مثال نارنگی کی سی ہے کہ جس کا مزا بھی اچھا ہوتا ہے اور خوشبو اعلیٰ اور عمدہ ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح آنحضورﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:۔ قرآن کریم سیکھو اور اسے پڑھتے رہا کرو کیونکہ جو شخص قرآن سیکھتا اور اُسے پڑھتا رہتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو اور اس کی خوشبو نکل کر سارے مکان میں پھیل رہی ہو''۔ (ترمذی

ابن ماجہ) یعنی قرآن کریم کے علوم اور معارف انسان کو مشک کی خوشبو کی طرح قابل عزت وتکریم اور فیض رساں وجود بنا دیتے تاریخ اسلام کا مشہور واقع ہے کہ آنحضورﷺ نے ایک فوج بھجوائی جو آدمی اس کے لئے چنے گئے آپ نے ان سے قرآن کریم سنا۔آخر آپ ایک شخص کی طرف متوجہ ہوئے جوان سب سے چھوٹی عمر کا تھا اور اس سے پوچھا کی تم کو کتنا حسنہ قرآن کا یاد ہے اس نے کہا فلاں فلاں سورۃ کے علاوہ سورۃ بقرہ بھی یاد ہے۔آپ نے فرمایا سورۃ بقرہ تم کو یاد ہے پس تو تم اس لشکر کے سردار مقرر کئے جاتے ہو۔(ترمذی بحوالہ تفسیر حوالہ جلد اول صفحہ 50)

سورۃ بقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔آنحضورﷺ جب دیگر سورتوں کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی سورۃ کے یاد کئے جانے کا بتایا گیا تو قرآن کریم سے لگن کی وجہ سے چھوٹی عمر ہونے کے اس حامل قرآن کو اس فوج کا سردار مقرر فرمادیا گیا۔جس میں بڑی عمر کے صحابہؓ بھی موجود تھے۔آنحضور ﷺ نے جس طرح قرآن کریم سے محبت کرنے والوں کی تکریم کی اُمت محمدیہ میں سے اہل اللہ نے بھی آپ کے اسوہ کو اپنایا۔حضرت مصلح موعودؓ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا محبت قرآن کا ایک وقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔”حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ ان سے ملنے کے لئے آیا۔وہ کھڑے ہو گئے اور بادشاہ سے ملے۔اور پھر بیٹھ گئے۔پھر وزیر ملنے کے لئے آیا تو وہ اسی طرح بیٹھے رہے کھڑے نہیں ہوئے۔اس کے بعد بادشاہ کا پہریدار ملنے آیا تو پھر وہ کھڑے ہو گئے۔اور کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ گئے۔جب یہ لوگ چلے گئے تو کسی نے کہا آپ نے یہ کیا کیا کہ جب بادشاہ آیا تو اس کے اعزاز کے لئے کھڑے ہو گئے۔وزیر آیا تو کھڑے نہ ہوئے لیکن پہریدار آیا تو پھر کھڑے ہو گئے۔انہوں نے فرمایا کہ بادشاہ آنے پر میں اس لئے کھڑا ہوا تھا کہ بادشاہ کی اطاعت کا حکم ہے۔وزیر آنے پر میں اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ وزیر کی اطاعت کا حکم نہیں۔اس کے بعد پہریدار آیا تو میں پھر کھڑا ہو گیا مگر اس لئے کہ وہ حافظ قرآن تھا اب دیکھو یہ پہریدار ادنیٰ ملازم تھا لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے محبوب کا کلام اس نے یاد کیا ہوا تھا اسلئے باوجود چھوٹا ہونے کے آپ کھڑے ہو گئے“۔(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 201)

قرآن کریم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اِنَّهُ لَقُراٰنٌ كَرِيْمٌ (الواقعہ:78) کہ یقیناً ایک عزت والا قرآن کریم ہے۔قرآن کریم عزت والا ہے اور اپنے پڑھنے والوں کو عزت وتکریم کے قابل بنا دیتا ہے۔ایک حدیث میں حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ”جو شخص قرآن مجید پڑھے اور اس کے احکام پر

عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی‘‘۔ (ابوداؤد) قرآن کریم سیکھ کر پڑھنے والوں کو اور اس پر حقیقی عمل کرنے والوں کو رفعتیں عطا کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ’’قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔ اگر صوری اور معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم اس سے نہ بھاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتداء میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھلائی، اور یہ امید دی کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ یعنی ہمیں ان نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی۔ جو نبی اور رسول اور صدیق اور صالح تھے۔ پس اپنی ہمتیں بلند کر لو اور قرآن کی دعوت کو رد مت کرو کہ وہ تمہیں نا صرف نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی تھیں بلکہ خدا کا تمہاری نسبت ان سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے‘‘۔ (کشتی نوح ہماری تعلیم صفحہ 28)

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

’’بے شمار نمونے موجود ہیں جنہوں نے قرآن پر عمل کر کے دنیا کی سلطنتیں بھی پائیں۔ اور آخرت میں اپنا گھر جنت الفردوس میں بنایا۔ مبارک وہ جو اس دردمند تقریر کو پڑھ کر قرآن مجید کی طرف توجہ کرے‘‘۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 247) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس قوم پر جو دنیا کی قوموں میں، ان پڑھ اور جہالت کے لحاظ سے قعر مزلت میں گری ہوئی قوم سمجھی جاتی تھی۔ قرآن کریم پڑھا تو قرآن کریم پڑھنے اور اسے اپنا دستور عمل بنانے کی وجہ سے نہ صرف جہالت سے نکال کر دنیا کے معلم بنا دیئے گئے بلکہ اس قدر روحانی رفعتوں میں کمال حاصل کیا کہ آسمانِ روحانی کے چمکتے ہوئے ستارے ہو گئے۔ اور ان کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرا یہ صحابی ستارے کی طرح ہے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پاک اور ارفع وجودوں کی اس قدر عزت افزائی اور توقیر فرمائی کہ ان کے حق میں فرمایا کہ وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سے بڑھ کر اور کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے۔ چونکہ قرآن کا خدا زندہ خدا ہے اور زندہ خدا کا زندہ کلام ہے جس کی فیض رسانی آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ جاری رہے گی۔ چنانچہ اس کی محبت اور عشق میں محو ہو کر والہانہ طور پر اس کی محبت اور عشق میں کھو جانے کے باعث سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلا کی اس قدر عزت افزائی فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظل کامل بناتے ہوئے مسیح موعود اور مہدی موعود کے مقام پر فائز فرمایا اور اپنی محبت سے پر خطابات سے آپ کو نوازا۔ فرمایا۔ یا احمد

بَارِكَ اللهُ فِيكَ وَ مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى پھرفرمایاانتَ مرادیہ کہ تو میری مراد ہے۔اور پھرنہایت پیار سے فرمایا۔ انتَ منی و انَا منکَ خدا تعالیٰ نے کیوں اسقدر آپ سے محبت کا اظہار فرمایا اور ہر دم اپنے حضور رفعتوں سے نوازا اس لئے کہ قرآن کریم کے عشق میں آپ کی روح گداز ہو کر یہ پکارتی تھی۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

یہ کوئی وقتی اظہار نہ تھا بلکہ ہر آن قرآن کریم کی محبت میں محو رہتے ہوئے اور اپنی جماعت کو بھی اس نیر کامل کی محبت کی دعوت دیتے ہوئے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ الخَيْرُ كُلُّهُ فِي القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔

وہ روشنی جو پاتے ہیں اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

پس ہمیں قرآن کریم سے محبت کے وہ اسلوب اختیار کرنے چاہیئں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائے ہیں۔اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان پر عمل پیرا ہو کر قرآن کریم کے فیضان اور برکات سے حصہ پایا ہے۔حضور علیہ السلا کا فرمودہ یہ سدا بہار مژدہ ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ ”خدا کا تمہاری نسبت ان سے زیادہ فیض کا ارادہ ہے۔قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے“۔(کشتی نوح)



مسئلہ ناسخ منسوخ حل ہوگیا

سیدنا حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول ؓ فرماتے ہیں:۔

”مدینہ طیبہ میں ایک ترک کو مجھ سے محبت تھی اس نے کہا کہ اگر کوئی کتاب آپ کو پسند ہو تو ہمارے کتب خانے سے لے جایا کریں گو ہمارا قانون نہیں ہے مگر آپ کے اس عشق و محبت کی وجہ سے جو آپ کو قرآن مجید سے ہے آپکو اجازت ہے۔میں نے کہا مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق کوئی کتاب

دو۔انہوں نے مجھے ایک کتاب دی جس میں چھ سو 600 آیت منسوخ لکھی تھی ۔ مجھے یہ بات پسند نہ آئی ۔ساری کتاب کو پڑھا اور مزہ نہ آیا۔میں اس کتاب کو واپس لے گیا۔اور کہا کہ میں جوان ہوں۔اور خدا کے فضل سے یہ چھ سو آیتیں یاد کرسکتا ہوں ۔مگر مجھے یہ بات پسند نہیں ۔وہ بوڑھے اور ماہر شخص تھے انہوں نے ایک اور کتاب دی جس کا نام اتقان تھا اور ایک مقام اس میں بتایا جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث تھی ۔خوشی ایسی چیز ہے کہ میں نے **الفوز الکبیر** کو جو بمبئی میں پچاس روپے کو خریدی تھی ابھی پڑھا بھی نہیں تھا۔میں اتقان کو لایا اور پڑھنا شروع کردیا اس میں لکھا تھا کہ انیس آیتیں منسوخ ہیں ۔میں اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ انیس یا بیس آیتوں کو تو فوراً یاد کرلوں گا۔گو مجھے خوشی بہت ہوئی مگر مجھے ایسا قلب اور علم دیا گیا تھا کہ پھر بھی وہ کتاب مجھے پسند نہ آئی ۔اب مجھ کو **الفوز الکبیر** کا خیال آیا کہ اسکو بھی تو پڑھ کر دیکھیں اس کو پڑھا تو اس کے مصنف نے لکھا تھا کہ خدا نے جو علم مجھے دیا ہے اس میں پانچ آیتیں منسوخ ہیں ۔یہ پڑھ کر تو مجھے بہت ہی خوشی ہوئی ۔میں ان پانچ پر غور کی تو خدا تعالی نے مجھے سمجھ دی کہ یہ ناسخ ومنسوخ کا جھگڑا ہی بے بنیاد ہے ۔کوئی چھ بتاتا ہے کوئی انیس یا اکیس اور کوئی پانچ ۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ تو صرف فہم کی بات ہے ۔میں نے خدا تعالی کے فضل سے فیصلہ کرلیا کہ ناسخ ومنسوخ کا معاملہ صرف بندوں کے فہم پر ہے ۔ان پانچ نے سب پر پانی پھیر دیا۔فہم جب مجھے دیا گیا تو اس کے بعد ایک زمانہ میں میں لاہور کے اسٹیشن پر شام کو اترا۔بعض اسباب ایسے تھے کہ چینیاں والی مسجد میں گیا شام کی نماز کے لئے وضو کررہا تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھائی میاں محمد علی نے مجھ سے کہا کہ جب عمل قرآن مجید وحدیث پر ہوتا ہے تو ناسخ ومنسوخ کیا بات ہے! میں نے کہا کہ کچھ نہیں وہ (زیادہ) پڑھے ہوئے نہیں تھے گو میر ناصر کے استاد تھے ۔انہوں نے اپنے بھائی سے ذکر کیا ہوگا ۔یہ ان دنوں جوان تھے اور بڑا جوش تھا۔میں نماز میں تھا وہ جوش سے اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے ۔جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کہا ادھر آؤ تم نے میرے بھائی کو کہہ دیا ہے کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ نہیں میں نے کہا ہاں نہیں ہے ۔تب بڑے جوش سے کہا کہ تم نے ابومسلم اصفہانی کی کتاب پڑھی ہے وہ احمق بھی قائل نہیں تھا۔میں نے کہا کہ پھر تو ہم دو ہوگئے ۔پھر اس نے کہا کہ سید احمد کو جانتے ہو۔مراد آباد میں صدر الصدور ہے ۔میں نے جواب دیا کہ میں رام پور لکھنو اور بھوپال کے عالموں کو جانتا ہوں ان کو نہیں جانتا۔اس پر کہا کہ وہ بھی (ناسخ منسوخ) کا قائل نہیں ۔تب میں نے کہا بہت اچھا پھر اب ہم تین ہوگئے کہنے لگا کہ یہ سب بدعتی ہیں ۔امام شوکانی

نے لکھا ہے کہ جو نسخ کا قائل نہیں وہ بدعتی ہے۔ میں نے کہا کہ تم دو ہو گئے۔ میں ناسخ اور منسوخ کا ایک ایسا فیصلہ آپ کو بتا تا ہوں۔ تم کوئی آیت پڑھ دو جو منسوخ ہو۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ پانچ آیتوں میں سے کوئی پڑھ دے تو کیا جواب دوں۔ خدا تعالیٰ ہی سمجھائے تو بات ہے۔ اس نے ایک آیت پڑھی۔ میں نے کہا کہ فلاں کتاب نے جس کے تم بھی قائل ہو اس کا جواب دیا ہے۔ کہنے لگا ہاں۔ پھر میں نے کہا پھر پڑھو تو خاموش ہی ہو گیا۔ علماء کو یہ وہم رہتا ہے ایسا نہ ہو کہ ہتک ہو اس لئے اس نے یہی غنیمت سمجھا کہ چپ رہے۔ اس کے بعد پھر بھیرہ میں ایک شخص نے نسخ کا مسئلہ پوچھا اور میں نے اپنے فہم کے مناسب جواب دیا اور کہا کہ پانچ کے متعلق میری تحقیق نہیں۔ تو اس دوست نے کہا کہ آپ اِن پانچ پر نظر ڈال لیں میں نے تفسیر کبیر رازی میں بہ تفصیل ان مقامات کو دیکھا تو تین مقامات خوب میری سمجھ میں آ گئے اور دو سمجھ میں نہ آئیں۔ تفسیر کبیر میں اتنا تو لکھا ہے کہ شدت اور خفت کا فرق ہو گیا۔ پھر میں ایک دفعہ ریل میں بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا جیسے بجلی کوند جاتی ہے میں نے پڑھا کہ فلاں آیت منسوخ نہیں ہے۔ میں بڑا خوش ہوا کہ اب تو چار مل گئیں صرف ایک ہی رہ گئی۔ بڑی بڑی کتابوں کا تو کیا ذکر۔ میں چھوٹ بھیؤں کی (کتابیں) بھی پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح ایک کتاب میں وہ پانچویں بھی مل گئی۔ اور خدا کے فضل سے مسئلہ ناسخ و منسوخ حل ہو گیا''۔

(مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور دین صفحہ 107 مطبوعہ لاہور)



فتنہ اکثریت و اقلیت قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت اور اقلیت کا فتنہ ہر دور میں پیدا ہوتا رہا ہے۔ جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور اصلاح خلق کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ تو دنیا کے فرزند اپنے ظاہری علوم پر نازاں لوگ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (المومن آیت 83) اور جب ان لوگوں کے پاس بینات و دلائل لے کر آئے تو وہ اپنے ظاہری علوم کے گھمنڈ پر ان کے مخالف ہو گئے۔ اور ان سے استہزا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عذاب الٰہی نے ان کو گھیر لیا۔ مامور کے ظہور کے شروع میں لوگ اسے دیوانہ قرار دیتے ہیں۔ اور اسے قابل التفات سمجھتے ہیں لیکن جب دعوت حق کی قبولیت شروع ہوتی

ہے۔اورلوگ اس مامور کی حلقہ بگوشی میں آنے لگ جاتے ہیں۔تومنکرین فوراًاکثریت اوراقلیت کا فتنہ برپا کردیتے ہیں۔حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حق وصداقت کا اس پر کوئی دارومدار نہیں کہ اس کے ماننے والے تھوڑے ہیں یا زیادہ ہیں۔سچائی بہرحال سچائی ہے۔خواہ اس کا ماننے والا ایک ہی شخص ہو۔یہ تو ظاہر ہے کہ جب کوئی نبی اٹھتا ہے۔تو اکیلا ہی ہوتا ہے۔اورجن کی اصلاح کے لئے وہ مامور ہوتا ہے۔وہ اکثریت میں ہوتے ہیں۔بھلا اگراکثریت حق پر ہواوراکثریت اصلاح یافتہ ہو۔اور پھر کسی مامور اور فرستادہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔اس لئے انبیاء اور مصلحین کے باب میں اکثریت اوراقلیت کا سوال غیر معقول اور نادرست ہے اس جگہ دیکھنے والی بات صرف یہ ہوتی ہے کہ آیا جو دعوی کیا جارہا ہے اس کی دلیل موجود ہے۔جو بات کہی جارہی ہے وہ ثابت ہے۔یہ امر سخت حیرت انگیز ہے۔کہ آج کے علماء نے قرآن مجید کے سراسر مخالف یہ فتنہ برپا کررکھا ہے کہ احمدیوں کی تعداد چونکہ تھوڑی ہے اس لئے وہ باطل پر ہیں۔اوراکثریت کوحق ہے کہ ان کوظلم وستم کا نشانہ بنائے۔اسلام کسی بھی مذہبی جبر کا روادار نہیں۔اس لئے جبر وکراہ توکسی صورت بھی جائز نہیں لیکن اکثریت واقلیت کا سوال اٹھانا توکوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ ہمارے مخالفین کو چاہیے تھا کہ وہ قرآن مجید کے مطابق احمدیہ عقائد کا جائزہ لیتے۔جب یہ ثابت ہے کہ احمدی جماعت کے عقائد قرآن مجید کی رو سے درست ہیں۔وہ پانچ ارکان اسلام اور پانچوں ارکان ایمان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔تو یہ کیا سوال ہوا کہ ان کی تعداد تھوڑی ہے۔اکثریت اوراقلیت کے بارے میں قرآن مجید کی آیات ذیل خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:(آیت 88 الاعراف)بے شک تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک حصہ ابھی تک ایمان نہیں لایا لیکن تم صبر سے انتظار کرو۔یہاں تک کہ احاکم الحاکمین خدا ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔حضرت شعیبؑ کے اس پرخلوص بیان پرقوم کے لیڈروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اورتمہارے ساتھ کے مومنوں کواپنی آبادی سے نکال دیں گے۔ورنہ تم ہماری ملت میں واپس آجاؤ۔حضرت شعیبؑ نے فرمایا۔کیا ناپسندیدگی کے باوجود بھی واپس آنا ضروری ہے"۔؟۔اس سے ظاہر ہے کہ نبی ہر محبت پیغام دیتے ہیں۔اور دلیل سے بات کرتے ہیں۔مگر ان کے مخالف اپنی کثرت کے زعم پر ایک فتنہ برپا کردیتے ہیں۔اور نبی اوراس کی جماعت کوملک بدر کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔یا جبراًاُن کے عقائد چھڑانا چاہتے ہیں۔

انبیاء پر ابتداً ایمان لانے والے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔اوران کے مخالف اپنی اکثریت کی

وجہ سے انکار کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ’’جب کبھی بھی کسی جگہ ہم نے اپنا فرستادہ بھیجا تو وہاں کے سرآوردہ لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس مال زیادہ ہیں۔ اور ہم اولادو تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں۔ اس لئے ہم پر عذاب نہیں آسکتا۔‘‘۔ فرعون مصر کے ڈر سے حضرت موسیٰؑ پر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے بڑے متکبرانہ انداز میں کہا (الشعراء آیت 54۔56) کہ بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی اقلیت ہے۔ ہم ان کو دیکھ کر غضبناک ہور ہے ہیں۔ اور ہمیں ان سے چوکس رہنا پڑتا ہے‘‘۔ فرعون نے بنی اسرائیل کی قلت تعداد کی وجہ سے اقلیت و اکثریت کا فتنہ کھڑا کردیا تھا۔ اللہ تعالی نے سورہ کہف میں (جو آخری زمانہ کے فتنوں سے خصوصی تعلق رکھتی ہے) دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ (الکہف۔ آیت 39۔40) کہ اگر آپ مجھے مال و تعداد کی وجہ سے حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے باغات پر غرور کرتے ہیں۔ تو یہ بھی تو ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالی مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ دے دے۔ اور تیرے باغ کو آسمان سے بگولہ بھیج کر اسے تباہ کردے۔‘‘ ان آیات قرآنیہ کی روشنی میں ظاہر ہے کہ تعداد کی قلت اور کثرت ایسی چیز نہیں۔ جس پر کسی کو غرور کرنے کا حق ہو۔ دنیوی طور پر بھی یہ چیزیں آنی فانی ہیں۔ اور دینی طور پر تو ذاتی لحاظ سے ان کا عقائد کی صحت یا عدم صحت سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہبی میدان میں اصل چیز دلیل اور برہان ہے۔ اسی سے کسی کا صادق ہونا معلوم ہوتا ہے اسی سے اہل باطل کا بطلان واضح ہوتا ہے۔ کیا ہمارے مخالف قرآن مجید کی رو سے عقائد کی تحقیق نہیں کرسکتے کہ وہ اسلام کے خلاف اکثریت و اقلیت کا فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ ازل سے ظالم اہل اکثریت نے ہر دور میں خدا کے فرستادوں کو اپنے اقتدار کیلئے خطرہ جانتے ہوئے اپنے عددی کثرت کے بل بوتے پر خدا کے فرستادوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھا اور انھیں اپنے دشمن جان کر من مانے قوانین کو ان پر مسلط کر کے اپنے زعم میں ان کے حوصلے پست کرنے کی ناکام کوششوں میں برسرپیکار رہے کسی کو ملک بدر کیا، کسی کو الزام لگا کر بدنام کیا اور کسی کو قتل کیا۔ مگر پھر بھی ان ظالموں نے منہ کی کھائی اور خود تاریخ کا عبرتناک باب بن گئے آذر، نمرود، شداد، فراعنہ مصر اور بیسیوں اور مشرک متکبرین مصنوعی معبود خدا عظیم و برتر کے غضب کا شکار ہوئے۔ اور انبیاء کرام اور مرسلین کامیاب و کامران ٹھہرے۔ آج اس دور میں بھی وہی تاریخ دوہرائی گئی۔ خلافت احمدیہ کو فراعنہ وقت نے اپنے لئے سیاسی خطرہ جانتے ہوئے مذہبی لبادہ اوڑھ کر نام نہاد مذہبی اور قانونی شرمناک ہتھکنڈوں سے اسے مٹانے کی ناکام بھرپور کوشش کی مگر انہیں کیا معلوم کہ اس شجر کی آبیاری خود خدائے عظیم و برتر

نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔اور خدائے عظیم و برتر نے بمطابق سنت اپنی غیرت دکھائی۔اس زمانے کے فراعنہ ناکامی کے بعد اپنے بدانجام کو پہنچے۔اور جماعت اللہ کے فضل سے اور خلافت کے سائے میں اتحاد اور یگانگت سے،مومنانہ شان کے ساتھ ترقی کی بلند شاہراہوں پر حیرت انگیز منازل طے کر رہی ہے کہ دشمن بھی انگشت بدنداں ہیں۔اسی طرح خدا ہمیشہ سے اپنے نیک بندوں کے لئے غیرت دکھاتا چلا آیا ہے اور دکھاتا رہے گا۔اکثریت یا اقلیت کوئی پیمانہ نہیں۔سوائے تقوی و توحید اور پیار کے۔جو مخلوق خدا سے ہو وہ بھی خدا کو پانے کے لئے۔



جمع القرآن

قرآن کریم سے پہلے کی کوئی الہامی کتاب اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں۔بلکہ تمام پہلی کتب میں اتنا تصرف ہو چکا ہے کہ یقین کے ساتھ اُن پر عمل کرنا ایک سچے طلبگار کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔اس کے برخلاف قرآن کریم جُوں کا تُوں لفظاً لفظاً اُسی طرح محفوظ ہے۔جس طرح حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔قرآن کریم رسول اکرم ﷺ کے دعویٰ نبوت کے ابتدا سے نازل ہونا شروع ہوا۔پہلا الہام قرآن کریم کا غار حرا میں ہوا۔اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی وفات تک قرآن کریم نازل ہوتا چلا گیا۔گویا کل عرصہ نزول 23 سال ہے۔تاریخوں سے ثابت ہے کہ شروع شروع میں وحی تھوڑی تھوڑی کر کے نازل ہوتی تھی۔پھر نزول کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ کی آخری عمر میں پے در پے اور کثرت سے وحی نازل ہوئی۔اسکے علاوہ اور حکمتوں کے یہ حکمت بھی تھی کہ اسلام جو مسائل دنیا میں پیش کر رہا تھا وہ بالکل نئے تھے۔ابتداً میں ان کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل تھا۔اس لئے ابتدا میں قرآن کریم تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔جب لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے اصول رچ گئے اور قرآنی مضامین کا سمجھنا ان کے لئے آسان ہو گیا۔تو پھر قرآن کریم کا نزول بھی تیز ہو گیا۔اور وحی جلدی جلدی ہونے لگی۔اور یہ اس لئے کیا گیا تا مسلمان قرآن کریم کے مضامین کے پوری طرح حافظ ہو جائیں۔دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ جب رسول اکرم ﷺ نے دعویٰ کیا اس وقت آپ کے ماننے والے بہت تھوڑے تھے۔چونکہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ قرآن کریم محفوظ رہے۔اور اس کے متعلق کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو۔اس لئے شروع میں قرآن کریم تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ایسی آہستگی کے ساتھ کہ بعض دفعہ چند آیات

نازل ہونے کے بعد کئی مہینے گزر جاتے تھے اور پھر جا کر چند اور نئی آیات نازل ہوتی تھیں ۔اسی طرح ان تھوڑے سے آدمیوں کو پورے قرآن کریم یاد کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ چند سالوں میں مسلمانوں کی جماعت بڑھنی شروع ہوئی ۔اور پھر اور قرآن کریم کی حفاظت زیادہ آسان ہوگئی ۔تب قرآن کریم کا نزول بھی پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے ہونے لگا۔آخری زمانہ اسلام میں تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر نکل گئی ۔اس وقت قرآن کریم کا آسان کرنا بہت آسان ہوگیا۔تب قرآن کریم اور بھی زیادہ جلدی سے اُترنے لگا اس الٰہی تدبیر سے قرآن کریم کی حفاظت قطعی اور یقینی ہوگئی ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم کے بدترین دشمنوں میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو سال کے متعلق یہ شبہ رکھتا ہو۔ کہ اس عرصہ میں قرآن کریم میں کوئی تبدیلی ہوگئی ہوگی ۔کیونکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن کریم کی سات کاپیاں کر کے سات ممالک میں بھیج دی گئی تھیں ۔اور ہر ملک کے لوگ اُن کاپیوں کو دیکھ کر اپنے لئے قرآن کریم کے نسخے تیار کر لیا کرتے تھے ۔جو لوگ قرآن کریم کے محفوظ ہونے کے متعلق کسی قسم کا شبہ پیدا کرتے ہیں وہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے لے کر حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک کے متعلق اعتراض کرتے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو حصہ قرآن کریم کا نازل ہوتا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو حفظ کر لیتے تھے ۔اور ہمیشہ قرآن کریم کو دہراتے رہتے تھے ۔اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری وحی کے کامل حافظ تھے۔مگر اس کے علاوہ حفاظت قرآن کریم کے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کئے گئے تھے۔



حفاظت قرآن کے ذرائع

(1)۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی ۔وہ اسی وقت لکھوادی جاتی تھی ۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کاتبوں کو قرآن کریم لکھواتے تھے۔ان میں سے مندرجہ ذیل پندرہ نام تاریخ سے ثابت ہے۔:۔زید بن ثابتؓ ۔ابی بن کعبؓ ۔عبداللہ بن سعد ابن ابی سرخؓ ۔زبیر بن عوامؓ ۔خالد بن سعید بن العاصؓ ۔اہان بن سعید بن العاصؓ ۔حنظلہ بن الربیع الاسدیؓ ۔معیقیب بن ابی فاطمہؓ ۔عبداللہ بن ارقم الزہریؓ ۔شرجیل بن حسنہؓ ۔عبداللہ بن رواحہؓ ۔حضرت ابوبکرؓ ۔حضرت عمرؓ ۔حضرت عثمانؓ ۔حضرت علیؓ ۔
(فتح الباری جلد 9 ص 16 باب کاتب وحی رسول اللہ)

(2) کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ پانچ وقت نماز ادا نہ کرے۔ پانچ وقت کی نمازوں میں یہ فرض ہے کہ ان میں قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جائے۔ اس لئے ہر مسلمان کو قرآن کریم کے کچھ ٹکڑے یاد کرنے پڑتے ہیں۔ اگر صحابہ میں سے سو سو کو ملکر بھی قرآن یاد ہوتا تب بھی سارے قرآن کے کئی ہزار حفاظ ان میں موجود تھے۔

(3) اسلام کا سارا قانون قرآن میں ہے۔اس کا سارا فقہ اور علم الاخلاق،علم العقائد اور فلسفہ تعلیم بھی قرآن میں ہے۔قوم کی ترقی اور قوم بنانے کے لئے ان سب چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سارے امور کے لئے آدمی تیار کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانے میں ہی قاضی بھی مقرر تھے۔علم الاحکام بیان کرنے والے لوگ بھی موجود تھے۔ مسائل اعتقادیہ بیان کرنے والے لوگ بھی موجود تھے۔مفتیانِ شریعت بھی موجود تھے۔اور یہ لوگ اپنا کام نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک انکو قرآن حفظ نہ ہو۔اس لئے ایسے تمام لوگوں کو قرآن حفظ کرنا پڑتا تھا۔

(4) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفظ قرآن کی فضیلت پر بہت زور دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ فرماتے تھے۔ جو شخص قرآن حفظ کرلے گا قیامت کے دن خدا تعالیٰ اسے دوزخ میں جانے سے بچائے گا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے وہ صحابی دیئے تھے جو ہر ثواب کے لئے جان توڑ کر کوشش کرتے تھے۔ اس لئے جب آپ نے یہ اعلان فرمایا تو کثرت کے ساتھ صحابہ نے قرآن حفظ کیا بلکہ ایسے ایسے اصحاب نے بھی قرآن حفظ کیا جن کی زبانیں بھی صاف نہ تھیں۔اور جن کے علم بھی کمزور تھے۔ چنانچہ امام احمدؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں قرآن تو پڑھتا ہوں مگر میرا دل اس کو سمجھتا نہیں ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف علمی طبقہ ہی قرآن کو حفظ کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ عوام الناس بھی قرآن کو حفظ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔اس طرح مسند احمد بن حنبل میں ایک اور حدیث انہی راویوں کی روایت سے درج ہے۔ کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کو لے آیا اس نے کہا یا رسول اللہ کہ میرا بیٹا دن کو قرآن پڑھتا رہتا ہے اور رات کو سوجاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر تمہارے لئے ناراضگی کی کون سی بات ہے۔ تیرا بیٹا دن کو خدا کا ذکر کرتا ہے اور رات کو بجائے گناہوں میں مشغول ہونے کے آرام سے سوتا رہتا ہے۔ ان احادیث

سے پتہ چلتا ہے کہ حفظ قرآن کا دستور اتنا عام ہو چکا تھا کہ عامی اور دور دور کے علاقوں کے لوگ بھی قرآن کو حفظ کیا کرتے تھے۔

(5) چونکہ حفظ قرآن کا شوق لوگوں میں بہت تیز ہو گیا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑھنے والوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی تھی جو قرآن حفظ کر کے آگے لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ یہ چار چوٹی کے استاد تھے۔جن کا کام یہ تھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن پڑھیں۔اور لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ پھر ان کے ماتحت اور بہت سے صحابہ ایسے تھے جو لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ان چار بڑے استادوں کے نام یہ ہیں۔1۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔2۔حضرت سالم مولیٰ اابی حذیفہ۔3۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ۔4۔حضرت ابی بن کعب (بخاری) ان میں سے پہلے دو مہاجر ہیں۔ اور دوسرے دو انصاری۔کاموں کے لحاظ سے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مزدور تھے۔حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ ایک آزادشدہ غلام تھے۔حضرت معاذ ابن جبلؓ۔حضرت ابی بن کعب (بخاری) مدینہ کے رؤساء میں سے تھے۔گویا ہر گروہ میں سیرسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام گروہوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قاری مقرر کر دیئے تھے۔حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے کہ جن لوگوں نے قرآن پڑھنا ہو وہ ان چار سے پڑھے۔ یہ چار تو وہ تھے جنہوں نے سارا قرآن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا یا آپؐ کو سنا کر اس کی تصحیح کرا لی لیکن ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست بھی کچھ نہ کچھ قرآن سیکھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک لفظ اور طرح پڑھا تو حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور کہا کہ اس طرح نہیں۔اس طرح پڑھنا چاہیے۔اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ نہیں مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ہے۔حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ قرآن غلط پڑھتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن سن کر فرمایا کہ نہیں یہ ٹھیک ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ لفظ اور رنگ میں سکھایا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار صحابہؓ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی پڑھتے تھے۔حضرت عمرؓ بھی قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھتے تھے۔

قرآن مجید کی مختلف قراءتوں سے کیا مراد ہے۔ یہ جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے اور طرح قرآن پڑھا ہے۔اس سے یہ دھوکا

نہیں کھانا چاہیے کہ قرآن کئی طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔اس حقیقت کو صرف عربی دان سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات صرف عربی میں ہی پائی جا سکتی ہے۔کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی۔عربی میں جو مضارع اور ماضی کے جو صیغے ہیں۔ان کے زیر اور زبر کئی طرح جائز ہوتے ہیں۔لیکن معنی نہیں بدلتے ۔کسی حرف کے نیچے زیر لگالیں تب بھی جائز ہوتا ہے اور اگر اس پر زبر پڑھیں تب بھی جائز ہوتا ہے ۔اور معنی ایک ہی رہتے ہیں کبھی تو یہ عام قاعدہ کے طور پر فرق ہوتا ہے۔یعنی علمی زبان میں اس لفظ کو کئی طرح بولنا جائز ہے۔اور بعض اوقات یہ فرق قبائل کے لحاظ سے جائز ہوتا ہے۔یعنی بعض قبائل یا خاندان ایک لفظ کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اور بعض لوگوں کے منہ پر زبر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زیر یا زبر پڑھنے کی اجازت دے دیتے تھے لیکن اس سے معنوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔نہ لفظ میں کوئی تبدیلی آتی تھی۔یہ فرق اور زبانوں میں بھی پایا جاتا۔اسی لئے دوسری زبانوں آدمی جب یہ بات سنتے ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید کسی شخص کو کوئی آیت پڑھائی ہوئی ہوتی تھی اور کسی کو کوئی اور آیت پڑھائی ہوئی ہوتی تھی۔حالانکہ آیت کا کوئی سوال ہی نہیں نہ لفظ کا کوئی سوال ہے۔سوال صرف لفظوں کے بعض حروف کی حرکت کا ہے۔ان حرکات کے تغیر سے معنوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔صرف اتنا اثر پڑتا ہے۔جس قوم کو جس حرکت سے پڑھنے میں آسانی ہوسکتی ہے وہ اس حرکت سے پڑھ سکتی ہے۔

مہاجرین وانصار سے حفاظ قرآن

ان چار کے علاوہ مسلمانوں میں اور بھی بڑے بڑے قراء تھے مثلاً زید بن ثابتؓ جنکو حضرت رسول اکرم ﷺ آخری زمانہ میں اپنی وحی لکھوایا کرتے ہیں۔ابو زید تھے،جن کا نام قیس ابن السکن تھا(فتح الباری جلد 9۔صفحہ 49) یہ انصاری تھے۔اور بنو نجار قبیلہ میں سے تھے۔جو حضرت رسول اکرم ﷺ کے ننہال میں سے تھے۔اسی طرح ابو درداء انصاری بھی قراء میں سے تھے۔(بخاری) پھر حضرت ابو بکرؓ بھی قاری تھے۔چنانچہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع زمانہ سے ہی قرآن حفظ کرتے چلے آرہے تھے۔حضرت علیؓ کی نسبت بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کے حافظ تھے۔بلکہ انہوں نے قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن لکھنے کا کام حضرت رسول اکرم ﷺ کی وفات کے معاً بعد شروع کر دیا تھا۔نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ

بن عمرؓ بھی قرآن کے حافظ تھے۔اور وہ قرآن مجید کے اتنے مشتاق تھے کہ وہ ایک رات میں سارا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع پہنچی تو فرمایا ایک ماہ میں ایک دفعہ ختم کرلیا کرو۔رات میں ایک دفعہ نہ ختم کیا کرو۔اس سے طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ابوعبیدہؓ کہتے ہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہاجر صحابہ میں سے مندرجہ ذیل کا حفظ ثابت ہے۔ابوبکرؓ،عمرؓ، عثمانؓ،علیؓ،طلحہؓ،ابن مسعودؓ،حذیفہؓ، سالمؓ،ابوہریرہؓ،عبداللہ بن صائبؓ،عبداللہ بن عمرؓ،عبداللہ بن عباسؓ،اورعورتوں میں سے حضرت عائشہؓ،حضرت حفصہؓ،حضرت اُم سلمہؓ،ان میں سے تو اکثر نے تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی قرآن حفظ کرلیا تھا اور بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حفظ کیا۔اور ابن ابی داؤد کتاب الشریعت میں لکھتے ہیں کہ مہاجرین میں سے تمیم بن عوس الداریؓ اور عقبہ بن عامر کا حافظ ہونا بھی ثابت ہے۔اوراس طرح بعض مصنفوں نے ثابت کیا ہے کہ مہاجرین میں سے عمرو بن العاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی حافظ قرآن تھے۔انصار میں سے جومشہور حفاظ تھے اُن کے نام یہ ہیں :۔حضرت عبادہ بن صامتؓ،معاذؓ،مجمع بن حارثہؓ،فضالہ بن عبیدؓ،مسلمہ بن مخلدؓ،ابوالدرداءؓ،ابوزیدؓ،زید بن ثابتؓ،ابی بن کعبؓ،سعد بن عبادہؓ،اُم ورقہؓ، تاریخ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ میں سے بہت سے حافظ قرآن تھے۔2ھجری میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض قبائل کی درخواست پر 70 حافظ قرآن لوگوں کو دین سکھانے کے لئے بھیجے تھے۔یہ لوگ اپنی اپنی مجالس میں رات دن قرآن سناتے تھے۔چنانچہ حافظ ابوالعلیٰ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اوراس نے کہا یارسولاللہ ابوموسیٰ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔اور بہت سے لوگ ان کے ارد گرد بیٹھے ہیں اور وہ ان کو قرآن یاد کروار ہے ہیں۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔کیا تم مجھے کسی ایسی جگہ پر بٹھا سکتے ہو جہاں سے وہ لوگ مجھے نہ دیکھ سکیں۔اس نے کہا ہاں۔اس پر وہ شخص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے گیا اور گھر کے کسی ایسے کونے میں بٹھا دیا جہاں سے وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکتے تھے۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوموسیٰ کی قرائت کو سنا تو وہ بالکل درست تھی۔اور بہت ہی اچھی طرح وہ قرآن پڑھا رہے تھے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تو داؤد علیہ السلام کے خوبصورت طریق پر قرآن پڑھ رہا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علاوہ ان چار حفاظ کے جن کو آپ نے استاذ الاساتذہ مقرر

کیا تھا۔باقی لوگوں کی قرات کا بھی امتحان لیتے رہتے تھے۔اوران کی نگرانی رکھتے تھے کہ وہ غلطی نہ کر بیٹھیں۔صرف ایک ہی جگہ پرنہیں بلکہ صحابہؓ کومختلف مجالس میں قرآن پڑھایا جاتا تھا۔حضرت امام احمدؒ میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو لوگ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھ رہے تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھواور خوب پڑھواور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کروپیشتر اس کے کہ وہ قوم آئے جوقرآن کے الفاظ کوتو صحیح پڑھے گی لیکن مزدوری اوردنیوی فائدہ کے لئے پڑھے گی اپنے نفس کی اصلاح کے لئےنہیں۔جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہماری اس مجلس میں نہ صرف مہاجر وانصار تھے بلکہ عجمی واعرابی بھی شامل تھے یعنی جنگلی اورغیرعربی لوگ بھی ۔قراء کی تعداد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ ہزاروں تک تھی۔چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب مسیلمہ کذاب نے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ حملہ کیااور ان کے مقابلہ کے لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تیرہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس کے دفاع کے لئے بھیجا تواس وقت نئے مسلمان ہونے والوں کی وجہ سے ضمنی طور پرپےدرپےشکست ہونے لگی تھی اوراس وجہ سے کئی مقامات سےلشکراسلامی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔اس پرحفاظ قرآن نے کہا کہا ہمارا الگ لشکرترتیب دیا جائے۔کیونکہ ہم اسلام کی قیمت جانتے ہیں اس پرحضرت خالدبن ولیدؓ نے ان کی بات مان لی۔اورتین ہزارحفاظ کوالگ محاذ دیا۔جس نے پوری شدت سے مسیلمہ کےلشکرکوایک جگہ محصور ہونے پر مجبور کردیااورآخراس کالشکرتباہ ہوگیا۔اُس وقت ان صحابہؓ نے شعار جنگ کے الفاظ مقرر کئے تھے۔''اے سورہ بقرہ کے حافظو''۔انہوں نے یہ شعاراس لئے مقررکیا تھا کہ یہ سب سورہ سے لمبی سورہ ہے۔اس لڑائی میں پانچ صد قاری شہید ہوئے۔ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی قرآن کریم لکھا بھی جاتا تھااور حفظ بھی کیا جاتا تھا۔اور ہزاروں آدمی قرآن کوشروع سے لےکرآخرتک یادرکھتے تھے۔

ایک جلد میں قرآن مجید کا جمع کرنا

جب یہ پانچ سوقرآن کا حافظ لڑائی میں مارا گیا تا حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اورکہا کہ ایک لڑائی میں پانچ سوقرآن کا حافظ مارا گیا ہے نہ جانے ابھی کتنی اور ایسی ہی لڑائیاں درپیش ہونگی۔اگراسی طرح مزید حفاظ شہید ہوتے گئے تو لوگوں کی نظر میں قرآن مشکوک ہوسکتا ہے اس لئے

قرآن کوایک جلد میں جمع کر دینی چاہیے۔ پہلے تو حضرت ابوبکرؓ نے انکار کیا مگر پھر مان گئے اوراس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن حارثؓ کو مقرر کیا جو رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں قرآن لکھا کرتے تھے۔اور کبار صحابہؓ ان کی مدد کے لئے مقرر کئے۔ گواس وقت ہزاروں حفاظ تھے ان سب کو جمع کرنا ناممکن تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ قرآن کو تحریری نسخوں سے اسے نقل کیا جائے اور ساتھ ہی احتیاط کیا جائے کہ کم سے کم دو حافظ اس کی تصدیق کریں۔ چنانچہ متفرق چمڑوں اور ہڈیوں پر جو قرآن لکھا ہوا تھا۔اسے جمع کر دیا گیا اور حفاظ نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ میں آئی کہ مختلف لوگ مختلف قراتوں میں قرآن پڑھتے ہیں اور غیر مسلموں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے کئی نسخے ہیں۔اس قرات سے مراد یہ ہے کہ کوئی قبیلہ کسی حرف کو زبر سے، کوئی زیر سے اور کوئی پیش سے پڑھتا ہے۔ یہ بات سوائے عربی کے اور کسی زبان میں نہیں پائی جاتی۔اس لئے عربی نہ جاننے والا اس کے مختلف معنی مراد لے سکتا ہے۔ پس اس فتنہ سے بچنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے یہ تجویز فرمائی حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ قرآن لکھا گیا تھا اس کی کاپیاں کروا کر سب ممالک میں بھیج دی گئیں اور ایک قرات مقرر کردی گئی۔قرآن کو مسلمان حفظ کرتے رہے اوراس کے نسخے لکھتے رہے۔ چونکہ قرآن کے پڑھنے ، لکھنے اور پھیلانے کو بہت بڑا ثواب قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اسلامی حکومت میں بڑے بڑے علماء اور بادشاہ تک قرآن کی کاپیاں لکھا کرتے تھے۔عرب اوراس کے اردگرد کے بادشاہوں کا ذکر ایک طرف ہندوستان جیسے ملک میں جو عرب سے بہت دور، اور جہاں ہندو رسم و رواج غالب آچکا تھا۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب اپنی فرصت کے اوقات میں قرآن لکھا کرتا تھا۔اس نے اپنی عمر میں سات نسخے قرآن کے لکھے۔ پھر ساری دنیا میں مسلمانوں کی قرآن سے محبت کا یہ عالم ہے کہ دولاکھ سے زائد حفاظ ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں۔قرآن کریم کی عبارت اس قسم کی ہے اور یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ وہ ایسی سریلی زبان میں نازل ہوا ہے کہ اس کا حفظ کرنا نہایت آسان ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جو عربی سے ناواقف ہے اس کے بعض حصوں میں صدیوں سے اکثر لوگ حفاظ پائے جاتے ہیں۔ایک ترکیب مسلمانوں نے قرآن کی حفاظت کے لئے یہ بھی اپنائی ہوئی ہے جس پر صدیوں سے عمل ہورہا ہے کہ جو پیدائشی نابینا بچہ پیدا ہوتا ہے اسے قرآن حفظ کرادیتے ہیں۔اور خیال کیا جاتا ہے کہ نابینا اور کام تو کرنہیں سکتا یہ قرآن ہی کی خدمت کرے گا۔اس لئے ہمارے معاشرے میں یہ عام رواج ہے اور اسی وجہ سے ہم سب نابیناؤں کو جب ملتے ہیں تو حافظ صاحب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں

سکتا کہ کوئی نابینا ہو اور حافظ قرآن نہ ہو۔ ہر ماہ رمضان میں ساری دنیا کی ہر بڑی مسجد میں سارا قرآن حافظ لوگ حفظ سے بلند آواز کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ ایک حافظ امامت کرتا ہے اور دوسرا اسکے پیچھے کھڑا ہوتا ہے تا کہ اگر وہ کسی جگہ بھول جائے تو اس کو بتائے۔ اس طرح دنیا میں لاکھوں جگہ قرآن حافظہ سے دہرایا جاتا ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے یورپ کے دشمنانِ اسلام کو تسلیم کرنا پڑا کہ قرآن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک بالکل محفوظ چلا آتا ہے۔

سر ولیم میور کا و دیگر مستشرقین کا اعتراف



دیباچہ لائف آف محمد میں لکھا ہے۔ ''دنیا کے پردہ پر غالباً قرآن کے سوا اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو پندرہ سو سال کے طویل سرصہ تک بغیر کسی تحریف و تبدیل کے اپنی اصلی صورت میں محفوظ رہی ہو۔ ہماری اناجیل کا مسلمانوں کے قرآن کے ساتھ مقابلہ کرنا جو بالکل غیر محرف و مبدل چلا آتا ہے۔ دو ایسی چیزوں کا مقابلہ کرنا ہے جن میں آپس میں کوئی نسبت نہیں'' (دیباچہ لائف آف محمد صفحہ 21) یہاں پر مصنف صاف الفاظ میں قرآن کی برتری اور اناجیل کی شکست کو تسلیم کر رہا ہے۔ ۔ پھر یہی مصنف لکھتا ہے'' ہمارے پاس اس بات کی اندرونی اور بیرونی ضمانت موجود ہے کہ موجودہ قرآن وہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جسے آپ استعمال کرتے تھے''۔ (دیباچہ لائف آف محمد) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جیسی مستند کتاب میں اس بات کا اقرار ان الفاظ میں کیا جاتا ہے۔'' آج کا قرآن بعینہ وہی ہے جو صحابہ کے وقت میں تھا۔ یورپین علماء کی یہ کوشش کہ قرآن میں کوئی تحریف ثابت کریں بالکل ناکام رہی ہے'' (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا زیر لفظ قرآن)۔ william Grahim لکھتے ہیں:۔ ''مذہبی اور غیر مذہبی کتب میں قرآن مجید شاید وہ واحد کتاب ہے۔ جو لاکھوں لاکھ لوگوں کے ذریعہ مکمل طور پر حفظ کی جاتی رہی''۔

(Beyond the writton word uk cambridge university 1993)



اعجاز قرآن کریم

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت قرآن کریم کو ایک کامل اور مکمل صورت میں ہمارے پیارے آقا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما کر مخلوق خدا کے لئے ابدی نجات کا سامان مہیا فرمایا ہے اور اس کتاب عظیم کو ایک عظیم الشان معجزہ قرار دیا ہے۔ اس کلام الٰہی کو کسی قوم، کسی ملک اور کسی طبقہ کے لئے مخصوص نہیں قرار دیا۔ بلکہ سب طبقات، ہر ملک اور ہر قوم اور ہر معاشرہ کے لئے اس کے فیوض اور برکات جاری وساری ہیں اور اس کے افضال وانوار ہر قوم اور ہر پر حاوی ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے دنیا کی دیگر مذہبی کتابیں کسی خاص قوم اور علاقہ اور زمانہ کے لئے ہوا کرتی تھی۔ مرور زمانہ سے وہ تمام کتابیں آج اپنی اصل حالت میں موجود نہیں ہیں۔ بلکہ تحریف کا شکار ہو چکی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کریم محفوظ وغیر مبدل آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی حفاظت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اعلان فرمایا۔ اے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لوگوں کے سامنے اس حق کی منادی اور تبلیغ کر، ان کو یہ تعلیم دے کہ اے لوگو! میں کسی مخصوص قوم کے لئے نہیں بھیجا گیا اور نہ ہی میری تعلیم مختص الزمان اور مختص القوم ہے بلکہ یہ زندگی بخش تعلیم ساری اقوام عالم کے لئے ہے اور اس کی برکات وفضائل قیامت تک ممتد ہیں جب قرآن کریم کا یہ اعلان ابتداً تمام عالم میں کیا گیا تو لوگ اور فرقے و قبیلے اسلام، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن عظیم کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اس کتاب کو اور اس رسول کو صفحہ ہستی سے مٹا کر دم لیں گے۔

اس کے برعکس اسلام کے زندہ اور غالب خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اعلان کروایا کہ اس کتاب عظیم کو ہم ہی اُتارنے والے ہیں۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس صداقت کو مٹانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوگی۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت تھی۔ جو اقوام اعلیٰ کو تسلیم کرنی پڑی۔ ظاہر ہے کہ مخالفین اسلام اس عظیم الشان اور بے نظیر کلام الٰہی کا مقابلہ کس طرح کر سکتے تھے۔ جب کہ خدا تعالیٰ نے اس کتاب کو عظیم معجزہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”یعنی

اے محمد ﷺ تو ان کو کہہ دے کہ اگر جن وانس مل کر بھی اس عظیم الشان کتاب کی مثل اور نظیر لانے کی کوشش کریں تو وہ بھی ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کی مدد سے اور باہمی کوشش سے ایسا کرنے کی جرأت کریں''۔ اس تحدی کو سورہ بقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اہل عرب جو اپنے آپ کو افصح السان البیان سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس کتاب عظیم کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مگر اس کتاب عظیم کے دعویٰ کو جھٹلا نہ سکے۔ تمام جن وانس کو مقابلہ کے لئے بلایا گیا مگر سب گونگے اور عاجز آ گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے کیا مراد ہے؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟۔ معجزہ کی تعریف مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے مختلف بیان کی ہے۔ متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعویٰ کی صداقت کے لئے دنیا میں ظاہر کرتا ہے۔ اشاعرہ فرقہ کے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف ہے کہ خدا کا فعل ہو، خارق عادت ہو، اس کا معارضہ ناممکن ہو، مدعی ثبوت سے ظاہر ہو۔ اس زمانہ کے مامور و مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معجزہ کی تعریف اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 47 میں یوں بیان فرمائی ہے

''معجزہ ایسے امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ فریق مخالف اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آ جائے۔ خواہ وہ امر بظاہر نظر انسانی طاقتوں کے اندر ہی معلوم ہو۔ جیسا کہ قرآن شریف کا معجزہ ملک عرب کے تمام باشندوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا اگر چہ بنظر سرسری انسانی طاقتوں کے اندر معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی نظیر پیش کرنے سے عرب کے تمام باشندے عاجز آ گئے۔ پس معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے قرآن شریف نہایت روشن مثال ہے''۔ پس معجزہ سے ایسا امر خارق ہے جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور راستباز نبیوں اور اولیاء کی صداقت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے معجزات کا ظہور نبیوں کی صداقت کی دلیل ہے جس مذہب میں معجزات کا وجود نہیں ہے۔ وہ زندہ مذہب نہیں کہلا سکتا۔ زندہ کتاب وہی کہلا سکتی ہے جس کے ذریعہ معجزات کا ظہور ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''جس مذہب میں زندہ معجزات نہیں وہ دین قائم رہ ہی نہیں سکتا'' (ملفوظات جلد دہم) پس قرآن عظیم ہمیشہ کے لئے حضرت رسول اکرم ﷺ کا زندہ اور محفوظ اعجاز ہے۔



یاجوج ماجوج کی آخری جنگ
قرآن مجید کی واضح پیشگوئی



قرآن مجید اور پیشگوئیاں ۔قرآن مجید ایک کامل صحیفہ ہے جونسل انسانی کی دائمی ہدایت اور راہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے۔اس میں اعلی احکام اور جامع تعلیمات بھی ہیں ان احکام کا فلسفہ اور ان تعلیمات کی حکمتیں بھی بیان کی گئیں ہیں۔قرآن مجید میں تزکیہ نفس کے طریق بھی بتائے گئے ہیں۔ اور ان پر چلنے کے ذرائع بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔علاوہ ازیں انسان کے ایمان کو ہر زمانہ میں تازہ رکھنے کے لئے قران پاک میں اہم پیشگوئیاں بھی بیان کی گئی ہیں۔تا ان کے ظہور پذیر ہونے پر اللہ تعالی کی ذات اور اس کے علیم وخبیر ہونے پر زندہ دلیل قائم ہو جائے۔قران مجید کی یہ پیشگوئیاں مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے متعلق بھی ہیں حتی کہ بعض پیشگوئیاں اس وقت سے بھی تعلق رکھتی ہیں جب قیامت قائم ہوگی ،اور نسل انسانی اپنے اعمال کی کامل جزاوسزا پائے گی یہ سب پیشگوئیاں قرآن مجید کے زندہ خدا کا تازہ کلام ہونے پر واضح دلیل ہیں۔

آخری زمانہ کے بارہ میں قرآنی خبریں قرآن مجید میں۔ ہمارازمانہ دوالہامی کتابوں کی رو سے آخری زمانہ ہے۔ان میں بہت سی پیشگوئیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔تا کمزورایمان انسانوں کے لئے تقویت ایمان کا باعث ہواور سچے مومنوں کوازدیادایمان حاصل ہوآخری زمانہ کے متعلق قرآن کریم کی پیشگوئیاں بکثرت ہیں۔ان میں سے جواس موضوع سے متعلق ہے۔اس کا ذکر کرتا ہوں۔قرآن کریم پرغور کرنے سے پتہ چلتا ہے۔آخری زمانہ میں جب لوگوں کی ایمانی حالت کمزور ہو جائیگی اور طاغوتی طاقتیں ہرطرف سے ایمان کے قلعہ پرحملہ آور ہونگی۔اور دنیا مادیت کے مردار پر گدھوں کی طرح گر رہی ہوگی ایمان ثریا پر جا چکا ہوگاروحانیت عنقا ہوچکی ہوگی اس زمانہ میں اللہ تعالی اپنے ایک فرستادہ کو بھیجے گا۔اوراس کے لئے ہیبت ناک نشان دکھائے گا،تالوگ سمجھیں کہ زندہ خدا موجود ہے۔اوردین اسلام کامل دین ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موعود جس کی بعثت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا پرتو ہوگی۔لوگوں کو پاک کرے گا اور بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پرنئ روحانی زندگی پائیں گےلیکن دنیا کی بیشتر آبادی اسی ڈگر پر چلتی رہے گی۔جس پر پہلے سے گامزن تھی۔وہ اس مامور کی آواز پر کان نہ دھرے گی اوراس کی آسمانی باتوں کی شنوائی نہ ہوگی۔بلکہ اس کی وحی پراستہزاءکرے گی اورخدا کی باتوں کوٹھٹھوں میں اڑانے کی کوشش کرے گی۔جب تاریکی کے فرزندوں کی یہ روش انتہا کوپہنچ جائے گی تب خدا تعالی کا غضب بھڑکے گا اور زمین پر ہولناک تباہی آئیگی ۔شہراور دیار ملیامیٹ ہو جائینگے اور انسانوں کوجائے فرار نہ ملے گی مگر چونکہ خداغضب میں دھیما ہےاس کی رحمت جس طرح تقاضا کرتی ہے کہ عذاب سے پہلے رسول مبعوث فرمائے نذیرکو بھیجے۔فرمایا۔وَ ما كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا (الاسراء۔15) ترجمہ کہ ہم عذاب دینے سے پہلے ضرور رسول بھیجتے ہیں۔اسی طرح اس کی رحمت مقتضی ہے کہ انسانوں کو یکدم گرفت میں نہ لائے بلکہ آہستہ آہستہ عذاب دے تاکہ جوان میں سے توبہ کرکے بچنا چاہیں وہ بچ جائیں۔ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون۔ یاجوج وماجوج کے خروج کی خبر۔قرآن مجید فرماتا ہے کہ آخری زمانے میں دو بڑی قومیں دنیا پر غالب آجائیں گی۔وہ زمین پر روحانی موت وارد کرنے کا موجب بنیں گی۔اللہ تعالی فرماتا ہے۔حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ (الانبیا 97،96) ترجمہ۔کہ ایک وقت آئے گا جب یاجوج ماجوج کوکھول دیا جائے گا اوروہ ہر چوٹی اور بلند جگہ پر دوڑتے ہوئے چھا جائینگے تب سچے وعدہ کے ظہور کا موقع پیدا ہوجائے گا۔اس پر کافروں کی نظریں ششدررہ جائیں گی اور وہ کہیں گے کہ ہم تو اس سے غافل ہی رہے۔بلکہ ہم ظالم تھے۔دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا (الکھف94) ترجمہ۔کہ لوگ اس وقت کے ذوالقرنین کے پاس آکرکہیں گے کہ یاجوج ماجوج نے زمین پرفساد برپا کررکھا ہے کیا آپ ہمارے اوران کے درمیان روک بنا کرہمیں ان سے بچائیں گے؟اورہم آپ کوٹیکس ادا کرتے رہیں گے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ آخری زمانے میں یاجوج ماجوج کا غلبہ زمین پر ہونے والا ہے۔اوروہ زمین پرفساد برپا کرنے والے ہیں اوراس دن وعدالحق کے ظہور کا موقع ہوگا۔احادیث نبویہ میں یہ تصریح

موجود ہے کہ آخری زمانہ میں جب مسیح موعود کا ظہور ہوگا تو اس وقت یوں ہوگا۔ اذااوحی اللہ الی عیسی انی قد اخرجت عبادا !الیلابدان لاحد بقتالھم فحرز عبادیالی الطور ویبعثاللہ یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون (رواہ مسلم مشکوۃ المصابیح باب ذکرالدجال ص474) کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود پر وحی کرے گا۔اوراسے بتائے گا کہ میں نے ایسے لوگ پیدا کر دیئے ہیں جن سے جنگ کرنے کی اور لوگوں کو طاقت نہیں۔تو میرے بندوں کوکوہ طور پر لے جا اوراللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو برپا کرے گا۔اوروہ ہر بلندی کو پھاندتے پھریں گے۔

پیشگوئیوں میں استعارات ضروری ہیں۔اسی لئے مسلم شریف کی اس حدیث میں بہت سے استعارے ہیں۔مگر یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ مسیح موعود کے ظہور اور یاجوج ماجوج کے عروج کا ایک ہی زمانہ ہے۔نیز یہ بھی ثابت ہے کہ جس دجال کے فتنہ سے ہر نبی ڈراتا آیا ہے۔وہ ان ہی یاجوج وماجوج میں ہے۔کیونکہ ایک وقت میں یاجوج ماجوج کے غلبہ کے ساتھ ساتھ دجال کا علیحدہ غلبہ تصور میں نہیں آسکتا۔اسلئے ماننا پڑے گا کہ درحقیقت دجال یاجوج ماجوج کا ہی اعتباری اور صفاتی نام ہے۔یاجوج ماجوج کون ہیں۔اب یہ سوال ہے کہ یاجوج ماجوج کون مراد ہیں،سو یادرکھنا چاہیے کہ یاجوج و ماجوج کا ماخذ اجیج ہے اجیج آگ کے شعلوں کو کہتے ہیں امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں'' و یاجوج و ماجوج منھو شبھوا بالنار المضطرمۃوالمیاہ المتعوجہ لکثرۃاضطرابھم (المفردات) ترجمہ۔'' کہ یاجوج و ماجوج کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے۔کہ انہیں بھڑکتی ہوئی آگ اور موجیں مارنے والے پانیوں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ کثرت سے ادھر ادھر پھریں گے''۔امام ملاعلی قاری لکھتے ہیں'' یاجوج وماجوج ھما قبلیتان من ولد یافث بن نوح'' ترجمہ'' کہ یافث بن نوح کی اولاد سے دو قبیلے یاجوج وماجوج ہیں۔'' بائبل سے یاجوج و ماجوج کے مقامات کا بھی پتہ چلتا ہے۔لکھا ہے'' اے جوج! روس اور مسک اور توبال کے سردار۔اور میں تجھے پلٹ دوں گا۔اور تجھے لئے پھروں گا اور ایسا کروں گا کہ تو اتر کی اطراف سے چڑھ آئے اور تجھے اسرائیل کے پہاڑوں پر لاؤں گا۔۔۔۔اور میں ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا اور جانیں گے کہ میں خداوند ہوں'' (حزقیل 29۔1۔6) اس حوالہ سے ثابت ہے کی یاجوج اور ماجوج روسی ہیں اور ماجوج جزائر کے بسنے والے انگریز اوران کی قوم کے منتشر گروہ امریکن وغیرہم ہیں۔یہ قومیں آگ سے غیر معمولی کام لینے کی وجہ سے یاجوج وماجوج ہیں اوراس لحاظ

سے کہ ان کے پادری دنیا بھر میں حضرت مسیح کی الوہیت اور ابنیت کے عقیدہ کو پھیلاتے پھرتے ہیں۔ وہ دجال ہیں قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ ابن اللہ کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کو بھڑکانے والا ہے فرمایا۔ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا (مریم 90-81) کہ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں یعنی دنیا پر کامل تباہی آجائے کیونکہ ان لوگوں نے خدا کو بیٹا قرار دیا ہے مسیح موعود کی آمد اس صلیبی عقیدہ کو پاش پاش کرنے کے لئے مقدر تھی اسی لئے فرمایا ہے کہ یاجوج و ماجوج سے اس کا مقابلہ ہوگا پہلے عیسائیت دلائل سے مغلوب ہوگی اور پھر ان کی مادی شان وشوکت جاتی رہے گی جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے پس یہ امر روز روشن کی طرح متعین ہو گیا کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں اور ان سے مراد روس اور انگریز ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں کہ یاجوج و ماجوج کون ہیں؟

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جبکہ ایک طرف بائبل سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یورپ کے عیسائی فرقے ہی یاجوج و ماجوج ہیں اور دوسری طرف قرآن مجید نے یاجوج و ماجوج کی وہ علامتیں مقرر کی ہیں جو صرف یورپ کی سلطنتوں پر ہی صادق آتی ہیں۔ جیسا کہ یہ لکھا ہے وہ ہر بلندی سے دوڑیں گے یعنی سب طاقتوں پر غالب ہو جاویں گے اور ہر ایک پہلو سے دنیا کا عروج ان کو مل جائے گا اور حدیثوں میں بھی یہ بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ کسی سلطنت کو ان کے ساتھ تاب مقابلہ نہ ہوگی۔ پس یہ تو قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ یہی قومیں یاجوج و ماجوج ہیں اور اس سے انکار کرنا تحکم اور خدا تعالیٰ کے فرمودہ کی مخالفت ہے اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قول کے مطابق اور آنحضرت ﷺ کے فرمودہ کے موافق یہی قومیں ہیں جو اپنی دنیاوی طاقت میں تمام قوموں پر طاقت لے گئی ہیں جنگ اور لڑائی کے داؤ پیچ اور ملک تدابیر کے امور میں دنیا میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا اور انہی کی کلوں اور ایجادوں نے کیا لڑائیوں میں اور کیا کئی قسم کے دنیا کے آرام کے سامانوں میں ایک نیا نقشہ دنیا کا ظاہر کر دیا ہے اور انسان کی تمدنی حالت کو ایک حیرت انگیز انقلاب میں ڈال دیا ہے اور تدبیر امور سیاست اور درستی سامان رزم بزم میں وہ ید طولی دکھلایا ہے کہ جب سیا پیدا ہوئی ہے کسی زمانہ میں اس کی نظیر پائی نہیں جاتی۔ (چشمہ معرفت صفحہ 75)

نہر سویز کے متعلق قرآنی پیشگوئی۔ نزول قرآن مجید کے وقت بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم بالکل الگ

الگ تھے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔(الرحمن۔14۔24) ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو پختہ آواز دینے والی مٹی سے بنایا ہے۔اورجنوں کوآگ کے شعلے سے پیدا کیا۔تم دونوں اپنے رب کی کس وجہ سے تکذیب کرتے ہو۔اللہ ہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور وہی دونوں مغربوں کا رب ہے۔تم دونوں اپنے رب کی کس وجہ سے تکذیب کرتے ہو۔اللہ ہی ان دونوں سمندروں کو چھوڑے گا۔تاکہ ایک دوسرے سے مل جائیں۔اس وقت ان کے درمیان خشکی کی روک ہے۔وہ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرسکتے۔تم اپنے رب کی کس وجہ سے تکذیب کرتے ہو۔ان دونوں سمندروں میں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں''۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عربوں کے لئے ان دومعروف سمندروں کا ذکر فرمایا ہے۔جن میں سے موتی اور مونگا نکلتا تھا۔یہ سمندر بحرہ قلزم اور بحیرہ روم تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت تو ان کے درمیاں خشکی کی روک ہے مگر وقت آتا ہے جب یہ دونوں سمندر آزادانہ طور پر مل جائیں گے۔کتنی واضح اور صاف پیشگوئی ہے اور کس طرح قریباً ایک ہزار سال بعد نہر سویز بننے سے پوری ہوئی۔جبکہ بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو ملایا گیا۔اور اس کے ملانے میں یاجوج و ماجوج کا ہاتھ تھا۔یہودیوں کا فلسطین میں اجتماع۔یہودی قوم اپنے اعمال کی وجہ سے فلسطین سے منتشر کی گئی۔اور جیسا کہ بائیبل سے ثابت ہے۔

یہ لوگ دور دراز علاقوں میں پھیلا دیئے گئے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل:105) کہ موسوی زمانہ کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین کے مختلف حصوں میں رہائش اختیار کرو۔جب دوسرا وعدہ یا آخری زمانے کا وعدہ آئے گا تو ہم تمہیں اکٹھا کردیں گے۔بائیبل میں بھی ایسے اشارے موجود ہیں۔جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں فلسطین میں جمع کردیا جانا ایک تقدیر الٰہی ہے۔ان کا یہ اجتماع ان کے لئے آخری امتحان کے طور پر ہے اور یہ در حقیقت موعود کل ادیان کے ظہور کے لیئے بطور علامت ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں یاجوج و ماجوج کے خروج کے ذکر پر بھی فرمایا ہے واقتراب وعدالحق اوراس جگہ یہود کے اجتماع کے سلسلے میں فرمایا ہے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا پس معلوم ہوا کہ الوعدالحق اور وعدالاخرۃ ایک ہی چیز ہے جس طرح آخری زمانے میں یاجوج ماجوج کا خروج مقدر ہے۔اسی طرح فلسطین میں یہود کا اجتماع بھی مقدر ہے۔اوران دونوں کا باہم ایک تعلق ہے۔نیز یہ دونوں اموراس بات کی علامت

ہیں کہ آخری وعدہ ظاہر ہو چکا ہے اور قرآنی موعود مبعوث ہو گیا ہے۔ یاجوج و ماجوج کی آخری جنگ کا مرکز۔ آسمانی نوشتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کی باہم ایک ہولناک جنگ ہوگی اور جن اسلحہ کے دبدبہ سے انہوں نے سارے ممالک کو مرعوب کر رکھا تھا وہ خود اس کا شکار ہو جائیں گے اور ان کی جنگی تیاریاں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوں گی یاجوج و ماجوج پر آسمانی حجت پورا ہونے کے بعد ایسے سامان پیدا ہو جائیں گے کہ وہ دونوں باہم لڑیں گے اور یہ لڑائی درحقیقت دونوں کی تباہی کا موجب ہوگی۔ مگر ان میں سے غالب کو فریق بھی بعد ازاں آسمانی عذابوں کا شکار ہو جائیگا یہ سب کچھ اسی صورت میں ہوگا جب یہ سب اقوام اسلام قبول کرنے سے انکار پر مصر رہیں گی۔ یاجوج و ماجوج کی یہ جنگ کس علاقے میں ہوگی اور کون سی سرزمیں اس کا مرکز ہوگی۔ اور آیا نہر سویز سے اس کا کوئی تعلق ہوگا؟۔ اس سوال کے جواب کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر 1۔ اے آدم زاد جوج کے برخلاف نبوت کراؤ۔ بول کر خداوند یہواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں۔ اے جوج روس اور مسک اور توبال کے سردار میں تجھے پلٹ دوں گا۔ اور تجھے لئے پھروں گا۔ کہ تو اتر کی اطراف سے چڑھ آئے۔ اور تجھے اسرائیل کے پہاڑوں پر لاؤں گا۔ اور تیری کمان جو تیرے ہاتھ میں ہے گرادوں گا۔ (حزقیل 39۔1۔2)

نمبر 2۔ اور آخر کے وقت نے جنوب کا بادشاہ اس پر ریلے گا اور شاہ شمال رتھ اور سوار اور بہت جہاد لیکر گرد باد کی مانند اس پر چڑھ آئے گا اور ان سرزمینوں میں داخل ہوگا اور اڈے گا اور گزرے گا اور سرزمین جلیل میں بھی داخل ہوگا اور بہت گرائے جائیں گے مگر ادوھم اور سدآب اور بنی عموم کے خاص لوگ اس کے ہاتھ سے بچیں گے اور وہ اپنا ہاتھ ملکوں پر چلائے گا۔ اور ملک مصر بھی رہائی نہ پائے گا پر وہ سونے چاندی کے خزانوں اور مصر کی ساری نفیس چیزوں پر قابض ہوگا اور بولی اور کوشی اس کی پیروی کریں گے لیکن پورب کی اور اتر کی اطراف سے افواہیں اسے حیران کریں گی اس لئے وہ بڑے غضب سے نکلے گا کہ نہتوں کو نیست و نابود کرے اور وہ شاندار مقدس پہاڑ پر اپنی گلال باڑی کو سمندروں کے درمیان برپا کرے گا۔ پر وہ اپنی اجر کو پہنچیں گے اور اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (دانیال 11۔40۔45)

نمبر 3۔ قرآن مجید کی سورۃ رحمن میں ان آیات کے بعد جو ہم اوپر نہر سویز کی پیشگوئی کے سلسلہ میں درج کر آئے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ (سورہ رحمن 31۔36) ترجمہ۔ اے جن وانس یا اے یاجوج و ماجوج دنیا کی دو بوجھل یعنی بڑی طاقتو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہونگے۔ تم اپنے رب کی کس نعمت

کی وجہ سے تکذیب کرتے ہوا ے جن وانسانوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے حدود سے تجاوز کر سکتے ہوتو ایسا کر کے دکھاؤ یا در کھو کہ تم ہمارے غلبہ سے باہر نہیں جاسکتے تم اپنے رب کی کس نعمت کی وجہ سے تکذیب کرتے ہو۔تم پر آگ کے شعلے اور پیتل برسایا جائے گا۔تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکو گے۔ تم اپنے رب کی کس نعمت کی وجہ سے تکذیب کرتے ہو۔ان آیات پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کا نہر سویز سے تعلق ہے۔اوران کی بڑی جنگ میں اس کا دخل ہے۔دونوں قومیں اپنے اپنے اقتدار اور اپنے اثر ورسوخ کو بڑھانے کے درپے ہونگی۔اور ایک دوسری پر غالب آنے کی کوشش کریں گی۔اسی دوران میں شعلہ باری اور شدید بمباری ان کی تباہی کا موجب بن جائیں گی۔اور یہ اپنی روش نہ بدلیں گی تو خدا کے قہر کا نشانہ بن جائیں گی۔

نمبر 4۔احادیث نبویہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ یاجوج و ماجوج کا خروج شام اور فلسطین کے علاقے ہوگا۔آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔اوحی اللہ الی عیسی انی قداخرجت عباداً لا یدان لاحدٍ بقتا لھم فحرز عبادی الی الطور و یبعث اللہ یاجوج و ماجوج وھم من کل حدبٍ ینسلون فیمر اوا ئلھم علی بحیرۃ طبریہ فیشربون ما فیھا و یمر آخر ھم فیقول لقد کان بھذا مرۃ ماء ثم یسیرون حتی ینتھواالا جبلا لخمر وہ جبل بیت المقدس،' (مشکوۃ 474) یہ لمبی حدیث کا ایک حصہ ہے۔حدیث استعارات سے پر ہے مگر اس سے یہ بات باالبداہت ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج کی آخری آویزش کیلئے ان کا تعلق شام اور فلسطین سے ہوگا۔

نمبر 5۔دجال کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تصرف الملا ئکۃ وجھہ قبل الشام وھنالك یھلك کہ فرشتے اس کا رخ ملک شام کی طرف پھیریں گے۔اور وہ وہاں پر ہلاک ہوجائیگا۔ان حوالہ جات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کا معرکہ شام فلسطین اور مصر کے ممالک سے تعلق رکھتا ہے۔اور ان ہی سرزمینوں سے ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہوگا۔

یہود اور مسلمانوں کی جنگ ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پیشگوئیوں میں ایک پہلو اخفاء کا ضرور ہوتا ہے۔تا ایمان باالغیب قائم رہے۔لیکن یاجوج و ماجوج کے اس آخری معرکہ کے بارے میں آسمانی نوشتوں میں بہت صراحت موجود ہے۔ہم بیان کر چکے ہیں۔کہ قرآن اور بائیبل کی رو سے آخری زمانہ میں یہود کا فلسطین میں جمع ہونا الٰہی تقدیر ہے ہم بتا چکے ہیں کہ روس اپنے لشکروں سمیت

''اسرائیل کے پہاڑوں'' میں آئے گا۔اور مصر تک اس کا نفوز ہوگا۔ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نہر سویز کے سلسلے میں یاجوج و ماجوج کی ایک ہولناک جنگ ہوگی یہ بھی اشارات موجود ہیں یہ عارضی وقت تک دجالی طاقتوں کو غلبہ ہوگا۔یاجوج اور ماجوج یعنی روس اور انگریزوں کی جنگ میں یاجوج کے آخری طور پر تباہ ہوجانے کی بھی خبر موجود ہے۔اس وقت ماجوج یعنی انگریز قوم یہود سمیت قبلہ حق یعنی اسلام کے خلاف ایک آخری فیصلہ کن جنگ یا معرکہ کے لئے میدان میں آجائینگے۔اس موقع کے متعلق حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔یتبع الدجال یھود اصفھان سبعون الفاً علیھما لطیالسة (رواہ مسلم مشکوۃ المصابیح صف475) کہ ستر ہزار جبہ پوش یہودی دجال کے ساتھ ہونگے یہ جنگ جس شکل میں میں بھی ہو سچے مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوگی اور یہود اس موقع پر دجال اور یاجوج و ماجوج کے آلہء کار ہونگے۔حقیقی مسلمانوں کے آخری غلبہ کی پیشگوئی۔اس معرکہ کا انجام کیا ہوگا اس کے لئے بائبل اور قرآن مجید میں پیشگوئی موجود ہے۔بائیبل میں لکھا ہے۔'' میں یاجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پرواہی سے رہتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں'' (حزقیل 39۔7) قرآن مجید فرماتا ہے یُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ کہ تم دونوں قوموں پر آگ کے شعلے برسائے جائینگے۔اور پیتل بموں کی صورت میں گرے گا۔اور تم ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکو گے۔پھر قرآن مجید فرماتا ہے۔لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورہ الانبیاء) کہ زبور میں ہمارے نوشتہ کے مطابق اس سرزمین کے وارث آخر کار ہمارے نیک بندے ہونگے یہ وعدہ الٰہی مختلف رنگوں میں پورا ہوتا رہا ہے۔اور سورہ انبیاء میں اس کا یاجوج و ماجوج کی تباہی کی خبر کے بعد ذکر کرنا متعین کر دیتا ہے کہ یہ آخری زمانہ کے عباداللہ الصالحون کے متعلق ہے جن کے بارے میں مسیح موعودؑ پر وحی ہوگی حرز عبادی الی الطور (مشکوۃ) کہ اے مسیح موعودؑ! میرے بندوں کو طور پر جمع کر۔یہی عباد ہیں۔جن کے آخری غلبے کی خبر یرثھا عبادی الصالحون میں دی گئی ہے حدیث نبوی میں حضرت محمد ﷺ نے اسی جنگ کے متعلق فرمایا ہے۔لا تقوم الساعة حتی یقاتل المسلمون الیھود یقتلھم المسلمون حتی نجتبی الیھودی من ورام الحجر والشجر فیقول الحجر و الشجر یا مسلم یا عبداللہ ھذا یھودی

خلفی فتعال فاقتله الا الغرقد فا نه من شجر الیهود۔ رواہ المسلم (مشکوۃ) ترجمہ۔ قیامت نہیں آئیگی جب تک آخری مرتبہ مسلمانوں اور یہودیوں کی جنگ نہ ہو لے مسلمان یہود کو شکست دے کر تسلی کریں گے یہاں تک کہ جو یہودی درختوں یا پتھروں کے پیچھے چھپے ہوئے ہونگے ان کے بارے میں درخت اور پتھر کہیں گے کہ اے عبداللہ اے سچے مسلمان! یہ یہودی چھپا ہوا ہے آ اسے قتل کردے ہاں غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا۔ وہ یہود کا درخت ہے'' اس حدیث میں حجر و شجر سے مراد یہود کی جائے پناہ قومیں ہیں۔ اس زمانے میں سب قومیں یہود سے بیزار ہونگی اور انہیں کسی جگہ پناہ نہ ملے گی صرف دجال اور شجر یہود ہی ان کا ملجا ہوگا مگر وہ خود آخر کار **یذوب کما یذوب الملح فی الماء** جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ آخری خوشخبری۔ یہ پیشگوئیوں کا ایک مکمل خاکہ ہے چونکہ یہ آئندہ کے واقعات ہیں اس لئے سوائے خدائے علام الغیوب کے ان کی آخری صورت کو اور کوئی نہیں بیان نہیں کرسکتا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ الٰہی نوشتوں کے مطابق اب وہ وقت آنے والا ہے۔ جب توحید کو غلبہ ہوگا اور اسلام دنیا پر غالب آئیگا۔ اور سچے مسلمانوں کو عزت و عظمت نصیب ہوگی۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اس کے لئے کس قدر تیاری کی ہے۔ ابھی ہمیں کثرت سے وہ قومیں تیار کرنی ہیں۔ جو اطاعت کے معراج کو سمجھتے ہوئے اللھم لبیک کا نعرہ لگاتے ہوئے امام وقت کے اشارے پر تن من دھن کی قربانی کے لئے ہمہ وقت منتظر کھڑی ہوں۔

اس میدان کارزار میں کودنے سے قبل خدائی منشا کے مطابق ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے بلند معیار قائم کرنے ہونگے۔ ساری دنیا میں امن، عدل وانصاف کی فراہمی، بھوک وننگ کا خاتمہ، ظلم و بربریت کا خاتمہ، عالمی لیول تک ناہمواری کا اختتام ہمارا مطمع نظر ہو۔ ابھی تو ہم شریک سفر ہوئے ہیں۔ کاروان تیاری میں ہے۔ لکھوکھہا چیلنجز سرراہ ہمارے سامنے منہ کھولے کھڑے ہیں۔ قوموں کی اصلاحِ، نظاموں سے مڈبھیڑ، مخالف آندھیوں اور باطل نظریات کا مقابلہ، بدتہذیب اور مشرکانہ کلچرز کا خاتمہ، بے محل مغرور قوموں کی نام نہاد احساس برتری کا، اپنی پختہ کرداری سے خاتمہ، پھر ان کی تربیت و اصلاح بڑی مستقل مزاجی اور دل گردے کا کام ہے۔ ظاہر ہے یہ کام جتنا عظیم ہے اتنے ہی اس رب العلمین کے وعدے بھی عظیم ہیں۔ اور اسی

لئے اس نے ایک عظیم مرد حقؑ کو آخرین میں مبعوث کیا۔اور پھراس کی مطیع جماعت دی اوراس کو نظام خلافت اور اولوالعزم خلفائے کرام سے نوازا۔ جو اس آنے والے وقت کے لئے اپنی راہنمائی میں ایک جماعت مومنین تیار کرواتے چلے جا رہے ہیں۔جس میں ہر قوم اپنا اپنا حصہ ڈال رہی ہے۔ہاں اے مومن سلیم اس مضبوط رسی سے بندھ جا۔اور اطاعت کے معراج کو پالے۔بے خطر اس کاروان خلافت میں شامل ہوکر مالی وجانی قربانی سے اس کی رضا سے اپنے تمام جام وسبو بھر لے۔اور یقین محکم سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہ۔ پھر دیکھ کہ منزل بہت جلد خلافت کے سائے میں تیرے قدموں کو چوم لے گی۔انشاءاللہ۔



خدمت قرآن مجید کے دس طریقے

اے بے خبر بخدمت قرآن کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے زندہ کلام قرآن مجید سے عقیدت رکھتا ہے۔اسے آسمانی نوشتہ خیال کرتا ہے۔تمام دنیا کی نجات اس سے وابستہ سمجھتا ہے۔اس عقیدت کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان قرآن مجید سے بے انتہا محبت کریں۔اسے حفظ کریں۔اسکے معانی و معارف پر غور کریں۔اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔اوراس آبِ حیات کو لے کر پیاسی دنیا کے کونے کونے تک پہنچیں۔اولین مسلمانوں میں قرآن مجید کا بے مثال عشق پایا جاتا تھا۔اور وہ اس بے پایاں سمندر کی گہرائیوں میں جا کر درخشندہ موتی نسل انسانی کے سامنے پیش کرتے تھے۔ان کے دن بھی قرآن مجید پر تدبر کرتے ہوئے بسر ہوتے تھے۔ان کی راتیں بھی قرآن مجید کی تلاوت وترتیل کے مزہ میں گزرتی تھیں۔انکو سفر وحضر میں صبح ومساء قرآن مجید سے لگاؤ رہتا تھا۔غرضیکہ ان کی ساری زندگی قرآن مجید سے وابستہ ہوتی تھی۔اور وہ اس پاک کتاب کے انوار سے اپنے قلوب کو نورانی بناتے تھے۔مشکلات میں اس سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔صحابہؓ اور تابعین کے مبارک زمانہ میں قرآن مجید ہی ساری اسلامی دنیا کا محور تھا۔اور تمام اسلامی ثقافت اسی مرکز کے گرد چکر لگاتی تھی۔ ہر مجلس میں اسی کتاب کا تذکرہ تھا۔اور ہر مسئلہ کے لئے اسی کتاب کی سند پیش کی

جاتی تھی۔اور ہر مرد عورت اپنے استدلال کے لئے قرآن مجید کو حجت گردانتا تھا۔گویا یوں دکھائی دیتا ہے۔ کہ ساری اسلامی زندگی اور سارے اسلامی ماحول پر قرآن مجید چھایا ہوا ہے اور ہر خورد وکلاں اسی آب حیات کے چشمہ سے پیتا ہے۔اسلام ساری کائنات کا دین ہے۔اس کی دعوت کا دائرہ سارے جہان اور ساری نسل انسانی تک ہے۔اسلام کے اس مقام کا فطرتی تقاضا تھا کہ مسلمان چاروانگ عالم میں پھیل جاتے اور سسکتی ہوئی انسانیت کو زندگی بخش پیغام دیتے اور تمام انسانوں کو خدائے واحد کے آستانے پر جھکانے کی کوشش کرتے چنانچہ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اولین مسلمانوں نے اس فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔اگرچہ کفار نے اسلامی دعوت کے مقابلہ میں سیف وسنان کے استعمال سے جنگی ماحول سا پیدا کر دیا تھا۔اس پر مسلمانوں کو سالہا سال تک دفاعی جنگوں میں الجھنا پڑا۔اور ایک لمبے عرصے تک وہ اس فرض کو خوش اسلوبی اس ناگوار فرض کو ادا کرتے رہے۔کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم۔تاہم اس ماحول میں بھی قرآنی تاثیرات کی شعائیں زمین کے کناروں تک پہنچتی رہیں۔اور آسمانی تحریکات کے نتیجہ میں زمینی حالات بدلتے رہے۔کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اسلام نے عین جنگ کے دوران میں بھی حکم دیا۔(سورۃ توبہ) کہ اگر کوئی برسر پیکار مشرک تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے کر کلام الٰہی سناؤ۔اور پھر امن وسلامتی سے اسے منزل مقصود تک پہنچا دو۔۔۔یہ قرآنی حکم بتلاتا ہے کہ ایک طرف تو مسلمان قرآن مجید پہنچانے کے بہت دلدادہ تھے۔دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ قرآن مجید کی تاثیرات تاریک سے تاریک دل کو اور انتہائی ناسازگار ماحول میں بھی منور کرسکتی ہیں۔قرآنی ہدایت ہر جگہ راہ پاسکتی ہے۔اور اس میں ہر شخص کے لئے ہدایت کے سامان ہیں۔قرآن مجید سے مسلمانوں کا یہ عشق اور ان کے ساتھ ان کی یہ وابستگی لمبے زمانہ تک چلتی رہی۔اور اس نشہ میں کوئی کمی نہ ہوئی لیکن جب آخری زمانے میں عملی زندگی میں فتور واقع ہو گیا اور روحانیت سے یک گونہ بیگانگی پیدا ہوگئی تو قرآنی معارف وحقائق کے دروازے بھی ان پر بند ہو گئے۔اور وہ قرآنی اور حدیثی پیشگوئیوں کے مطابق یہود کے نقش قدم پر چلنے لگ گئے۔اب قرآن کے الفاظ ہیں اور مسلمان ہیں۔وہ اسے پڑھتے بھی ہیں اب وہ پہلے سی شان کہاں؟۔

نہ عشق میں رہیں وہ گرمیاں نہ حسن میں وہ شوخیاں
نہ غزنوی میں وہ تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

اور نہ محبت کی چنگاری سلگتی ہے اور نہ ہی وہ جوش وخروش ہے جو اولین مسلمانوں میں قرآن پاک

کے ذریعہ سے پیدا ہوا تھا۔منکرین و معاندین کا کیا ذکر کروں وہ تو ٹھہرے مخالف۔مسلم عوام کو مرعوب کر دیا گیا کہ قرآن مجید کا سمجھنا اب ان کے بس کا روگ نہیں۔ان کی رسائی اس کے حقیقی معانی تک ممکن ہی نہیں۔نتیجۃً عام مسلمان علماء کا منہ تکتے رہ گئے۔اور قرآنی علوم کو ایک ناقابل حصول چیز سمجھنے لگے۔ادھر علماء حقیقی روحانیت سے محروم ہو گئے۔انہیں اپنی سطحی معلومات پر ناز تھا۔اس لئے ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ آیات ہیں۔جب تک کسی شخص کو ناسخ و منسوخ آیات کی پوری سمجھ نہ ہو اس کو حق نہیں کہ وہ قرآن مجید کی تفسیر کرے۔پھر یہ اُلجھن پیدا کر دی کہ قرآنی آیات میں کوئی ترتیب نہیں۔پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن میں صدہا غیر عربی الفاظ پائے جاتے ہیں۔نوبت یہاں پہنچی کہ قرآن کا ترجمہ کرنا ممنوع قرار پایا گیا۔انجام یہ ہوا کہ عوام تو عوام علماء تک قرآن مجید کو چھوڑ کر دوسرے علوم فقہ، منطق، فلسفہ وغیرہ کے پیچھے پڑ گئے۔اور ان کی گتھیوں کو سلجھانے میں عمریں خرچ کر دیں۔قرآن مجید کو طاقچوں میں بند کرنے کا تقدس تو حاصل تھا ہی اسے انسانی عقل سے بالا کتاب قرار دے کر اس کی عظمت بیان کی جاتی تھی۔مگر اسے ایک زندہ کتاب کی حیثیت حاصل نہ تھی۔اور نہ یہ کتاب کو کسی شعبہ ہائے زندگی پر حاوی رکھا گیا۔اور نہ اس کے احکام سے اپنی اُخروی زندگی کو وابستہ رکھا گیا۔اور نہ مسلمان ہونے کا معیار قرآن خوانی و دانی سمجھا گیا۔آخری صدیوں میں مسلم معاشروں کے دینی مدارس میں دیگر علوم کو ترجیح دی جاتی رہی حتیٰ کہ کسی نصاب میں بھی ترجمہ قرآن کا نام تک نہ ہوتا تھا۔اس تذبذب اور بے آہنگی کی حالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلم طاقتوں نے اسلامی قلعہ پر یورش کر دی۔پادری اور پنڈت مسلمان قوم کو مرد بیمار سمجھ کر اپنا شکار سمجھنے لگے۔اور مسلمانوں پر ضعف و اضمحلال کی حالت طاری ہو گئی۔دشمنانِ اسلام سمجھنے لگے کہ اس طرح وہ قرآن مجید کو اور اسکی تعلیم کو نابود کر دیں گے۔مگر یہ ان کا خیال خام تھا۔یہ تو وہ کتاب ہے جس کے نازل کرنے والے خدا نے یہ وعدہ فرما دیا تھا۔إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ الحجر:9) کہ ہم نے ہی اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔چنانچہ مسلمانوں کے ضعف اور دشمنوں کی یورش کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے ایفا کی خاطر اپنے فرستادہ کو مبعوث فرمایا۔جس کی بعثت کی علّت غائی قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہے۔اس کے کام کا آغاز کیا ہی حسین اعلان سے ہوا کہ: جمال و حسن قرآن نورِ جانِ ہر مسلماں ہے۔قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے۔یہ وہ پیاری صداقت ہے کہ ہر مسلمان بلا تفریق فرقہ اس کو دہرا کر لطف اندوز ہوتا ہے۔اور اپنی خفتہ محبت کو بیدار کرتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ

السلام نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

جوں جوں قرآنی صداقتوں کا اظہار ہوتا تھا اور جوں جوں مسلمانوں میں تازگی اور بشاشت عود کر آرہی تھی۔خدا کا مسیح خوش ہو رہا تھا۔کیونکہ اس کی زندگی کا مقصد قرآنی حقائق کا اظہار قرار پا چکا ہے۔فرماتے ہیں۔

صد بار رقص ہا کنم از خرمی اگر
بینم کہ حسن و دلکش فرقاں نہاں نماند

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریک احمدیت اس دور میں اشاعت و خدمت قرآن کے لئے ہی قائم کی گئی ہے۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے لوگوں کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔

اے بے خبر بخدمت قرآن کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

لوگو! اسلام کے نام لیوالوگو! یہ زندگی عارضی ہے۔جلد یا بدیر ختم ہو جائیگی۔ہم سب مسافر ہیں اور درحقیقت رخت سفر باندھے بیٹھے ہیں۔موت کے آنے سے پہلے پہلے قرآن کی خدمت کے لئے کمر کس لو اور دن رات اس میں منہمک ہو جاؤ۔ان پاکیزہ خیالات کے اختیار کرنے والے اور اس ستھرے ماحول میں آنے والے ہر مسلمان کا دل خدمت قرآن کے لئے بے چین رہتا ہے اور اسے رہنا چاہیے۔وہ خدمت قرآن کے بغیر اپنی زندگی کو عبث خیال کرتا ہے۔اور اسے کرنا چاہیے۔اس لئے یہ سوال اہم ہے کہ وہ کون سے طریقے ہیں جن سے ہم قرآن کی خدمت کر سکتے ہیں؟۔قرآن مجید کی خدمت کے دس طریقے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اول

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ہے۔اس سے حقیقی تعلق پیدا کرنے کے لئے بنیادی طور پر ضروری ہے کہ ہم اس کی تلاوت درست طور پر کریں۔اس کے الفاظ کا مقدور بھر صحیح تلفظ کرنے کی کوشش کریں۔اسے سر چشمہ حیات یقین کر کے پڑھیں اور پورے ادب اور احترام سے اس کی تلاوت

کریں۔کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے۔اور ماحول سے انسان کا دل اثر پذیر ہوتا ہے۔اسی بنا پر بہت سے صوفیاء نے پوری یکسوئی کے ساتھ انسان کا تلاوت قرآن مجید کے وقت باوضو ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ہم اس امر کو خدمت قرآن مجید کہہ رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ قرآن مجید سے استفادہ کرنے کا اوّلین گُر ہے۔ورنہ قرآن مجید اپنی ذات میں ہماری خدمت کا محتاج نہیں ہے۔

دوم۔

قرآن مجید سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو قرآن مجید کا ترجمہ آتا ہو۔وہ اس کے الفاظ کا مطلب سمجھتا ہو۔بغیر معنی سمجھنے کے قرآن مجید پڑھنا برکت سے تو خالی نہیں لیکن قرآن مجید سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔جب تک انسان اس کے معنی اور کم از کم ابتدائی تفسیر بھی انسان کو معلوم نہ ہو۔قلبی لگاؤ کے لئے معرفت اور شناسائی بنیادی شرط ہے۔

سوم۔

محبت اور دل بستگی کے لئے محبوب کا حسین وجمیل ہونا اور عیوب و نقائص سے مبرّا ہونا لازمی ہے۔قرآن مجید سے محبت کے لئے ضروری ہے کہ انسان اسے ان تمام خرابیوں سے منزہ اور پاک یقین کرے۔جو اس کی شان کے منافی ہے۔قرآن مجید کوئی عام انسانی کلام نہیں ہے وہ خدائے رب العلمین کا عالمگیر کلام ہے جس کو ہمیشہ قائم رکھا جانا مقدر ہے۔اس لئے اس میں اعلی سے اعلی باریک اور لطیف باتیں مذکور ہیں۔مگر بہت سے سطحی خیالات والے مفسرین نے قرآن مجید کی ایسی تفسیریں کی ہیں اور ایسے ایسے خیالات قرآن مجید کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔جو درحقیقت قرآن مجید کے چمکدار چہرہ پر بدنما داغوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔خاکسار اس جگہ ان کے غلط خیالات کی تفصیل میں نہیں جاسکتا لیکن ان کے بارہ میں سطور بالا میں اجمالی اشارات کر چکا ہوں بہرحال یہ ایک عظیم الشان خدمت قرآن مجید ہے۔کہ اسے انسانوں کے غلط خیالات سے منزہ قرار دیا جائے۔اور اس کے روشن چہرہ پر سے بدنما داغوں کو دور کیا جاسکے۔یہ کام اتنا اہم اور وسیع ہے کہ لمبی عمر خرچ کرنے کے باوجود انسان اپنی کوتاہ عملی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

چہارم۔

قرآن مجید پر تدبر اس ایمان اور یقین سے کیا جائے کہ وہ تمام آسمان صداقتوں کا سرچشمہ ہے۔اور جملہ علوم اس میں موجود ہیں۔یہ یقین حقیقت اور تجربہ پر مبنی ہے۔کوئی وہم نہیں ہے۔ظاہر ہے کہ اس یقین

کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے والا اس سے بہت سے بے مثال موتی اور جواہر نکال سکے گا۔ورنہ ایک نیم مردہ قراءت کوئی چنداں نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتی۔جب انسان قرآنی حسن و جمال پر آگاہ ہوکر پوری شیفگی اور والہیت کے ساتھ اس حسن کے گرد گھومے گا۔تو یقیناً اس کے لئے انوار کے در کھولے جائیں گے۔اور افضال الٰہیہ کی بارشیں اس پر ہونگی۔اس کے ساتھ وہ دنیا کو قرآنی حسن دیکھنے کی دعوت دے سکتا ہے۔وہ دنیاوی علوم کے سامنے خوفزدہ اور مرعوب ہونے کی بجائے ان سب علوم کو خدمت قرآن مجید کا ذریعہ بنائے گا۔کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ سب علوم اپنے آغاز اور اصول کے لحاظ سے قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔

پنجم

خدمت قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ انسان احکام قرآن مجید پر عمل کرے۔اور اپنی زندگی اس کے مطابق گزارے۔قرآن مجید پر ایمان کے معنے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان احکام قرآن مجید پر عمل کرے۔قول بلا عمل تو ایک بے ثمر درخت ہے۔جو صرف جلانے کے کام آسکتا ہے۔قرآنی احکام پر عمل کرنا انسان کے اپنے فائدہ کی بات ہے۔مگر خاکسار یہاں خدمت قرآن مجید کا طریقہ بتا رہا ہے۔کیونکہ جب اس پر عمل نہیں کرتے تو ان کی حالت گرتی جاتی ہے تو وہ نام کے طور پر قرآن مجید کی طرف منسوب ہونے کے باعث گویا قرآن مجید کو بدنام کرنے والے ہونگے۔دشمن یہ کہہ سکیں گے۔کہ اگر قرآن میں تاثیر ہوتی۔تو ان مسلمانوں کی حالت میں تبدیلی کیوں نہ ہوتی لیکن جب مسلمان قرآن مجید کی نیک نامی کا موجب ہوتے ہیں۔اور مجازاً اسے قرآن مجید کی خدمت قرار دیا جا رہا تھا۔یہ عملی حصہ انفرادی زندگی سے وابستہ ہے۔اجتماعی زندگی کا بیان آئیگا۔

ششم

قرآن مجید میں موٹے طور پر کچھ ماضی کے واقعات مذکور ہیں۔کچھ آئندہ کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔اور کچھ اوامر و نواہی ہیں۔ایک مسلمان خدمت قرآن مجید اس طرح بھی بجا لاسکتا ہے کہ وہ تاریخی واقعات، آثار قدیمہ، اور دیگر مذاہب کی کتب اور دوسرے دلائل سے قرآنی بیانات کے لئے تائیدی شواہد پیش کرے۔آئندہ والی پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر فوراً ان کا اعلان کرے۔نواہی و اوامر کا فلسفہ بیان کرے۔اس وسیع و عریض خدمت قرآن مجید سے دشمنان اسلام کے اعتراضات کا ازالہ ہوگا۔مومنوں کے دلوں میں اضافہ ایمان ہوگا۔یہ کام پُرخلوص مسلسل خدمت سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔بہت سے لوگ یہ کام ایک حد تک کر چکے ہیں مگر ہر روز نئے نئے امور پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس

لئے خدمت قرآن مجید کے نئے نئے پہلو ظاہر ہو رہے ہیں۔اس لئے ہر زمانہ کو ایسے عشاق قرآن مجید کی ضرورت ہے۔جو اس راہ میں خون اور پسینہ ایک کر کے اپنے خدا کے سامنے سُرخرو ہوسکیں۔

ہفتم

ہمارا یہ زمانہ اشاعت کا زمانہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت گواہ ہے کہ آج دنیا کے متفرق اور دور دراز علاقوں کو ملانے کے لئے جو اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔وہ پہلے زمانوں میں ہرگز موجود نہ تھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عالمگیر مذہب بنایا ہے۔یہ سچ ہے کہ قرآن مجید ساری دنیا کے لئے شریعت ہے۔اور یہ ماننا پڑے گا کہ اس نباءعظیم کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔اور قرآنی صداقتوں کے انوار کو دنیا کے کونہ کونہ تک پھیلانے کا یہی وقت ہے۔اس وقت قرآن مجید کی بہترین خدمت اس کے تراجم دنیا کی تمام زبانوں میں کر کے قریہ قریہ بستی بستی پہنچائے جاویں۔یہ کام بھی بہت اہم اور بڑی ذمہ داری اور جان جوکھوں کا کام ہے۔جس کا جو اجماعت احمدیہ عالمگیر نے اپنے کندھوں پر لے رکھا ہے۔اہل علم اپنے علم اور زبان دانی،قرآن دانی سے کریں اور اہل ثروت اپنی دولت کو اس اہم اور عظیم قربانی کے لئے حتی المقدور صرف کریں۔

ہشتم

آج دنیا مذاہب کی منڈی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔اور قرآنی پیشگوئی **وتر کنا بعضھم یومئذٍ یموج فی بعض** کے مطابق سب اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لئے میدان میں سرگرم ہیں۔عیسائیت،ہندو دھرم اور بدھ ازم اسلام کو چیلنج دے رہے ہیں۔اور قرآنی صداقتوں سے انحراف کر کے اس کے جلانے کے درپے ہیں۔اب ضرورت ہے کہ قرآنی حکم **وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً** کے مطابق تمام مسلمان مبلغین علماء میدان عمل میں سرگرم عمل ہوں۔علمی دلائل و براہین سے اسلام کی فضیلت و برتری علوم کی روشنی میں قرآنی صداقتوں کو ثابت کریں۔یہ بھی عظیم کام خدمت قرآن ہے۔

نہم

انسان مقدور بھر اپنا وطیرہ بنالے کہ بہرحال قرآن مجید پھیلانا ہے۔جو ان پڑھ ہیں انکو قرآن مجید پڑھائیں۔جو ناظرہ پڑھ سکتے ہیں ان کو ترجمہ پڑھائیں۔جو ترجمہ جانتے ہیں انکو تفسیر سکھائی جائے۔اور جو تفسیر جانتے ہیں۔انکو قرآن مجید کے مزید خزائن سے آگاہ کرنے کی کوشش جاری رہے۔یہ ایک نہ ختم

ہونے والا سلسلہ ہے۔اس کے مطابق ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق اشاعت قرآن مجید کر سکتا ہے۔تحریر کے ذریعہ بھی، مال خرچ کر کے بھی یہ کام ممکن ہے۔

دہم

انسان ایک عالمگیر معاشرہ جو قرآنی تعلیم پر عمل پیرا ہو اسے قائم کرنے کی کوشش کرے۔یہ کام انسان پہلے اپنے عمل سے، اپنے گھر سے، اپنی اولاد سے، اپنے رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے، اپنے گلی محلے سے، اپنے گاؤں اور شہر سے شروع کرے۔ایسی سوسائٹی بنانے کی کوشش کرے۔جو قرآن مجید کی دلدادہ اور اس پر عمل پیرا ہو۔ہر گاؤں، ہر شہر اور ہر ملک اس تحریک میں شامل ہو، ہر فرد، ہر مجلس، ہر جگہ قرآنی شریعت کا چرچا ہو اور ہر جگہ اس کتاب کا شہرہ ہو۔اسلام کے مدبر، سیاستدان، جرنیل، تاجر، زمیندار، غرض ہر طبقہ اور ہر شعبہء زندگی کے افراد قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔اور اپنے اپنے دائرہ میں قرآنی معاشرہ کو قائم کرنے والے ہوں۔یہ تو عمومی طریق ہیں۔مگر جماعت احمدیہ نے حضرت اما مہدی علیہ السلام کی خواہش کے مطابق قرآن مجید کو ہر لحاظ سے اپنی زندگیوں کا اعلیٰ نصب العین بنا کر اس کتاب عظیم کی ہر لحاظ سے پاسداری کی۔اور قرون اولیٰ کی سی مثالیں پیدا کر کے دکھا دیں۔قرآن کریم کی خدمت کو مقدم رکھ کر آج ساری دنیا کو یہ جماعت عالیہ مات دے رہی ہے۔

سب برّ اعظموں میں اس نے اس کے رنگ میں رنگین معاشروں کی بنیادیں استوار کر دیں۔اور مدرسہ جات اور جامعات کا ایک جال بچھانے میں شب و روز کوشاں نظر آتی ہے۔اب تک سینکڑوں حفاظ قرآن مجید پیدا کئے، تربیتی کورسز کو رواج دیا، صد ہا عالم قرآن مجید پیدا کئے، ستر دنیا کی بڑی زبانوں، میں تراجم پیش کر چکی ہے۔اور مزید سو تک زبانوں میں ترجمہ قرآن مجید کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔لکھوکھہا نسخے قرآن مجید کے شائع کر کے تمام دنیا کے کونے کونے میں پھیلا رہی ہے۔اور ایم ٹی اے انٹرنیشنل شب و روز قرآن مجید کے ورد میں رطب اللسان ہے۔قادیان اور ربوہ کی گلیاں اس بات کی شاھد ہیں کہ اس جماعت کے ہر چھوٹے بڑے نے قرآنی معاشرہ بنانے میں کیا کیا بے نظیر کردار ادا کیا ہے۔اگر اس کی تفصیل میں کوئی جانا چاہے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔پھر اس مرد حق کی مطیع جماعت کاروان خلافت کے سائے تلے عرصہ ایک صد سال سے قرآن کی خدمت کی جوت دل میں جگائے چہار وانگ عالم میں اپنی بے مائیگی کے باوجود ان اسلامی ممالک (نا نہاد ممالک جو تیل جیسی دولت

سے مالا مال ہیں) کے مقابلہ میں شب و روز سرگرم عمل ہے۔ دوصد 200 ممالک کی ہزارہا جماعتوں کی مساجد اور مدرسہ جات میں درس قرآن کریم کو یقینی بنائے ہوئے ہے۔ اور اب تک پوری کوشش سے ستر بڑی زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اور ایک سو (100) سے زائد اہم زبانوں میں قرآن کریم کی اہم آیات کا ترجم کر رہی ہے۔ ان سب مقامی زبانوں میں لفظی ترجمہ کرنے میں پیش پیش ہے۔ قرآنی عالم بنانے کے لئے سب برّ اعظموں کے سب اہم ممالک میں دس جامعات احمدیہ قائم ہو چکی ہیں۔ اور سالانہ سینکڑوں علماء قرآن بن رہے ہیں۔ اب جدید وسائل نشر و اشاعت سے استفادہ کرتے ہوئے اشاعت قرآن کریم میں ہزار گنا تیزی آ چکی۔ سینکڑوں روزنامے، ہفت روزے، سہ ماہی مجلہ جات سب ممالک میں شان قرآن بیان کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ ایم ٹی اے انٹرنیشنل ٹی وی کے تینوں چینلز مسلسل نور خلافت کی روشنی میں شب و روز اشاعت قرآن کے لئے کمر کسے ہوئے ہے۔ ان ساری کوششوں کا سہرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہی سر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے قرآن مجید کے درس و تدریس اور دوستوں کے اندر قرآنی علوم سیکھنے کا شغف پیدا کرنے کا فریضہ عمر بھر احسن رنگ میں سرانجام دیا۔ ان کے بعد حضرت مصلح موعود ؓ نے اللہ تعالیٰ سے قرآنی علوم سیکھے اور دنیا کو چیلنج پیش کیا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر اور اسکے معارف اور حقائق و لطائف بیان کرنے میں میرا مقابلہ کر لے۔ پھر ان کے بعد حضرت ناصر دین ؒ نے تو ساری دنیا کے سات دورہ جات کر کے قرآن کریم کو دنیا کی مزید بڑی زبانوں میں ترجمہ کروا کر گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ حضرت خلیفہ رابع ابن مریم نے تو اس کام کو اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اب حضرت مسرور احمد ایدہ اللہ بنصر العزیز اس اہم کام کو مزید نئی زبانوں میں اس بابرکت کام کو وسعت دینے میں شب و روز اپنے انصار و خدام کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی بہت عظیم الشان خدمت کی ہے۔ جس کی نظیر چودہ سو برس میں ملنا بہت مشکل ہے۔ یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہی تو ہے کہ قرآن جسے لوگ نظرانداز کر چکے تھے اور گویا اس زمین سے اُٹھ گیا ہوا تھا۔ وہ پھر اس زمین پر اُتارا گیا ہے اور آقائے دوجہاں کی یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی ہے کہ لوکان القرآن معلقاً بالثریا لنالہ رجالاً منھا۔ واقعی قرآن کرّہ ارض سے اٹھ چکا تھا۔ مگر اس فارسی النسل جوان کی ہمت اور کوششوں کے نتیجہ میں آج دوبارہ دنیا میں رائج ہو گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے؛ '' تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی

دینی ضرورت نہیں جوقرآن میں نہیں پائی جاتی۔''(کشتی نوح ص24)''قرآن شریف کے بعدکسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا''۔(چشمہ معرفت ص72)''تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن کومہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جولوگ قرآن کوعزت دیں گے وہ آسمان پرعزت پائیں گے۔جولوگ ہر ایک حدیث اور ہرایک قول پرقرآن کومقدم رکھیں گے ان کوآسمان پرمقدم رکھا جائے گا نوع انسان کے لئے روئے زمیں پراب کوئی کتاب نہیں مگرقرآن اورتمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''(کشتی نوح ص13) قرآن مجید خاتم الکتب ہے''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرشریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے اب کوئی شریعت نہیں آسکتی۔قرآن مجید خاتم الکتب ہے اس میں ایک شوشعہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکات اور فیوض اورقرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہوگیا وہ ہرزمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں''۔(پیغام امام ص26 تقریرلدھیانہ 1905) ہماری کتاب زندہ کتاب ہے''اسلام زندہ مذہب ہے اور ہماری کتاب زندہ کتاب ہے اور ہمارا خدا زندہ، اور ہمارا رسول زندہ رسول پھراس کے برکات،انوار اور تاثیرات مردہ کیونکر ہوسکتی ہیں؟''(اخبارالحکم 31اکتوبر1905ء)



قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات

قرآن مجید کا یہ دعوی نہیں ہے کہ وہ اس زمین پراللہ تعالی کی پہلی شریعت ہے۔یا پہلی وحی ہے۔بلکہ اس کا دعوی یہ ہے کہ اس سے قبل متعدد آسمانی شریعتیں نازل ہوچکی ہیں۔اورانبیاء پر ہرزمانہ میں وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ہاں قرآن مجید کا دعوی یہ ہے کہ وہ ان شریعتوں کی تکمیل کے لئے نازل ہوا ہے۔انسانوں کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہے۔اوردنیا میں دائمی اور ہمیشہ قائم رہنے والی صداقتوں پرمشتمل ہے۔قرآن مجید کہتا ہے کہ پہلی کتب اپنی اپنی قوم سے مخصوص تھیں۔میں ساری قوموں اور ساری نسلوں کے لئے آیا ہوں۔وہ کتابیں اپنے اپنے زمانہ کے ساتھ مختص تھیں۔اور میں سارے زمانہ کے لئے آیا ہوں۔وہ کتابیں اپنی تعلیمات اورشرائع میں ارتقائی نقطہ کمال تک نہ پہنچی تھیں اور میں شریعت کا آخری نقطہ ہوں۔اور میں تمام شریعتوں کا خاتمہ ہوں۔قرآن مجید کا یہ دعوی اسے

تمام سابقہ کتابوں سے ممتاز کرتا ہے۔مگراس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن مجید پہلی کتب کا حریف ہے۔ یاان کا مکذب ہے۔اوران کی صداقتوں کا منکر ہے۔ایسا ہرگزنہیں ہے۔وہ ان کے لانے والے نبیوں اور صادق اور راستباز قرار دیتا ہے۔اوران کتابوں کی بنیادی طور پرتصدیق کرتا ہے۔اوران کی دائمی صداقتوں کو بہ پیرایہ احسن اپنے اندر جمع رکھنے کا مدعی ہے۔

1۔اللہ تعالی سورہ مائدہ آیت نمبر 49 میں فرماتا ہے کہ ہم نے یہ قرآن مجید دائمی تعلیم پر مشتمل کتاب کی صورت میں تجھ پرنازل کیا ہے۔ یہ سابقہ کتابوں کا مصدق اورنگران ہے۔پس تو ان لوگوں کے لئے خدا کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اورحق کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی اتباع اختیار نہ کر۔2۔سورہ آل عمران آیت نمبر 3۔4 میں اللہ تعالی فرماتا ہے۔اللہ تعالی نے تجھ پر یہ شریعت حق وحکمت کے ساتھ کتب سابقہ کے مصدق کے طور پر نازل فرمائی ہے۔اس نے قبل ازیں تورات اورانجیل کولوگوں کے لئے بطور راہنما نازل کیا تھا اب اس نے الفرقان کونازل فرمایا ہے۔3۔سورہ النمل میں آیت نمبر 77 میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ قرآن مجید بنی اسرائیل کے اکثر اختلافی مسائل یعنی اصولی مسائل میں ان پرحق کوکھول کر بیان کرتا ہے۔4۔سورہ الانعام نمبر 156 میں اللہ تعالی فرماتا ہے یہ کتاب نہایت بابرکت اور جامع ہے۔ہم نے اسے اتارا ہے۔تم اس کی اتباع کرواور مطیع بن جاؤ تاکہ تم پررحم کیا جائے۔5۔سورہ البینہ میں آیت نمبر 3۔4 ہے ''ہمارا فرستادہ ان لوگوں کے سامنے ایسے کامل اور پاکیزہ صحیفے پیش کرتا ہے جن میں تمام رہنے والی صداقتیں موجود ہیں۔6۔المائدہ میں آیت نمبر 4 ہے ''اے انسانو! آج میں نے تمہارے لئے شریعت کو کامل کردیا ہے۔اوراپنی نعمت تم پر پوری کردی ہے۔اوراسلام کوتمہارے لئے پسند کیا ہے۔قارئین کرام! ان آیات پرغور کرنے سے مندرجہ ذیل چھ نتائج ظاہر ہیں:۔

اول۔قرآن مجید کتب سابقہ کوبنیادی طور پرسچاٹھہراتا ہےاوران کا مصدق ہے۔

دوم۔قرآن مجید کتب سابقہ کی ابدی صداقتوں کواپنانے کا مدعی ہےاورانہیں باسلوب احسن پیش کرتا ہے۔

سوم۔ قرآن مجید کتب سابقہ کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہے۔

چہارم۔کتب سابقہ کے ماننے والوں میں یاان کی طرف یاان کی طرف جوغلطیاں منسوب کی گئی تھیں قرآن مجیدانکاازالہ کرتا ہے۔

پنجم ۔کتب سابقہ کے اختلافات میں قرآن مجید بطور حکم اور مہیمن ہے ۔وہ ان اختلافات کے بارہ میں فیصلہ کرتا ہے۔
ششم ۔قرآن مجید اخلاقی ،تمدنی ،سیاسی ،اور روحانی ۔۔انفرادی اور اجتماعی ۔ ہر تعلیم کو ایسے کامل رنگ میں پیش کرتا ہے کہ اس سے بڑھ کر پیش کرنا ناممکن ہے۔

غرض قرآن مجید ہر رنگ میں بے نظیر کتاب ہے۔ان آیات کی روشنی میں اور ان نتائج کے پیش نظر یہ کہنا درست ہے کہ قرآن مجید تمام الہامی کتابوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی پیش کردہ تعلیم کو اکمل اور دائمی اور ساری نسل انسانی کے لئے فلاح و نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ بے شک قرآن مجید پہلے نبیوں کو راستباز قرار دیتا ہے اور پہلی کتابوں کو منجانب اللہ ہونے کو مانتا ہے۔اور یہ بات بجائے خود قرآن مجید کی ایک بے مثال خوبی ہے۔تاہم یہ سوال باقی ہے۔کہ ان نبیوں پر ایمان لانے کے باوجود اور ان کتابوں کو ماننے کے بعد قرآن کریم کو ماننے اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال اس طرح بھی حل ہوسکتا ہے۔کہ سابق انبیاء کی امتوں کی حالت بگڑ چکی ہے۔ انبیاء فوت ہو چکے ہیں اور ان کی کتب میں تحریف و ترامیم راہ پا چکی ہیں ۔اور وہ اب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ۔وہ اب ایسے پھل کی مانند ہیں جس کو اب پھل نہیں لگ رہے۔اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ تعالی انسانوں کے لئے اور رسول بھیجے۔اور نئی شریعت نازل فرمائے۔تا پھر تازہ اور شیریں پھل پیدا ہوں۔ یہ جواب بہت سے دلوں کے لئے تسلی بخش ہوسکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے؛ ”تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔“(کشتی نوح ص24)” قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا“۔(چشمہ معرفت ص72)”تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا نوع انسان کے لئے روئے زمیں پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد ﷺ “(کشتی نوح ص13) قرآن مجید خاتم الکتب ہے” آنحضرت ﷺ پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے اب کوئی شریعت نہیں آسکتی۔قرآن مجید خاتم

الکتب ہے اس میں ایک شوشعہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکات اور فیوض اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہو گیا وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں"۔(پیغام امام ص26 تقریر لدھیانہ 1905)

ہماری کتاب زندہ کتاب ہے"اسلام زندہ مذہب ہے اور ہماری کتاب زندہ کتاب ہے اور ہمارا خدا زندہ،اور ہمارا رسول زندہ رسول پھر اس کے برکات،انوار اور تاثیرات مردہ کیونکر ہوسکتی ہیں؟"

(اخبار الحکم 31 اکتوبر 1905ء)



امانت کا قرآنی تصّور

انسان اس کائنات میں خلیفۃ اللہ ہے اس کی تخلیق عبث نہیں بلکہ کسی مقصد کے لئے ہے۔وہ جوہر جو اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کیا ہے۔وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں ہوا۔اور یہ جوہر ہے"امانت"۔قرآن مجید میں یہ لفظ چھ جگہ آیا ہے سورۃ بقرہ میں تو یہ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔فرمایا:۔فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (بقرہ ع39) ترجمہ۔کہ اگر تم میں سے کسی شخص کو امین جانتے ہوئے اُس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو امین کو چاہیے کہ عندالطلب وہ امانت واپس کردے اور اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے۔یہاں لفظ امانت عام معنوں میں ہے۔

یعنی یہ کہ ہر وہ چیز جو کسی کے پاس رکھی جائے اس آیت کے بعد سورۃ نساء میں فرمایا:۔إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔(سورہ النساء:59) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت اس کے اہل کے سپرد کرو اور حاکم بھی یاد رکھیں کہ جب اُن کے ووٹر یا رائے دہندگان منتخب کرلیں تو حکومت ان کے پاس ایک امانت ہے۔اس لئے وہ خیال رکھیں کہ ان کے انصاف کے ترازو کا پلڑا کسی طرف جھکنے نہ پائے یہاں امانت رائے اور حکومت کے معنوں میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے داغ ضمیر،دیانت دارانہ رائے اور صحیح فطرت عطا کی ہے۔یہ خدا کی امانت ہے۔یہ خدا کی امانت ہے۔اس کا فرض ہے کہ اس میں کسی مرحلہ اور کسی قیمت پر بھی خیانت نہ کرنے والا ہو۔ان معنوں کی تائید مسلم کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے:۔انّ الامانۃ نزلت فی

جذر قلوب الرجال۔ کہ امانت کو خدا نے انسانوں کے دلوں کی جڑوں میں نازل کیا ہے یعنی انسانی ضمیر میں امانت کو رکھا۔اسی طرح حاکم کے سپرد لوگوں نے جو حکومت کی ہے۔وہ اس کے پاس امانت ہے جس میں وہ کسی کی دوستی یا دشمنی کے اثر سے کوئی فرق ڈال سکے۔یہ وہ حکومتی انصاف ہے جس کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ زمین وآسماں اس سے قائم ہیں اس کے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ حکومت کے نظام کا دارومدار انصاف پر ہے۔جب تک مسلمان عادل تھے تو ترازوئے حکومت ان کے ہاتھ میں تھا اور جب ان کے انصاف کے پلڑے جانبدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ ترازو چھین کر دوسروں کو دے دیا۔ان معنوں کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

پیارے نبی ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: یااباذرؓ انّك ضعيفٌ وانّها امانة۔اے ابوذر تو کمزور ہے اور یہ عہدہ امانت ہے اور یہ عہدہ قیامت کے دن رسوائی اور پشیمانی ہوگا۔سوائے اس شخص کے کہ جس نے اس کو صحیح طور پر استعمال کیا۔اور اس عہدہ کی وجہ سے اس کے ذمہ جو فرائض تھے ان کو ادا کیا۔حق یہ ہے کہ فرائض کے معاملہ میں انسان یقیناً ضعیف ہے۔حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر انسان جو بیت المال کے ایک اونٹ کی خاطر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں سرگرداں تھے۔جو راتوں کو اٹھ کر رعایا کے حالات کو گلی کوچوں میں پھر کر پتہ کرتے۔وہ بھی وفات کے وقت کہتے ہیں۔اللھمّ لا لی ولا علیّ۔اے اللہ! ہوسکتا ہے میرے کمزور کندھے اس ذمہ داری کی ادائیگی کے وقت تھرا گئے ہوں تو میری یہ درخواست ہے کہ مجھ سے درگزر ہی فرمائیو۔سورہ انفال میں امانت کا ذکر اس طور پر آیا ہے۔يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (سورہ الانفال آیت 28) ترجمہ۔اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت مت کرو۔اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔اس آیت سے قبل یہ ذکر ہورہا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح روشن نشانوں سے تمہاری مدد کی۔تم کمزور تھے۔لیکن اللہ کی نصرت نے تمہیں طاقت ور بنادیا پس اللہ اور رسول سے خیانت یہ ہے کہ انسان ان سے غداری کرے۔خدا کے حکموں سے منہ موڑے،اور رسول کی آواز پر لبیک کی دیوانہ وار صدا بلند نہ کرے۔اور خدا نے جو روحوں کی پیدائش کے وقت یہ عہد لیا تھا، الستُ بربکم اس میں خیانت نہ کرے۔خدا نے بندے سے عہد لیا ہے کہ اس کی آواز پر کان دھرے۔یہ خدا کی امانت ہے۔اگر وہ اس کی آواز پر کان نہیں دھرتا تو وہ اس امانت کا خائن ہے۔اگر نشانات کو دیکھنے کے بعد اس کا ایمان نہیں بڑھتا وہ امین نہیں بن جاتا تو وہ خائن ہے۔دوجگہ مومنوں کی کامیابی کا گُر یہ بتلایا کہ وہ اپنے عہد اور امانت کے

محافظ ہوں۔ یہ ذکر سورۃ مومنون ع 1 اور سورۃ معارج ع 1 کی آیات میں آیا ہے اور یہ دونوں وصف کسی بھی قوم اور فرد کی ترقی کے لئے بے حد ضروری ہیں اسی طرح امانت کا لفظ سورۃ احزاب میں استعمال ہوا ہے فرمایا إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ؕ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (سورۃ احزاب 73) ہم نے امانت کو آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے اس بھار کو اٹھانے سے انکار کیا۔اور اس سے ڈر گئے۔لیکن انسان نے اسکو اٹھایا۔یقیناً وہ اپنی جان پر بہت ظلم کرنے والا ہے۔اور اس طرح وہ عواقب سے بے پرواہ ہوگیا۔یہاں امانت سے مراد وہ خوبی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کی متحمل ہوجاتی ہے۔فرشتے اس امانت کو نہ اٹھا سکتے تھے۔ابلیس اس کے لئے تیار نہ ہوا۔انسان نے اس کے لئے اپنے کندھوں کو جھکایا۔یعنی خدائی احکام کو قبول کرنے کے لئے وہ اس کی راہ میں سختی کو سہنے کے لئے انسان تیار ہوا۔دیکھو اس زمانے کا انسان کس طرح نعرہ زن ہوا۔امانت وہ نیابتی حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کئے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ خلیفۃ اللہ ہے اِن حقوق کا صحیح استعمال امانت کی ادائیگی ہے۔دیانتدارانہ رائے، صاف ضمیر، اپنے حقوق کا صحیح استعمال یعنی صحیح ووٹ خدا کی امانت ہے۔اور عہدہ اور حکومت بھی وہ امانت ہے۔یعنی عہدہ اور اس میں مکمل عدل یہ امانت ہے۔پھر خدا کی آواز پر کان دھرنا اور اس بارِ گراں کو اٹھانا یہ امانت ہے۔گویا اعلیٰ صلاحیت جو خدا نے بندوں کے اندر رکھی ہے وہ امانت ہے۔اور اس کا صحیح استعمال اس کی صحیح ادائیگی ہے۔اور ان کا غلط استعمال خیانت ہے۔دُنیاوی لالچ اور مادی خوف اگر اُسے اس بلند مقصد سے موڑنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو وہ انسان میں نہیں۔



مرض نفاق اور اس کا علاج قرآنی آیات کی روشنی میں

نفاق ایک خطرناک بیماری ہے۔۔جو روح کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے۔نفاق ایک زہر ہلاہل ہے۔جو خواہ فرد کے جسم میں سرایت کرے خواہ قوم کے جسم میں داخل ہو۔بہرحال تباہ کُن ہوتا ہے۔منافقین کا وجود سوسائٹی اور جماعت کے لئے ناسور کا حکم رکھتا ہے۔انسانی جسم کی قوت مقاومت کمزور ہوجائے۔تو جسمانی امراض غلبہ پا لیتے ہیں۔اسی طرح روح کی قوت مقاومت ضعیف ہوجانے کے نتیجہ میں منافقت پنپتی ہے۔اور منافقین ایک گروہ کی صورت میں تنظیم کی کوشش کرتے ہیں۔بلا شبہ

نفاق ایک بیماری ہے۔

ایک زہر ہے یہ صحیح ہے کہ ہر بڑھنے والی سوسائٹی اور ہر ترقی کرنے والی جماعت میں اس کا عنصر پایا جاتا ہے۔ مذہبی جماعتوں میں بھی منافق موجود ہوتے ہیں۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد ﷺ سب سے بڑھ کر قوت قدسیہ رکھتے تھے۔آپ سے بڑھ کر کوئی شخص اپنے اتباع کا تزکیہ نفوس نہیں کرسکتا۔مگر بایں ہمہ آپ کے ساتھیوں میں بھی منافق موجود تھے۔قرآن مجید نے ان منافقین کے اقوال و اعمال کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔اور بڑی کثرت سے ان کی مذمت کی ہے۔اندریں یہ بات قطعاً قابل تعجب نہیں۔ کہ جماعت احمدیہ میں جو خدا کے ایک برگزیدہ کی قائم کردہ جماعت ہے۔کچھ منافق پائے جائیں۔ بلکہ تعجب تو تب ہوتا جب اس الٰہی سلسلہ میں منافق نہ پائے جاتے۔قرآن مجید نہایت پُرحکمت کلام ربانی ہے۔اس کا یہ کمال ہے کہ افراد اور اقوام کی جن بیماریوں کی نشاندہی کرتا ہے ان کا کامل علاج بھی بتاتا ہے۔قرآن مجید نے نفاق کو فرد اور قوم کو خطرناک مرض قرار دیا ہے۔اور منافق کو کافر سے بھی بدتر ٹھہرایا ہے۔اسی کئے فرماتا ہے۔اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:146)۔کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔جب قرآن مجید نے نفاق کو اس قدر گھناؤنی بیماری قرار دیا ہے۔تو ضرور ہے کہ وہ اس بیماری کا مداوا بھی خود بتائے سو اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں آیات ذیل میں جامع تعلیم ارشاد فرمائی ہے سورہ نساء کی آیات 138 تا146 فرماتا ہے۔ترجمہ۔منافقین کو آگاہ کردے۔کہ اُن کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔ یہ لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رازدار اور دلی دوست بناتے ہیں۔کیا یہ ان کے پاس جا کر عزت چاہتے ہیں؟۔یقیناً سب عزت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں پہلے سے یہ حکم اُتار چکا ہے۔کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے نشانات کا انکار اور ان پر استہزاء سُنو تو ایسا کرنے والوں کے پاس مت بیٹھو۔بجُز اس کے کہ وہ اور باتیں کریں۔ورنہ بصورت دیگر تم بھی اُن کی مانند قرار پاؤ گے۔اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔یہ منافق تمہارے بارے میں حوادث کے منتظر رہتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں فتح نصیب ہوجائے۔تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہ تھے؟۔اور اگر کافروں کو موقع مل جائے تو اُن سے کہتے ہیں کہ فلاں موقع پر ہم تمہارے آڑے نہ آئے تھے۔اور ہم نے تمہیں مومنوں سے بچایا تھا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم سب کے درمیان آخری فیصلہ فرما دے گا۔بہرحال وہ سچے مومنوں پر کافروں کو غالب نہ ہونے دیگا۔منافق تو اللہ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کا مزا انہیں چکھانے والا

ہے۔ یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو کسل اور سستی کے عالم میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاوے کی نماز پڑھاتے ہیں۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل یاد نہیں کرتے۔ یہ لوگ حالت تذبذب میں ہیں۔ نہ ادھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے دے۔ تو اُن کی ہدایت کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔ اے مومنو! تم ان کافروں کو مومنوں کی بجائے دوست مت بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو۔ کہ تم آئندہ خود اپنے ذمے اللہ تعالیٰ کا الزام قائم کرلو۔ یقیناً منافق تو جہنم کے نچلے حصے میں ہونگے۔ اور تو ان کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ ہاں جو لوگ ان میں سے سچی توبہ کرلیں پھر اپنی خرابیوں کی اصلاح کردیں وہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط پیوند باندھ لیں۔ اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے مضبوط پیوند باندھ لیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی کامل اور مخلصانہ اطاعت کریں۔ وہ مومنوں کے ساتھ قرار پائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔'' (سورہ النساء آیات۔ 138 سے 148)

ان آیات پر تدبر کرنے سے مندرجہ ذیل امور بالبداہت ثابت ہیں۔

اوّل۔ منافق کی ایک بڑی نشانی یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ دنیوی عزت کا بھوکا ہوتا ہے۔ وہ اس غرض سے مومنین کی غریب جماعت سے روحانی تعلقات استوار کرنے کی بجائے غیروں سے رشتے جوڑتا ہے۔ ان سے تعلقات بڑھاتا ہے اور اس ذریعہ سے دُنیا میں عزت۔ شہرت اور غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

دوم۔ منافق باہم ملتے رہتے ہیں۔ اور ٹولیاں بنا بنا کر اللہ تعالیٰ کے نشانات اور اسکی پیشگوئیوں احکام پر ٹھٹھا اور استہزاء کرتے رہتے ہیں۔ ان کی مجالس کا عام انداز یہی ہوتا ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ اکھٹے ہوتے رہتے ہیں۔

سوم۔ منافقوں کی مجالس میں مومنوں کو ہر قسم کی شرکت سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں تک انہیں بتا دیا گیا ہے کہ اگر تم خاموشی سے بھی ان کی مجالس میں بیٹھتے ہو تو تم ہماری نظروں میں اُن کے ساتھی ہو۔ مومن نہ ایسی گفتگو کر سکتے ہیں۔ جس میں آیات اللہ کا استخفاف پایا جاتا ہو۔ اور نہ ہی خاموشی سے ایسی گفتگو کو برداشت کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر رواداری برتنے کے مدعی دراصل نفاق کے زہر سے مسموم ہو چکے ہوتے ہیں۔ چہارم۔ منافقوں کی ایک واضح علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ مومنوں پر حوادث آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ انتظار کرتے رہتے ہیں کہ جماعت مومنین پر آج کوئی آفت پڑی یا کل پڑی اس لئے وہ پوری یکسوئی اور پورے دل سے جماعت کا ساتھ نہیں دیتے۔ اور نہ ہی جماعتی قربانیوں میں شرح صدر سے حصہ لیتے ہیں۔

پنجم۔مومنوں کی فتح اور غلبہ کے وقت اموال میں سے حصہ لینے کے لئے آگے بڑھ بڑھ کر کہتے ہیں کہ اجی ہم بھی تو ساتھ تھے۔ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دو۔لیکن اگر کافروں کو عارضی فتح ہو جائے تو ان سے اپنی کارستانیوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر کرنے لگ جاتے ہیں۔جو عین جہاد کے موقع پر بھی یہ بد بخت مومنوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔جن سے کفار کی بلاواسطہ یا بالواسطہ امداد مقصود ہوتی ہے۔

ششم۔منافقین عبادات میں سُستی اور کسل کا شکار ہوتے ہیں۔وہ پنجوقتہ نماز بالالتزام باجماعت ادا کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ان کی عبادات ریاکاری کے طور پر ہوتی ہے نہ کہ خالصتاً ذکر الٰہی کے لئے۔منافق کی یہ کھلی اور واضح علامت ہے۔

ہفتم۔منافق عملی زندگی میں ڈانواں ڈول ہوتا ہے۔کبھی ادھر کبھی ادھر اور درحقیقت نہ اِدھر نہ اُدھر۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کا اعتبار نہ اپنوں پر ہوتا ہے نہ بیگانوں پر۔اسے انجام کار دھکّے ملتے ہیں۔

ہشتم۔منافق اپنے منصوبوں میں ناکام و نامراد رہتے ہیں۔وہ آخر کار ھمُوا بِمالم ینالُوا کے مصداق بنتے ہیں۔وہ منافقت کے ذریعہ وہ مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔جسے پا نہیں سکتے۔دنیوی اور دینی طور پر بھی منافق کے حصہ میں ناکامی اور نامرادی لکھی ہوتی ہے۔مرنے کے بعد وہ جہنم میں جاتا ہے۔اور دنیا میں مومنوں کی ترقیات کو دیکھ دیکھ کر آگ کے انگاروں پر لوٹتا ہے۔منافق کی حالت نہایت عبرتناک ہوتی ہے۔

نہم۔اللہ تعالیٰ منافقوں کے ساتھ تعلقات رکھنے سے منع فرماتا ہے۔کہ اگر منافق کے نفاق کا پتہ لگ جانے کے باوجود تم اُس سے دوستانہ مراسم رکھتے ہو۔تو اللہ تعالیٰ کے ملزم ٹھہرتے ہو اور تم خود نفاق کی آغوش میں چلے جاتے ہو۔نہ صرف ان کی مجلسوں سے اجتناب کرو بلکہ ان کی دوست اور قلبی تعلقات سے بھی پہلوتہی کرو۔

دہم۔عام منافق کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوتا ہے مگر اس کی چار شرائط مقرر ہیں۔

نمبر 1۔اُس کی توبہ برملا ہو۔دل کی ندامت اور پشیمانی کا اعتراف کھلے بندوں کرے۔ نمبر 2۔اُس نے نفاق کے دوران جو جو خرابی پیدا کی تھی اور جس جس جگہ آیات اللہ سے ٹھٹھا اور استہزاء کیا تھا۔ان تمام خرابیوں کا ازالہ کرے۔اور ہر رنگ میں تلافی کرے۔نمبر 3۔توبہ کے پیچھے کوئی دنیوی مقصد نہ ہو۔بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر ہو۔اور اس سے مضبوط رابطہ پیش کرنا مقصود ہو۔نمبر 4۔آئندہ کے لئے عملی طور پر دین کے احکام کا پورے طور پر اور مخلصانہ رنگ میں پابند ہو۔ان چار شرائط کے پورا

کرنے کی صورت میں نفاق زائل ہوجاتا ہے۔اور انسان مومن بن کر اللہ تعالیٰ کا قرب اور جماعت مومنین کی معیت حاصل کرلیتا ہے۔ان آیات قرآنی میں جامع رنگ میں یہ امور بیان ہوئے ہیں۔گویا اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے کہ نفاق کیونکر پیدا ہوتا ہے۔اس کی نشانیاں کیا ہیں نفاق کیونکر بڑھتا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔یقیناً ان آیات کی روشنی میں نفاق کا علاج کیا جاسکتا ہے۔



قرآن کریم میں ماپ تول کے متعلق احکامات



اللہ تعالی نے ازل سے ہی انسان کی اصلاح کے لئے انبیاء کرام کو بھیجنے کا سلسلہ تشکیل دیا۔پہلے تو انسانی شعور کو اجاگر کرنے کے لئے اس کی ابتدائی استعدادوں کے مطابق انبیاء کو بھیجا۔جوں جوں انسان نے ترقی اور معاشرتی زندگی کو سمجھنے کی طرف قدم بڑھایا۔اسی درجے کے قوانین اس کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالی نے انبیاء کو مبعوث کیا۔جب انسان کے ذہن کی ترقی اس درجہ پر پہنچی تو رب العلمین نے کامل دین دے کر ہمارے پیارے نبی ﷺ کو ام القری میں مبعوث فرمایا۔اسلام میں سب امور کے متعلق تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔معاشی ، معاشرتی ،سیاسی ،تمدنی ،عائلی ،لین دین اور رہن سہن ،صلح و جنگ ،شادی وغمی ،زندگی وموت کے قوانین کے متعلق خود حضور پاک ﷺ کا اسوہ حسنہ سے ثابت ہے۔اوراس سے ہمیں کما حقہ راہنمائی ملتی ہے۔ اسلام مکمل دین ہے۔اورقرآن مجید جامع شریعت ہے۔انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلونہیں ہے جس کے لئے اسلامی شریعت میں صحیح اورموزوں احکام موجود نہ ہوں۔الغرض ہرقسم کے معاشرتی ،اور معاشی معاملات کے متعلق راہنمائی ملتی ہے۔اسلام نے حقوق اللہ اورحقوق العباد کو بہت اہمیت دی ہے اورایسا ہونا لازمی تھا۔کیونکہ اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا۔اسلام کی رو سے کامل مومن وہ ہے۔جو دنیا میں رہتا ہوا اور دنیاوی معاملات کو سرانجام دیتا ہوا اسلامی احکام کی پابندی کرتا ہے۔اوراعلی اخلاق کا ثبوت دیتا ہے۔درحقیقت انسان کے اندرونی تقوی کے امتحان کا ذریعہ ہی

یہی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اپنے معاملات میں کیسا ہے۔اس کا برتاؤ بنی نوع انسان کے ساتھ کیسا ہے۔اور وہ کس طرح پاکیزگی اور نیک نیتی سے دوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے۔جو شخص اس پہلو سے ناکام ہوتا ہے اس کی ظاہری عبادات اسے مکمل نفع نہیں پہنچا سکتیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے۔خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِه۔کہ تم میں سے نیک اور بہتر انسان وہ ہے جس کا سلوک اپنے اہل وعیال سے زیادہ اچھا ہے۔قرآن مجید میں جن تمدنی احکام پر خاص طور پر زور دیا ہے۔اور انہیں نیکی اور تقوی کا مدار قرار دیا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ تجارتی معاملات اور لین دین میں پاکیزگی، دیانتداری اور صحیح طریق اختیار کیا جائے۔ناجائز نفع اندوزی، ماپ اور تول میں کمی، ذخیرہ اندوزی، غلط بیانی اور دھوکہ بازی کو قرآن مجید نے نہ صرف حرام قرار دیا ہے بلکہ ان امور کو تجارت کے لئے تباہ کن قرار دیا ہے اور بنی نوع انسان پر انتہائی ظلم ٹھہرایا ہے۔ہمارے ملک کے تمدنی، تجارتی اور سیاسی حالات کا تقاضا ہے کہ اس ملک کے باشندے جن کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔وہ قرآن مجید کے احکام پر مکمل توجہ دیں اور اس پر پورا پورا عمل کریں۔تا انہیں دین و دنیا میں سربلندی حاصل ہو۔اور وہ اپنے لئے اور دین کے لئے نیک نامی کا باعث ہوں۔تجارتی امور میں پاکیزگی اور دیانتداری کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالی نے توحید کے قیام کے علاوہ اس قوم کی اصلاح کے لئے ایک عظیم الشان نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔قرآن مجید فرماتا ہے۔وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (الاعراف 85) ترجمہ۔ہم نے مدین قوم کی طرف ان میں سے ہی شعیب کو رسول بنایا۔انہوں کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔اور اس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بینات واضح ہو چکے ہیں۔تم ماپ اور تول کو پورا پورا ماپو اور تولو۔لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو۔اس طرح سے تم ملک میں اصلاح کے بعد فساد پھیلانے کا موجب مت بنو۔اگر تم مومن ہو تو یہ طریق تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔

2۔وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

مُّحِيطٍ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ○85 (ہود84۔85) ترجمہ۔ ''ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ نیز تم لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے وقت کم نہ دیا کرو۔ میرے خیال میں تمہاری مالی حالت اچھی ہے۔ تمہارے اس برے نتیجہ میں مجھے تباہ کن عذاب کے دن کا خطرہ ہے۔ اے میری قوم! انصاف کے ساتھ ماپ اور تول پورا پورا دو۔ اور لوگوں کی چیزوں میں انہیں کم نہ دو۔ اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو خدا تعالی کا دیا ہوا نفع تمہارے لئے بہتر ہے۔ البتہ میں تم پر داروغہ نہیں ہوں''۔



قرآن۔ایک عظیم اور بے نظیر کتاب (غیروں کی نظر میں)

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

آج سے پندرہ سو برس پہلے سرزمین عرب سے ایک اُمّی اٹھا کہ دنیا کے سامنے ایک کتاب پیش کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تم مقابلہ کی طاقت رکھتے ہو اور تمہیں اپنے علم وفن پر ناز ہے۔ تو اس کتاب کی نظیر لے آؤ لیکن کوئی ادیب کوئی مصنف ایسا نہ نکلا کہ اس چیلنج کو قبول کرتا اور آج پندرہ سو تیس سال گزرنے کے بعد یہ چیلنج قائم ہے۔ جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اتنا بڑا دعوی صرف اسی کتاب کے بارہ میں کیا جاسکتا ہے۔ جو ہر لحاظ سے دوسروں سے عمدہ ہو۔ کیا بلحاظ تعلیم کیا بلحاظ زبان کی فصاحت و بلاغت اور کیا بلحاظ طرز بیان کے۔ الغرض وہ کتاب ایسی ہونی چاہیے کہ عمدگی کی کسی صفت میں دوسروں سے ادنی نہ ہو۔ آیئے ہم قرآن کو پرکھیں کہ اس کے متعلق اتنا بڑا دعوی جو کیا گیا ہے کیا وہ صحیح ہے؟ کیا قرآن کی تعلیم ایسی ہے کہ اسے دنیا کی عمدہ ترین تعلیم قرار دیا جاسکے۔ اور کیا قرآن کی زبان اس قدر فصیح اور بلیغ ہے کہ اسے معیار تسلیم کیا جاسکے۔ اور کیا قرآن کا طرز بیان اس قدر دلکش ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکے۔؟ لیکن اگر ہم خود فیصلہ کرنے لگیں تو ممکن ہے کہ کوئی متعصب شخص یہ کہہ دے کہ مسلمان عقیدت کی وجہ سے اس کتاب کے متعلق فیصلہ کر رہے ہیں۔ اس

لیے آیئے ہم اس بات کو ایسے لوگوں کے پاس لے جائیں جو اسلام کے سخت دشمن ہوں اور جنہیں اسلام کے ساتھ کوئی عقیدت نہ ہو۔اس سلسلہ میں عیسائی مستشرقین ہمیں ملتے ہیں۔آیئے ہم دیکھیں کہ انہوں نے قرآن کے متعلق کیا کیا ریمارکس دیئے ہیں۔

1۔پریچنگ آف اسلام کا مصنف رقم طراز ہے:''اخلاقی احکام جو قرآن میں ہیں اپنی جگہ پر کامل ہیں''۔پاپولر انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔''قرآن کی اخلاقی تعلیم بالکل خالص ہے جو شخص پورے طور پر اس پر عامل ہو نیک زندگی بسر کرسکتا ہے''(جلد 8 صفحہ 326)

2۔ایک عیسائی مستشرق ڈاکٹر موریس ماہر عربی اور فرانسیسی زبان میں ترجمہ قرآن کرتے ہوئے مخالفین قرآن کو ان الفاظ میں نصیحت کرتا ہے'' قدرت کی لازوال عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں۔ان سب میں بہترین قرآن کریم ہے۔مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔کوئی چیز عیسائیان روم کو اس ضلالت و گمراہی کی خندق سے جس میں وہ گر پڑے تھے نہیں نکال سکی بجز اس آواز کے جو سرزمین عرب میں غار حرا سے آئی۔'' دیکھیئے یہاں پر ایک عیسائی کس طرح اپنی شریعت کو عاجز دیکھتا ہے۔مگر ساتھ ہی اسے یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ اگر کوئی شریعت واقعی ان کے درد کا درماں ہوسکتی ہے تو وہ قرآن کی لائی ہوئی شریعت ہے۔انہوں نے تو صرف اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ہمیں اسلام ہی بچا سکتا ہے۔

3۔مگر ڈین اسٹینلی جیسا مصنف اس سے آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ'' میسحیت پر انجیل کے قانون نے اس قدر گہرا اثر پیدا نہیں کیا جسقدر قرآن کے ضابطہ نے اثر کیا ہے''(مشرقی کلیسا صفحہ 259) قرآن سے مسٹر گبن جیسا شخص بھی متاثر ہو کر کہہ اٹھتا ہے کہ'' قرآن کی وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر منتج ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی''۔ایک دائمی شریعت کے لئے لازمی ہے کہ وہ جس طرح شروع میں وہ قابل عمل تھی۔اب زمانہ کی ترقیات کے بعد بھی قابل عمل ہو۔قرآن کی شریعت ایک ایسی ہی شریعت ہے کہ وہ اس وقت بھی قابل عمل تھی جب دنیا میں علوم وفنون ابتدائی حالت میں تھے۔اور اب بھی جبکہ وہ اپنے عروج کو پہنچ چکے ہیں۔

4۔اس بات کا اقرار فرانس کے مشہور ڈاکٹر سوان ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔'' جدید علوم کے انکشافات جن کو ہم نے اپنے زور سے حل کیا یا وہ ابھی زیر تحقیق ہیں کوئی ایسی بات نہیں جو قرآنی

تعلیمات کے خلاف ہو۔ ہم عیسائیوں نے عیسائیت کو علم و سائینس کے ہم آہنگ بنانے میں جواب تک کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں وہ پہلے سے ہی موجود ہیں‘‘۔ ایک کامل شریعت کے لئے لازمی ہے کہ اس میں تمام پہلو آ گئے ہوں۔ اور کوئی بات ایسی نہ رہے جس کے متعلق وہ اپنے پیروں کی راہنمائی نہ کر سکتی ہو۔ اس بات کو کہ قرآن ایک کامل شریعت ہے۔

5۔ اسے مسٹر گبن اپنے ان الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں۔ ’’قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ پارلیمنٹ کی روح اور قانون اساسی ہے۔ صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں بلکہ احکام و تعزیرات کے لئے بھی اور تمدن و قانون کے لئے بھی جن پر نظام عمران کا مدار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے تمام احکام میں بڑے سے بڑے شہزادہ سے لے کر فقیر و گدا تک کے لئے مسائل رکھتی ہے‘‘۔ اب جبکہ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ عیسائی مستشرقین قرآنی تعلیم اور شریعت کی برتری تسلیم کر چکے ہیں۔ تو آیئے ہم اس بات کو دیکھیں۔ کہ قرآن کی زبان اور اس کا طرز بیان ان لوگوں کے نزدیک کیسا ہے۔

6۔ مسٹر سیل جیسا متعصب عیسائی قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ’’قرآن انتہائی لطیف اور پاکیزہ زبان میں ہے۔ اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل نہیں بنا سکتا۔ یہ ایک مستقل معجزہ ہے۔ جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ سے بہت بلند پایہ ہے اور تنہا یہ صحیفہ دنیا کو اپنے آسمانی ہونے کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔ اس میں فصیح خوبصورت اور پر معنی جملے ہیں۔ اور خصوصا وہ آیات نہایت فصیح اور بلیغ ہیں۔ جن میں اللہ تعالی کی عظمت اور شوکت اور صفات کا تذکرہ ہے۔ قاری کو اس صحیفہ میں ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں‘‘۔

7۔ اسی طرح مسٹر فرک مورخ جرمنی لکھتے ہیں ’’قرآن کی عبارت کیسی فصیح اور بلیغ اور مضامین کیسے عالی اور لطیف ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ناصح نصیحت کر رہا ہے۔ اور ایک حکیم فلسفی حکمت الہی بیان کر رہا ہے‘‘۔ جبکہ قرآن کی زبان کو فصیح و بلیغ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تو آیئے اس بات کو دیکھیں کہ کہیں یہ تحریف و تبدل کا شکار تو نہیں ہو گی۔ جیسا کہ دوسری آسمانی کتب ان کا شکار ہو چکی ہیں۔

8۔ دیباچہ لائف آف محمد میں لکھا ہے۔ ’’دنیا کے پردہ پر غالبا قرآن کے سوا اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو پندرہ سو سال کے طویل عرصہ تک بغیر کسی تحریف و تبدیل کے اپنی اصلی صورت میں محفوظ رہی

ہو۔ ہماری اناجیل کا مسلمانوں کے قرآن کے ساتھ مقابلہ کرنا جو بالکل غیر محرف و مبدل چلا آتا ہے۔ دو ایسی چیزوں کا مقابلہ کرنا ہے جن میں آپس میں کوئی نسبت نہیں'' (دیباچہ لائف آف محمد صفحہ 21) یہاں پر مصنف صاف الفاظ میں قرآن کی برتری اور اناجیل کی شکست کو تسلیم کر رہا ہے۔

9۔ پھر یہی مصنف لکھتا ہے'' ہمارے پاس اس بات کی اندرونی اور بیرونی ضمانت موجود ہے کہ موجودہ قرآن وہی ہے جو حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جسے آپ استعمال کرتے تھے''۔ (دیباچہ لائف آف محمد) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جیسی مستند کتاب میں اس بات کا اقرار ان الفاظ میں کیا جاتا ہے۔'' آج کا قرآن بعینہ وہی ہے جو صحابہ کے وقت میں تھا۔ یورپین علماء کی یہ کوشش کہ قرآن میں کوئی تحریف ثابت کریں بالکل ناکام رہی ہے'' (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا زیر لفظ قرآن)

10۔ william Grahim لکھتے ہیں:۔'' مذہبی اور غیر مذہبی کتب میں قرآن مجید شاید وہ واحد کتاب ہے۔ جو لاکھوں لاکھ لوگوں کے ذریعہ مکمل طور پر حفظ کی جاتی رہی''۔

(Beyond the writton word uk cambridge university 1993)

11۔ امریکہ کے مشہور پروفیسر ہوورڈ نے ڈیل نیویارک ٹائمز میں لکھا ہے۔ ہم لوگ خواہ کتنا ہی انکار کریں مگر واقعات کو سامنے رکھ کر یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور اس قوم پر حکومت کر رہا ہے جو تاریکی کے زمانہ میں عیسائیوں کے لئے شمع بنی رہی ہے 1 ور جس نے ہمارے دماغوں کو اپنے علوم وفنون سے سیراب کر دیا ہے۔ اس کی الہامی کتاب قرآن ہے جو روز اول سے اسی طرح محفوظ ہے۔

12۔ غیر متعصب مفکرین یورپ میں سے باسورتھ سمتھ ایم اے لکھتے ہیں۔ قرآن مجید جو ایک غیر تعلیم یافتہ امی کی کتاب ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں منظوم بھی ہے۔ دعاؤں کی بھی کتاب ہے۔ اور بائیبل بھی ہے۔ اور آج کے دن تک تمام نسل انسانی کے نصف حصہ لوگوں کی آبادی کی نظر میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور معجزہ خیال کی جاتی ہے۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے اسے standing miracle قرار دیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ وہ واقعی ایک معجزہ ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔ علم تاریخ میں یہ ایک بے مثال قسم کی بات ہے کہ محمد ﷺ بیک وقت ایک قوم اور ملت کے اور ایک ایمپائر کے اور ایک مذہب کے کامیاب بانی قرار پائے۔

13۔ A.J.Arberry پروفیسر عربی کیمبرج یونیورسٹی نے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے بعض پہلوؤں کی تعریف کی ہے۔

14۔CraggKeneth مسلم ورلڈ امریکہ کا ایڈیٹر تھا۔اس نے ''کال آف دی منرٹ'' نامی کتاب لکھی ہے۔اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق شہادت دی ہے اور قرآن کریم کے تعلق میں بھی عمدہ بیان دیا ہے۔

15۔ ''بائبل قرآن اور سائینس'' کے نام سے موسوم کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی گئی ہے۔جس کا مصنف موریس بوکائلے جو کہ ایک سرجن ہے لکھتا ہے۔''اب اگر ہم مسلمان مفسرین کی توضیحات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ قرآن کو بالکل ہی مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں۔تقریباً چودہ صدی کا عرصہ ہوا۔ماحول مکہ میں جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عالم استغراق میں تھے۔تو آپ کو جبرائیل (علیہ السلام) کے ذریعہ اللہ کا پہلا پیغام ملا۔پھر پہلے پیغام کے بعد فترت وحی کا طویل عرصہ گزرنے پر مسلسل نزول وحی ہوتا رہا۔جس کا پھیلاؤ بیس سال کی مدت پر ہے یہ وحی نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات میں ضبط تحریر میں لے آئی گئی تھی۔بلکہ السابقون الاولون کے وہ صحابہ جن کو آپ کی محبت نصیب ہوئی زبانی اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔آپ کی رحلت (632ء) کے بعد مختلف اجزاء کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کر دیا گیا۔جس کے بعد وہ کتاب قرآن کے نام سے موسوم کی گئی۔یہ خدا کا کلام ہے اور انسان کی جانب سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔وہ خطی نسخے جو اسلام کی پہلی صدی کے وقت سے ہماری دسترس میں ہیں۔آج کے متن کی تصدیق وتوثیق کرتے ہیں۔ایک خوبی جو پوری طرح قرآن کریم کیساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بحث کی جاتی ہے تو اس میں متعدد مقامات پر تمام انواع کے قدرتی حوادث سے متعلق اظہار خیال دکھائی دیتا ہے۔یعنی فلکیات سے لے کر انسانی توالد وتناسل کرہ ارض، عالم حیوانی و نباتاتی تک سب ہی کچھ اس میں موجود ہے۔

(بائبل قرآن اور سائینس از موریس بوکائلے صفحہ 7۔8 اخبار الفضل مورخہ 15۔اپریل 2011)

16۔ایک کتاب جس کا نام History of the Intellectual Development of page334Europe by John William Drapper Volume 1 پر لکھا ہوا ہے۔ترجمہ۔''یہ مکمل طور پر غلط خیال ہے کہ عرب کی ترقی صرف تلوار کے زور پر تھی۔تلوار قوم کے مذہب کو تو بدل سکتی ہے

لیکن یہ انسان کے خیالات اور ضمیر کی آواز کونہیں بدل سکتی''۔آگے صفحہ 344.343 پر لکھتا ہے ''کہ قرآن کریم پڑھنے والا ایک منصف مزاج بغیر کسی شک کے اس بات پر حیران ہوتا ہے۔کہ کس طرح بات کے مقصد کو احسن رنگ میں ادا کیا گیا ہے۔قرآن کریم اعلیٰ اخلاق اور تعلیم و احکامات سے بھرا ہوا ہے۔اس کی ترکیب وترتیب ایسی واضح اور ہر لفظ اپنے اندر ایک مطلب سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر صفحہ اپنے اندر ایسے مضامین لئے ہوئے ہے۔جس کی تعریف کے بغیر انسان آگے نہیں جا سکتا''۔(اخبار الفضل 10 مئی 2011ء)

17۔ بلند کردار کا حامل۔ On Heroes Hero Worship and Heroic in histoty by T Catlye p.87 تھامس کارلائل مشہور انشاء پرداز اور مصنف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں لکھتا ہے۔کہ آپ کسی قسم کے بھی آرام وعیش کو پسند نہ فرماتے تھے۔آپ کا گھریلو اسباب بہت ہی معمولی تھا۔آپ کی غذا جو کی روٹی تھی۔بسا وقات آپ کے گھر کے چولہے میں آگ نہ جلتی تھی۔مسلمانوں کو بجا طور پر فخر ہے کہ آپ جوتے کی خود مرمت فرمالیا کرتے تھے۔اپنے کپڑوں پر خود پیوند لگا لیا کرتے تھے۔آپ نے زندگی محنت پسندی اور عسرت میں بسر کی۔اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کردار بلند نہ ہوتا تو ان کی قوم ان کو اس طرح دل سے نہ چاہتی۔دنیا میں کسی شہنشاہ کے احکام کی بھی کبھی ایسی اطاعت نہیں کی گئی جیسی گدڑی میں لپٹی اس عظیم ہستی کی کی گئی۔ان کا تیس سالہ دور نبوت ایک ہیرو کی تمام صفات اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

18۔مشہور مستشرق نولڈ کا قول ہے کہ ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں (طرز تحریر) کی ہوں۔تو ہوں۔لیکن جو قرآن عثمان نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ یقینا وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیش کیا تھا۔گو اس کی ترتیب عجیب ہے۔یورپی علماء کی یہ کوششیں کہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ قرآن میں بعد کے زمانہ میں کوئی تبدیلی ہوئی بالکل ناکام ثابت ہوئی۔(سیرت صحابہ از حافظ از حافظ مظفر احمد صاحب صفحہ 98)

19۔مشہور مستشرق سٹینلے پول فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔جس دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی وہی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنے نفس پر فتح حاصل کرنے کا دن تھا۔قریش نے سالہا سال تک جو کچھ رنج اور صدمے دیئے تھے اور بے رحمانہ تحقیر وتذلیل کی مصیبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر

ڈالی تھی۔آپ نے کشادہ دلی کے ساتھ ان تمام باتوں سے درگذر کی اور مکہ کے تمام باشندوں کو ایک عام معافی نامہ دے دیا۔'' 21Speaches and table talk of the prophet Mohammad by stainley lane-pool Interoduction 1882 London(الفضل ربوہ 21۔اپریل 2011ء)

20۔قرآن نے ساری دنیا کو زبانی لحاظ سے یکجا کیا۔چنانچہ فلپ لکھتا ہے۔''شام ،عرب اور مصر کی طرح عراق اور مراکش میں ہر جگہ وہی کلاسیکل عربی زبان رائج ہے جس کی تشکیل قرآن نے کی''۔

21۔مشہور مستشرق اور رومن کیتھولک فن کیرم آرم سٹرانگ لکھتی ہیں۔''جب بھی کوئی آیت پیغمبر اسلام پر نازل ہوتی آپ اسے بلند آواز میں صحابہ کرام کو سناتے جو اسے یاد کر لیتے اور جو لکھنا جانتے تھے اسے لکھ لیتے''۔

22۔پروفیسر کارلائل کہتا ہے۔''میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے۔اور یہ بالکل کھلی اور سچی حقیقت ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہوسکتی ہے تو اسی سے پیدا ہوسکتی ہے۔(عزم نو قرآن پاک نمبر قرآن اور سائینس سیارہ ڈائجسٹ)

23۔پادری ڈیوڈ پورٹ کہتا ہے۔''قرآن تمام عیوب سے پاک ہے''۔

24۔پادری ریورینڈ جے ایم راڈویل کہتا ہے۔''قرآن علم وآگہی کا مخزن ہے''۔

25۔نپولین بونا پارٹ نے قرآن کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے۔''مجھے امید ہے کہ میں دنیا کے تمام دانا اور باشعور لوگوں کو یک جا کر کے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک مثالی نظام قائم کروں گا۔کیونکہ صرف یہی تعلقات ہی انسان کو مسرتوں سے روشناس کر سکتی ہیں''۔

26۔ڈاکٹر موسیو جین کہتا ہے۔''قرآن مذہبی قواعد وضوابط کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اس میں اجتماعی اور معاشرتی احکام بھی موجود ہیں جو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے بہر حال مفید ہیں''۔

27۔ڈاکٹر لڈر ہف کرہل نے قرآن کریم کو'' وسیع جمہوری سلطنت کا قانون'' قرار دیا ہے۔

28۔ڈاکٹر راوَڈیل نے قرآن کو''روحانی نجات کا ذریعہ اور رعایا کے حقوق کا علمبردار'' کہا ہے۔

29۔موسیو کاسٹن قرآن کو''امن وامان کا ضامن'' قرار دیا ہے۔

30۔مہاتما گاندھی نے قرآن کو''الہامی کتاب اور فطرت انسانی کے عین مطابق'' قرار دیا ہے۔

31۔ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کہتا ہے۔''وہ وقت دور نہیں جب کہ قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے اپنے اندر جذب کرے گا۔وہ زمانہ بھی دور نہیں جبکہ اسلام ہندو مذہب پر غالب

آ جائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا''۔

32۔ لالہ لاجپت رائے نے کہا تھا۔''میں مذہب اسلام سے محبت کرتا ہوں اور اسلام کی پیغمبر گو دنیا کے مہا پرش سمجھتا ہوں۔ میں قرآن کی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی، اور روحانی تعلیم کا دل سے مداح ہوں۔ میں اسلام کے اس رنگ کو بہترین اسلام سمجھتا ہوں جو رنگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھا۔

33۔ جرمن شاعر اور فلسفی گوئٹے کہتا ہے۔''قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے۔ پھر متعجب کرتی ہے اور آخر ایک تحیر آمیز رقت میں ڈال دیتی ہے''۔ سکھوں کے گورونانک کیا فرماتے ہیں۔''توریت، زبور، انجیل کو ہم نے غور سے دیکھا اور ویدوں کو بھی مگر دنیا کے لئے جو کتاب ہدایت کامل کا مجموعہ ہوسکتی ہے وہ قرآن ہے۔ پھر کہا کہ''عربی کے حروف تہجی تیس ہیں اور قرآن کے پارے بھی تیس ہیں۔ قرآن لاانتہا نصیحتوں کا مجموعہ ہے۔ سنو اور یقین کرو اگر کوئی کتاب ایمان ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔''

34۔ ہندو لیڈر مسز سروجنی نائیڈو نے لندن میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔''قرآن غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے اصولوں کی پیروی سے دنیا خوشحال ہوسکتی ہے۔ اور دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا''۔

35۔ جان فاش اپنی کتاب''دی وزڈم آف دی قرآن''میں لکھتا ہے۔''قدیم عربی زبان میں نازل شدہ قرآن خوبصورتی اور دلکشی کا حسین مرقع ہے اس کا سٹائل بڑا جامع اور دل پذیر ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں جو کہیں کہیں شاعری کے نادر نمونے ہیں غضب کا استدلال اور مسخر کرنے والی طاقت ہے۔ اس کے مفہوم کو کسی زبان کے سانچے میں ڈھالنا کٹھن کام ہے''۔

36۔ چارلس فرانسس پورٹر نے کہا''قرآن دنیا میں سب الہامی کتب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے''۔

37۔ ڈاکٹر مورنس فرانسیس نے کہا۔''یہ کتاب قرآن تمام آسمانی کتب پر فوقیت رکتی ہے''۔

38۔ ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی کتاب''دی پریچنگ آف اسلام''میں کہا''جو احکام قرآن میں موجود ہیں وہ اپنی جگہ مکمل ہیں۔''

39۔ ڈاکٹر سیموئیل جانسن نے کہا۔''قرآن کے مطالب اتنے ستھرے اور ہمہ گیر ہیں اور ہر مذہب اور زمانے کے لئے اس قدا موزوں ہیں کہ زمانے کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ

محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا پھرتا ہے''۔

40۔ پروفیسر ہربرٹ وائل نے اپنے ایک لیکچر میں کہا۔'' قرآن عالم انسانیت کا مصلح ہے''۔

41۔ پروفیسر دوی جاداس کہتا ہے۔'' قرآن ایک جامع اور روح افزا پیغام زندگی ہے کہ بندہ دھرم اور مسیحت کی کتب اس کے مقابلے میں کوئی بیان پیش نہیں کر سکتیں''۔

42۔ڈاکٹر سٹینلے لین پول نے اپنے لیکچر'' گائیڈنس آف ہولی قرآن'' میں کہا'' قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی اور اصول جہاں بانی سکھائے ۔قرآن میں سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہیے''۔

43۔ ریونڈر آر بٹائے میکسوئیل کنگ نے کہا۔'' قرآن الہامات کا مجموعہ ہے اس میں اسلام کے قوانین اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ زندگی کی نسبت ہدایات ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کی مذہبی تعلیم اور قانون علیحدہ چیز نہیں''۔

44۔ڈاکٹر گستاولی بان نے کہا۔'' قرآن ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے''۔

45۔عمانویل ڈی اش نے کہا۔'' قرآن مسیحائے عقل ہے''۔

46۔فرانسیسی ادیب موسیواوجین کلاکل نے کہا۔'' قرآن اجتماعی احکام کا رہبر ہے''۔

47۔ جرمن ڈاکٹر فرک کہتا ہے۔'' قرآن کی عبارت نہایت فصیح و بلیغ اور مضامین لطیف وعالی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امین ناصح نصیحت کر رہا ہے۔''

48۔ پروفیسر آرائے نکلسن کہتا ہے۔''عربی زبان قرآن کی وجہ سے محترم ہے''۔

49۔مسٹر ای ڈی ماریل کہتا ہے۔'' قرآن اسلام کی قوت وطاقت ہے۔''

50۔مشہور جرمن جان جاک کہتا ہے۔''جب منکرین قرآن کو جب پیغمبر ؐ کی زبان سے سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر پڑتے اور مسلمان ہو جاتے تھے''۔

51۔ڈاکٹر جانسن نے کہا ہے۔'' قرآن عام فہم اور قابل قبول ہے۔''تھیوڈ ورنون لڈیکے نے کہا ۔'' قرآن خدا کی طرف لانے کا ذریعہ ہے۔''

52۔ پادری وال ریس ڈلی کہتا ہے۔'' قرآن امن وسلامتی کا پیغمبر ہے۔''

53۔گاڈ فرے ہیکن کہتا ہے۔'' قرآن غریبوں کا دوست اور غمخوار ہے''۔

54۔میجر لیونارڈ کہتا ہے۔'' قرآن بہترین معلم ہے۔''

55۔مشہور افسانہ نگار ایچ جی ویلز کہتا ہے۔'' قرآن نے مسلمانوں کو مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل و رنگ اور زبان کے پابند نہیں ہیں۔''

56۔کاؤنٹھنری دی کاسٹری نے کہا۔'' قرآن معجزانہ کلام ہے۔''

57۔مسٹر بورس سمتھ نے کہا۔'' قرآن مستقل دائمی معجزہ ہے۔''

58۔سرایڈورڈ ڈینی راس نے کہا۔'' قرآن نور ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے یورپ کے گوشے گوشے میں اسے پھیلایا جائے۔''

59۔ڈاکٹر جارٹن کہتا ہے۔'' قرآن کا طرز تحریر دل آویز اور رواں ہے۔مختصر اور جامع ہے اور خدا کا ذکر بڑے شاندار طریق پر کرتا ہے''۔

60۔نیئر ایسٹ لندن کے اخبار کے خاص نمبر میں اس کے ایڈیٹر نے کہا۔'' اگر ہم قرآن کی عظمت وفضیلت اور حسن وخوبی سے انکار کریں تو گویا ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہوں گے''۔

61۔مسٹر آرنلڈ وہائٹ کہتا ہے'' قرآن نے مسلمانوں کو جنگ (جہاد) بھی سکھایا اور ہمدردی فیاضی اور خیرات کرنا بھی سکھایا''۔

62۔ڈیون پورٹ کہتا ہے'' قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی اور تعزیری سب معاملات اس میں موجود ہیں۔پھر بھی یہ ایک مذہبی کتاب ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنادیا ہے''۔

63۔ڈین اسٹینلی کہتا ہے۔'' قرآن میں بائبل سے موثر قوانین ہیں''۔

64۔جوائیکم بولف کہتا ہے۔'' قرآن احکام حفظ صحت کے لحاظ سے تمام کتب سماوی پر حاوی ہے۔''

65۔جان جاک رلیک کہتا ہے۔'' قرآن نے عظیم تہذیب وتمدن پیدا کیا''۔

66۔فرانسیسی مصنف موسیو کہتا ہے۔'' اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں سمجھا کہ جس کے اثر سے عربوں کی کایا پلٹ گئی۔''

67۔پادری آر میکوئل کنگ کہتا ہے۔'' قرآن الہامی کتاب ہے''۔

68۔مشہور بنگالی بابو چندر پال کہتا ہے۔'' قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز نہیں ہے۔اور نہ ہی کسی کو محض خاندانی اور عالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے''۔

69۔ایف ایف آرتھ ناٹ اپنی کتاب The cnstruction of Bible and Quran میں لکھتا

ہے۔اگر چہ اس کی مثل لانے کی متعدد کوششیں ہوئیں مگر جہاں تک عظیم الشان انداز تحریر کا تعلق ہے کوئی بھی کامیاب نہ ہوا۔قرآن بالکل اصلی حالت میں رہا ہے۔اس میں آج تک کوئی جیالا،مترجم،محرم کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم نہیں کرسکا۔''

70۔ ہیری گیلارڈ ڈارمن کہتا ہے۔''قرآن خدا کی لفظی وحی ہے جبرائیل کے ذریعے محمدؐ پر نازل ہوئی۔اس کا ہر لفظ کمال و تکمیل کا آئینہ دار ہے۔یہ ابدی معجزہ ہے جو اپنی صداقت اور محمدؐ کی حقانیت پر گواہ ہے۔''

71۔ہارٹ وگ شفیلڈ کہتا ہے۔''قرآن کو سائنسوں کا سرچشمہ پاکر ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔اسی طرح اسلام نے طبی علوم کی تحقیقات کا جوش دلایا اور عام طور پر خطا پر فطرت میں غور وخوض اور ان کا مطالعہ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔''

72۔ جرمن مفکر لوڈ یکے کہتا ہے۔''یورپ کے جن مولفین نے بہت تگ و دو سے کام لیا ہے کہ تحریف قرآن ثابت کردیں اور وہ اپنی جدو جہد میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔'' (حوالہ 24 تا 72 نمبر عزم نو قرآن پاک نمبر قرآن اور سائنس سیارہ ڈائجسٹ)

الغرض یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ واقعی قرآن ایسا چیلنج دینے میں حق بجانب ہے واقعی اس کی نظیر لانا ناممکن ہے۔اور دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔قرآن کا یہ چیلنج اس کے نزول سے لے کر آج تک ساری دنیا کے علماء فضلاء اور دانشوروں کے لئے موجود ہے۔لیکن ممکن نہیں کہ کوئی بھی قیامت تک قرآن کے چیلنج کو قبول کرسکے۔



قرآنِ کریم اور بیسویں صدی

گذشتہ چودہ سو سالوں میں قرآنِ پاک کی بے شمار پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں۔اسی طرح اس صدی جس کو بیسویں صدی کہا جاتا ہے۔اس میں درجِ ذیل پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں۔

1۔قرآنِ پاک کی سورۃ رحمن آیت 20 تا 22 میں ذکر ہے۔)اس نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مل جائیں گے،ان کے درمیان ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوسکتے (ان میں نہر سویز اور نہر پانامہ کی پیشگوئی ہے۔نہر سویز جو بحیرہ روم

اور بحیرہ احمر کو ملاتی ہے اور مصر سے گزرتی ہے جبکہ نہر پانامہ وسطی امریکہ کے ملک پانامہ سے گزرتی ہے اور بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کو ملاتی ہے۔

2۔ پھر سورۃ رحمن آیت 25 میں درج ہے۔) اور اس کی بنائی ہوئی کشتیاں اور اس کے بنائے ہوئے جہاز بھی ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں (ان بلند پہاڑوں جیسے جہازوں سے مراد دوخانی جہاز ہیں جو اس صدی میں بنے جبکہ نزولِ قرآن کے وقت اس قدر دیوہیکل جہاز نہ تھے۔

3۔ سورۃ معارج آیت 10 میں ہے۔) پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے (یعنی ایسی ایجادیں نکل آئیں گی، ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم جن کے گرنے سے پہاڑوں اور ان جیسی مضبوط چیزیں روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہو رہا ہے۔

4۔ سورۃ رحمن کی آیت 36 میں ہے) تم پر آگ کا شعلہ گرایا جائے گا اور تانبا بھی گرایا جائے گا پس تم دونوں ہرگز غالب نہیں آسکتے (اس سے مراد ہائیڈروجن اور دیگر گیسوں کے بم ہیں جو تانبے کے خول میں بند ہوتے ہیں اور آگ پھینکتے ہیں۔ یہ جہاں بھی گریں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

5۔ سورۃ انشقاق کی آیات 4 اور 5 میں ہے) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو نکال پھینکے گی اور خالی ہو جائے گی (یعنی علمِ طبقات الارض ترقی کرے گا اور زمین کے باریک در باریک راز معلوم ہو جائیں گے۔ چنانچہ آج کی دنیا گواہ ہے کہ زمین نے اپنے خزانے مثلاً پیٹرول، گیس، لوہا، تانبا، سونا چاندی وغیرہ اس قدر انسان کے آگے رکھ دیے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

6۔ سورۃ التکویر آیت 6 میں فرمایا گیا ہے) جب وحشی اکٹھے کئے جائیں گے (یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی کہ انسان نے اس صدی کے دوران کثرت کے ساتھ دنیا کے تقریبا ہر ملک میں چڑیا گھر قائم کیے اور ان میں بڑی تعداد میں وحشی جانور جمع کیے۔

7۔ سورۃ تکویر ہی کی آیت 12 میں بتایا گیا) اور جب صحیفے نشر کیے جائیں گے (صورتِ حال گواہ ہے کہ اس صدی میں کتب، رسائل، جرائد، اخبارات اور اشتہارات اتنی بڑی تعداد میں شائع ہو کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہے ہیں کہ قرآنِ کریم کی صداقت پر یقین اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

8۔ سورۃ تکویر آیت ؟؟ میں ہے) اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی (یعنی خلاء

کے بارہ میں علم بہت ترقی کرے گا۔ چنانچہ اسی صدی میں انسان نے چاند پر قدم رکھا اور روز بروز ترقیات اور تحقیقات جاری ہیں۔

9۔سورۃ تکویر آیت 7 میں فرمایا گیا) جب جہنم کو بھڑکایا جائے گا اور جنت کو قریب کر دیا جائے گا (جہنم کی آگ بھڑکانے سے مراد ہے کہ گناہ بہت زیادہ ہو جائے گا۔خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی عام ہو جائے گی۔خدا کا خوف اُٹھ جائے گا اور انسان بدی کی طرف جلد راغب ہونے لگے گا۔اس کا عملی ثبوت ہمارے سامنے ہے۔چوری، ڈاکہ،رشوت،زنا،جھوٹ اور بددیانتی بکثرت ہو رہی ہے۔سود کا نظام بین القوامی سطح پر معیشت میں شامل ہو کر تجارت کا جزوِلازم بن چکا ہے۔جس سے کوئی ملک،قوم یا فرد اپنا دامن بچا نہیں سکتا۔بعض کھیلیں اور مشینیں ایسی ایجاد ہو گئی ہیں جن کے ذریعہ بڑے وسیع پیمانے پر جوئے کا کاروبار ہوتا ہے۔غرض عصرِ حاضر کی چکا چوند ترقی نے انسان کو گناہ کی طرف بہت زیادہ مائل کر کے جہنم کے قریب کر دیا ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ بیسویں صدی کی ترقی نے انسان کو نیک اعمال بجالانے کے قریب بھی کر دیا ہے۔وہ دینی علوم جو بڑی مشکلات اور جانفشانی سے انسان سینہ بہ سینہ حاصل کرتا تھا آج گھر بیٹھے ان سے مستفید ہو رہا ہے۔موجودہ پریس اور اشاعت اور اخبار کے نظام نے دنیا میں زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے۔قرآنِ کریم کی تفاسیر،احادیث اور فقہ کی سہل دستیابی سے دین سیکھنا بے حد آسان ہو گیا۔ریڈیو،ٹیلیویژن،انٹرنیٹ اور دیگر ایجادات نے تو غیر ممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔لہٰذا دنیا کا کوئی انسان مرد ہو یا عورت ان ایجادات کے نتیجہ میں ملنے والی سہولتوں میں توازن کو اختیار کرے اور بدی کو کراہت کے ساتھ چھوڑ کر،نیکی کو سنوار کر ادا کرے تو بلا شک)بحکمِ خدا(جنت اس کے قریب کر دی جائے گی۔

10۔سورۃ انفطار آیت 5 میں فرمایا گیا ہے کہ جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی (جیسا کہ ملکِ مصر میں فرعونوں کی قبریں کھود کر ان سے حنوط شدہ لاشیں نکالی گئیں ان میں فرعونِ موسیٰؑ کی بھی لاش ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کی صداقت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔اسی طرح اس صدی میں اور بھی بے شمار آثارِ قدیمہ کھودے گئے جن میں سے بہت ساری معلومات حاصل کیں۔غرضیکہ قرآنِ کریم کی اور بھی بیشمار پیش خبریاں ہیں جو اس صدی میں بڑی شان کے ساتھ پوری ہو کر قرآنِ کریم کی ابدی صداقت پر مہرِ ثبت کرتی ہیں۔



اسلامیات

مذہب کی ضرورت

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب انسانیت کے ہر طبقہ کو اُمید کی کرن دکھاتا اور ترقیات کی منازل کی طرف لے جاتا ہے۔اور زندگی کے حقیقی مقصد سے ہمکنار کر کے راحت و آرام بخشتا ہے۔جسم انسانی میں دل و دماغ تمام اعضاء انسانی کے سردار ہیں۔بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے دل و دماغ نیکی اور اچھے جذبات سے بھرے ہوتے ہیں۔لیکن اپنی جسمانی معذوریوں اور دیگر حالات کی بنا پر اس پر ترقی کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ایک لُولا لنگڑا، مفلس اور کنگال انسان اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پاتا ہے حالانکہ جہاں تک انسانی جذبات، خیالات اور خواہشات کا تعلق ہے وہ ہماری طرح کا ایک انسان ہوتا ہے۔لامذہبیت کے ماحول میں ایسے انسان کے لئے کوئی جگہ نہیں بلکہ شاہد اس حال میں بقائے انسب کے اصول کی بناء پر اس غریب پر یہ رحم سمجھا جائے کہ اُسے گولی سے اُڑا کر اس کے دُکھوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے۔مذہب ایسے فلاکت زدہ انسان کو بھی اُمید کی کرن دکھاتا ہے۔مذہب کہتا ہے کہ کسی انسان کے جسم میں اعلیٰ ترین اعضاء اگر پاکیزہ جذبات کے حامل ہیں تو وہ شخص دوسروں سے افضل سمجھا جائے گا۔مذہب عمل اور اس کی مقدار کو نہیں دیکھتا بلکہ روح عمل یعنی نیت اور ارادہ کو دیکھتا ہے جو دل کے اندر مخفی ہے۔اس مفلس اور نادار لُولے لنگڑے انسان کے لئے مذہب کا یہ پیغام ہے کہ انّما الاعمالُ بالنّیاتِ۔اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔اور نیت ہی اصل چیز ہے پس اے معذور انسان! تو مایوس نہ ہو۔ایک خدا ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔اگر تیری معذوریاں نہ ہوتیں۔تو اپنے نیک ارادوں کی بنا پر تو دنیا کے بڑے بڑے محسن انسانوں سے کم نہیں تھا۔ہاں تیرا پروردگار تیرے دل کے ارادوں کا علم رکھتا ہے۔اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تجھے ان نیک ارادوں کے مطابق جزا دی جائے گی۔اور تو اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمتوں کا وارث ہو جائے گا۔پس تو اگر دنیا میں کوئی اور خدمت بجا لا نہیں سکتا تو دل میں اپنے خدا کی محبت کا دیا تو جلا سکتا ہے۔تو اسی دیئے کو جلا اور جلاتا چلا جا۔دنیاوی دکھوں اور آرام کی پرواہ نہ کر بلکہ خدائی امتحان کو صبر سے قبول کر۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین و آسماں کا پیدا کرنے والا خدا خود تیرا خریدار بنے گا اور ایک دن تیری عزت اور برتری ظاہر کر دے گا۔اور تجھے تیری زندگی کے مقصد یعنی اپنی لقا سے ہم کنار کر دے گا۔احباب کرام غور فرمائیں۔کہ ایک ادنیٰ اور حقیر فلاکت زدہ انسان کے

لئے کس قدر شاندار امید کا پیغام ہے اگر ایک لمحے کے لئے فرض کر لیں کہ مذہب کا یہ پیغام صرف ایک وہم اور بے حقیقت خیال ہے لیکن کیا اس وہم اور بے حقیقت خیال سے بھی اس نادار مفلس کے دل کی کایا نہیں پلٹ جاتی۔ اگر اس مفلس اور نادار معذور شخص کو مذہب کے اس پیغام پر کما حقہ ایمان اور یقین ہو جائے تو کیا وہ دنیا کا مسرور ترین انسان نہیں بن جائے گا۔ ہمیں تو دل کے چین سے اصل غرض ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے صدہا عرب اپنی خودکشیاں کر چکے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دل کا چین و آرام، دنیاوی تپش کے سامانوں، جاہ و مرتبہ اور مال و دولت پر منحصر نہیں بلکہ وہ وصال محبوب پر موقوف ہے اور مذہب انسان کے سامنے تمام عیوب سے منزہ اور تمام محاسن کے جام محبوب ازلی کا حسین ترین تصور پیش کرتا ہے۔ اور پھر اس محبوب کے ساتھ وصال حاصل کر سکنے کا انسانیت کے ہر طبقہ کو امید افزا پیغام سناتا ہے۔ اور انسانی کمالات کی تکمیل کے لئے مرنے کے بعد ایک نئی زندگی کو لازمی اور ضروری خیال کرتا ہے۔ جس میں انسان اپنی تمام کمزوریوں اور عیوب سے بالا ہو کر محبوب ازلی کی لقا کو اکمل اور اتم طور پر حاصل کر لے گا۔ گوتم بدھ علیہ السلام ایک شہزادے تھے۔ دنیاوی عیش و لذات کی کوئی کمی نہ تھی۔ مگر دل کے چین سے محروم تھے۔ آخر مذہب کے اندر انہیں اپنی زندگی کا مقصود مل گیا۔ اور ایسا ملا کہ پھر اس محبوب کے نام کی دنیا میں منادی کرنا انہوں ں نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیا۔ بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کے دنیاوی لالچ پیش کئے گئے۔ سونا چاندی، امارت، بادشاہت، حسین ترین بیوی الغرض سب کچھ پیش کیا گیا مگر آپ نے اپنی دلی راحت مذہبی پیغام میں ہی محسوس کی۔ اور کسی قیمت پر بھی محبوب ازلی سے تعلق توڑنا گوارا نہ کیا پھر آپ پر ہر قسم کے مظالم بھی توڑے گئے جن کو سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ اللہ کیا عظیم کشش اور جاذبیت تھی اس مذہبی پیغام میں۔ کہ دنیا کا بڑے سے بڑا لالچ اور اہل دنیا کی طرف سے بڑے سے بڑا ظلم آپ کے قدم کو ڈگمگا نہ سکا، اسی مذہبی پیغام کی تاثیر اور برکت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوانہم میدان جنگ میں بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے۔ لیکن انہوں نے دم نہ مارا۔ آپ کے بعض صحابہ سے انسانیت سوز سلوک روا رکھا گیا مگر انہوں نے اسی میں اپنی قلبی راحت محسوس کی۔ پس تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ مذہبی پیغام نے انسانیت کے کمزور ترین طبقات میں کچھ اس قسم کا اطمینان اور جراءت پیدا کر دکھائی ہے کہ محض وہم اور بے حقیقت تخیل ایسا ہرگز نہیں کر سکتا اور بالفرض اگر مذہبی قیام محض وہم بھی ہے تو یہ ایسا وہم ہے جس پر کروڑوں حقائق قربان کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ درخت کی قدر و قیمت اپنے پھلوں سے ہوتی ہے۔ پس ایسا وہم جو دنیا کو

جنت سے ہمکنار کردے وہ اس حقیقت سے بہتر ہے جو ہماری ظاہری اور باطنی آگ کی طرف لے جائے۔جیسا کہ اس زمانے کے ''سائنسی حقائق'' کر رہے ہیں۔لیکن اس موقع پر میں یہ بات کرنے سے بھی نہیں رُک سکتا کہ مذہب ایک وہم اور بے حقیقت خیال نہیں ہے۔ بلکہ مذہب کی حقانیت زندہ اور زبردست نشانات و براہین سے ثابت ہے۔ابتدائے آفرینش سے دنیا نے مذہب کے نام پر معجزات رونما ہوتے دیکھے ہیں اور آج بھی دیکھ رہی ہے۔ایک ''غریب و بے کس بے نام و بے ہنر'' انسان اپنے زمانے کی تاریکیوں کے مقابلے میں تن تنہا کھڑا ہو جاتا ہے۔اپنے اور بیگانے اس کے جان لیوا دشمن بن جاتے ہیں۔مگر ایک غیبی ہاتھ آخر زمین و آسمان کے تمام تصرفات کو اس کے تابع کر دیتا ہے اور وہ بیکس انسان تاریکیوں کو روشنیوں میں بدل دیتا ہے۔دنیا کے پُرشکوہ اور پُرہیبت اشخاص اور اپنی انا کے پجاری جب اس مردِ خدا کو حقیر جان کر اس سے مقابلہ کی ٹھان لیتے ہیں تو خدائے عظیم برتر اپنی سنت کے مطابق اسی بطلِ جلیل کو ان کے مقابلے میں عزت و توقیر سے نوازتا ہے جو بھی اس نیک بندے کو آذر کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں مگر مشیت ایزدی انہیں ان ہی کی آگ میں بھسم کر کے رکھ دیتی ہے۔تو یہ ایک الگ معجزاتی نصرت الٰہیہ ہوتی ہے۔پس یہ ایک واضح صداقت ہے کہ دنیا میں انسان کو اندرونی و بیرونی امن اور اطمینان ہمیشہ مذہب کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوا ہے۔حضرات! مذہب نے ایک عظیم مقصد ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔یہ مقصد اپنی ذات میں اتنا دلکش و حسین اور فطرت انسانی کے طبعی جذبات کا منتہیٰ ہے کہ انسان کو بے حد فریفتہ کر دیتا ہے۔انسان کے کسی طبقہ کے لئے اس میں مایوس ہونے کی راہ نہیں۔یہ زندگی، امن اور ابدی راحت کا پیغام ہے کیا امیر کے لئے اور کیا غریب کے لئے۔کیا تندرست و توانا قوی ہیکل انسان کے لئے اور کیا معذور اور فلاکت زدہ کے لئے۔الغرض جب سے دنیا پیدا ہوئی کامل اطمینان قلب یعنی دل کا سُکھ اور چین دنیا نے صرف اور صرف مذہب کے ذریعہ سے ہی حاصل کیا ہے اور ہمیشہ سے مذہب ہی انسانوں کو اس عظیم ترین نعمت سے ہمکنار کرتا رہا ہے۔



اَبدی نام کی خواہش

فطرتِ انسانی کو قدرت سے یہ جذبہ ودیعت کیا گیا ہے کہ اس کے اندر ابدی زندگی اور ناموری کی خواہش غیر محسوس اور غیر ارادی طور پر جاگزیں رہتی ہے۔اپنے اپنے دائرہ کار اور دائرہ

اختیار اور اپنے اپنے اسباب و وسائل سے کام لے کر ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ وہ اس دنیا میں کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے جائے کہ اس کی وفات کے بعد بھی ابدالاباد تک اس کا نام روشن رہے۔ دنیا میں بے شمار ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے فنِ تعمیر کے لحاظ سے نادر نمونوں کے معبد بنوائے، قلعے تعمیر کئے، نہریں کھدوائیں یا تالاب بنوائے جو بنی نوع انسان کے لئے عرصہ دراز تک منفعت بخش یا آرام دہ ہوئے۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جن کی کج ذہنی نے اُن کی غلط راہنمائی کی اور وہ نافع الناس بننے کی بجائے اپنی رُوحِ چنگیزی کے ساتھ لکھوکھہا انسانوں کی ہلاکت کا باعث ہوئے انہوں نے ستیزہ کاری کی راہ اختیار کی۔ اور میدانِ کارزار میں تڑپتی ہوئی لاشوں کو گھوڑوں کے سُموں کے ساتھ روند ڈالنے کو ہی اپنے لئے دائمی زندگی اور ناموری کا ذریعہ سمجھا۔ یا مُردوں اور مقتولوں کی کھوپڑیوں کے بلند و بالا مینار بنوا کر بزعمِ خود آبِ حیات کا جام نوش کیا۔ غرض ابدی زندگی اور ناموری کی خواہش نے ہر شخص کے ذوق و ظرف کے مطابق اس سے کام کروائے۔ جن میں سے بعض کام فی الواقع ایسے تھے۔ جو صدیوں تک ایک طرف زینتِ دہر بنے اور دوسری طرف بنی نوع انسان کو ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ اور کچھ ایسے کام بھی کروائے جو مخلوقِ خدا کے لئے ضرر رساں تھے۔ فطرتِ انسانی کی اَفراط و تفریط نے ایک طرف دیوارِ چین اور تاج محل جیسی عجوبہ روزگار تعمیرات پیش کیں تو دوسری طرف چنگیزیت اور ہٹلریت کو جنم دیا۔ ان سب اُمور کے پس پردہ یہی جذبہ کارفرما تھا کہ اُن کے نام کس طرح رہتی دنیا تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ اسلام بھی اپنے متبعین کو تلقین کرتا ہے کہ تم اپنی زندگیوں میں ایک زندہ جاوید کارنامہ انجام دے جاؤ۔ قبل اس کے کہ موت کا پیغامبر تمہارے دروازوں پر دستک دے۔ تم اس کی تکمیل کر لو اور اس زندگی مستعار کو غنیمت جان کر ناموری کی راہ پر گامزن ہو جاؤ۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک نے ایک اصولی بیان فرمادیا ہے اور ہر مومن کو یہ دعا سکھلائی ہے کہ:۔ رَبَّنا هَب لَنَا مِن اَزوَاجِنَا وَ ذُرِّيتِنَا قُرَّةَ اَعيُنٍ وَّ اجعَلنا لِلمُتَّقِينِ اِماماً۔ کہ اے اپنے آسمانی آقا سے ہمیشہ لَو لگا کر دعا کرتے رہو کہ خدایا ہمیں ایسے جوڑے عطا فرما اور پھر ہمیں ایسی اولاد عطا فرما جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اور دینی نقطہ نظر سے آنکھوں کی ٹھنڈک وہی ازواج و اولاد ہو سکتے ہیں جو اپنے افکار و خیالات کے اعتبار سے اپنے جسم و

جان کے ساتھ آستانہ الٰہی پر جھکنے والے ہوں۔اس دعا کے ساتھ مومنوں کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے۔کہ وہ اپنی اولادوں اور اپنے ازواج کی اس رنگ میں تربیت کریں کہ وہ اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں۔یہی مفہوم حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث کا ہے جو ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ عَلیكَ بِذاتِ الدّینِ تَرِبَت یَدَاكَ۔اور مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ بیویوں کا انتخاب کرتے وقت تم اُن کے حُسن، مال و دولت اور حسب ونسب کو نہ دیکھا کرو۔بلکہ یہ دیکھا کرو ان کا دینی مقام کیا ہے۔؟ اور انذار کے رنگ میں فرمایا کہ اگر تم نے بیویوں کے انتخاب کے وقت اُن کے دینی حُسن کو نظر انداز کر دیا تو تم ہمیشہ کفِ افسوس مَلتے رہو گے۔کیونکہ ظاہر ہے کہ دین سے بے رغبتی رکھنے والی بیویاں اولاد کی تربیت سے غافل رہتی ہیں اس لئے تربیت کے میدان میں ہماری ذمہ داریاں بڑھتی جارہی ہیں۔لہذا ہمیں خدا تعالیٰ کی نظروں میں ابدی راستے قرآن سے تلاش کر کے اُن پر عمل پیرا رہنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تُوفیق دیتا چلا جائے۔آمین۔



اسلام کے زرّیں اصول

اسلام کے زرّیں اصول ایسے ہیں جن پر جو قوم یا ملک عمل کرے گا وہ ترقی کی معراج تک پہنچے گا۔ایک دفعہ علامہ اقبال مسولینی سے ملے تو علامہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس پالیسی کا ذکر کیا کہ شہر کی آبادی میں غیر ضروری اضافے کی بجائے نئے شہر آباد کئے جائیں۔مسولینی یہ سُن کر مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔کہنے لگا ''شہری آبادی کی منصوبہ بندی کا اس سے بہتر حل دنیا میں موجود نہیں''۔

آج سے پندرہ سو سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ''مدینہ کی گلیاں کشادہ رکھو۔گلیوں کو گھروں کی وجہ سے تنگ نہ کرو ہر گلی اتنی کشادہ ہو کہ دو لدے ہوئے اُونٹ آسانی سے گزر سکیں''۔آج دنیا پندرہ سو سال بعد بھی اس حکم پر عمل کر رہی ہے۔شہروں میں تنگ گلیوں کو کشادہ کیا جارہا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا تھا کہ مدینہ کے بالکل درمیان میں مرکزی مارکیٹ قائم کی جائے اُسے ''سُوق مدینہ'' کا نام دیا گیا۔آج کی تہذیب یافتہ دنیا کہتی ہے جس شہر کے درمیان مارکیٹ نہ ہو وہ ترقی نہیں کر سکتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا تھا۔''یہ تمہاری مارکیٹ ہے اس میں ٹیکس نہ لگاؤ''۔آج دنیا اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مارکیٹ کو ٹیکس فری ہونا چاہیے۔اب دنیا بھر میں ڈیوٹی فری مارکیٹ کا رُجحان فروغ پا رہا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذخیرہ

اندوزی سے بھی منع فرمایا۔آج اگر دنیا اس حکم پر عمل کرتی تو خوراک کا عالمی بحران کبھی پیدا نہ ہوتا۔آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود اور سٹے سے نفع نہیں نقصان ہوتا ہے۔آج عالمی مالیاتی بحران نے اس کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔کل کے ارب پتی آج کشکولِ گدائی لئے پھر رہے ہیں۔صحابہؓ کرام کو منع کیا کہ درختوں کو نہ کاٹو۔کوئی علاقہ فتح بھی ہو تو درختوں کو آگ نہ لگاؤ۔آج ماحولیاتی آلودگی دنیا کا دوسرا بڑا مسئلہ ہے۔عالمی درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔گلیشیئر پگھل رہے ہیں۔گرمی بڑھ رہی ہے۔یہ سب کچھ درختوں اور جنگلات کی کمی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ایک شخص نے مدینہ کے بازار میں بھٹی لگالی۔حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ کیا تم بازار کو بند کرنا چاہتے ہو۔؟ شہر سے باہر جا کر بناؤ۔آج دنیا بھر کے انڈسٹریل زون شہروں سے باہر ہیں۔حضور ﷺ نے مدینہ سے باہر ''محی النقیع'' نامی سیرگاہ بنوائی۔وہاں پیڑ اور پودے اسقدر لگوائے کہ وہ تفریح گاہ بن گئی۔حضور ﷺ خود بھی آرام کے لئے وہاں تشریف لے جاتے تھے۔آج صدیوں بعد ترقی یافتہ شہروں میں پارک قائم کئے جا رہے ہیں۔شہروں کے لئے ایسی تفریح گاہوں کا ضروری سمجھا جا رہا ہے۔آپ ﷺ نے مدینہ کے مختلف قبائل کو جمع کر کے ''میثاقِ مدینہ'' تیار کیا۔52 دفعات پر یہ مشتمل معاہدہ دراصل مدینہ کی شہری حکومت کا دستور العمل تھا۔اس معاہدے نے جہاں شہر کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا وہیں خانہ جنگیوں کو ختم کر کے مضبوط قوم بنا دیا۔مدینہ میں مسجد نبوی کے صحن میں ہسپتال بنایا گیا۔تا کہ مریضوں کو جلد اور مفت علاج مہیا ہو۔آج ترقی یافتہ ممالک میں علاج حکومت کی ذمہ واری سمجھا جاتا ہے۔مسجد نبویؐ کو مرکزی سیکٹریریٹ کا درجہ حاصل تھا۔مدینہ بھر کی گلیاں مسجد نبویؐ تک براہ راست پہنچتی تھیں۔تا کہ کسی حاجت مند کو پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔آج ریاست کے سربراہ اعلیٰ کی رہائش گاہ میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔

مگر آج لینن اور مارکس کی معاشی حکمت عملیوں کا چرچا ہے۔شہرہ ہے اُن کی غریب نوازی کا۔مگر یہ غریب نواز خود تو محلوں میں رہائش پذیر رہے۔مگر آپ اس بادہ نشین ﷺ کا حال دیکھئے جسے سونے کے پہاڑ پیش کئے گئے مگر اُس نے کہا کہ میں تو ایک دن کا کھانا کھا کر شکر کرتا ہوں اور دوسرے دن بھوکا رہ کر صبر کرنا چاہتا ہوں۔آپؐ نے کچے مکان اور جھونپڑے میں سوئے اور آپؐ کا بستر کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا آپ ﷺ کا طرزِ زندگی نہایت سادہ تھا۔بھوک کی وجہ سے بعض اوقات پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے تھے۔لیکن گھر میں نو تلواریں لٹک رہی تھیں۔اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا مائر نے لکھا ہے کہ جس وقت عرب اسرائیل جنگ ہو رہی تھی اُس وقت مجھے مسلمانوں کے پیغمبر کی زندگی کا وہ پہلو یاد آ گیا جب چراغ

میں تیل نہیں تھا لیکن دیوار پر تو تلواریں لٹک رہی تھیں۔دنیا کی تمام بڑی شخصیات کی زندگی کو پڑھ لیں یہ سب سادگی پسند تھے دنیا کے پانچ ارب پتی پُرتعیش کی بجائے سادہ زندگی گزار رہے ہیں۔کیسی عجوبہ روزگار بات ہے کہ امریکی بازارِ حصص کے سب سے بڑے بروکر وارین یافٹ ڈرائیور تک رکھنے کے قائل نہیں۔لبنانی ارب پتی کارلوس سلیم ہوائی سفر کو پیسے کا ضیاع سمجھتے ہیں۔چارک فینی جیسے امیر کبیر اپنی گاڑی میں سفر ہی نہیں کرتے اور یہ سب عام زندگی بسر کرتے ہیں۔وارین یافٹ ایک عام اور بوسیدہ سے مکان میں رہتے ہیں۔حالانکہ وہ ایک ارب پچاس کروڑ ڈالر کے مالک ہیں۔سویڈن کے ارب پتی اور ایکتا فرم کے مالک انکیفر کامریڈ کا کہنا ہے ان کی کمپنی کی مصنوعات غریب لوگ خریدتے ہیں۔اس لئے وہ غربت کی زندگی گزارتے ہیں۔ایک امریکن ارب پتی چاک وین کہتے ہیں۔کہ وہ فضول خرچی نہیں کرتے۔حضرت عثمانؓ امیر ترین صحابی تھے انہوں نے جس سادگی سے غرباء کی مدد کرتے ہوئے زندگی گزاری آج دنیا کے پانچ ارب پتی انہی کی سنت پر عمل پیرا ہیں۔وارین یافٹ دنا کا دوسرا امیر ترین شخص ہونے کے باوجود ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا ہے۔جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ بڑا مکان کیوں نہیں لیتے تو اس کا جواب بڑا دلچسپ ہوتا ہے کہ ”کیا دوسرے لوگوں کے پاس چھوٹا مکان بھی نہیں ہے تو پھر میں بڑے مکان کی خواہش کیوں کروں؟۔“(ماخوذ از الفضل 9 جنوری 2014ء)



اسلام اور عائلی زندگی

گزشتہ نصف صدی میں ترقی یافتہ ممالک میں جہاں بے شمار سائنسی اور اقتصادی ترقی ہوئی وہاں مرد اور عورت کے درمیان (نام نہاد) مساوات اور جنسی تفریق کو ختم کرنے کے لئے تحریکیں زور پکڑتی رہیں۔جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ مساوات اور جنسی آزادی کے نام پر سماجی، معاشرتی اور مذہبی اقدار کو بری طرح پامال کرنے کی کوشش کی گئی۔اور بعض ممالک میں یہ تحریکات کامیاب بھی ہوگئیں۔چنانچہ بعض ممالک ایسے بھی ہیں جہاں مساوات کے نام پر ہم جنس پرستی اور ہم جنس شادیوں کو قانونی حیثیت حاصل ہوچکی ہے۔جنگ عظیم دوم تک برطانیہ ایک ایسا ملک تھا جہاں مذہبی اقدار کی پاسداری کی جاتی تھی۔مگر اس کے بعد معاشرہ پر مذہب کی گرفت اور اثر و رسوخ کمزور ہوتا چلا گیا۔آزادی اور مساوات کی تحریکات بااثر اور مضبوط ہوتی چلی گئیں۔چنانچہ (نام نہاد) مساوات اور جنسی آزادی کا عفریت اب

اس حد تک آزاد ہو چکا ہے۔ کہ حکومت برطانیہ اس حد تک مجبور ہو چکی ہے کہ وہ ہم جنس پرستی اور ہم جنس شادیوں کو بعض دیگر ممالک کی طرح قانونی حیثیت دینے پر غور کرے۔ چونکہ بعض سیاستدان اور طاقتور ادارے اس تحریک کے حق میں ہیں اس لئے امید یہی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اس تحریک کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عیسائیت میں کفارہ کی تعلیم نے اس مذہب کو بالکل کھوکھلا کر دیا ہے۔ اور عیسائیت کی تعلیم عملاً بے اثر ہو چکی ہے۔ اور اس مذہب کے پیروکاروں نے جزا اور سزا کے تصور سے آزاد ہو کر اپنی خواہشات کی تکمیل کو ہی اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ چرچ کے لیڈروں نے اس تحریک کے خلاف بیان دیئے ہیں مگر ان میں طاقت اور قائل کرنے کی قوت موجود نہیں۔ یہ وہی منطقی صورت حال ہے جس کے متعلق سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے کفارہ کے رد میں بے شمار دلائل بیان فرمائے تھے۔ اور انتباہ فرمایا تھا کہ کفارہ کی تعلیم کے نتیجہ میں بے حیائی اور گناہ کی ایسی افزائش ہوگی کہ اس کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی۔ اگرچہ حکومت برطانیہ ایک عیسائی حکومت ہے۔ اور ملکہ برطانیہ چرچ اور عیسائیت کی محافظ بھی ہیں۔ اور بائبل کی تعلیم بھی کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مگر اس کے باوجود قوی امکان یہی ہے کہ یہ تحریک کامیاب ہو کر رہے گی۔ عہد نامہ قدیم میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ ''تو مرد کے ساتھ صحبت نہ کرنا جیسے عورت کے ساتھ کرتا ہے یہ نہایت مکروہ کام ہے۔'' (احبار 18:22) اور اسی طرح یہ تعلیم دی گئی کہ ''اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جس طرح عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے بہت مکروہ کام کیا۔ وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا'' (احبار 20:13) نیز عہد نامہ قدیم کے باب پیدائش میں سدوم اور عمورہ کی بستیوں کا ذکر ملتا ہے۔ کہ کس طرح حضرت لوط علیہ السلام کے دور میں کس طرح ان دونوں بستیوں کو جنسی بے راہ روی کی بنا پر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ (پیدائش 19:1:13) اس طرح عہد نامہ جدید میں ''کرنتھیوں'' میں بھی ہم جنس پرستی کو ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی اس عمل کے خلاف کسی نہ کسی حد تک تعلیم موجود ہے۔ مگر اسلام نے بڑے خوبصورت انداز میں عائلی اور معاشرتی زندگی کی تعلیم قرآن وحدیث میں پیش کی ہے۔ قرآن کریم اسلامی معاشرہ کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورہ النحل: 91) یعنی ''بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ عبرت حاصل کرو''۔ اس آیت کریمہ میں لفظ ''بغی'' معاشرہ کی روایات، مذہبی تعلیم اور اخلاقی اقدار کے

خلاف چلنے پر اطلاق پاتا ہے۔اس آیت میں اس طرزِ عمل کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے ۔ جو معاشرہ کو بے لگام جنسی آزادی کی طرف لے جاسکتا ہے۔اس کے برعکس اسلام ہر ایسے اقدام کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔جس سے انفرادی عائلی زندگی میں ذہنی اور قلبی سکون پیدا ہوتا ہو جو بالآخر ایک پرسکون معاشرہ کی بنیاد بنتا ہے ۔ ہر شعبہ زندگی میں آزادی اور مردوعورت کے درمیان مساوات کے حامی اس بنیادی امر کو فراموش کردیتے ہیں کہ ان میں خلقی طور پر ایسے فرق ہیں جن میں مساوات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً بچے پیدا کرنے کا کام صرف عورت ہی کرسکتی ہے۔اگر کوئی معاشرہ اس خلقی فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتا تو وہ لازمی طور پر صحت مند سماجی توازن قائم کرنے میں ناکام رہے گا۔ مساوات کے حامی صرف اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر ایک مرد عورت سے شادی کرسکتا ہے تو ایک مرد دوسرے مرد یا ایک عورت دوسری عورت سے شادی کیوں نہیں کرسکتی! اس قسم کے خیالات کے حامل صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کے بارہ میں سوچتے ہیں اس کے برعکس اسلامی تعلیم ہوس پرستی کی بجائے پاکیزہ محبت کو فروغ دیتی ہے ۔اسلام عائلی زندگی کو صرف میاں بیوی کے تعلقات تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہتا۔ بلکہ ایک ایسے خاندان اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسا معاشرہ پیش کرنا چاہتا ہے جس میں مضبوط خونی رشتے بنیاد بن سکیں۔ اگر بے حیائی کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو پھر ایک ایسا معاشرہ تخلیق ہوگا جس میں صرف سفلی جذبات کی ہی تسکین مقصود ہوگی اور پھر اس کے نتیجہ میں ایسے پیچیدہ نفسیاتی مسائل ظاہر ہونگے جن سے نہ صرف خاندانی بلکہ معاشرتی امن غارت ہوکر رہ جائے گا۔ایسے نفسیاتی عوامل تشدد، ظلم، نفرت اور جرائم کو جنم دے سکتے ہیں جن سے سارا معاشرہ جہنم بن کر رہ جائے گا۔کوئی خدا کو مانے یا نہ مانے، مذہب پر یقین رکھے یا نہ رکھے، اقتصادی لحاظ سے طاقتور ہو یا کمزور ہو۔جنسی بے راہ روی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے سنگین حالات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔



اسلامی ثقافت کا آغاز

ثقافت قوموں کے میل جول اور عمرانی ترقی کے حوالے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ جغرافیائی اور قومی ماحول کے تحت خودبخود پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں یہ قوم کی پہچان بن جاتی ہے۔کوئی ثقافت بھی صفر سے شروع نہیں ہوتی۔ثقافت پیدا کرنے کے لئے بھی مختلف قوموں سے اقدار مستعار

لینا پڑتی ہیں ۔ابتدائے اسلام سے پہلے مختلف اقوام مختلف ثقافتی ورثے کی حامل تھیں ۔مسلمانوں نے بھی ان سے خوشہ چینی کی ۔مشرقی و مغربی ثقافت میں بھی پہل اس قوم کی ہوئی جہاں اُس کی آبادی تھی ۔مصری تہذیب چار سو سال پرانی تھی ۔چینی ثقافت کی عمر تین ہزار سال پرانی تھی ۔ایران کی ثقافت کی عمر ایک ہزار سال ہے جاپان پندرہ سو سال کی تاریخ رکھتا ہے ۔عرب سات سو سال تک عروج پر رہے ۔یورپ کی ثقافتی تاریخ عربوں سے متاثر ہوئی تھی ۔اس لئے عرب پہلے تھے اور اہل یورپ بعد میں آئے چھاپہ خانہ کی ایجاد سے کلچر ایک حدود میں نہ رہا یوں ثقافت پر عرب کی اجارہ داری ختم ہوگئی ۔سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ یورپ کا کلچر دنیا بھر میں پھیل گیا ۔یونانی، ہندوستانی، ایرانی اور عرب کلچر سے دنیا آشنا ہوئی باہمی میل جول سے ایک نیا کلچر بن گیا ۔یورپی کلچر نے بھی اَخذ اور مستعار کا سلسلہ جاری رکھا ۔تاہم اس نے اپنی انفرادیت کو بالا تر رکھا ۔عرب تہذیب ایشیائی اور افریقی تہذیب کے درمیان ریل اور پُل کا ذریعہ بنی ۔صلیبی جنگیں میں اس لحاظ سے مثبت اہمیت رکھتی ہیں کہ ان کی وجہ سے اہل یورپ کو عربوں سے واسطہ پڑا ۔اور وہ لوگ عربوں کے قریب آ گئے ۔چینی ، ہندوستانی اثرات عربوں کی توسط سے یورپ تک پہنچے ۔مصر شام اور ایشیا کوچک یورپ سے بہت قریب تھے ۔یونانی اثرات بھی یورپ اور عربوں تک پہنچے ۔عثمانی سلطنت ترکی میں جب قائم ہوئی تو اس نے یورپ سے رابطے کا کام کیا مصر اور شام کی تہذیب کو متعارف کروایا ۔چین میں تین ہزار سال قبل از مسیح بانس پر پینٹ کیا جاتا تھا لکھائی اور کھدائی بھی کی جاتی تھی مجسمہ سازی بھی جاری تھی ۔Painted Seramics کا رواج تھا ۔اُن کے ہاں کیلنڈر موجود تھا ۔انہوں نے درختوں کی چھال سے کاغذ بنایا ۔شیشے اور تانبے کا استعمال شروع کیا ۔کیمسٹری اور ادویاتی سائنس میں وہ لوگ آگے تھے ۔ہندوستان میں فلکیات کا علم عروج پر تھا ۔اس طرح عربوں نے اُن سے ریاضی سیکھی ۔اور اپنے ہاں الجبراء کا استعمال شروع کیا ۔عربوں کو ہندوستان، عبرانی، بدھ اور ساسانی آرٹ نے متاثر کیا چائنیز آرٹسٹ جب ایران آ گئے تو عربوں نے اُن سے چائنیز آرٹ سیکھا ۔ایران اس آرٹ کا مرکز تھا ۔اس لئے ایرانی اثرات عربوں میں سرایت کر گئے ۔اس کے ساتھ ساتھ ایشیائے کوچک میں بازنطینی ریاست قائم تھی ۔جو مشرق و مغرب کے درمیان واقع تھی ۔کسی زمانے میں روم

اپنے عروج پر تھا۔ جب اسے زوال ہوا تو ترکی سلطنت 1457ھ تک تقریباً ایک ہزار سال تک قائم رہی۔ بازنطینی ثقافت نے یونان کی ہلینکس تہذیب کو عربوں میں روشناس کروایا۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں ابا صوفیہ کے چرچ میں یہ اثر نظر آتا ہے جسے مسجد میں تبدیل کر لیا گیا تھا۔ بعد میں حبشی موسیقی اور ڈانس کو عربوں نے اختیار کیا القیر وین (مراکش) زیتونا (تیونس) الازہر (مصر) قرطبہ (اندلس) عربی علوم فنون کے مراکز تھے۔ اور یہاں پر عظیم الشان قطب خانے تھے۔ جن سے یورپ نے فائدہ اُٹھایا۔ عربوں نے ہی یورپ کو کاغذ سے روشناس کروایا۔ آٹھویں صدی کے نصف ثانی میں جابر الحیان ایک مشہور سائنسدان تھا۔ نویں صدی میں الکندی نے فزکس اور فلاسفی پر کتب لکھیں۔ نویں صدی کے نصف اول میں الخضر وینی نے ہندوستانی حساب اور الجبرے پر کتب لکھیں۔ الرازی فزیشن تھا۔ نویں صدی کے دوسرے حصے میں الفارابی مشہور فلسفہ دان پیدا ہوا۔ المسحو دی جغرافیہ دان تھا۔ ابن الہیثم بصریات کا ماہر تھا۔ اس کے بعد مشہور سائنس دان اور طبیب ابنِ سینا سامنے آیا۔ البیرونی جغریفیہ دان تھا ۔12ویں صدی میں مسلمانوں پر صلیبی جنگیں مسلط کی گئیں اور تا تاریوں نے مسلسل حملے کئے۔ جس سے یہ ترقی رُک گئی۔ اس دور میں بھی ماہر عمرانیات ابنِ خلدون موجود تھا۔ عربوں سے سائنس یورپین لوگوں کی طرف منتقل ہوگئی گلیلو اور نیوٹن کا دور شروع ہوا اور مسلمانوں نے علم و عمل سے ناطہ توڑ لیا اور آج تک تیل کی دولت کے باوجود اپنی جہالت کی وجہ سے زوال کا شکار ہیں۔ بے اتفاقی اور بے وقوفی کی یہ شاہکار علم و عقل سے یہ بے بہرہ امُت جگ ہنسائی کا موجب بنی ہوئی ہے۔ اس کا کوئی ایک متفقہ لیڈر نہیں۔ تفرقے اور عدم برداشت نے اسے تماشہ بنا دیا ہے ۔جدید ٹیکنالوجی کا یہ مقابلہ بے عملی اور بھیڑ چال سے کرنے کی کوشش میں ہیں۔ قرآنی تعلیم کو پسِ پشت ڈال کر یہ اُمت خدا کی خوشنودی کیسے حاصل کرسکتی ہے۔ اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مکاری و عیاری و غداری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو!

اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاتا ہے مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں



اسلام اوراحترامِ میت

مذہب کا مقصد تہذیب اور شائستگی، حوصلہ مندی اور بُرد باری، ہمدردی اور رواداری کے اخلاق پیدا کرنا ہے انسان میں بوجہ حیوان ہونے کے ایک طبعی وحشت کا عنصر ہے۔مذہب آ کر اس کی تہذیب کرتا ہے اور اسے ایک اعلیٰ خلق یعنی شجاعت میں بدل دیتا ہے۔اسلام نے اپنے اولین مخاطبین میں اس تہذیب اور خلق کے وصف کو اتنے اعلی امعیار تک پہنچایا کہ وہ کائنات میں نمونے کے انسان قرار پائے۔سورہ بقرہ آیت 142 میں فرمایا؛''ہم نے تم کو اعلیٰ معاشرہ پیش کرنے والی قوم بنایا جو دنیا کے لئے نمونہ اور بطور گواہ کے ہوں اور تمہارے رسولؐ کو جو خلق عظیم پر قائم ہیں تمہارے لئے نمونہ اور اسوہ حسنہؐ بنایا ہے۔

فوت شدہ انسان کے جسد کا کیا کیا جائے؟

اس کے لئے مختلف مذاہب نے مختلف طریقہ ہائے احترام کی ہدایات دی ہیں لیکن احترام کا سب سے بہتر طبعی اور الہامی طریق وہ ہے جسے اسلام نے اپنایا۔اور فوت شدہ انسانوں کے جسد کو زمین میں دفنانے کی ہدایت دی۔مردہ کو دفنانے کی یہ قدیم رسم اور وہ پہلی انسانی سوچ ہے جو تمثیلی زبان میں آدم کے دو بیٹوں کے واقعہ کی صورت میں انسانی علم کا حصہ بنی۔

احترامِ میت اور اسلامی تعلیم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم وفات یافتہ لوگوں کو بُرا بھلا نہ کہو ان سے بُرا سلوک نہ کرو کیونکہ وہ اپنے خدا کے حضور پہنچ چکے ہیں'' (المستدرک کتاب الجنائز) اسی طرح حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن بیان کرتی ہیں کہ'' آنحضرت ﷺ نے قبروں کو بدنیتی اور بے حرمتی کے طور پر اکھیڑنے والوں پر لعنت بھیجی ہے'' (موطا امام مالک) اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی مردے کی قبر بدنیتی سے اکھیڑتا ہے تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے کیونکہ وہ ایک میت کے گھر میں داخل ہوا ہے' ابوداؤد کتاب الحدود) فقہ کی مشہور کتاب بحرالرائق میں میں لکھا ہے: ''اگر قبر ننگی ہو جائے تو اس میں یہودی کی ہڈیاں نظر آجائیں تو ان کی بے حرمتی نہ کی جائے کیونکہ ان ہڈیوں کی حرمت بھی وہی ہے جو مسلمانوں کی ہڈیوں کی ہے نیز جب زندگی میں ان سے ظالمانہ سلوک کرنا اوران کی بے حرمتی کرنا منع ہے تو ان کی وفات کے بعد بطریق اولیٰ یہ ممانعت قائم ہے'' (بحرالرائق) اسی طرح بدائع الصناء میں لکھا ہے کہ'' توہین کی غرض سے قبر اُکھیڑنا حرام ہے'' (بحرالرائق)

احترام میت کے بعض واقعات

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک جنازہ گزرا آپ اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا ہوا انسان تو ہے گویا انسانیت کا احترام آنحضرت ﷺ کو بہت تھا۔ جنگ خندق میں ایک کافر سردار خندق میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ اور لاش پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ کفار نے پیش کش کی کہ دس ہزار درہم لے لیں اور یہ لاش اُن کو دے دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم مردہ فروش نہیں ہیں ہم اس کی دیت نہیں لیں گے۔ اور پھر بلا معاوضہ اس لاش کو واپس کر دیا۔ (شرح الامام علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی) اسی طرح آنحضرت ﷺ یہ طرز عمل تھا کہ اگر میدان جنگ میں یا اس قسم کے حالات میں آنحضرت ﷺ کو کوئی لاش پڑی ملتی تو آپ ﷺ اس کی تدفین کا حکم دیتے یہ نہ پوچھتے کی یہ مومن کی لاش ہے یا کافر کی۔ (السیرۃ اہلبیت) آنحضرت ﷺ اپنے چچا اور حضرت علیؓ کے والد ابوطالب کی وفات پر حضرت علیؓ کو ارشاد فرمایا کہ'' آپ اپنے والد کی تجہیز و تکفین کریں اور غسل دیں پھر ان کو دفنائیں (السیرۃ الحلبیہ)

ایک قبرستان میں مسلمانوں اور غیر مسلم کی تدفین

جہاں تک ایک قبرستان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تدفین کا تعلق ہے کئی واقعات ملتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان بعض اوقات اکھٹے ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ اور

دوسرے صحابہ کی تدفین اس قبرستان میں ہوئی جو مکہ کا پرانا آنحضرت ﷺ کا پرانا خاندانی قبرستان تھا اور اس میں مکہ کے وہ لوگ بھی دفن ہوا کرتے تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا یہی جگہ بعد میں جنت المعالی کہلائی ۔ الرحلۃ الحگازیہ کے مصنف محمد اللبیب مکہ کی تاریخ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں ’’جنت معالٰی مکی قبرستان ہے اس میں حضرت خدیجہؓ کا مزار مبارک ہے ۔ حضرت خدیجہؓ کی قبر کے پاس ہی مکہ کے سولہ سرداروں کی قبریں ہیں ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی قبر کے پاس آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کا مزار بھی ہے قریب ہی ابوطالب کا مزار ہے‘‘(الرحلۃ الحجازیہ)اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک یہودیہ فوت ہوئی تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے اس کی تدفین مسلمانوں کے قبرستان میں ہوئی (السنین الکبریٰ کتاب الجنائز) خلافت عباسیہ کے دور میں جب بغداد کی بنیاد رکھی گئی تو وہاں ایک پرانا مجوسیوں کا قبرستان تھا۔اس قبرستان میں مسلمانوں کی تدفین بھی ہوا کرتی تھی ۔اور پہلی مسلمان خاتون جس کی اس قبرستان میں تدفین ہوئی وہ بانوقتہ تھی نیز اس قبرستان میں بعد میں بڑے بڑے بزرگ مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ ،حضرت امام محمد بن اسحاقؒ ،حسن بن زید، ہشام بن عروہ اور خیزدان دفن ہوئے ۔اسی طرح یہ مسلمانوں کا قبرستان بن گیا۔(تاریخ بغداد مدینۃ الاسلام) انگلستان اور یورپ میں جو مسلمان فوت ہوتے ہیں بالعموم ان کی تدفین ایسے ہی قبرستان میں ہوتی ہے۔جس میں عیسائی بھی دفن ہوتے ہیں اس پر نہ کبھی عیسائیوں نے اعتراض کیا نہ کبھی مسلمانوں نے ۔لاہور کے میانی قبرستان کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں مسلمان اور دوسرے حصہ میں عیسائی دفن ہوتے ہیں اور کوئی حدِ فاصل نہیں ۔

مُردوں کی بے حرمتی کی تاریخ ۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابتدائی تربیت اور انوارِ نبوت سے فیض یافتہ بندگان خدا کے کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد لوگ اصل تعلیم کو بھول جاتے ہیں ۔ اور بعض انسانوں کی طبعی وحشت اور بربریت دوبارہ لوٹ آجاتی ہے ۔ جہاں تک انسانی میت کی توہین و تذلیل کا تعلق ہے تو اس سے فوت ہوجانے والے کا کچھ نہیں بگڑتا صرف ظالمانہ ایسی حرکات کرنے والے انسان اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں ۔اپنے مغلوب الغضب ہونے اور وحشی ہونے کا ثبوت مہیا کرتے ہیں ۔ اگر فوت ہوجانے والا اپنے مولا کے ہاں مقبول ہے تو پھر دنیا والوں کی طرف سے توہین آمیز سلوک اس کے درجات کی بلندی کا سامان بن جاتا ہے ۔نعشوں اور قبور کی بے حرمتی کا سلسلہ قدیم سے جاری ہے لیکن اس قسم کی وحشت اور بربریت کا پہلا واقعہ

جو تاریخ نے محفوظ کیا ہے وہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کی نعش کی بے حرمتی کا ہے۔ جو جاہل اور غصے سے بے قابو ہونے والے مصر اور دوسرے علاقوں کے جتھوں میں شامل نو مسلموں کی طرف سے وقوع پذیر ہوئی ۔روایات میں آتا ہے ''جب حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تو تین دن تک شر پسندوں نے دفن کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔ آخر تین دن کے بعد مدینہ کے کچھ بااثر لوگوں نے جن میں حضرت حکیم بن حزامؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ بھی تھے۔ حضرت علیؓ سے ان کی تدفین کے متعلق بات کی۔ شر پسندوں کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے اور جنازہ گزرتے وقت ان پر پتھراؤ کیا مدینہ میں ایک احاطہ تھا جس کا نام حش کوکب تھا یہودی اس میں دفن ہوتے تھے۔ چونکہ جنت البقیع میں شر پسند حضرت عثمانؓ کے جسد مبارک کو دفن ہونے نہیں دیتے تھے، اس لئے آپ کی نعش کو حش کوکب میں دفنانے کا پروگرام بنایا۔ اور رات کے وقت اس کی تدفین کی گئی۔

نعشوں کی بے حُرمتی کے دیگر واقعات

اس کے بعد شہید مظلوم حضرت امام حسینؓ کی نعش مبارک کی بے حرمتی کا واقعہ آتا ہے۔ ان کا سر مبارک کاٹ کر یزید کے دربار میں پیش کیا گیا اور باقی جسم مبارک کربلا ہی میں رہا۔ حضرت ایوب انصاریؓ کی تدفین قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب ہوئی عیسائیوں نے آپ کے مزار کی بے حرمتی کا ارادہ کیا تو تو بنو امیّہ کے خلیفہ نے دھمکی دے دی اور یہیں کام رک گیا۔ (اسد الغابہ) پھر جب عباسی دور آیا تو عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اموی خلیفہ کی قبروں کو اکھیڑا اور ان کی نعشوں کی بے حرمتی کی ۔ہشام بن عبدالملک جس کی نعش صحیح وسالم تھی اس کو نکلوایا پہلے اس کو کوڑے لگوائے پھر سولی پر لٹکایا پھر اس کو جلایا۔ (الکامل فی التاریخ ابن اثیر) سپین میں عیسائیوں نے غلبہ پانے کے بعد مسلمانوں کے قبرستانوں کی سخت بے حرمتی کی اسی طرح یہودیوں کے قبرستانوں کو بھی نہ بخشا گیا۔ تاریخی واقعہ ہے کہ بعض عناصر نے سازش کرتے ہوئے یہ کوشش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک کی بے حرمتی کی جائے لیکن اس زمانہ کے مشہور مسلمان بادشاہ نورالدین زنگی نے خواب کے ذریعہ خوب اس کی حفاظت کی۔ اور مزار کے اردگرد تانبا اور سیسہ پگھلا کر ہمیشہ کے لئے اس خطرہ کو ٹال دیا۔ مشہور سکھ لیڈر بندہ بیراگی نے سرہند شریف کے قبرستانوں کی بے حرمتی کی قبریں کھول کر نعشیں نکالیں اور ان سے وحشیانہ سلوک کیا اور ہڈیوں کو نذر آتش کر دیا۔ (سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینے میں ص 157) انگریزوں کا جب سوڈان پر تسلط ہوا تو انہوں نے مہدی سوڈانی کی نعش کو قبر سے نکالا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور دریا میں بہا دیا اسی طرح دوسرے

مسلمانوں کی نعشوں کی بھی بے حرمتی کی (آئمہ تلبیس مولفہ ابوالقاسم رفیق) انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو لاہور میں مسلمانوں کے کئی مقبروں کو نیلام کرادیا۔جنہیں لوگوں نے گرا کر مکانوں اور کوٹھیوں میں تبدیل کر دیا۔کہا جاتا ہے کہ جو علاقے آج کل گوالمنڈی، ہال روڈ اور انارکلی کہلاتے ہیں یہ کسی زمانہ میں قبرستان تھے۔غرضیکہ ایک وہ اخلاق ہیں جو اسلام سکھاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں جن میں ہمیں نرمی، رواداری، ہمدردی، احترام انسانیت اور احترام میت کے سبق دیئے گئے ہیں۔دوسری طرف غضب سے مغلوب جاہلیت کے پرستار اور مذہب و اخلاق سے نابلد بے حوصلہ افراد اور گروہ ہیں جن کی وحشت اور بربریت سے انسان کا سر شرم سے جُھک جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سراسر رفق اور نرمی و تلطّف پر مبنی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے نرمی کا جتنا اجر دیتا ہے اتنا سخت گیری کا نہیں دیتا بلکہ کسی اور نیکی کا بھی اتنا اجر نہیں دیتا۔غرض اسلام کی ایسی حسین تعلیم کو بھلا کر لوگ خود اپنے لئے ذلت خواری کا طریق اختیار کرتے ہیں کاش وہ سمجھیں کہ ہمارے پاک ومطہر رسول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کیا تعلیم دی تھی اور آپ کا اسوہ حسنہ کیا تھا۔ 

رُوح کے متعلق نظریہ اسلام

روح کے متعلق سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔اور دراصل اسی سوال کا جواب روح کی زندگی اور اس کی قوتوں کا فیصلہ کر دے گا۔کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں۔اور یہ خود بخود پیدا ہوئی اور اپنے آپ زندہ ہے۔تو پھر یہ مان لینا بھی قرین قیاس ہے کہ اس کے اندر بے پناہ قوتیں ہیں۔وہ جو چاہے کر سکتی ہے اور جب چاہے بڑے سے بڑا کام انجام دے سکتی ہے۔لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس کی پیدائش کسی اور ہستی کے حکم سے ہے اور اس کی زندگی اور موت اور عملی قوتوں کا اختیار کسی بالا ہستی کے قبضہ اقتدار میں ہے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ روح کی طاقتیں محدود ہیں۔اور اس کی زندگی موت کا فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں استفسار کیا گیا تو خدا تعالیٰ نے ان الفاظ میں جواب دیا: **يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ** یعنی اے رسول لوگ تجھ سے روح کے بارہ میں سوال کرتے ہیں تو ان سے کہہ دے کہ روح میرے رب کے حکم سے (پیدا ہوئی ہے) (سورۃ اسرائیل آیت 86) قرآن کریم کے اس جواب نے روح کو ایک مخلوق اور پابند چیز کا درجہ دے دیا ہے۔کیونکہ اس کی زندگی عمل کی حدود

متعین کرنے والی ہستی موجود ہے۔لہذا سب سے پہلا اختلاف جو اسلام دوسرے نظریات سے روح کے بارہ میں رکھتا ہے وہ اس کی پیدائش کا ہے۔دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ روح کی پیدائش کس طرح ہوئی تو اس کا جواب قرآن کریم نے اس آیت میں دیا ہے۔(سورۃ المومنون آیت 13 تا15)یعنی ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔پھر اس کو ایک قرار گاہ میں نطفہ کے طور پر رکھا۔پھر نطفہ کو ترقی دے کر ایسی شکل کردی کہ وہ چمٹنے والا وجود بن گیا۔پھر اس چمٹنے والے وجود کو ایک بوٹی بنا دیا۔پھر اس بوٹی کو ہم نے ہڈیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا اور پھر اس وجود کو ایک نئی مخلوق کی صورت میں بنا کھڑا کیا۔پس لوگو دیکھو کہ تمہارا خدا کیسا بابرکت اور کیسا بہترین خالق ہے(سورۃ مومنون آیت 13۔15)ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم اور روح کی پیدائش کو نہایت لطیف رنگ میں اس کے مختلف مدارج کی تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے اوّلاً ان آیات میں جسم کی پیدائش کو مٹی کے خلاصہ سے لے کر نطفہ اور پھر ڈھیلے ڈھالے لوتھڑے اور پھر پیوست بوٹی اور پھر گوشت پوست کے خول تک درجہ بدرجہ مکمل کرنا بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد روح کی پیدائش کو اسی جسم میں سے خلقاً اٰخر (یعنی ایک نئی پیدائش)کے الفاظ سے ذکر کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ منشا نہُ(یعنی بنا کھڑا کیا) کا لفظ رکھ کر اشارہ کیا گیا ہے۔کہ انسان میں روح ہی ہے جو انسان کو دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتی ہے۔گویا جسم روح ہی کا ایک ترقی یافتہ جوہر ہے۔جو انسانی جسم کی تکمیل کے بعد اس کے اندر سے ایک نئی اور رافع مخلوق کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ہم نے قرآن کریم کی رو سے اب تک دہ باتیں بیان کی ہیں۔اول۔یہ کہ روح کا خالق و مالک خدا تعالیٰ ہے۔دوم۔روح جسم ہی کا ایک ترقی یافتہ جوہر ہے جو اندر ہی پیدا ہوتا اور ترقی کرتا اور انسانی جسم کو ایک جلا بخشتا ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ روح کی زندگی کس قدر ہے؟ کیا وہ جسم کی موت کے ساتھ ہی مر جاتا ہے۔یا اِس جسم کے بعد بھی زندہ رہتی ہے؟۔روح مخلوق ہے اس لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس پر فنا بھی آنی چاہیے۔ہمارا جواب یہ ہے کہ روح واقعی فنا پذیر ہے کیونکہ جو چیز اپنی صفات کو چھوڑتی ہے اس کو فانی کہا جائے گا۔کیونکہ کوئی دوا اپنی تاثیر بالکل چھوڑ دے تو ہم کہیں گے کہ دوا مرگئی ہے۔ایسا ہی روح میں یہ امر ثابت ہے کہ بعض حالات میں وہی اپنی صفات چھوڑ دیتی ہے۔بلکہ اس پر جسم سے بھی زیادہ تغیرات وارد ہوتے ہیں۔ان ہی تغیرات کے وقت جب کہ روح اپنی صفات سے دور ہٹ جاتی ہے تو کہا جاتا ہے۔کہ روح مرگئی۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صرف ان انسانی روحوں کو جسم سے الگ ہونے کے بعد زندہ قرار دیا ہے۔جن میں وہ صفات موجود

تھے جو کہ اصل غرض و غائت ہے۔یعنی خدا تعالیٰ کی کامل محبت اور اسکی کامل اطاعت جو انسانی روح کی جان ہے۔جب کوئی مدح خدا تعالیٰ کی محبت سے پُر ہو کر اور اس کی راہ میں قربان ہو کر دنیا سے جاتی ہے تو اسی کو زندہ روح کہا جاتا ہے۔باقی سب مُردہ روحیں ہیں۔روح کا اپنی صفات سے الگ ہونا اس کی موت ہے۔چنانچہ خواب کی دنیا میں یہی ہے۔جسم انسانی خواب کی حالت میں گویا مرا ہوا ہوتا ہے۔اس کے ساتھ روح بھی مر جاتی ہے۔یعنی اپنی وہ صفات جو بیداری کی حالت میں تھیں انہیں چھوڑ دیتی ہے۔اسی کا نام موت ہے۔ورنہ یوں تو انسانی جسم مرنے کے بعد بھی بالکل فنا نہیں ہو جاتا صرف زندگی کی صفات کا تعطّل اسے موت کا نام دیتا ہے۔اسی طرح روح کی موت سے مراد صفات کا معطل ہونا ہی ہے۔قرآن کریم روح کا کوئی ذاتی اختیار تسلیم نہیں کرتا۔روحیں خدا تعالیٰ کے اذن سے پیدا ہوتی اور اسی کے حکم سے فنا ہوتی ہیں چنانچہ سورۃ الزمر میں فرمایا۔(الزمر آیت 43)یعنی خدا تعالیٰ جانوں کو جب ان کی موت کا وقت آتا ہے اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔یعنی وہ جانیں بے خود ہو کر الٰہی تصرف اور قبضہ میں اپنی موت کے وقت آجاتی ہیں۔اور زندگی کی خود اختیاری اور خود شناسی ان سے جاتی رہتی ہے۔اور موت ان پر وارد ہو جاتی ہے۔یعنی بکلی وہ روحیں نیست کی طرح ہو جاتی ہیں۔اور صفات حیات زائل ہو جاتی ہے۔اور ایسی روح جو دراصل مرتی نہیں مگر مرنے کے مشابہ ہوتی ہے وہ روح کی وہ حالت ہے کہ جب انسان سوتا ہے تب وہ حالت پیدا ہوتی ہے۔اور ایسی حالت میں بھی روح خدا تعالیٰ کے قبضہ اور تصرف میں آجاتی ہے۔ اور ایسا تغیر اس پر وارد ہو جاتا ہے کہ کچھ بھی اس کی دنیاوی شعور اور ادراک کی حالت اس کے اندر باقی نہیں رہتی۔غرض موت اور خواب دونوں حالتوں میں خدا کا قبضہ اور تصرف روح پر ایسا ہو جاتا ہے کہ زندگی کی علامت جو خود اختیاری اور خود شناسی ہے۔بکلی جاتی رہتی ہے۔پھر خدا ایسی روح کو جس پر درحقیقت موت وارد کر دی ہے۔واپس جانے سے روک رکھتا ہے۔اور وہ روح جس پر اس نے درحقیقت موت وارد نہیں کی پھر ایک مقررہ وقت تک دنیا کی طرف واپس کر دیتا ہے۔اس ہمارے کاروبار میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو فکر اور سوچ کرنے والے ہیں (الزمر آیت 43)۔اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جیسی جسم پر موت وارد ہوتی ہے ایسی ہی روحوں پر بھی آتی ہے۔لیکن قرآن سے ثابت ہے کہ ابرار اور اغیار اور برگزیدوں کی روحیں چند روز کے بعد پھر زندہ کی جاتی ہیں۔کوئی تین دن کے بعد،کوئی ہفتے کے بعد اور کوئی چالیس دن کے بعد۔اور یہ حیات ثانی نہایت آرام اور آسائش اور لذت کی ان کو ملتی ہے۔یہی حیات ہے۔جس کو حاصل کرنے کے لئے نیک بندے اپنی پوری قوت اور پوری کوشش اور پورے صدق وصفا

کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔اورنفسانی تاریکیوں سے باہر آنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور خدا کی رضا جوئی کے لئے تلخ زندگی اختیار کرتے ہیں۔گویا مرہی جاتے ہیں غرض جیسا کہ آیۃً موصوفہ بالا بیان فرمارہی ہے روح کو بھی موت ہے جیسا کہ جسم کو۔اگرچہ اس عالم کی نہایت مخفی کیفیتیں اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتیں لیکن بلا شبہ عالم رویا یعنی خواب کا عالم اس عالم کے لئے ایک نمونہ ہے اور جو موت اس عالم میں روح پر وارد ہوتی ہے اس موت کا نمونہ عالم خواب میں بھی پایا جاتا ہے۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔کہ معاً آنکھ بند ہونے کے ساتھ ہی روح کی تمام صفات اُلٹ پلٹ ہو جاتی ہیں۔اور اس بیداری کا تمام سلسلہ فراموش ہوجاتا ہے۔اور تمام روحانی صفات اور تمام علوم جو ہماری روح میں تھے کالعدم ہوجاتے ہیں۔اور حالت خواب وہ نظارے روح کے ہمارے پیش نظر آ جاتے ہیں۔جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ ہماری روح کچھ اور ہی ہے۔اور تمام صفات اس کے جو بیداری میں تھے کھوئے گئے ہیں۔اور یہ ایک ایسی حالت ہے جو موت کے مشابہ بلکہ ایک قسم کی موت ہے۔اور یہ قطعی اور یقینی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ موت جو جسم کی موت کے ساتھ روح پر وارد ہوتی ہے وہ ایسی موت کے ساتھ مشابہ ہے جو نیند کی حالت میں روح پر وارد ہوتی ہے مگر وہ موت اس موت کی نسبت بہت بھاری ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کُلّ شیئٍ ھَالِکٌ الاّ وجھَہٗ یعنی ہر ایک چیز معرض ہلاکت میں ہے۔اور مرنے والی ہے بجز خدا کی ذات کے۔کہ وہ موت سے پاک ہے۔اور اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا۔ کُلُ مَن عَلیھاَ فاَنٍ کہ یعنی ہر ایک جو زمین پر ہے آخر مرے گا۔پس جیسا کہ خدا نے اس آیت میں کہ خلق کل شیئٍ ہے۔لفظ کُل کے ساتھ جو احاطہ تامہ کے لئے آتا ہے ہر ایک چیز کو جو اس کے سوا ہے۔مخلوق میں داخل کر دیا۔ایسا ہی اس لفظ کل کے ساتھ اس آیت میں جو کُلّ شیئٍ ھَالِکٌ الاّ وجھَہٗ ہے اور اس آیت میں کہ کُلُ مَن عَلیھاَ فاَنہ ہے ہر ایک چیز کے لئے بجز اپنی ذات کے موت ضروری ٹھہرا دی پس جیسا کہ جسمی تراکیب میں انحلال ہو کر جسم پر موت آتی ہے ایسا ہی روحانی صفات میں تغیرات پیدا ہو کر روح پر موت آجاتی ہے لیکن جو لوگ وجہ اللہ میں محو ہو کر مرتے ہیں۔وہ بباعث اس استیصال کے جو ان کو حضرت عزت سے ہوجاتا ہے دوبارہ زندہ کئے جاتے ہیں۔اور ان کی زندگی خدا کی زندگی کا ایک ضل ہوتی ہے۔اور پلید روحوں میں بھی عذاب دینے کے لئے ایک حس پیدا کی جاتی ہے مگر وہ نہ مردوں میں داخل ہوتے ہیں نہ زندوں میں جیسا کہ ایک شخص جب سخت درد میں مبتلا ہوتا ہے۔تو بدحواسی کی زندگی اس کے لئے موت کے برابر ہوتی ہے۔اور زمین و آسمان اس کی نظر میں تاریک دکھائی

دیتے ہیں انہی کے بارہ میں خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔اِنَّهٗ مَن يَّاتِ رَبَّهٗ مُجرِماً فَاِنَّ لَهٗ جَهَنم لَا يموتُ فيها وَ لا يحیٰ ''یعنی جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہوکر آئے گا اس کے لئے جہنم ہے۔وہ اس جہنم میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا''۔اور خود انسان جب کہ اپنے نفس میں غور کرے کہ کیونکر اس کی روح پر بیداری اور خواب میں تغیرات آتے رہتے ھیں۔تو بالضرور اسے ماننا پڑتا ہے کہ جسم کی طرح روح بھی تغیر پذیر ہے۔اور موت صرف تغیر اور سلب صفات کا نام ہے۔ورنہ جسم کے تغیر کے بعد بھی جسم کی مٹی تو بدستور رہتی ہے لیکن اس تغیر کی وجہ سے جسم پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے۔جیسا کہ وہ کہتا ہے۔وَفِی اَنفُسِکُم اَفَلا تُبصِرون یعنی کیا تم اپنی جانوں پر غور نہیں کرتے۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی روح میں بڑے بڑے عجیب وغریب خواص اور تغیرات رکھے گئے ہیں۔کہ وہ اجسام میں نہیں۔اور روحوں پر غور کرکے جلد تر انسان اپنے رب کی شناخت کرتے ہیں۔جس قدر تغیرات اجسام پر آتے ہیں۔انسان زیادہ تر ان سے فائدہ نہیں اٹھاسکا۔چونکہ جسمانی چیزیں جلد تر عادت میں داخل ہوجاتی ہیں۔لیکن روح کے تغیرات خاص کر مجاہدات کے وقت اور عالم کشف کی حالت میں ایسی عجیب ہیں کہ انسان کو گویا خدا تعالیٰ کا چہرہ دکھا دیتی ہیں۔اور معرفت کی منازل طے کرنے والے ہر ایک اپنے مرتبہ میں ترقی کرتے وقت محسوس کرتے ہیں کہ ان کی پہلی حالت روح کی گویا ایک موت تھی۔اور جو دوسری حالت میں روح کو علم اور ادراک کا حصہ نصیب ہوا۔جو وہ پہلی حالت میں ہرگز نہ تھا۔بلکہ ظاہری علوم کی تحصیل کرنے والے بھی اس بات کے قائل ہو سکتے ہیں کہ روح بچپن کی حالت میں کس نیند میں غرق تھی۔اور جب ان کو بہت علوم سے حصہ ملا تو کیسی نئی روشنی اس کے اندر آ گئی۔ایک حدیث میں ہے کہ مَن عرف نفسهُ فقد عرف ربهٗ جس نے اپنے نفس کو شناخت کرلیا اس نے اپنے رب کو شناخت کرلیا۔پھر ایک جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اَلستُ بِربکُم قالُو بلیٰ یعنی میں نے روحوں کو پوچھا کہ کیا میں تمہارا پیدا کرنے والا نہیں تو تمام روحوں نے یہی جواب دیا کہ کیوں نہیں۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ روحوں کی فطرت میں بھی نقش اومرکوز ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں۔اور پھر انسان غفلت کی تاریکی میں پڑ کر اور پلید تعلیموں سے متاثر ہوکر کوئی دہریہ بن جاتا ہے اور کوئی آریہ۔اور اپنی فطرت کے مخالف اپنے پیدا کنندہ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے باپ اور ماں کی محبت رکھتا ہے۔یہاں تک کہ بعض بچے ماں کے مرنے کے بعد مر جاتے ہیں۔پھر اگر انسانی روحیں خدا کے ہاتھ سے نہیں نکلیں اور اس کی پیدا کردہ نہیں

تو خدا کی محبت کا نمک کس نے ان کی فطرت میں چھڑک دیا ہے۔اور کیوں انسان جب اس کی آنکھ کھلتی ہے۔اور پردہ غفلت دور ہوتا ہے تو دل اس کا خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے۔اور محبت الٰہی کا دریا اس کے صحن سینہ میں بہنے لگتا ہے۔آخران روحوں کا خدا سے کوئی رشتہ تو ہوتا ہے۔جوان کی محبت الٰہی میں دیوانہ بنا رہتا ہے۔وہ خدا کی محبت میں ایسے کھوئے جاتے ہیں۔کہ تمام چیزیں اس کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔سچ تو یہ ہے کہ وہ عجیب تعلق ہے ایسا تعلق نہ ماں کا ہوتا ہے نہ باپ کا۔پس اگر بقول آریوں کے روحیں خود بخود ہیں تو یہ تعلق کیوں پیدا ہوگیا اور کس نے یہ محبت اور عشق کی قوتیں خدا تعالیٰ کے ساتھ روحوں میں رکھ دیں۔یہ مقام سوچنے کا مقام ہے۔اور یہی مقام ایک سچی معرفت کی کنجی ہے۔اسلام کی تعلیم کے مطابق روح دراصل جسم ہی کا ایک ترقی یافتہ جوہر ہے۔جو انسانی جسم کی تکمیل کے بعد اس کے اندر سے ایک نئی اور ارفع مخلوق کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔اور آریہ سماج کی طرح یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ روح ایک بیرونی چیز ہے۔جو باہر سے آکر انسانی جسم کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔پس جب روح انسانی جسم ہی کا ایک ترقی یافتہ حصہ ہے۔تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ جو اس کے لئے بطور بیج یا باپ کے ہے۔کبھی بھی کامل طور پر منقطع نہیں ہوسکتا۔اور کسی نہ کسی صورت میں ضرور قائم رہتا ہے۔اسی لئے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔کہ انسان کے مرنے اور روح پرواز کر جانے اور اس کے جسم کے بظاہر کلی طور پر فنا ہو جانے کے بعد بھی اس کے جسم کے نہ نظر آنے والا حصہ جسے گویا ایٹم یا مالیکیول کہہ سکتے ہیں محفوظ رہتا ہے۔اور اس حدیث میں اس حصہ کو عجب الذنب یعنی ریڑھ کی ہڈی کے اسفل ترین حصہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔چنانچہ اسی وجہ سے مرنے والوں کی قبروں کے ساتھ ان کی روحوں کا کسی نہ کسی رنگ میں رابطہ تسلیم شدہ ہے۔اور اکثر اولیاء اور صلحاء کا تجربہ ہے کہ جب وہ کسی فوت شدہ بزرگ کی قبر پر جا کر توجہ سے دعا کرتے ہیں۔تو بعض اوقات کشفی حالت میں صاحب قبر کی روح کے ساتھ ان کی ملاقات ہو جاتی ہے۔اور یاد رکھنا چاہیے کہ کشف اور خواب بالکل جداگانہ چیزیں ہیں کیونکہ خواب نیند کی حالت میں آتی ہے۔اور کشف بیداری کی حالت میں ہوتا ہے جبکہ کشف دیکھنے والوں کی آنکھوں پر سے مادی پردے اُٹھا کر اُسے کوئی غیبی نظارہ دکھایا جاتا ہے۔اور یہ نظارہ ایسا ہوتا ہے۔کہ جیسے مادی آنکھوں کے سامنے کوئی سینما کی تصویر پھر جاتی ہے۔اس جگہ یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی محاورہ میں قبر سے ہمیشہ مٹی کے ڈھیر والی مصروف قبر ہی مراد نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ مقام مراد ہوتا ہے۔جہاں مرنے کے بعد اور حشر نشر سے پہلے انسانی روح رکھی جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (سورۃ

عبس آیت33)’’یعنی خدا تعالیٰ ہر انسان پر موت وارد کرتا ہے اور پھر اسے اس کی قبر میں رکھتا ہے‘‘۔اب ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو یہ مٹی کے ڈھیر والی قبر نصیب نہیں ہوتی۔کیونکہ کروڑوں انسانوں کے مردے جلائے جاتے ہیں۔لاکھوں ڈوب مرتے ہیں۔ہزاروں انسانوں کو جنگل کے درندے کھا کر ختم کر دیتے ہیں۔تو پھر ہر انسان کے متعلق یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسے خدا قبر میں رکھتا ہے۔؟ یقیناً یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ حدیث میں صراحت آتی ہے:۔قبر سے مراد وہ قیام گاہ لی جائے جہاں مرنے کے بعد کامل حساب کتاب سے پہلے انسان کی روح رکھی جاتی ہے۔چنانچہ انہی معنوں میں حضور ﷺ نے عذاب النار سے ممتاز کر کے عذاب قبر کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔جس سے ناواقف یا ظاہر پرست لوگوں نے یہ ظاہری قبر مراد لی ہے۔حالانکہ یہ وہی مقام ہے جسے دوسری اصطلاح میں قرآن مجید نے برزخ کا نام دیا ہے۔جو حشر نشر سے قبل ایک درمیانی زمانہ کا مقام ہے۔مرنے والی روحوں کا تعلق دنیا کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں اسی وقت تک قائم رہتا ہے۔جب تک کہ وہ قبر یعنی برزخ کے زمانہ میں رہتی ہے۔اس کے بعد یہ تعلق ختم ہوکر کامل طور پر اخروی زندگی شروع ہوجائے گی۔اس سوال کا جواب کہ آیا وفات یافتہ ارواح سے ملاقات ہوسکتی ہے۔قرآن مجید میں آیا ہے:وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا(سورۃ بنی اسرائیل آیت 86)یعنی اے رسول لوگ تجھ سے روح کے بارہ میں سوال کرتے ہیں تو ان سے کہہ دے کہ روح میرے رب کے حکم سے (پیدا ہوئی ہے) مگر اے لوگو تمہیں اس بارہ میں بہت کم علم دیا گیا ہے۔یعنی تمہاری معلومات کا اکثر حصہ محض تخیل پر ہے اور صحیح معلومات بہت کم ہیں۔اس آیت سے ظاہر ہے کہ روحوں سے ملاقات تو ممکن ہے مگر اس طرح نہیں کہ جس نے جب چاہا کسی مرنے والے کی روح کو بلا کر بات چیت کرلی۔یہ نظریہ تو سراسر قرآنی تعلیم کے خلاف ہے جو اس دنیا اور اُس دنیا کے درمیان ایک برزخ یعنی روک اور اوٹ کا قائل ہے۔اور صراحت کے ساتھ فرماتا ہے۔کہ روحوں کے ساتھ زندوں کا رابطہ صرف اذن الٰہی سے ممکن ہے۔اس کے بغیر ہرگز نہیں۔دنیا بھر کے انبیاء اور اولیاء کی تاریخ ایسے واقعات سے معمور ہے کہ دعا اور توجہ کرنے پر اذن الٰہی سے ملاقات ہو گئی۔چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔کہ جب اُحد کے میدان میں آپ ﷺ کے صحابیؓ شہید ہوگئے تو ایک کشفی انکشاف کی بناء پر آپ ﷺ نے انکے جواں سال بیٹے جابرؓ سے از راہ دلداری فرمایا کہ جب تمہارے والد شہید ہوکر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی سے خوش ہوکر

فرمایا کہ اگر کوئی خواہش ہوتو بیان کرو۔حضرت جابرؓ کے والدعبداللہؓ نے عرض کیا کہ خدایا! تیری کسی نعمت کی کوئی کمی نہیں مگر یہ تڑپ ضرور ہے کہ پھر زندہ ہوکر جاؤں اور پھر تیرے رستہ میں جان دوں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا مگر ہم ایک ازلی ابدی عہد کر چکے ہیں۔جوقرآن کے الفاظ میں یہ ہے۔کہ اِنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ یعنی مرنے والے دوبارہ اس دنیا میں نہیں آسکتے۔(ترمذی وابن ماجہ)

اسی طرح بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام اپنے ایک عرب قصیدہ میں فرماتے ہیں۔ترجمہ۔یعنی خدا کی قسم میں نے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو اپنے اس جسم کی آنکھوں کے ساتھ مکان کے اندر بیٹھے ہوئے دیکھا۔میں نے آغاز جوانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے مبارک دیکھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین بیداری کی حالت میں مجھے مکرر ملاقات کا شرف بخشا''۔(آئینہ کمالات اسلام)اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''میری بارہا کشفی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔اورانہوں نے ایک ہی دسترخوان پر میرے ساتھ کھانا کھایا''(نورالحق حصہ اوّل)اسی قسم کے ہزاروں واقعات اسلام کی تاریخ میں اور قبل از اسلام کے زمانہ میں روحانی لوگوں کے حالات زندگی میں ملتے ہیں۔جن سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب کشفی نظارے ہیں۔جن میں خدا کے اذن سے مرنے والوں کی روحوں سے زندہ لوگوں کی ملاقات ہوجاتی ہے۔اس مضمون کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ صرف وہ روح اس جسم کے مرنے کے بعد زندہ رہتی ہے۔جس کا اپنے اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے۔جواس کی محبت اور کامل اطاعت میں قربان ہو جاتی ہے۔صرف وہ روح زندہ ہے اور باقی تمام مردہ۔مردہ ارواح کی نئی زندگی اور پھر ارتقاء کے لئے اگلے جہان میں جہنم مقرر ہے۔اسی لئے اسلام نے جہنم کو بطور علاج گاہ بیان فرمایا ہے۔اسلئے وہ زمانی طور پر محدود ہے۔بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے ایک شعر میں اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پے مرضی خدا

اسلام اپنے ماننے والوں کواس معراج پر لے جانا چاہتا ہے یہ وہ مقام ہے جب انسان کسی سے محبت رکھتا ہے تو اس کے لئے خدا اس سے محبت رکھتا ہے۔اوراگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اس لئے خدا بھی اس سے نفرت کرتا ہے اس مرتبہ پر پہنچ کر انسان اپنے رب میں محو ہوجاتا ہے۔اس کا کھانا پینا اور سونا جاگنا اور

چلنا پھرنا ہر بات اپنے رب کی رضا کے لئے ہوتی ہے جیسے کہ فرمایا۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ۔ یعنی میری نماز اور میری قربانی وصدقات اور زندگی اور موت ہر چیز اپنے رب کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ جذبات کسی دل میں پیدا ہو جائیں اور وہ اپنا تن من اور دھن اپنے خالق اور مالک کے سپرد کر دے۔ تو اس کی روح کو اک جلا ملتی ہے۔، ایک نور عطا ہوتا ہے۔ اور ایک بلندی اور رفعت دی جاتی ہے۔ اسی کا نام اسلام رروحانیت رکھتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر روح میں ہمیشہ کی زندگی کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور ایسا وجود نافع الناس بن جاتا ہے۔ اگر دنیا اسلام کے اس اصول کو سمجھ لے اور اس پر عمل کرے تو دنیا میں دائمی امن وامان اور شانتی وسکون پیدا ہو سکتا ہے۔ اور یہی اسلام کا پیش کردہ حل ہے جو دنیا کو موجودہ حالت میں ہمیشہ کے امن وسکون کا پیغام دیتا ہے۔

عجائبات رُوح۔ حضرت امام عصر کے تجربات کی روشنی میں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تالیف ''سرمہ چشم آریہ'' مسئلہ شق القمر اور عالم ارواح کے باب میں انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ارواح کو جناب الٰہی سے بے حد قوتیں ودیعت فرمائی گئی ہیں مثلاً مورد الہام ہونا، اجسام سے مل کر نئے خواص کا ظہور، مقناطیسی قوت، مردہ جسم کی خاک سے تعلق اور رابطہ جو ارباب کشوف کو عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت نے اپنے تجربات کی روشنی میں انکشاف فرمایا کہ بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں سے ایک چیز کو صاف صاف دیکھتا بلکہ آواز بھی سُن لیتا ہے۔ ارواح سے ملاقات کرتا ہے۔ یہ ملاقات نیک اور بد دونوں قسم کی روحوں سے ممکن ہو سکتی ہے۔ اور فرمایا کہ اس کتاب کا مولف ان امور میں صاحب تجربہ ہے

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں



امیر المومنین کا لقب اور اس کا تاریخی ودینی پس منظر

امیر المومنین کے لفظی معنی ہیں مومنوں کا امیر یا حاکم۔ بعض مغربی مصنفین نے اس کا ترجمہ ''پرنس آف بیلیورز'' prince of believers بھی کیا ہے۔ جو نہ لغت کے اعتبار سے درست ہے نہ تاریخ ہی کی رُو سے۔ مقدمہ ابن خلدون اور شبلی نعمانی کی ''الفاروق'' کے مطابق یہ لقب سب سے پہلے اسلام کے

خلیفہ دوم حضرت ''عمر بن الخطاب'' نے اختیار فرمایا۔آپ سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ '' خلیفۃ الرسول'' کے نام سے پکارے جاتے تھے۔عمر بن الخطاب' خلیفہ بنے تو مسلمان انہیں '' خلیفۃ الرسول'' کہنے لگے اس پر مسلمانوں میں تبصرے ہونے لگے کہ چوتھی پانچویں خلافت کے وقت اس اصطلاح کی کیا شکل بن جائے گی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے ''امیر المومنین کہہ لیا کرو''۔گویا یہ اصطلاح اسلام کے جلیل القدر خلیفہ دوم ہی کے عہد میں تخلیق ہوئی اور آپ ہی کے عہد خلافت سے اس کا استعمال شروع ہوا۔ آپ کے بعد اسلام کے تیسرے اور چوتھے خلیفہ راشد کو بھی امیر المومنین ہی کہا اور لکھا جاتا رہا۔ امیر (رکبان) سے مراد وہ شخص ہے جسے امر، حکم، قیادت، تفویض کی جائے اس میں فوجی قیادت بھی شامل ہے اور اس عام مفہوم کے مطابق اسے کلمہ ''المومنین'' کی طرف مضاف کر کے اس سے وہ امیر مراد لئے جاتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد مختلف اسلامی مہموں کی قیادت سپرد کی گئی۔ جیسے حضرت سعدؓ بن وقاص (رکبان) کو ''امیر'' کہا گیا۔

آئمہ دین کی رائے۔حضرت امیر معاویہؓ کے عہد امارت میں بھی (جب خلافت مقبول بحکمرانی ہو رہی تھی) انہیں ''امیر المومنین ہی لکھا اور پکارا جاتا رہا۔ بغداد کے خلفاء کے انداز اور اطوار تو یکسر سیاسی حکمرانوں کے سے تھے۔ پھر ان میں بعض ایسے حکمران بھی ہوئے جن کے افعال و کردار مومنانہ بھی نہ تھے لیکن ان کے تمدن اور معاشرت پر ''عربیت'' غالب رہی۔ اور وہ '''امیر المومنین'' کہلانے پر فخر اور لذت محسوس کرتے رہے حتیٰ کہ شاہی درباروں اور محلوں پر ''عجمیت'' پوری طرح چھا گئی تو مسلم حکمرانوں کے لئے ظل اللہ اور ظل سبحانی ایسی متعدد اور جدید اصطلاحیں تراش لی گئیں لیکن چونکہ یہ اصطلاح مسلم حکمرانوں کے لئے مختص نہ تھیں اس لئے آئمہ دین اور اکابر علماء کے لئے بھی اس کا استعمال حسب سابق جاری رہا۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب) کے مطابق نمبر ا۔شیعوں کا فرقہ امامیہ '' امیر المومنین'' کا لقب صرف حضرت علیؓ بن ابو طالب کے لئے مخصوص سمجھتا ہے۔نمبر 2۔اسماعیلیوں کا ہر فرقہ اسے اپنے اپنے مسلمہ خلفاء کے لئے استعمال کرتا ہے۔نمبر 3۔زیدی شیعوں کے نزدیک ہر وہ علوی جو بزور شمشیر اپنے اقتدار کو منوالے خود کو '' امیر المومنین'' کہلا سکتا ہے مثلاً یمن کے زیدی امام۔ البتہ خوارج کے ہاں لفظ ''' امیر المومنین'' کا استعمال قاہرت کے رستمیوں کے سوا بہت شاذ ہے۔ لیکن اس کا استعمال آئمہ اور علماء کے لئے ہمیشہ ہوتا رہا۔ مثلاً۔مشہور محدث ''نتیبہ بن الحجاج'' کو 'امیر المومنین بالروآتیہ'' کہا گیا۔ابونعیم 'حلیت الاولیا'' (7:144) اسی طرح مشہور نحوی ابوحیان غرناطی کو '' امیر المومنین'' فی النحو

کہا گیا'' (المقری نفح الطیب ص826) دائرہ معارف اسلامیہ نے صرف انہی دو مثالوں پر اکتفا کیا ہے لیکن اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو متعدد تاریخی شواہد اس امر کے ملتے ہیں کہ یہ اصطلاح صرف ''مسلم فرمانرواؤں'' ہی کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ صدیوں سے آئمہ دین اور اکابر علماء کے لئے بھی مروج ہے۔

چند اور مثالیں۔(1) حضرت امام مالکؒ بن انس بن امام دارالہجرت (93۔179) جن کو تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہونے کی سعادت خاصؒ ہوئی۔امیر المومینین الحدیث کے نام سے یاد کئے گئے۔(تاریخ الحدیث (پروفیسر عبدالصمد صارم الزہری ناشر مکتبہ امین الادب اُردو بازار لاہور)۔

2۔حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ (97ھ۔161ھ1) جن کو تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہونے کی سعادت ملی۔حضرت امام حافظ شیخ الاسلام علی بن حجر عسقلانیؒ (متوفی 852ھ) نے آپ کو'' تہذیب التہذیب'' جلد 4 ص 113 پر''امیر المومنین فی الحدیث'' تسلیم کیا ہے علاوہ ازیں صوفی الاسلام حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ کی مشہور کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' کے سولہویں باب میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔

3۔حضرت ابوعبداللہ محمد حسین اسماعیل بخاریؒ (194ھ تا 256ھ) بھی ''امیر المومنین فی الحدیث' کے لقب سے ملقب ہیں (تاریخ الحدیث ص217 از پروفیسر عبدالصمد صارم)۔

4۔امام الکبیر حضرت علی بن عمر دار قطنیؒ (306ھ 358ھ) کو بھی اس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے 1386ھ بمطابق 1929ء میں السید عبداللہ ہاشم یمانی المدنی نے ''سنن دارقطنی'' کا جو تصحیح شدہ ایڈیشن شائع کیا ہے اس کے دیباچہ میں ص 9 پر صاف لکھتا ہے'' الدارقطنی' امیر المومنین فی الحدیث'' یہ دیباچہ ابوالطیب محمد شمس الحسن الصدیقی عظیم آبادی نے تحریر کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ سید محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی کی نسبت ''سوانح احمدی'' مصنفہ مولانا محمد جعفر تھانیسروی کے صفحہ 98،115،116،120،136، پر ''امیر المومنین'' لکھا گیا ہے اور ص 120 پر اس لقب کے استعمال کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ لاکھوں لوگوں نے اُن کی بیعت کر کے انکو اپنا سردار بنا لیا۔پس اس روز سے آپ بلفظ امام یا امیر المومنین یا خلیفہ کے مشہور ہیں۔حالانکہ مسلم ہے کہ متذکرہ بالا دونوں بزرگ صاحبِ حکومت و سیاست نہ تھے۔ثابت ہوا کہ یہ اصطلاح ''مسلم فرمانرواؤں'' کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اسلامی لٹریچر کے مطابق '' آئمہ دین'' اور جید علماء ربانی کے لئے بھی صدیوں تک یہ اصطلاح استعمال ہوتی رہی ہے۔



حضرت امام حسینؑ کی شہادت

حضرت حسینؑ کی شجاعت ۔اب آپ پر ہر طرف سے حملہ شروع ہوا آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی ۔ پیادہ فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا پوری قوت سے مقابلہ کرنے لگے۔عبد اللہ بن عمار جو خود اس جنگ میں شریک تھا روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزہ سے حضرت حسینؑ پر حملہ کیا اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں ۔ میں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہر طرف سے آپ پر حملے ہو رہے تھے لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے ۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے ۔ واللہ! میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھرانہ خود اسکی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو ایسا شجاع ،ثابت قدم ،مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں ۔ دیر تک یہی حالت رہی اسی اثناء میں آپکی بہن زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنھا خیمہ سے باہر نکلیں ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں ۔ وہ چلاتی تھیں کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے ۔ یہ وہ موقعہ تھا جب کہ عمر بن سعد حضرت حسینؑ سے بالکل قریب ہو گیا تھا۔زینب نے پکار کر کہا اے عمر! کیا ابو عبد اللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟ عمر نے منہ پھیر لیا مگر اس کے رُخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں ۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت ۔ چونکہ امام حسینؑ کے ساتھ بہت تھوڑے ساتھی تھے اور کوفہ کی فوج ان سے کئی گنا بڑی تھی ۔ گو کہ حضرت امام حسینؑ اور آپ کے ساتھی بہت بہادری سے لڑے لیکن اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔اس لیے حضرت امام حسینؑ کے ساتھی شہید ہوتے گئے ۔حضرت امام حسینؑ کی طرف سے کوفہ والے گریز کرتے رہے کیوں کہ کوئی بھی آپ کے خون کا گناہ اپنے سر پر نہیں لینا چاہتا تھا۔آخر کار بنو کندہ کا ایک شخص مالک حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا۔اس نے تلوار سے ان کے سر پر وار کیا جس سے ان کی ٹوپی کٹ گئی اور ان کا سر خون آلود ہو گیا۔اس کے بعد دوسری ٹوپی پہن لی ۔اس کے بعد کسی نے آپکی طرف آنے کی ہمت نہیں کی ۔اس وقت حضرت امام حسین تھک چکے تھے ۔لوگوں کے اس تذبذب کو دیکھ کر شمر نے لوگوں سے کہا کہ

تمہارا برا ہو۔تمہاری مائیں لڑکوں کو روئیں، دیکھتے کیا ہو آگے بڑھ کر حسین کو قتل کردو۔اس پر چاروں طرف سے لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ایک شخص نے آپ کی گردن پر تیر مارا۔ابھی آپ نے تیر نکالا ہی تھا کہ ایک اور شخص زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری۔حضرت امام حسینؑ زخموں سے نڈھال ہو گئے۔اس حالت میں سنان بن انس نے نیزہ کا سخت وار کیا جس سے حضرت امام حسینؑ نیچے گر گئے اور اس طرح آپ نے جام شہادت نوش کیا۔معرکہ کربلا کے آخری شہید سوید بن عمرو تھے۔علی اصغر بن حسین چھوٹے تھے اور بیماری کی وجہ سے فرش پر لیٹے تھے۔حمید بن مسلم کہتے ہیں شمر اپنے ساتھ فوجیوں کو لیکر ادھر آیا تو میں نے کہا کہ یہ طفل ہے اسے قتل نہیں کرنا چاہئے۔

لوٹ کھسوٹ۔قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے پھر آپ کے خیمہ کی طرف بڑھے زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔لیکن جس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ اپنی بیماری کی وجہ سے بچ گئے تھے۔پھر انہوں نے حضرت حسینؑ رضی اللہ کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا۔پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے کل بہتر سر تھے۔شمر ذی الجوشن،ابن الاشعث،عمرو بن الحجاج،غرمرہ بن قیس، یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت امام حسینؑ کا سر زیاد کے سامنے۔حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حضرت حسین کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم چلا اُٹھے: ان لبوں سے چھڑی ہٹا لے۔خدا کی قسم! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔یہ کہہ کر وہ زاروقطار روتے رہے۔ابن زیاد خفا ہو گیا۔اور کہا خدا تیری آنکھوں کو رُلائے۔واللہ! اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے اے عرب! آج سے تم غلام ہو۔تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ابن مرجانہ یعنی عبیداللہ بن زیاد کو حاکم بنایا وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا ہے اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے۔تم نے ذلت پسند کر لی خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں۔



رمضان المبارک کی برکات

(رسید مژدہ کہ ایّامِ نوبہار آمد)

روزہ کی فرضیت

القرآن : یٰاَیُّھَاالذِینَ اٰمنُوا کُتِبَ عَلَیکُمُ الصِّیامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الذِینَ مِن قبلِکُم لَعَلَّکُم تَتَّقُون اَیَّاماً مَّعدُودٰتٍ طفَمَن کَانَ مِنکُم مَّرِیضًا اَو علیٰ سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّن اَیَّامٍ اُخَرَطوَ عَلَی الَّذِینَ یُطِیقُو نَہٗ فِدیَۃُ طَعَامُ مِسکِینٍ فَمَن تَطَوَّعَ خیرًا فَھُوَ خَیرُ لَّہٗ وَاَن تَصُومُوا خَیرُ لَّکُم اِن کُنتُم تَعلَمُونَ (سورہ بقرہ:184۔185)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کردیئے گئے ہیں۔جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔گنتی کے چند دن ہیں۔پس جو بھی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اتنی مدت کے روزے دوسرے ایام میں پورے کرے۔اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔پس جو کوئی بھی نفلی نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہت اچھا ہے اور تمہارا روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ (اردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حدیث۔۔۔۔۔۔۔روزہ اور اس کی برکات

ترجمہ۔حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کے سب کام اس کے اپنے لئے ہیں۔مگر روزہ میرے لئے ہے۔اور میں خود اس کی جزا بنوں گا۔یعنی اس کی نیکی کے بدلہ میں اپنا دیدار نصیب کروں گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔روزہ ڈھال ہے، پس تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بےہودہ باتیں کرے نہ شور وشر کرے اگر اس سے کوئی گالی گلوچ ہو،لڑے یا جھگڑے تو وہ جواب میں کہے کہ میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے! روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے کیونکہ اس نے اپنا یہ حال اللہ کی خاطر کیا ہے روزے دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں ایک

خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اس وقت ہوگی جب روزے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔ (بخاری کتاب الصوم باب ھل یقول انی صائم اذا شتم)

رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ کا طریق تھا کہ آپ اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اور وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی ان دنوں اعتکاف کرتی تھیں۔ (بخاری کتاب الاعتکاف)

رمضان کی آخری طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کا فرمان بھی دیا ہے اور جس کو یہ رات میسر آجائے اس کے لئے آپ نے یہ دعا سکھلائی کہ **اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تحبُّ العفوَ فاعفُ عَنِی**۔ کہ اے میرے رب تو بخشنے والا ہے، بخشش کو پسند کرتا ہے مجھے بخش دے۔ (ترمذی کتاب الدعوات)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات

روزہ کے التزام اور اس کی برکات سے فیض یاب ہونے کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا۔ ''میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں۔ طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں۔ اور اللہ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں''۔ (الحکم جلد 5 مورخہ 24 جنوری 1901 ص 5) مریض اور مسافر کو روزے نہیں رکھنے چاہیئں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

''جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہِ صیام میں روزے رکھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔ خدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیے مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا''۔ (بدر مورخہ 17۔ اکتوبر 1907ئص 7)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

یہاں جو شہر رمضان واسطے صیام کے اللہ تعالیٰ کے کلام میں مخصوص فرمایا گیا اس میں ایک عجیب سِر ہے کہ مہینہ آغاز سنِ ہجری سے نواں مہینہ ہے۔۔۔۔ ظاہر ہے انسان کی تکمیل جسمانی شکم مادر میں نو ماہ میں ہی ہوتی ہے۔ اور عدد نو کا فی نفسہٖ بھی ایک ایسا کامل عدد ہے کہ باقی اعداد اس کے احاد سے مرکب

ہوتے چلے جاتے ہیں۔لاغیر پس اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ انسان کی روحانی تکمیل بھی اس نویں مہینے رمضان میں ہونی چاہئے (خطبات نور ص231)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

روزوں کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اس طرح بھی محفوظ رہتا ہے کہ روزے انسان کے اندر مشقت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کرتے ہیں اور جولوگ ہرقسم کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہوں وہ مشکلات کے آنے پر ہمت نہیں ہارتے بلکہ دلیری سے ان کا مقابلہ کرتے اور کامیاب ہوتے ہیں۔(تفسیر کبیر جلد2 ص376)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ فرماتے ہیں:۔

رمضان کا مہینہ نفسِ امارہ کو کچلنے کیلئے قائم کیا گیا۔یعنی رمضان کے روزے اور اس کی دیگر عبادات اس لئے فرض کی گئی ہیں اور اس میں بجالانے والے نوافل اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ انسان نفس امارہ کے حملوں سے نجات پائے۔اور انسان کا نفس امارہ مرتانہیں ، بدی کی رغبت اسی طرح قائم رہتی ہے انسان کی زبان اور اس کا دل اور اس کے جوارح پاک نہیں ہوتے تو اسے بھوکا رہنے اور پیاسا رہنے سے کیا فائدہ؟۔اگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت انسان کو حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ محبت اور پیار کے ساتھ اس کی طرف ملتفت اور متوجہ نہ ہو۔(خطبات ناصر جلد ا ص977)

اے احمدی اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنادو!

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں گزارے ہوئے اپنے آخری رمضان (1983) میں احباب جماعت کو الٰہی جہاد میں فیصلہ کن معرکے کے لئے رمضان کو فیصلہ کن بنانے کی طرف توجہ دلائی۔آپ نے فرمایا:۔

’’پس اے احمدی اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنادو، اس الٰہی جہاد کے لئے تیار ہوجاؤ۔مگر تمہارے لئے کوئی دنیا کا ہتھیار نہیں ہے۔دنیا کے تیروں کا مقابلہ تم نے دعاؤں کے تیروں سے کرنا ہے۔یہ لڑائی فیصلہ کن ہوگی لیکن گلیوں اور بازاروں میں نہیں ،صحنوں اور میدانوں میں نہیں بلکہ مسجدوں میں یہ فیصلہ ہونے والا ہے۔راتوں کو اٹھ کر اپنی عبادت کے میدانوں کو گرم کرو اور اس زور سے اپنے خدا کے حضور آہ وبکا کرو کہ آسمان پر عرش کے کنگرے بھی ہلنے لگیں۔متیٰ نصر اللہ کا شور بلند کردو۔خدا کے آگے گریہ

زاری کرتے ہوئے اپنے سینوں سے زخم پیش کرو، اپنے چاک گریبان اپنے رب کو دکھاؤ اور کہو کہ اے خدا!

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے میرے پیارے آج
شور محشر ترے کوچے میں مچایا ہم نے

پس اس زور کا شور مچاؤ اور اس قوت کے ساتھ متیٰ نصر اللہ کی آواز بلند کرو کہ آسمان سے فضل اور رحمت کے دروازے کھلنے لگیں اور ہر دروازے سے یہ آواز آئے ۔اَ لاَ اِنَّ نصر اللہ قریبٌ،اَ لاَ اِنَّ نصر اللہ قریب،اَ لاَ اِنَّ نصر اللہ قریب،سنوسنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے اے سننے والو سنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے اور وہ پہنچنے والی ہے(خطبات طاہر جلد 2 ص 349) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز نے فرمایا:۔''رمضان برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں ۔یہ برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہر اس نیکی کو بجالانے کی کوشش کرتے ہیں اور بجالا رہے ہوتے ہیں ۔جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ۔اور ہر اس برائی کو چھوڑ رہے ہوتے ہیں ۔جس کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے لیکن بعض جائز چیزوں کو بھی ایک خاص وقت کے لئے اس لئے چھوڑ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے''۔(خطبہ جمعہ فرمودہ 15۔اکتوبر 2004ء)



رُوحانیت کا موسم بہار۔رمضان المبارک

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

(الف) اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو۔آسمان پر تم اسی وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور قلب سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے لئے پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو'' (کشتی نوح) (ب)''شھر رمضان الّذی انُزل فیہ القران سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔صلوۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی

قلب کرتا ہے۔تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امّارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے۔اور تجلّی قلب سے مُراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔پس اُنزل فیہ القران میں یہی اشارہ ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ روزہ کا اجرِ عظیم ہے‘‘(ملفوظات جلد 4 ص256)

روزہ ایک روحانی عبادت ہے جس سے روح میں قوت پیدا ہوتی ہے۔انسان کے اخلاق میں بہتری، اس کے خیالات میں جلا، اور اس کی قلبی کیفیات میں نور پیدا ہوتا ہے۔روزہ روحانی ورزش کا ایک بہترین طریقہ ہے۔قرآن مجید کا نزول اسی مبارک مہینہ میں ہوا تھا۔اور اس کی بکثرت اور خصوصی تلاوت اس ماہ میں ہوتی ہے۔اس کے برکات سے اہل ایمان بہرہ ور ہوتے ہیں۔رمضان کا مہینہ روحانی رنگ میں موسم بہار کا حکم رکھتا ہے، ایمان کے شگوفے کھلتے ہیں۔پھول اور پھل لگتے ہیں۔دلوں میں سرسبزی و شادابی پیدا ہوتی ہے۔مبارک وہ جو اس مبارک مہینہ کی برکات سے پورے طور پر فائدہ حاصل کریں۔

کشت ایمان کی آبیاری جن قربانیوں سے ہوتی ہے۔قصر دین جن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔خزانہ روحانیت کی حفاظت جن مضبوط پہریداروں سے ہوتی ہے۔ان میں سے ایک زبردست بنیاد اور محکم ذریعہ روزہ ہے۔بعض روحانی امراض کا علاج صرف روزہ ہے۔انجیل میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ مسیحؑ کے شاگرد ایک جن (روحانی بیماری) کو دور نہ کر سکے مسیحؑ نے اسے دور کر دیا۔انہوں نے پوچھا کہ یہ کام ہم کیوں نہ کر سکے؟۔اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا ’’اما ھذا الجنس فلا یخرج الا بصلوٰۃ والصوم‘‘ کہ یہ قسم بیماری نماز اور روزہ کے بغیر دور نہیں کی جا سکتی۔(عربی انجیل متی 17۔21) روزہ ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ انسان محتاج اور فانی ہونے کے باوجود اپنے رب کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے۔وہ ہر دم کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کا محتاج ہے۔لیکن اپنے آقا کے حکم پر ایک مہینہ بھر کے لئے وہ کھانا پینا ترک کر دیتا ہے۔ازدواجی تعلقات سے پرہیز کرتا ہے۔یہ ایک موثر مجاہدہ ہے اس سے انسان کی روح صیقل ہو جاتی ہے۔اور اس کے بدن میں روحانی کرنیں حلول کرتی ہیں۔درحقیقت تمثیلی زبان میں انسان عاشقانہ انداز میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے محبوب آقا کی رضا کے لئے مجھے اپنی جان قربان کرنی بھی منظور ہے۔اور اپنی نسل کو اس راہ میں قربان کرنا بھی گوارہ ہے یہ خاموش اعلان اگر دل کی گہرائیوں سے ہو تو کتنا اثر انگیز اور کس قدر روح پرور ہے۔سچ مچ اس سے کشت ایمان لہلہانے لگتی ہے۔نخل روحانیت باربر ہو جاتی ہے۔اور انسان اپنے آپ کو خدا کی گود میں پاتا ہے۔

ازروئے قرآن

قرآن مجید نے رمضان المبارک کے روزے فرض فرما کر مومنوں پر احسان فرمایا ہے۔ اس نے ان کی خفتہ قوتوں کو بیدار کر دیا ہے۔اور انہیں عام حیوانی سطح سے اٹھا کر فضائے نور و روحانیت میں پہنچا دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لیلۃ القدر کا تعلق رمضان مبارک سے ہے۔اور لیلۃ القدر وہ رات ہے جب قلب مومن خدا کا عرش بن رہا ہوتا ہے اور فرشتے اور جبرائیل اس کے گرد طواف کرتے ہیں۔اور وہ انسان خدا سے شرف ہم کلامی حاصل کرتا ہے ایسی گھڑی کا میسر آنا یقیناً زندگی بھر سے بہتر ہے۔اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا :لَیلَۃُ القَدرِ خَیرٌ مِّن اَلفِ شَھرٍ تَنَزَّلُ المَلَائِکَۃُ وَالرُّوحُ فِیھَا بِاِذنِ رَبِّھِم مِّن کُلِّ اَمرٍ 'اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔اور ہر رمضان المبارک اس کی زندگی کا موسم بہار ہے۔خوش قسمت ہیں وہ جو موسم بہار کے پھلوں اور پھولوں سے اپنے دامنوں کو بھر لیں اور سفر آخرت کے لئے بہتر زاد راہ حاصل کر لیں۔رمضان المبارک چمن روحانیت کے لئے موسم بہار ہے۔اس سے دلوں میں نور اور نیّات وعزائم میں تازگی پیدا ہوتی ہے،مومن کی رگ رگ میں زندگی دوڑ جاتی ہے۔مرجھائے ہوئے پودے ہرے ہو جاتے ہیں۔اور ٹنڈ منڈ درختوں میں پتے،شگوفے، پھول اور پھل نظر آتے ہیں۔خدا تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے۔(سورۃ بقرہ آیت نمبر 184۔186) ترجمہ۔اے مومنو! تمہارے متقی بننے کے لئے ہم نے تم پر اسی طرح چند مقررہ ایام کے روزے فرض کئے ہیں۔جس طرح پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ہاں تم میں سے جو بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں بیماری اور سفر کے دوران چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد پوری کرے۔جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو۔(دائم المریض وغیرہ) وہ ایک مریض کا کھانا بطور فدیہ دے دیں۔جو شخص نیکی کو شوق سے اور بڑھ چڑھ کر کرے گا۔تو یہ اس کے لئے بہت بہتر ہوگا۔ اگر تم سمجھو کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے مفید اور بابرکت ہے۔رمضان المبارک کے مہینے میں اس قرآن مجید کا نزول ہوا۔جو تمام جہانوں کے لئے احکام ہدایت پر مشتمل ہے۔اس میں ہدایت کے بیّنات بھی ہیں۔اور فیصلہ کن محکم دلائل بھی ہیں۔پس جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو، بیمار اور مسافر نہ ہو اُس پر اس کے روزے رکھنا فرض ہے۔ہاں تم میں سے جو بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے

ایام میں تعداد پوری کرے۔اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سہولت چاہتا ہے۔تنگی نہیں چاہتا۔تا تم مقررہ تعداد پوری کرسکو اور اس ہدایت پر جو تمہیں اللہ نے دی ہے اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔تاتم اس کے شکرگزار بندے قرار پاؤ‘‘۔از روئے حدیث۔حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں۔کہ شعبان کے آخری دن سورکونین محمد ﷺ نے خطبہ میں فرمایا؛۔’’کل سے تم پر ایک عظیم القدر مہینہ چڑھ رہا ہے۔یہ بہت برکت والا مہینہ ہے۔اس مہینہ میں ایک ایسی رات آتی ہے۔جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اِس ماہ کے روزے فرض قرار دیئے ہیں۔اس کی راتوں میں تہجد کے لئے اٹھنا بہت بڑی طوعی نیکی ہے۔اس ماہ میں جوکوئی نفلی کام کرتا ہے۔اسے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دوسرے مہینوں میں فرض کے ادا کرنے سے ملتا ہے۔اور فرض کا ثواب تو اس ماہ میں ستر گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔یہ صبر کا مہینہ ہے۔اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔پھر یہ باہمی ہمدردی کا بھی مہینہ ہے۔اس ماہ میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔جو شخص اس مہینہ میں کسی روزے دار کا روزہ افطار کراتا ہے اسے گناہوں سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔اور اس کی گردن آگ سے آزاد کی جاتی ہے۔اور روزہ دار کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کے بغیر روزہ افطار کرانے والے کو بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے‘‘(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 173 کتاب الصوم) اس خطبہ نبوی میں رمضان المبارک کی بہت سی برکات کا ذکر موجود ہے۔اور نبی ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جن پر روزہ فرض ہے۔روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔رمضان المبارک دعاؤں کی خصوصی قبولیت کا مہینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے ذکر میں ہی فرمایا ہے۔اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کہ میں دعا کرنے والوں کی دعاوں کو خاص طور پر سنتا ہوں۔لیلۃ القدر رمضان المبارک کا خاص موقع ہے۔جبکہ انوار و برکات سماویہ کا خاص نزول ہوتا ہے اور دلوں پر رحمتوں کی غیر معمولی بارش ہوتی ہے۔رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی عبادت بھی ایک خاص عبادت ہے۔جبکہ مومن دس دن کے لئے خدا کے گھر میں دھونی رما کر بیٹھ جاتے ہیں اور روز و شب مسجد میں ہی عبادت اور ذکر میں بسر کرتے ہیں۔روزہ اپنی ذات میں ہی ایک پُرکیف روحانی عبادت ہے۔اس پر رمضان المبارک کے روزوں کی غیر معمولی برکات تو نور علیٰ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ان برکات سے حصہ کامل حاصل کریں۔

روزہ کے 20 بیس فوائد

1۔تقوی جیسی نعمت عظمی حاصل ہوتی ہے۔2۔اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔3۔امراض روحانی دور ہوتی ہیں۔جیسے گرسنگی سے جسمانی امراض دور ہوتے ہیں۔4۔مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔5۔عفت و پاک دامنی حاصل ہوتی ہے۔6۔اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوتا ہے۔7۔تہجد ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔8۔نوافل پڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔9۔علوم قرآنی کا انکشاف ہوتا ہے۔10۔ترک اکل وشرب سے ملائکہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔11۔عقل انسانی کو نفس امارہ پر تسلط وغلبہ تامہ ہوتا ہے۔12۔قوت ارادی بڑھتی ہے۔13۔تہجد ونوافل پر مداومت حاصل ہوتی ہے14۔صبح سویرے اٹھنے سے طبیعت میں بشاشت پیدا ہوتی ہے۔15۔کھانا کھانے کے اوقات میں باقاعدگی سے صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔16۔غرباء کی تکلیف کا احساس پیدا ہوکر ان سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔17۔ترک لغویات کی توفیق ملتی ہے۔18۔قبولیت دعا کے نظاروں سے زندہ ایمان حاصل ہوتا ہے۔19۔تعمیل ارشاد الٰہی سے سرور وانبساط پیدا ہوتا ہے۔20۔جنت کا قرب اور اس میں نمایاں اور خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔



عیدالفطر کے متعلق چند احادیث

(1)**عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ لا یغدو یوم الفطر حتٰی یاکل تمرات و یاکلھن وتراً** (بخاری) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔کہ حضرت رسول اکرم ﷺ عیدالفطر کے دن گھر سے کچھ کھجوریں کھا کر عید کے لئے جایا کرتے تھے۔اور حضور ﷺ طاق تعداد میں کھجوریں تناول فرماتے تھے۔وضاحت۔مسنون طریق یہ ہے کہ عیدالفطر کو جانے سے پہلے کچھ کھانا چاہیے۔

(2) **عن جابر قال کان النبی ﷺ اذا کان یوم عید خالف الطریق۔** (بخاری) حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں۔کہ رسول مقبول ﷺ عید کے دن عیدگاہ کو جانے کے لئے اور واپسی کے لئے علیحدہ علیحدہ اختیار فرماتے تھے۔

وضاحت۔مسنون طریق یہ ہے کہ عید کو جاتے اور آتے ہوئے امکان بھر راستہ تبدیل کیا جائے۔درحقیقت یہ عمل میں بہتر تبدیل پیدا کرنے کے لئے اشارہ ہے۔

(3)عن ابن عباس انّ النبی ﷺ یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھم (بخاری ومسلم) حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ عیدالفطر کے روز آنحضرت ﷺ نے دو رکعات نماز عید ادا فرمائی۔ان دو رکعتوں سے پہلے یا پیچھے حضور ﷺ نے اور کچھ نہیں پڑھا۔وضاحت۔عید کے مقام پر اس دن سوائے دو رکعت نماز عید کے کوئی نوافل نہیں پڑھے جاتے۔

(4)عن جابر بن سمرۃ قال صلّیتُ مع رسول اللہ ﷺ العیدین غیر مرّۃ ولا مرّتین بغیر اذان ولا اقامۃ (مسلم) حضرت جابرؓ بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک یا دو مرتبہ نہیں بلکہ بارہا آنحضرت ﷺ کے ساتھ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ پڑھی ہیں۔مگر ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔وضاحت۔عید کی نماز کے لئے اذان یا اقامت نہیں کہی جاتی۔

(5)عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ و ابو بکر و عمر یصلّون العیدین قبل الخطب (البخاری ومسلم) حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔کہ حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہمیشہ عید کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔وضاحت۔خطبہ عید کا نماز عید کے بعد ہونا مسنون ہے۔جمعہ کی طرح نہیں کہ خطبہ پہلے اور نماز جمعہ بعد میں۔

(6)عن کثیر بن عبداللہ عن ابیہ ان جدّہٖ ان النبی ﷺ کبر فی العیدین فی الاولی سبعاً وفی الاُخرۃ خمساً قبل القراُ (الترمذی) حضرت کثیرؓ بن عبداللہؓ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ دونوں عیدوں کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں کہتے تھے۔اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔وضاحت۔یہ تکبیریں عیدین کے موقع پر خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے اظہار کے لئے مقرر ہیں۔

(7)عن ابی ھریرۃ انہ اصابھم مطر فی یوم عید فصلی بھم النبی ﷺ صلوٰۃ العید فیالمسج (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش تھی تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو مسجد میں عید پڑھائی۔

وضاحت۔عام حالات میں کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے۔ضرورت کے لئے مسجد میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔



پیغامِ اجتماعیت (حج سرزمینِ مقدّس ہمیں کیا درس دیتا ہے)



آج سمندِ تصّور باگیں تڑواتڑوا کر عرب کی اس سر زمین کی طرف پرَواز کناں ہے جہاں آفاق و اَطرافِ اَرضی سے لکھوکھہا عُشّاق جمع ہو کر احرام پہنے ہوئے زبانِ حال سے بارگاہِ ایزدی میں اقرار کر رہے ہیں کہ اے ہمارے خدا! ہم تیرے حُکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آج حاضر ہیں۔اس مقام پر جہاں اَبوالانبیاء نے دنیا کی بے نظیر قربانی پیش کی تھی۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تیرے حکم کے سامنے یوں اطاعت کی کہ وہ اطاعت گزاری کی ایک مثال بن گئی۔ جہاں خلیل اللہ نے اپنی بیوی اور بچے کو تیرے نام پر قربان کر دیا تھا۔آج مشرق وغرب۔شمال وجنوب کے لاکھوں کلمہ گو یہ شہادت دے رہے ہیں۔ اوراس مرئی حقیقت کو دیکھ کر اپنے دلوں یقین سے لبریز کررہے ہیں۔کہ خدا کی راہ میں جو قربانی کی جائے وہ کبھی ضائع نہیں جاتی۔اوروہ قربانی جس میں عقل نہیں بلکہ عشق اور جنون کا جذبہ کارفرما ہووہ ایسا شجرہ بن جاتی ہے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور ٹہنیاں آسمان کو چھوتی ہیں۔وہ سر زمینِ عرب جس کا بنجر پن اپنی نظیر نہیں رکھتا جس میں روئیدگی قوت ناپید تھی۔وہ تپتی ہوئی ریت کا خطہ۔وہ جھلستی خشک پہاڑیوں کا قطعہ ءارض،وہ ویرانوں اور بگولوں اور اُداسیوں کا علاقہ،آج یقیناً اپنے سینے میں مسّرت وتفاخر کے جذبات لئے ایک ناقابلِ بیان حجت لئے جھوم رہا ہوگا۔یہ دیکھ کر ہزاروں سال قبل حضرت ابراہیمؑ نے اس میں اپنے جذبات کا جوخون بہایا تھا آخر وہ رنگ لا کر رہا۔اے مقدس سرزمینِ عرب! خوشی سے جھوم کہ تجھے جھومنے کا حق حاصل ہے تو نے پندرہ صدی قبل جس دُرِّ یتیم کو جنم دیا تھا اُس نے تجھے اتنی برکت دی ہے کہ آج دنیا کے کروڑوں مسلمان صبح ومَسا تیری عظیم تر مرکزیت کا تصور باندھ کر اپنے رَبِ العرش کے حضور سجدہ کناں ہوتے ہیں۔اور آج ۔۔۔ دیکھ لکھوکھہا عشاق کس وارفتگی،کس اُفتادگی،اورکس والہانہ پن اور کس اندازِ خودسپردگی کے ساتھ تیری سطح زمین پر اُن نقوشِ پا کو تلاش کررہے ہیں جہاں دنیا کی مُصلح اعظم کا گزر ہوا تھا۔جہاں رُسول اللہ نے اپنی زندگی کے 53 سال گزارے تھے جہاں مظلومیت نے اپنی معراج پائی۔اور پھر جہاں

اللہ تعالیٰ نے اپنی ہیبت و جبروت کی جلالی شان بھی فتح مکہ کی صورت میں دکھائی۔ مگر جلالی شان زمین پر نازل ہوتی ہوئی چاند کی کرنوں سے بھی ٹھنڈی ہو کر لَا تَثۡرِيبَ عَلَيۡكُمُ ٱلۡيَوۡمَ (یوسف 93) کی عفو بھری صداؤں میں تبدیل ہو گئی۔ اے مکہ کی مقدس سرزمین! دیکھ! کہ لاکھوں غلامانِ محمدؐ تیرے ان مقامات کی زیارت کرنے آئے ہیں جنہوں نے اپنی عظمتوں کے ساتھ تاریخِ اسلام کے اوراق کو زینت بخشی ہے۔ وہ مقامات جہاں بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر ننگے جسم لٹایا جاتا تھا، جہاں غریب اور مفلوک الحال صحابہؓ کو گرم پتھروں پر سے گھسیٹا جاتا تھا۔ جہاں حق و باطل کے بے شمار معرکے ہوئے۔ جہاں حُسنِ ازل نے عشق کو گرمیاں بخشیں جہاں کی ریت اور پتھر صحابہؓ کے خون پی پی کر سیراب ہوئے۔۔۔۔ دیکھ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ، وزراء، سردار، اور کجکلاہ تیرے انہی مقاماتِ مقدسہ پر سرِ نیاز جھکا کر احترام و عقیدت کے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔ اے غارِ حرا! دیکھ کہ کس عالمِ بے خودی میں باچشمِ پُرنم لکھوکھہا مخلوقِ خدا تیری عظمتوں کا اعتراف کرنے کے لئے پہاڑی پر چڑھ رہی ہے۔ وہ دیکھنا چاہتی ہے اس روح افزا کیفیت کو جو تجھ پر اِقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِي خَلَقَ کے نزول کی ساعتوں میں وارد ہوئی تھی وہ تیرے اندر اُن انوار و لمحاتِ نبویؐ کی تلاش کرنا چاہتی ہے جو محمدِ عربی کی صحبت نے قیامت تک کے لئے تیرے ذرّے ذرّے میں سمو دئے تھے۔ اے صفا و مروہ کے نشیب اور فراز و! لکھوکھہا لوگ اپنی سماعت کو رویت میں بدلنا چاہتے ہیں۔ وہ تمہاری زیارت کے لئے کروڑوں روپیہ کے صرفِ کثیر سے آئے ہیں۔ تم سے درسِ حرکت و عمل وسعی لینے کے لئے کہ کس طرح انسان کی تینوں اصناف مرد، عورت، اور بچہ (حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہ، حضرت اسمٰعیلؑ) حکمِ خدا بندی کے سامنے اپنی گردنیں خم کر کے رحمتِ خداوندی کو جذب کرتی ہیں اور عزتِ دوام پاتی ہیں۔ اور اے مدینہ منورہ کی خوش بخت اور محترم زمین! دیکھ لکھوکھہا خدامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عُشاقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبوب کی آخری آرام گاہ کی طرف آنسو بہاتے ہوئے بڑھ رہے ہیں وہ تیرے ماحول میں رُسول اللہؐ کی خوشبوئیں سونگھ کر اپنے مشامِ جاں کو معطر کر رہے ہیں ان کے تصوراتِ عشق و محبت روضہ اقدس کی جالی کے اندر خوابیدہ نور سے منور و معمور ہو رہے ہیں۔ کتنے خوش نصیب اور بخت رسا ہیں وہ لوگ، اے مقدس سرزمینِ عرب! جو آج تیرے وسیع تر علاقوں میں پھیلے ہوئے زیارت سے مُشرف ہو رہے ہیں کتنی قابلِ رشک ہیں وہ ہستیاں جو آج اسلام کے ایک اہم رکن کی بجا آوری میں مصروف ہو

نگی ۔لبیك اللھم لبیك کی عاشقانہ اور فرمانبردار صداؤں سے تیرے کوہ و دمن گونج رہے ہونگے ۔
اے مرجع عالمیاں! تیرے تقدس کے قربان اور تیری علویت کے صدقے، آج دیکھ کہ کالی، گوری، زرد، اور سُرخ اقوام کس طرح جیتے جی کفنائی ہوئی اللہ تعالیٰ کے لئے فنائیت اختیار کر کے تیرے گلی کوچوں میں برکت حاصل کر رہی ہیں ۔آج کے دن سب نے ملک وقوم، رنگ ونسل، اور زبان و بیان کے فرق کو مٹا دیا ہے آج کوئی یورپین، ایشین، افریقن نہیں رہا، آج کسی کو کسی نوع کی برتری اور تفوّق حاصل نہیں ہے آج وہ سب ایک ہیں اور یک جان و یک زبان ہیں ۔

اے عظیم تر مرکزِ اجتماعیت! اللہ آج ان لکھوکھہا اسلامیانِ عالم کے قلوب کو جھنجھوڑ کر اُن کے احساس یکرنگی کو بیدار کر دے، اللہ ان کو جہاں حج کی توفیق نصیب ہوئی ہے ۔اُن کے سینوں کو چاک کر کے اُن میں روحِ حج بھی بھر دے، انہیں بتا دے کہ یہ کوئی رسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک نشانِ اجتماعیت ہے اور ایک تکمیلِ اجتماعیت ہے جو تمہارے نماز، روزہ، کلمہ اور زکوٰۃ کی اجتماعیت کی آخری اور مکمل کڑی ہے ۔

تم یہاں صرف رسوم کی ادائیگی کے لئے نہیں آئے تم یہاں اینٹوں، پتھروں اور پہاڑیوں کو دیکھنے کے لئے نہیں آئے بلکہ تم اس لئے آئے ہو کہ تم بچشمِ خود اسلامی اجتماعیت کا نظارہ دیکھ کر اپنے لئے حیاتِ ابدی کے سامان مہیا کرو ۔تم خدائے واحد کے پرستار ہو ۔تم ایک ہی رُسولؐ کے کلمہ گو ہو ۔تم ایک ہی مرکز کے تابع ہو، تم سب کا نصب العین ایک ہی ہے اور وہ دنیا میں توحید کا قیام اور امن وسلامتی کی تبلیغ ہے ۔اے خوش بخت گروہِ حجاج! تم نے مشرق ومغرب کا سنگم دیکھا ہے تم نے شمال وجنوب کا نقطہء مرکزی دیکھا ہے ۔تم نے عالمِ اسلام کا مرکزِ اجتماعیت دیکھا ہے اور تم نے وہ مقدس ترین مقام دیکھا ہے جو اپنے اندر ایک اجتماعیت رکھتا ہے کیا تم نے اپنے روحانی کانوں کو کھول کر اس پیغام کو سنا ہے ۔کیا تم نے رُوحِ حج کو اپنے دلوں میں بسایا ہے ۔؟لبیك اللھم لبیك لبیك اللھم لبیك کے ورد کو اپنے دمِ واپسیں تک اپنے رُوح کی گہرائیوں میں اُتار لیا ہے ۔اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے لبیك اللھم لبیك کہتے ہوئے زندگی بھر اپنا سرِ تسلیم خم کرتے رہو گے ۔؟ اگر ایسا ہے اور خدا کرے ایسا ہی ہو تو ہم رشک بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتے ہوئے خلوصِ دل کے ساتھ آپ کی خدمت میں مبارک باد عرض کرتے ہیں اور آپ میں سے جو افراد یہ نظریہ نہیں لے کر گئے تھے اور یہ پیغام سُن کر واپس نہیں آئے، اُن کے ضیاعِ مال کے لئے ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں ۔



خلافت اور اُس کی برکات

خلافت۔ عالمِ اسلام کی مشکلات کا حل

یوں تو ایک طویل عرصے سے عالمِ اسلام ایسی ہی المناک کیفیات سے دوچار ہے لیکن آج اِن کیفیات میں بے پناہ شدت کے باعث یاسیّت اور دل شکستگی نے اُفقِ مشرق سے لے کر اُفقِ مغرب تک اہلِ اسلام کے ہر ملک، ہر قریہ، اور ہر بستی میں گویا خیمے گاڑ رکھے ہیں۔ کونسا دل ہے جو سوگوار نہیں کونسی آنکھ اشکبار نہیں اور کونسا دماغ ہے جو حزن و ملال کی آماجگاہ نہیں۔ نگاہیں دبیز تاریکیوں سے ٹکرا کر پلٹ کر آتی ہیں۔ لیکن روشنی کی کرن کا سراغ نہیں ملتا تصورات کے آبگینے نامساعدت کی بادِ صرصر کے ہاتھوں ٹوٹ ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور تصور کی سکرین پر دُھندلاہٹیں چھا جاتی ہیں۔ پھر یہ بات تو نہیں کہ سارے عالمِ اسلام میں کوئی درد مند دل نہیں ہیں۔ اور بے شمار ہیں کہیں ملکی پیمانہ پر انجمنیں بنتی ہیں بڑے بڑے خوش آئند پروگرام مرتب ہوتے ہیں۔ بڑی زوردار اسکیموں کے ایجنڈے بنتے ہیں اور ابتداً یہ خوش فہمی ہونے لگتی ہے کہ یہ انجمن کچھ کر گزرے گی لیکن ابھی ہماری وہ خوش فہمی جوان ہوتی ہے کہ خبر آجاتی ہے کہ انجمن ٹوٹ گئی۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

اور ہم اپنی خوش فہمی کی جوانمرگی کا ماتم کرنے لگتے ہیں۔ مؤتمر عالمِ اِسلامی تشکیل پاتا ہے اور اُمنگوں میں کس قدر تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور چندروز اس حسین تخیل میں گزرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس بے دلی اور حسرت کا کوئی مداوا ہو جائے لیکن یہ خواب بھی چندروز بعد ہی بے تعبیر رہ جاتا ہے۔ اور ہماری اُمیدوں کے شیش محل یاسیت کی سنگباری سے یکدم زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا اس انجمن کے خالق واقعی کچھ خود غرض لوگ تھے۔

من از یں بیش نہ دانم کہ کفن دُزدے چند
بہرِ تقسیم قُبور انجمنے ساختہ اند

اور پھر یہ امر بھی تو قابلِ لحاظ ہے کہ آخر قدرت کی طرف سے ہماری ہر تدبیر ہمارے منہ پر کیوں ماردی جاتی ہے۔ اور ہماری مساعی کو کامیابی کا منہ دیکھنا کیوں نصیب نہیں ہوتا۔ نیک نامی ہماری کوششوں سے گریز پا کیوں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم مرض کی تشخیص صحیح نہ کر پائے ہوں۔ یا

صحت یاب ہونے کی خواہش ہی ہمارے اندر مفقود ہو۔! آیئے ہم اپنی مرض کی تشخیص کریں۔ اوراس تشخیص کے لئے قرآن کریم کو اپنا راہنما بنائیں۔اور پھراس کے علاج کے لئے ان احکام و ہدایات پر صدقِ دل سے عمل کریں جو قرآن پاک اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمارے لئے مقرر فرمائے ہیں۔اس مسلمہ حقیقت سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی عبادات فرض قرار دی ہیں اُن سب میں اجتماعیت کا سبق دیا گیا ہے۔وہ نماز ہو یا روزہ، زکوٰۃ ہو یا حج۔ان سب عبادات کے ارکان و ترتیب میں انفرادیت کو قطعاً نا قابلِ لحاظ قرار دیا گیا ہے۔اور سارا زور اجتماعیت پر دیا گیا ہے۔اور اپنی انفرادیت کو اجتماعیت کے بے کراں سمندر میں ضم کر دینے کی تاکید کی گئی ہے یا یوں سمجھئے کہ اسلام کے نزدیک فرد کی وقعت اسی صُورت میں ہے کہ وہ اپنی ذات کو قوم کا ایک جزوِ لاینفك بنادے۔علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں!
مَوج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

یعنی موج ایک بے حقیقت شے ہے۔جب تک کہ وہ دریا سے جدا ہے اور جب دریا کی وسعت میں اپنی انفرادیت کو گُم کر دے تو قوت کے اس منبع سے مل کر خود بھی طاقتور ہو جاتی ہے۔اب نماز ہی کو لیجیئے !اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَارْكَعُوامَعِ الرَّا كِعِينَ یعنی تم میرے حضور اپنی عبودیت کا نذرانہ لے کر حاضر ہو تو تمہارے اندر اجتماعیت اور یکسانیت ہونی چاہیے۔تمہاری جبیں ہائے نیاز یکبارگی میرے حضور یوں جُھک جائیں کہ ایک دوسرے سرے تک تمہاری انفرادیّتیں ایک نظم وضبط اور ربط کے ساتھ اجتماعیت کے مقصدِ اعلیٰ کے لئے فنا ہو چکی ہوں۔پھر بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ایک نمازی اکیلے نماز پڑھنے اور اپنے خالقِ حقیقی کے حضور عرض و نیاز کرنے میں لذت پاتا ہے۔اور تخلیہ و تنہائی میں اپنے او پر سوز و گداز اور رقت کی کیفیت پیدا کرنے میں ایک کیف پاتا ہے لیکن اسلام کا حکم ہے کہ سُنن اور نوافل کی حد تک تو یہ جائز ہے لیکن جب تم فرض نماز ادا کرنا چاہو تو مسجد میں جاؤ۔حضرت رُسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ لا صَلوٰۃ اِلا با لجماعۃ۔تمہاری فرض نماز با جماعت کے بغیر جائز ہی نہیں۔اور اسطرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں روزانہ پانچ وقت ''جماعت'' بن جانے کا حکم دیا ہے۔اور پھر یہ امر تو بالکل واضح ہے کہ جماعت امام کے بغیر نہیں ہوسکتی۔اور جب ہم روزانہ پانچوں وقت ایک امام

کے پیچھے صف بندی کر کے اپنے اوپر اطاعت وارد کرتے ہیں تو ہم زبانِ حال سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنی انفرادیت کو اجتماعیت میں ضم کرنے کو تیار ہیں۔مگر افسوس! کہ روزانہ پانچ وقت کا یاد کیا ہوا سبق اہلِ اسلام کئی صدیوں سے بھُول چُکے ہیں۔ اور بھولتے ہی آ رہے ہیں۔ حضرت رُسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ، تاریخ بڑے واضح رنگ میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہدِ سعید میں مسلمان اپنی قلّتِ تعداد کے باوجود نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے رہے لیکن جب بدقسمتی سے اجتماعیتِ اسلامی کا یہ سب سے بڑا سبق مسلمانوں نے فراموش کر دیا اور خلافت کی نعمت کو ترک کر کے مسلمان سلطانی کی ظاہری چمک دمک میں کھو کر رہ گئے اور ادبار و تنزّل کو ان کے گھروں کا راستہ مل گیا۔پس اہلِ اسلام کی مشکلات کا حل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو خلافت کا روحانی نظام قائم فرمایا تھا یا دوسرے الفاظ میں اس بابرکت اجتماعیت کے ذریعہ سے ان کی انفرادیت کے تمام دکھوں کا مداوا کیا تھا۔وہ اس سے اپنی ہی غلطیوں کے باعث محروم ہو گئے۔اور اس محرومی نے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔اور ہم حسرت بھری نگاہوں سے اپنے اس دورِ انحطاط کو دیکھ رہے ہیں اور بحالاتِ ظاہر یوں نظر آتا ہے کہ اس سے زیادہ پستی شاید آج تک کسی قوم کے حصے میں نہیں آئی۔ایک خوف ہے کہ جو ہر مسلمان کے دل پہ طاری ہے،ایک مایوسی ہے جو ہر اہلِ قبلہ کی رَگ رَگ میں پیوست ہوا جا رہا ہے لیکن سب سے بڑی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود عالمِ اسلام کی نگاہیں آسمان کی طرف نہیں اُٹھتیں۔اور مسلمانانِ عالم دنیوی اور مادی سہاروں کی تلاش میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔اور کاسہءِ گدائی لے کر کُفر اور بے دینی کے آستانوں پر جبیں سائی کرتے پھرتے ہیں۔اور اپنے لئے مزید ذلّت کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔العیاذ اللہ۔ حالانکہ آج سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے قادر و توانا خدا کے دروازے پر جُھک کر اسی سے اس جان لیوا مرض کا علاج دریافت کریں۔ اور تمام جھوٹے اور فانی وجودوں کے دروازے چھوڑ کر ہم معبودِ حقیقی اور حّی و قیّوم خدا سے دریافت کریں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا! اے اہلِ اسلام کے خدا! اے ساری دنیا کے خالق و مالک ہمارے اس دکھ کا علاج کیا ہے۔؟ ہمارے اس بے پناہ خوف کے ازالہ کی آسمانی تدبیر کر۔؟ اگر ہم واقعی ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ آسمان کی بلندیوں سے فرمائے گا کہ اے میرے راہِ راست سے بھٹکے ہوئے بندو! میں تو آج سے پندرہ سو سال پہلے تمہیں تیر

بہدف نُسخہ بتا چکا ہوں تم اگر اس کی توفیق پاؤ تو آج بھی اس نسخے کو استعمال کر کے دیکھ لو تمہارے تمام مصائب آناً فاناً دور ہو جائیں گے تم ذرا قرآن پاک کی سورہ نور میں اسے پڑھو:۔(سورہ نور رکوع 12 آیت نمبر 56) تم غور سے اور دل و دماغ کی کھڑکیاں کھول کر اس نسخے کو پڑھو اور اس کے تمام اجزاء کی ترکیب سے ایک مرّکب تیار کرو اور پھر اُسے میرے بتائے ہوئے طریق پر استعمال کرو۔ مجھے اپنی کبریائی کی قسم! تم ضرور شفایاب ہوگے۔آمین



خلافت کی اہمیت، مقام، ضرورت

کائنات کے چھوٹے سے ذرہ ایٹم کو لیجئے یا بڑے سے بڑے کسی اور جسم کو، جس کا بھی سینہ چاک کریں وہاں ایک دھڑکتا ہوا دل، آپ ایک مرکز پائیں گے۔ جو اس ذرہ یا اس جسم کی ہر حرکت کا محور ہوگا۔ اسی طرح عالم صغیر ہو یا عالم کبیر، ہر ایک عالم میں قدرت کا یہی قانون کارفرما نظر آتا ہے۔ عالم صغیر یعنی انسان کے تمام اعضاء، اعصاب اور رگ وریشے اس کے دل کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے ہیں۔تو عالم کبیر میں موجود تمام سیارے اور ستارے بھی اپنا ایک مرکز رکھتے ہیں۔ یہ کچھ سیارے ملکر ایک نظام بناتے ہیں۔جن کا مرکز ایک سورج ہوتا ہے۔اور اس قسم کے چند نظام مل کر ایک گلیکسی بناتے ہیں۔اور کائنات میں موجود اس قسم کی بے شمار گلیکسیز ہیں۔ جو ایک بڑا مرکز رکھتی ہیں۔اور اپنے اپنے محور پر حرکت کر رہی ہے۔کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی گلیکسی تک میں یہ جو وحدت ہے یہ جہاں ہمیں توحید کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ وہاں اس میں بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے ایک شاندار سبق پنہاں ہے۔ کہ دنیا کا کوئی بھی نظام، کوئی بھی کاروبار مرکزیت کے بغیر نامکمل ہے۔معاشرہ میں مل جل کر رہنے کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔جس میں ایک ایسا مرکز ہونا چاہیے جسے ہر فرد اپنے اوپر مسلط کرے۔اس پر نوع انسانی کے نظام کی کامیابی کا مدار ہوگا۔اس پر اس کی ترقی کا انحصار ہوگا۔ جہاں تک انسانی معاشرہ میں نظام کا تعلق ہے، یہ دنیا کے ہر خطہ، ہر ملک اور ہر قبیلہ میں موجود ہے۔اور اس کا ہر جگہ ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے۔ کہ یہ واقعی فطرت کی آواز ہے۔لیکن ان نظاموں میں آئے دن پیدا ہونے والی گڑبڑ اور تبدیلیاں، برپا ہونے والے انقلابات، رونما ہونے والے فسادات کی وجہ سے اس بات پر یقین آجاتا ہے کہ یہ حقیقی نظام نہیں ہیں۔ان میں مرکزیت کی وہ فطری روح نہیں

جو خدا تعالی کے منشاء کے مطابق ہے۔خدا تعالی چاہتا ہے کہ بنی نوع انسان پرسکون زندگی بسر کریں، پورے اطمینان کے ساتھ اس دنیا میں رہیں۔اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر جب ہم ساری دنیا میں مختلف نظاموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس سوال کا جواب صرف قرآن کریم میں ملتا ہے۔جس میں اللہ تعالی فرماتا ہے۔(سورۃ نور آیت 56 ترجمہ)۔اللہ نے مومنوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنادے گا۔جس طرح اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنادیا تھا اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اسے مضبوطی سے قائم کردے گا اور ان کی خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت تبدیل کردے گا وہ میری عبادت کریں گے کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے۔اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے جس نظام کا ذکر فرمایا ہے وہ آسمانی نظام ہے۔جس کا سربراہ خود اللہ تعالی مقرر فرماتا ہے۔اور جس کا آئین ایک ابدی اور کامل کتاب قرآن کی شکل میں نازل فرمادیا ہے۔جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔یہ نظام نظام خلافت کہلاتا ہے۔جو خدا تعالی کے معمور اور اس کے مرسل نبی کی وفات کے بعد خدا تعالی کی طرف سے قائم کیا جاتا ہے۔اور اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک لوگ اس نظام کی شرائط کو پورا کرتے رہیں۔

خلافت کیا ہے

لغت کی رو سے خلافت کے معنی نیابت اور جانشینی کے ہوتے ہیں۔اور اصلاحاً اس سے مراد نبی کا جانشین ہوتا ہے۔علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو کسی جانے والے کی جگہ پر کھڑا ہو اور اس کے جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کردے۔علامہ بیضاوی نے لفظ خلیفہ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔یعنی خلیفہ کسی دوسرے شخص کے بعد ہوتا ہے اور اس کی قائم مقامی کرتا ہے اور اس میں جو ھا ہے وہ مبالغہ کے لئے ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں۔خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔جو تجدید دین کرے۔نبیوں کے زمانے کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں انہیں خلیفہ کہتے ہیں (ملفوظات جلد 4 صفحہ 383) پس خلافت نبوت کی جانشینی ہے۔اور خلیفہ نبی کے شروع کئے ہوئے عظیم الشان مشن کو خدا تعالی سے راہنمائی حاصل کر کے، نبی کی نشان کردہ راہوں پر چلتے ہوئے آگے سے آگے بڑھاتا ہے اور نہ صرف اس کے تشنہ تکمیل منصوبوں اور سکیموں کو تکمیل تک پہنچاتا ہے بلکہ اس کی بعثت کی

غرض کو پورا کرنے کی خاطر وہ نئے نئے پروگراموں اور منصوبوں کی بنا بھی ڈالتا ہے۔ اور اس طرح سے تجدید کرتا ہے۔ اور وہ اپنے فرائض کو بڑی شدت اور جوش وخروش اور تیزی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ خلیفہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ ہے خلافت حقہ کا تصور جو خدا تعالی کی طرف سے قائم ہوتا ہے۔ جو دنیا کے ہر نظام سے ہر پہلو میں کہیں بہتر اور موثر ہے۔

عالم اسلام کا اتحاد اور خلافت

خلافت کی اہمیت پر کئی پہلوؤں سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ ایک بنیادی نکتہ خلافت یا مرکزیت اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس مذکورہ بالا امر کی تصدیق اس حقیقت سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ آج خلافت کے جھنڈے تلے نہ ہونے کی وجہ سے پوری دنیا بے چینی اور انتشار کا شکار ہے۔ باقی دنیا تو ایک طرف عام اسلام بھی، (جس کے پاس قرآن کریم جیسا پاکیزہ اور مکمل عظیم الشان ضابطہ حیات موجود ہے۔) اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ اس صورت حال کی حقیقی وجہ یہی ہے۔ کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور اس کہ ہر بات پر عمل کرنا ہر مکتب فکر لوگوں پر لازمی امر ہو۔ اگر آج بھی عالم اسلام اس نظام پر متفق ہو جائے تو مسلم دنیا آج بھی دنیا کی بڑی طاقت بن سکتی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام کی ترقی، اس کا اتحاد، اس نظام خلافت کے بغیر ناممکن ہے۔ مشہور عالم الطنطاوی الجوہری نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے آپ اس آیت استخلاف کو درج کرنے کے بعد رقمطراز ہیں ترجمہ۔ یعنی اس آیت کا ہم نے اس کتاب میں دوبارہ ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا طریق بیان کرنے کے بعد ہم نے پھر اس آیت کو دہرایا ہے کیونکہ اس طریق کا علم ہمیں کتاب عزیز سے ہوتا ہے اور اسکے بغیر مسلمانوں کی کامیابی کا کوئی طریق نہیں، نہ ہی انہیں زمین میں خوشحالی اور طاقت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی حکومت میسر آسکتی ہے اور نہ ہی اس کا خوف امن میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ مگر صرف اور صرف اس (خلافت) کے ذریعہ۔ گویا آج جس شخص نے بھی حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہونا ہے، اور جسے بھی حقیقی سکون اور سکون اور راحت سے زندگی بسر کرنے کی تلاش ہے، اور جسے بھی اپنی روحانی اور مادی ترقی کی فکر ہے۔ اسے خلافت کا جھنڈا تلاش کر کے اس کے نیچے جمع ہونا ہوگا۔ اس کے مرکز سے زندہ تعلق قائم کر کے، اس کی طرف سے جاری ہونے والی ہدایات کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل اور ضابطہ حیات مرتب کرنا ہوگا اور جو شخص اس کے مطابق عمل کرے گا اس کی کامیابی یقینی ہے۔ (القران والعلوم العصریہ)



خلافت نبوت کا تتمہ ہے

خلافت کی اہمیت ایک ناگزیر ضرورت بن کر اس وقت سامنے آتی ہے جب ہم نبی اور اس کے مشن کو دیکھتے ہیں۔ خدا تعالی اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے نبی بھیجتا ہے۔ مگر ان کے ذمہ صرف تخم ریزی کا ہی کام ہوتا ہے۔ ان کے ہاتھوں تو ان کے مشن کی صرف ابتدا ہی ہوتی ہے اس کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور ان کے جانے کے بعد خلافت نبوت کا تتمہ اور حصہ بن کر وجود میں آتی ہے۔ یہ خدا کی قدیم سنت ہے جیسے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ؛ ما کانت النبوہ قط الا تبعتھا خلافۃ (کنز الاعمال جلد 6 صفحہ 119) کہ ہر نبوت کے بعد خلافت لازمی طور پر قائم ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض نبوت کے بعد خلافت کا سلسلہ نہ ہو تو اس سے خدا تعالی پر حرف آتا ہے کہ اس نے دنیا میں ایک منصوبہ جاری فرمایا مگر ابھی وہ تشنہ تکمیل ہی تھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے ہی ملیا میٹ کر دیا۔ گویا کہ وہ ایک بلبلہ تھا جو سمندر کی سطح پر جاری ہوا اور پھر چند ثانیے بعد وہ ہمیشہ کے لئے پانی کی مہیب لہروں میں غائب ہو گیا۔ پس خدا تعالی کی شان اسی میں ہے۔ کہ نبی کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کا سلسلہ بھی قائم ہو، جو اس کے جاری کردہ مشن کو کامیاب کرنے میں کوشاں ہو جائے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ علیہ احمدیہ اس نقطہ نظر سے نظام خلافت کے قیام کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خدا تعالی کا کلام مجھے فرماتا ہے۔ وہ اس سلسلہ کو پوری ترقی دیگا کچھ میرے ہاتھ سے کچھ میرے بعد۔ یہ خدا تعالی کی سنت ہے اور جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور انکو غلبہ دیتا ہے۔ اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کی تخم ریزی ان کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے وقت میں ان کی وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناکام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں (الوصیت) پس خلافت کے قیام کی ضرورت اور اس کی اہمیت جہاں مادی قانون قدرت سے ثابت ہے وہاں اللہ تعالی کے روحانی نظام کا بھی یہی تقاضہ ہے اور اس کی سنت بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ نبوت کے بعد خلافت کا نظام بہرحال قائم ہونا چاہیے۔ کہ ساری دنیا کے مسائل کا حل اسی نظام میں ہے۔

خلافت کا مقام

خلافت کی اہمیت کا ایک پہلو خلیفہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ خلافت ایک نعمت ربانی ہے۔ اس کو خلافت رحمت بھی کہتے ہیں۔ اس منصب پر فائز ہونے والا مبارک وجود۔

حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے الفاظ میں سایہ رب العالمین ہمسایہ انبیاء ومرسلین، سرمایہ ترقی دین اور ہم پایہ ملائکہ مقربین ہوتا ہے۔ وہ دائرہ امکان کا مرکز، تمام وجوہ سے باعث فخر اور ارباب عرفان کا افسر ہوتا ہے اس کا دل تجلی رحمان کا عرش اور اس کا سینہ رحمت وافرہ اور خدا تعالی کے جلال اور اقبال کا پرتوہ ہوتا ہے اس سے اعراض و معارضہ تقدیر اور اس سے مخالفت، مخالفت رب قدیر ہے۔ حضرت سید صاحب موصوف خلیفہ راشد کا اعلی وارفع اور پاکیزہ مقام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جو صاحب کمال اس کے ساتھ اپنے کمال کا موازنہ نہ کرے۔ وہ مشارکت حق تعالی پہ مبنی ہے۔ اہل کمال کی یہی علامت ہے۔ کہ اس کی خدمت میں مشغول اور اس کی اطاعت میں مبذول رہیں۔ اس کی ہمسری کے دعوی سے دستبردار رہیں۔ اور اسے رسول کی جگہ شمار کریں۔ (منصب امامت صفحہ 86،87)

آپ ایک اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ امام، رسول کے سعادت من فرزند کی مانند ہے۔ تمام اکابرامت و بزرگان ملت ملازموں اور خدمت گاروں اور جانثار غلاموں کی مانند ہیں۔ پس جس طرح تمام اکابر سلطنت وارکان مملکت کے لئے شہزادہ والا کی قدر کی تعظیم ضروری ہے۔ اور اس سے توسل واجب ہے۔ اور اس سے مقابلہ نمک حرامی کی علامت اور اس پر مفاخرت کا اظہار، بدانجامی پر دلالت کرتا ہے، ایسا ہی ہر صاحب کمال کے حضور میں تواضع اور تذلل سعادت دارین کا باعث ہے، اور اس کے حضور اپنے علم اور کمال کو کچھ سمجھ بیٹھنا دونوں جہان کی شقاوت ہے۔ اس کے ساتھ یگانگت رکھنا رسول سے یگانگت ہے، اور اس سے بیگانگی ہوتو خود رسول سے بیگانگی ہے۔ (منصب امامت صفحہ 79)

خلیفہ وقت نبی کے بعد ایک اعلی اور منفرد مقام پر فائز ہوتا ہے، اس کو خدا تعالی قائم کرتا ہے اور وہی قائم رکھتا ہے، اور اسی کی ہر طرح سے تائید ونصرت کرتا ہے، اسے علم لدنی عطا فرماتا ہے، اسے خود حکمت سکھاتا ہے، قرآن کریم کے معانی، مطالب، اسرار ورموز، حقائق ودقائق سے مالا مال کرتا ہے۔ جس کی بدولت وہ قرآن کریم کی تفسیر سب سے بہتر سمجھتا اور بیان کرتا ہے۔ خدا خود اس کی ہر مشکل مرحلہ پر رہنمائی کرتا ہے۔ ہر ابتلا میں اسے پورا اترنے کی توفیق بخشتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ہر قسم کے احکام کے اجراء اور مہمات کا انجام اس کے سپرد کیا جائے۔ اور ہر شخص خواہ وہ مجتہد ہو یا مقلد عالم ہو یا عامی

،عارف یا غیر عارف اپنے آپ کو اس کے سامنے لاشیءِ محض سمجھے۔اس کے حضور اپنی زبان بند رکھے۔کسی بھی طرح اس کے سامنے استقلال کا دم نہ مارے۔اس کے اختیارات خود مقرر کرنے کی کوشش نہ کرے۔بلکہ اس کے مقام کا تقاضا ہے۔کہ یہ کام اسی پر چھوڑا جائے۔

جیسے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں۔''کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا مصرف نماز پڑھا دینا اور پھر بیعت لے لینا ہے۔یہ کام تو صرف ایک ملا بھی کر سکتا ہے۔اس کے لئے کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں۔اور میں اس قسم کی بیعت پر تھوکتا بھی نہیں۔بیعت وہ ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے۔اور خلیفہ کے کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔کامل اطاعت انسان کو صحابہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔آج اس کے نہ ہونے سے مسلمان تنزلی کا شکار ہیں،گو آج کے مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں،زکوۃ بھی دیتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں مگر ان میں وہ ترقی نہیں جو صحابہ میں تھی۔حالانکہ صحابہ بھی یہی نمازیں پڑھتے ،زکوۃ دیتے اور حج کرتے تھے۔اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ صحابہ میں ایک نظام کے تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حد کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے تو صحابہ اسی وقت اس پر عمل کے لئے کمر بستہ ہو جاتے اور اطاعت کی یہ روح آج کے مسلمانوں میں نہیں ہے۔آخر وہ کیا وجہ ہے کہ آج کا مسلمان اپنے اس بنیادی وصف سے عاری ہے۔اس کا جواب سیدنا مصلح موعودؓ کے الفاظ میں یہ ہے کہ (اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا پس جب خلافت ہوگی اطاعت رسول بھی ہوگی)(تفسیر کبیر سورۃ نور)

اس نقطہ نظر سے خلافت کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ترقی ایمان اور قبولیت اعمال کی اب نظام خلافت کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔جسے متاع ایمان اور عاقبت کی فکر ہو اسے لازم ہے کہ وہ خدا تعالی کی قائم کردہ خلافت کے نظام کے ساتھ ہو جائے۔جو آج جماعت احمدیہ کے سوا ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں۔جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی اور پیاسی روحوں کی تشنگی کا سامان کیا۔اور ساری دنیا میں روحانی مائدہ تقسیم کیا جا رہا ہے۔اور مومنین کی تربیت و اصلاح کرنے میں وہ کمال حاصل کیا کہ انہوں نے حسن کردار سے قرون اولی کے صالحین کی یاد تازہ کر دی کہ عشق ابراہیمی، اور کردار یوسفی کے نظارے اس جماعت کے اکثر حضرات میں ملتے ہیں۔ہر وقت فدائیت کے عالم میں لاکھوں پروانے اس شمع کے گرد گھو رہے ہیں۔

خلافت کے پروانے اطاعت کے معراج کو پانے کے لئے اپنے جان و مال لئے بسر و چشم کھڑے

نظر آتے ہیں۔اور سو سالہ خلافت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر طبقے، ہر قوم، ہر فرقے، اور ہر ملک سے پروانوں نے اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف کیں، اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے اور اپنے خون سے اس خدائی شجر کی آبیاری کی۔اور اس کی اطاعت میں ہر قسم کی مالی و جانی قربانی دے کر ایک تاریخ رقم کی۔خلفائے احمدیت نے سنت محمدی کی پیروی میں ان اقوام کی تربیت کی۔اور اسے راہ مستقیم دکھائی۔

خلافت احمدیت نے احکام شریعت سمجھائے،قرآن وحدیث کی روشنی میں خودساختہ اور نامعقول بدعات ورسوم کے طوق کو اسلام کے گلے سے اتارا۔اور زندہ وکلیم خدا کا تصور پیش کیا،قرآن کو قابل عمل،غیر منسوخ کلام اللہ ثابت کیا، وحی والہام، امکان نبوت کی توجیح کو کلام اللہ سے اور انبیاء واولیا کرام کے فرمودات سے ثابت کیا، یہ قافلہ خلافت تائید ایزدی سے اپنی منزل کی طرف بڑے استقلال سے خدائے واحد کی متعین کردہ منزل کی طرف اپنے سالار کے ساتھ رواں دواں ہے۔اگر آپ ہو بہو بلالی اور حسینی کردار دیکھنے کے متمنی ہیں تو آپ اس خلافت کے کاروان میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔جو کاروان خلافت ابتدا میں پیغامیوں کی ریشہ دوانیوں سے سنبھلتا ہوا، پھر پاک وہند کے بڑے بڑے جگادری علماءاور فلاسفروں کی خودساختہ توجیحات کو باطل کرتا ہوا، احراریوں کی گیدڑ بھبکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ،فرعونوں اور ہامانوں کے جبر وتشدد سے بندھے ہوئے بند توڑتے ہوئے،شہادتوں کے نذرانے پیش کر کے،خونچکاں داستانیں رقم کر کے، داغ ہجرت کے ناقابل فراموش دکھ جھیلتے ہوئے،اسیری درراہ مولا کے امتحانوں کو صد فی صد نمبروں سے پاس کرتے ہوئے، اپنے آشیانے جلوانے اور لٹانے کے بعد، اپنے کاروبار اور نوکریاں تج کے، ظالموں سے انتقام اور اپنے انجام سے بے خبر اس شان سے منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے کہ خلافت راشدہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

یہ کاروان خلافت افریقہ کے تپتے ہوئے بے آب وگیاہ ریگستانوں میں صلیبی نظریات کا بطلان کرتے ہوئے خدائے واحد کا نام بلند کرنے میں مصروف عمل ہے۔اوران محروم ومحکوم اقوام کی روحانی ور مادی تشنگی مٹانے کے لئے برسر پیکار ہے کہ تیل کی دولت سے مالا مال اور جدید ٹیکنالوجی سے لیس بڑی بڑی حکومتیں انگشت بدنداں ہیں کہ آج اس طاغوتی دور میں بظاہر ایک چھوٹی سی جماعت کس طرح خاموشی اور مثبت طریقے سے مغربی ممالک میں نیز سب براعظموں کے دوصد ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں اسلامی تبلیغ سنٹر، مساجد،سکول، ہسپتال بنانے اور قرآن کریم کے یک صد سے زائد بڑی زبانوں تراجم میں کرنے میں کوشاں، عرصہ بیس سال سے انٹرنیشنل مسلم ٹی وی کھولنے میں کامیاب،

(جس میں اسلامی تعلیم مقدم ہے) ایک مقدس وجود خلیفہ وقت کی راہنمائی میں اسلام کی سربلندی اور محمد مصطفی کے اعلی مقاصد کو پانے کے لئے بڑی چابکدستی سے رواں دواں ہے۔جس کارواں کے راستے میں بڑے بڑے پہاڑ آئے۔جس نے تلاطم خیز طوفانوں کا مقابلہ کیا۔مگر یہ قافلہ خدائی تائید سے روز بروز اپنی منزل کے قریب ہوتا جارہا ہے۔صلیبی مراکز کے گڑھ میں دعوت اسلام واحمدیت ترقی پر ہے۔اگر کوئی مومن مسلم امت کی موجودہ بدحالی وکسمپرسی ، بے بسی،تذلیل،طوق غلامی، پرغور کرے اور احکامات قرآن وحدیث پر توجہ دے، آخرین منھم پر توجہ دے۔تو معمولی سی عقل ودانش رکھنے والا انسان بھی اس صورت حال کو سمجھ سکتا ہے کہ تائید خداوندی کس کے ساتھ ہے۔آپ سب کو اس محمدی قافلے میں شمولیت کی دعوت عام ہے۔

آ ؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے



خلافتِ حقّہ (اجتماعیت کی ضمانت)

قرآنِ کریم نے اجتماعیتِ اسلامی کے درس وتلقین کے لئے جابجا بے شمار اسالیب بیان اختیار کئے ہیں اور ہر اسلوبِ بیان اپنی جگہ اتنا موثر اور دلنشین ہے کہ فطرتِ صحیحہ بغیر کسی تحریک ودعوت کے اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔اور عقلِ سلیم بھی اسے جذب کرنے کے لئے بیتاب ہوتی ہے کہیں آیت استخلاف کا یقین بخش پیرایہ بیان ہے جس میں تمکینِ دین کی ضمانت دی گئی ہے۔اور کہیں وَاعتَصِموا بِحَبلِ اللہِ جَمیعًا کہہ کر آسمان کی رفعتوں سے لٹکتی ہوئی خدا کی رسی کو مضبوطی اور استقامت کے ساتھ پکڑے رکھنے کی تلقین کے ساتھ تفرقہ وانتشار سے بچنے کی ہدایت ہے۔کہیں شہد کی مکھیوں کے اتحاد اور نظم وضبط کی متبادل مثال دے کر ایک نقطہ مرکزی پر جمع ہونے کا سبق دیا گیا ہے۔اور کہیں چیونٹیوں کی قطاروں کو درس اجتماعیت کے لئے نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔پھر فطرتِ انسانی چونکہ بنیادی طور پر خُلِقَ الاِنسانُ ضَعیفاً کے تحت خطا ونسیان سے ترکیب پائی ہے۔اس لئے قیامِ نماز کے ذریعہ سے یہ انتظام فرمایا گیا کہ خدا اور رسول کی وحدانیت اور رسالت پر ایمان لانے والے روزانہ پانچ وقت ایک مقام پر جمع ہوکر ایک امام کی قیادت ومطابعت میں اجتماعیت کا مظاہرہ اس نظم وضبط اور اس شان سے کریں کہ سارا

اجتماع یک جان ہوکر اور ایک آواز کے تابع ہوکر رکوع وسجود کریں اور یہ سبق سَنِ عقل و بلوغ سے شروع ہوکر اس وقت تک کہ جان جانِ آفرین کے سپرد ہو جائے جاری رہے۔اور اسلامیانِ عالم کے اذہان میں اتحاد و اجتماعیت اس طرح جا گزیں ہو جائے اور قلوب کے اندر یوں راسخ ہو جائے کہ کوئی بیرونی مخالف بصد کوشش کسی وقت اس پر اثر انداز نہ ہو۔ یہ سارے اسباق اتنے سادہ، سہل، عام فہم، اور دلنشیں ہیں کہ فطرتِ انسانی کی سعادت انہیں قبول کرنے کے لئے بغیر کسی دلیل کے مستعد ہو جاتی ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ بعض انسانی فطرتیں اپنی کجی کے باعث نفسِ امّارہ کی تاریکیوں میں یوں بھٹک جاتی ہیں کہ اپنی ہی شپرہ چشمی سے صراطِ مستقیم کو کھو دیتی ہیں۔اور تفریط کی راہ پر گامزن ہوکر اُس خدا کی ہستی پر بھی دلیل چاہتی ہیں۔ جو ہر آن اپنی عظمتوں کے ساتھ اُن کے سامنے جلوہ گر ہے۔اور پھر بعض فطرتِ انسانی افراط کی اس طرح شکار ہوتی ہے کہ وہ حقیر ترین پتھروں کے ٹکڑوں کو تراش کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے اور خدا کی بخشی ہوئی عظمتوں کو خود تراشیدہ اصنام پر قربان کر دیتی ہے۔اجتماعیت اسلامی کے لئے خدا تعالیٰ کے قائم فرمودہ مضبوط نظامِ خلافت ہی پر نظر کیجیئے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک خلافتِ راشدہ کی برکتوں سے متمتع ہونے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ یہی نظام اسلام کے استحکام کی ضمانت ہے۔ کچھ بدقسمت اور فطرت میں کجی رکھنے والے لوگ ایسے اُٹھے کہ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس حصارِ اسلام کو منہدم کرنے کی کوششیں کیں۔اور خدا کی اس نعمت سے محروم ہوکر اپنی بدبختی پر مہر ثبت کر گئے اور پھر صدیوں تک اہلِ اسلام نظامِ خلافت سے محرومی کے باعث افتراق و انتشار کا شکار ہوکر پستیوں کی طرف لڑھکتے رہے۔بعض حلقوں میں خلافت کے حق میں برنگِ فریاد آوازیں اُٹھتی رہیں لیکن وہ سوادِ اعظم کے مخالفانہ شور میں دب کر رہ جاتی رہیں اب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق جماعتِ احمدیہ میں خلافتِ علیٰ منہاج نبوت کا نظام پھر قائم فرمایا ہے۔اور ہم گزشتہ سو سال سے اس بابرکت نظامِ خلافت کی برکات سے متمتع ہو رہے ہیں۔ہم نے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کی خدائی بشارت کو اپنے سینے سے یوں لگا رکھا ہے کہ ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اس کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' کے مطابق ہم نے نظامِ خلافت کی برکات کو آسمان کی پہنائیوں سے اپنے اوپر نازل ہوتے دیکھا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ جب آفات و مصائب ہمارے ایمانوں کے امتحان کے لئے کارفرما ہوں تو ہم آسمان سے لٹکی ہوئی اس رسی کو پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ تھام لیتے ہیں۔ ہماری انگلیوں کی گرفت اس رسی پر اور بھی مضبوط ہو

جاتی ہے اور ہماری نگاہیں اپنے پیارے امام کی جُنبشِ لب پر لگی رہتی ہیں اور قلوب اس جُنبشِ لب سے پیدا ہونے والی آواز پر عمل کے لئے بے تاب ہوجاتے ہیں۔ یہ تو ایک مسلّمہ اسلامی عقیدہ ہے کہ خلیفہء وقت اپنی مستجاب دُعاؤں اور اپنے تقویٰ طہارت کے ذریعہ سے اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے قُرب کی وجہ سے جماعت کے لئے ایک تعویذ کا حُکم رکھتا ہے۔اسی لئے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِہٖ۔ چنانچہ ہم افرادِ جماعت احمدیہ علیٰ وجہ البصیرت خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ خلیفہ وقت واقعی جماعت کے لئے ایک ڈھال ہوتا ہے۔جس کی قیادت میں الٰہی جماعتیں بڑی بڑی مہمات کو سر کرتی ہیں وہ خلیفہ وقت کے ارشادات و ہدایات کی تعمیل کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں اکناف واطراف عالم تک پیغامِ حق پہنچا دیتی ہیں اور آفات ومصائب میں گھِر جانے پر اس کے انفاخ قدسیہ سے سکون پاتی ہیں۔ چنانچہ 1953ء کی مشہورِ زمانہ اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن کے زمانہ میں جب مخالفت کے طوفان بپھرے ہوئے تھے۔سیدنا حضرت مصلح موعود کا ہی روحانی وجود تھا جو خدا سے تعلق اور قُرب کی وجہ سے جماعت کے لئے ایک ڈھال بنا۔اور چاروں طرف سے مصائب میں گھری ہوئی جماعت کو بخیریت باہر نکالا۔ پھر 1974ء میں جماعت کو آگ اور خون کی ہولی سے گزرنا پڑا تو یہ خلافت کی برکت ہی تھی جس کی بروقت قیادت اور صحیح راہنمائی نے کشتی نوح بن کر جماعت کو بسلامت پار اُتار دیا۔ پھر فرعونِ وقت نے 1984ء میں اپنے ظالمانہ آرڈیننس سے خلافت کو بے دست و پا کر کے محصور کرنے کی ناکام کوشش کی۔مگر خدائی تقدیر نے ابوجہل وقت کو اندھا کر دیا ۔اور نورِ خلافت کو یزیدیت کے چنگل سے صاف نکال لایا۔ پھر نورِ خلافت نے جماعت کی بنیادوں کو بین الاقوامی راہوں پر استوار کیا۔ پیغام تو زمین کے کناروں تک پہلے ہی خدا تعالیٰ نے پہنچا دیا تھا۔مگر تثلیث کے بتکدوں اور اس پُرشکوہ تہذیب کے کھوکھلے قصروں میں خلافت رابعہ نے اسلام واحمدیت کے نظریے کو داخل کر دکھایا۔خلافت خامسہ نے تو یورپی اقوام کو امن کا شیشہ یوں دکھایا کہ ان کے دعاوی کی قلعی کھول کر رکھ دی ۔اس مردِ مجاہد نے امریکہ و کنیڈا کے تثلیثی نظریات کو اور در پردہ لشکر کشی کے ہتھکنڈوں کو جنگ کا پیش خیمہ ثابت کر دیا۔اور بتایا کہ اسلام کا مطلب کیا ہے۔اس کا اصل چہرہ کیا ہے۔اُن شکست خوردہ طاقتوں کے پاس کوئی اسلام نہیں اسلام ہے تو اس غریب جماعت کے پاس جو خالص مومنین کی جماعت ہے۔جس کا مقصد کوئی ملک گیری نہیں صرف اس جماعت کا مقصد انسانوں کی دلگیری ہے۔LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE کے نعرے کو ایک نیک عمل سے ایک

سچائی بنا کر دکھایا ہے یوں جماعت خلافت کی نعمت سے ایک سیسہ پلائی ہوئی جماعت بن چکی ہے۔اتحاد و یگانگت کا ایک symbol ہے۔خلافت کے سائے میں جماعت ساری دنیا میں بلا رنگ و نسل کے امتیاز سے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔اور اسلام کی اصل روح اور مقصد امن اور بھائی چارے کو ان ساری اقوام کو بتا رہی ہے جو مادیت کے شاہکار ہیں۔قرآن کے تراجم اور مساجد کی تعمیر نے مغربی اقوام کے دل میں گھر کر لیا ہے۔اور یقیناً اب اسلام کا سورج اب مغرب سے نکل کر ہی دم لے گا۔یہ سب خلافت ہی کی برکت سے ہے۔

اور یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس قول مبارک کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ خلیفہ وقت کا وجود جماعت کے لئے ایک ڈھال ہوتا ہے۔جس کے پیچھے کھڑے ہو کر جماعت ابتلاؤں اور آزمائشوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ظاہری ہتھیاروں سے نہیں بلکہ دُعاؤں اور نیک اعمال کے رُوحانی ہتھیاروں سے لیس ہو کر۔۔! اللہ تعالیٰ ہمیں تا ابد خلافت کی برکات سے نوازتا رہے۔اور ہمیں اور ہماری نسلوں کو خدمتِ اسلام کی ہمیشہ توفیق دیتا چلا جائے۔آمین۔



خلافت کی بے ثمر تحریکات

عصرِ حاضر اور ماضی کی ساری تحریکات کا مقصد یہ ہے کہ کچھ علماء وغیرہ سمجھتے ہیں کہ بس انہیں اقتدار و اختیار دے دیا جائے تو وہ خود ہی خلافت قائم کر لیں گے۔کئی ممالک میں کچھ سیاسی و انقلابی لیڈروں نے علماء کے جوڑ سے منصب خلافت سے انتساب چاہا مگر خائب و خاسر رہے۔ایک سرسری جائزہ سے دنیا بھر میں قیام خلافت کی مختصر کوششوں کا ذکر مفید ہوگا جس سے خوب ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر خدا نہ بنائے تو کوئی طاقت کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتی۔

1۔واقعہ کربلا کے بعد ایک انقلابی لیڈر مختار ثقفی نے حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو امام مہدی قرار دے کر خود ان کی خلافت کا دعویٰ کیا۔

2۔1881ء میں سوڈان کے محمد احمد نامی لیڈر نے بعمر 33 سال مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا مشن رسوم و بدعات کے خلاف جہاد اور تُرک و مصر کی حکومتوں کا خاتمہ قرار دیا۔تحریک تیزی سے پھیلی مگر انگریز کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھائی۔

(3)۔1919ء میں علی برادران نے تحریک خلافت شروع کی ۔ جسے گاندھی جی کی بھرپور حمایت حاصل رہی ۔مگر کامیاب نہ ہوسکی۔(4)۔معزول عثمانی خلیفہ وحیدالدین محمد نے شریف مکہ حسین کو خلیفہ تسلیم کرکے بیعت کرلی تا کہ خلافت کا سلسلہ چلتا رہے جسے ابن سعود کی تحریک نے روند ڈالا(5)۔جنوری 1929ء میں بچہ سقہ نے کابل پر حملہ کرنے کے بعد''امیر حبیب اللہ خان'' کا علَم بلند کیا۔اس کو 16 رفقاء سمیت اکتوبر میں پھانسی دے دی گئی ۔(6)۔گزشتہ صدی میں شاہِ مصر فاروق کے ذریعہ اسلامی قیادت قائم کرنے کی کوششیں جنرل نجیب کے ہاتھوں غارت ہوئیں ۔(7)۔1969ء میں جعفر نمیری نے علماء سے ملکر گٹھ جوڑ کرکے امام سوڈان بن کر احیائے خلافت کا خواب دیکھا جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔8۔فروری 1974ء میں لاہور کی عالمی سربراہی اسلامی کانفرنس کے موقع پر شاہ فیصل کو عالمِ اسلام کا خلیفہ اور امیر المومنین بنانے کا تصور اُبھرا مگر وہ 25 مارچ 1975ء کو اپنے ایک عزیز کے ہاتھوں قتل ہو گئے ۔(9)۔ پاکستان کے آمر ضیاء الحق نے 1979ء میں''مردِ مومن مردِ حق'' ہوکر زکوٰۃ وعشر اور نمازوں کے قیام سے ایک خواب دیکھا مگر اس کا بھی خواب بھی چکنا چور ہوگیا اور وہ ایک فضائی حادثے میں جل کر اپنے انجام کو پہنچا۔(10)۔افغانستان میں ایک عشرہ پہلے تحریک طالبان نے مُلّا عمر کو امیر المومنین قرار دیا مگر واقعہ نائن الیون نے اس معاملے کا ستیاناس کردیا۔(11)۔ پاکستان میں 1975ء سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کوشاں ہیں خصوصاً 1991ء سے احیائے خلافت کی زوردار تحریک شروع کررکھی ہے اور اسے مسلم ممالک کی دولتِ مشترکہ میں REVOLVING صدارت کی شکل میں قابلِ عمل قرار دے رکھا ہے۔!

ایں خیال است و محال است و جنوں

12۔ماضی قریب میں متعدد ناموں سے ہندو پاکستان، کشمیر اور یورپ میں احیائے خلافت کی متعدد تحریکات شروع ہوکر دم توڑ گئیں۔13۔2007ء میں جکارتہ کانفرنس انڈونیشیا کا بغرض احیائے خلافت انعقاد ہوا مگر بے سود۔آج بھی مختلف ممالک میں احیائے خلافت کی تحریکات جنم لیتی اور ہمیشہ کے لئے مٹتی جارہی ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی تحریک منجانب اللہ نہیں فقط انسانی کوششوں ہیں جو کبھی بارآور نہیں ہو سکتیں۔

مکرِ انساں کو مٹا دیتا ہے انسانِ دگر



مضامین بابت جماعت احمدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی مشاہداتی گواہی



’’ آپ نہایت رؤف و رحیم تھے، سخی تھے، مہمان نواز تھے، اشجع الناس تھے۔ ابتلاؤں کے وقت لوگوں کے دل بیٹھ جاتے تھے۔ آپ شیرِ نر کی طرح آگے بڑھتے تھے۔ عفو، چشم پوشی ، فیاضی، دیانت، خاکساری، صبر و شکر، استغنا، حیاء، غضِ بصر، عفت، محنت، قناعت، وفاداری، بے تکلفی، سادگی، شفقت، ادب الٰہی، ادبِ رسول و بزرگانِ دین،، حلم، میانہ روی، ادائیگی حقوق، ایفائے وعدہ، چستی، ہمدردی، اشاعت دین، تربیت، حسنِ معاشرت، مال کی نگہداشت، وقار، طہارت، زندہ دلی اور مزاح، رازداری، غیرت، احسان، حفظ مراتب، حسنِ ظنی، ہمت اور اولوالعزمی، خودداری، خوش روئی، اور کشادہ پیشانی، کظم غیظ، کف یدوکف لسان و ایثار، معمور الاوقات ہونا، انتظام، اشاعت علم و معرفت، خدا اور اس کے رسول کا عشق، کامل اتباعِ رسولؐ۔ یہ مختصر آپ کے اخلاق و عادات تھے۔ آپ میں ایک مقناطیسی جذب تھا۔ ایک عجیب کشش تھی، رُعب تھا برکت تھی، موانست تھی، بات میں اثر تھا، دعا میں قبولیت تھی۔ خدام پروانہ وار حلقہ باندھ کر آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور دلوں سے زنگ خود بخود دُھلتا جاتا تھا۔ بے صبری، کینہ، حسد، ظلم، عداوت، گندگی، حرص دنیا، بدخواہی، پردہ دری، غیبت، کذب، بے حیائی، ناشکری، تکبر، کم ہمتی، بخل، ترش روئی و کج خلقی، بزدلی، چالاکی، فحشاء، بغاوت، عجز، کسل، نامیدی، ریا، تفاخر ناجائز، ، دل دُکھانا، استہزاء، تمسخر، بدظنی، بے غیرتی، تہمت لگانا، دھوکا، اسراف و تبذیر، بے احتیاطی، چغلی، لگائی بجھائی،، بے استقلالی، لجاجت، بیوفائی، لغو حرکات یا فضولیات میں انہماک، ناجائز بحث و مباحثہ،، پُرخوری، کن رسی، افشائے عیب، گالی، ایذا رسانی،، سفلہ پن، ناجائز طرفداری، خود بینی، کسی کے دُکھ میں خوشی محسوس کرنا، وقت کو ضائع کرنا ان سب باتوں سے آپ کوسوں دور

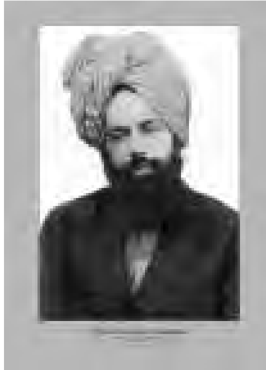
تھے۔آپ فصیح وبلیغ تھے۔نہایت عقلمند تھے۔دور اندیش تھے۔سچے تارک الدنیا تھے۔سلطان القلم تھے۔اورحسب ذیل باتوں میں آپ کو خاص خصوصیت تھی۔خدا اور اس کے رسول کا عشق،شجاعت و،محنت،توحیدوتوکل علی اللہ،مہمان نوازی،خاکساری،اورنمایاں پہلوآپ کے اخلاق کا یہ تھا کہ کسی کی دل آزاری کونہایت ہی ناپسند فرماتے تھے۔اوراگرکسی اورکوبھی ایسا کرتے دیکھ پاتے تومنع کرتے۔آپ باجماعت نماز کی پابندی کرنے والے تہجد گذار،دعا پر بےیقین رکھنے والے،سوائے مرض یا سفر کے روزہ رکھنے والے،سادہ عادات والے،سخت مشقت برداشت کرنے والے،اورساری عمر جہاد میں گزارنے والے تھے۔آپ نے انتقام بھی لیا ہے،آپ نے سزا بھی دی ہے،آپ نے جائز سختی بھی کی ہے۔تادیب بھی فرمائی ہے۔یہاں تک کی تادیباً بعض دفعہ بچہ کو مارا بھی ہے۔ملازموں کو یا بعض غلط کارلوگوں کونکال بھی دیا ہے۔تقریروتحریر میں سختی بھی کی ہے۔عزیزوں سے قطع تعلق بھی کیا ہے بعض دفعہ سلسلہ کے دشمن کی پردہ دری بھی کی ہے۔(مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی کے مہدی کے انکار کا خفیہ پمفلٹ)بددعا بھی کی ہے۔مگراس قسم کی ہر بات ضرورتاً اور رضائے الٰہی اور دین کے مفاد کے لئے کی ہے۔نہ کہ ذاتی غرض سے۔آپ نے جھوٹے کوجھوٹا کہا۔جنہیں زنیم یا لئیم لکھا وہ واقعی زنیم اورلئیم تھے۔جن مسلمانوں کوغیر مسلم لکھا وہ واقعی غیرمسلم بلکہ اسلام کے خلاف غیرمسلموں سے بھی بڑھ کر تھے۔مگر یہ یادرکھنا چاہیے کہ آپ کے رحم اورعفواورنرمی اورحلم والی صفات کا پہلو بہت غلب تھا۔یہاں تک کہ اس کے غلبہ کی وجہ سے دوسرا پہلو عام حالات میں نظربھی نہیں آتا تھا۔آپ کوکسی نشہ کی عادت نہ تھی،کوئی لغوحرکت نہ کرتے تھے۔خدا کی عزت اوردین کی غیرت کے آگے کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔آپ نے ایک باراعلانیہ ذبّ تہمت بھی کیا۔ایک مرتہ دشمن پر مقدمہ میں خرچ پڑا تو آپ نے اس کی درخواست پر اسے معاف کردیا۔ایک فریق نے آپ پرقتل کا الزام لگا کرآپ کو پھانسی دلانا چاہی مگر حاکم پرظاہر ہوگیااوراس نے آپ کوکہا کہ آپ ان پر قانوناً دعویٰ دائر کرکے سزا دلا سکتے ہیں۔مگرآپ نے درگزرکیا۔آپ کے وکیل نے عدالت میں آپ کے دشمن پراس کے نسب کے متعلق جرح کرنی چاہی،مگرآپ نے اسے روک دیا۔غرض یہ آپ نے اخلاق کا وہ پہلودنیا کے سامنے پیش کیا جومعجزانہ تھا،آپ سراپا حسن تھے،احسان تھے،اوراگرکسی شخص کا مثیل آپ کوکہا جاسکتا ہےتو وہ صرف حضرت محمد ﷺ ہیں اوربس۔آپ کے اخلاق کے اس بیان کے وقت قریباً ہر خلق کے متعلق میں نے دیکھا کہ میں اس کی مثال بیان کرسکتا ہوں۔یہ نہی کہ میں نے یونہی کہہ دیا ہے۔میں نے آپ کواس وقت دیکھا جب میں دوسال کا بچہ تھا۔پھرآپ میری آنکھوں سے

اس وقت غائب ہوئے جب میں 27 سال کا جوان تھا۔مگر میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ میں نے آپ سے بہتر، آپ سے زیادہ خلیق، آپ سے زیادہ نیک، آپ سے زیادہ بزرگ، آپ سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں غرق کوئی شخص نہیں دیکھا۔آپ ایک نور تھے جو انسانوں کے لئے اس دنیا پر ظاہر ہوا اور ایک رحمت کی بارش تھے۔ جو ایمان کی ایک لمبی خشک سالی کے بعد اس زمین پر برسی۔اور اسے شاداب کر گئی۔اگر حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ بات سچی کہی تھی کہ ''کان خلقه القرآن'' تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''کان خلقه حب محمد و اتباعه علیه الصلوٰة'' (از سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ 308۔306)



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دلکش تحریریں

توحید کا دریا جاری کر دیا:



قیامت کا نمونہ روحانی حیات کے بخشنے میں اس ذات کامل الصفات نے دکھایا جس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سارا قرآن اول سے آخر تک یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ رسول اس وقت بھیجا گیا جب تمام قوتیں دنیا کی روح میں مرچکی تھیں اور فساد روحانی نے بر و بحر کو ہلاک کر دیا تھا تب اس رسول نے آ کر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا اور زمین ہر توحید کا دریا جاری کر دیا۔(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 204)

خدائی جلوہ

ہمارے سید و مولی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس لاکھ کے قریب قول و فعل میں اسرار خدائی کا ہی جلوہ نظر آتا ہے اور ہر بات میں حرکات میں سکنات میں اقوال میں افعال میں روح القدس کے چمکتے ہوئے انوار نظر آتے ہیں۔(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 116)

عالی مرتبہ کا نبی۔

مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس

پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اِس لئے خدا نے جو اُس کے دل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اُس کی مرادیں اُس کی زندگی میں اُس کو دیں۔وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اُس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذُرّیّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔جو اُس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اِسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اِسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اسکے نُور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اُس کا چہرہ دیکھتے ہیں اِسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منوررہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اُس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔(حقیقی الوحی صفحہ 118)

نماز بدیوں کو دور کرتی ہے فرماتے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔پس حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دُعا کرے کہ وہ نماز جو ان صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔یہ جو فرمایا ہے کہ......نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہیں یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں مگر نہ رُوح اور راستی کے ساتھ۔وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔اُن کی رُوح مردہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا اور الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا باوجود یہ کہ معنی وہی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن وجمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی رُوح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے وہ نماز یقیناً یقیناً برائیوں کو دور کر دیتی ہے۔نماز نشست و برخاست کا نام نہیں۔نماز کا مغز اور رُوح وہ دُعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ارکانِ نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے اظلال ہیں۔(ڈائری حضرت مسیح موعود ہیں۔18 جنوری 1903)

حقوق اخوت نہ چھوڑو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ حقوق اخوت کو ہرگز نہ چھوڑو ورنہ حقوق اللہ بھی نہ رہیں گے''۔۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں قوم میں تبدیلی نہ کرے گا جب تک لوگ تبدیلی نہ کریں گے۔ان باتوں کو سن کریوں تو ہر شخص جواب دینے کو تیار ہو جاتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں استغفار بھی کرتے ہیں۔پھر کیوں مصائب اور ابتلاء آجاتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی باتوں کو جو سمجھ لے وہ سعید ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا منشاء کچھ اور ہوتا ہے سمجھا کچھ اور جاتا ہے اور پھر اپنی عقل اور عمل کے پیمانے سے اسے ماپا جاتا ہے۔یہ ٹھیک نہیں ہر چیز جب اپنے مقررہ وزن سے کم استعمال کی جائے تو فائدہ نہیں ہوتا۔جو اس میں رکھا گیا ہے مثلاً ایک دوائی جو تولہ کھانی چاہیے۔اگر تولہ کی بجائے ایک بوند استعمال کی جائے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟اور اگر روٹی کی بجائے کوئی ایک دانہ کھالے تو کیا وہ سیری کا باعث ہو سکے گا؟اور پانی کے پیالے کی بجائے ایک قطرہ سیراب کر سکے گا؟ ہرگز نہیں یہی حال اعمال کا ہے۔جب تک وہ اپنے پیمانے پر نہ ہوں وہ اوپر نہیں جاتے ہیں۔یہ سنت اللہ ہے جس کو ہم بدل نہیں سکتے۔(ڈائری حضرت مسیح موعود 28اپریل1905ء)

اپنی زبان میں دعائیں؛

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ''سب زبانیں خدا نے بنائی ہیں۔چاہیے کہ اپنی زبان میں جس کو سمجھ سکتا ہے نماز کے اندر دعائیں مانگے،کیونکہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے تاکہ عاجزی اور خشوع پیدا ہو۔کلام الٰہی کو ضرور عربی میں پڑھا کرو اور اس کے معنی یاد رکھو اور دعا بے شک اپنی زبان میں مانگو جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے نا آشنا ہیں دعا کا وقت نماز ہے نماز میں بہت دعائیں کرو۔''(ڈائری حضرت مسیح موعود علیہ السلام 17مئی1901ء)

بچوں کے لئے دعائیں کرو۔

حضرت مسیح موعود فرماتے علیہ السلام فرماتے ہیں۔ہدایت اور تربیت خدا تعالیٰ کا حقیقی فعل ہے سخت پیچھا کرنا اور ایک امر کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو درکنار اور ٹوکنا گویا ظاہر کرتا ہے کہ ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں۔اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے آپ نے قطعی طور پر فرمایا اور لکھا بھی ارشاد بھی کیا کہ ہمارے مدرسے میں جو استاد مارنے کی عادت رکھتا ہو اور اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہو اُسے یک

لخت موقوف کردو۔ فرمایا ہم تو اپنے بچوں کیلئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں بس اس سے زیادہ نہیں اور پھر اپنا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا وقت پر سرسبز ہوجائے گا۔(ڈائری حضرت مسیح موعود 6 جنوری 1900ء)

کون میری جماعت میں ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں تحریر فرماتے ہیں

1۔ جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا، بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

2۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

3۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

4۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا اور جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

5۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

6۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

7۔ جو شخص بدرفیق کو نہیں چھوڑتا جو اُس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

8۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیحِ موعود مہدی موعود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

9۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معرفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ان کی بات کو نہیں مانتا اور تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے اور جو شخص مخالفوں کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے

10۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

11۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

12۔جوشخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصوروار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

13۔ہرایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

14۔جوشخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

15۔ہرایک زانی۔فاسق۔شرابی۔خونی۔چور۔قمار باز۔خائن۔مرتشی۔غاصب۔ظالم، دروغگو وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے اور انکا ہمنشیں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعالِ شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

16۔جوشخص اور قمار بازی سے، خیانت سے اور رشوت سے ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت قرآن مجید

ابتدائے آفرینش سے سنت اللہ ہے کہ جب بھی اس کے بندے اس سے دور ہو کر ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔تو رب العٰلمین پھر کوئی انتظام فرماتا ہے کہ بندے اور خدا کا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور بھولا بھٹکا سہوا انسان پھر راہ راست پر آجاتا ہے مدتوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔اور ہزارہا انبیاء مبعوث ہوئے اور بنی آدم کی اصلاح کرتے رہے۔مگر انسان اپنی فطرتی کمزوری کے باعث جلد ہی یہ باتیں بھول جاتا رہا۔اور پھر جلد ہی شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو گیا۔آخر اللہ تعالیٰ نے ایک دائمی اور عظیم الشان سلسلہ قائم فرمایا۔جس کی بدولت رہتی دنیا تک بھولے بھٹکے انسان کامیابی اور فلاح کی راہ تلاش کر سکیں۔اس مشن کی تکمیل کے لئے ہی خدا تعالیٰ نے فخر موجودات سرور کائنات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔آپ کو ایک دائمی اور مکمل شریعت دی گئی۔ایک ایسی کتاب جس کا ایک شوشہ تک منسوخ نہیں ہو سکتا۔اور بنی نوع انسان کے لئے ایک دین اور ایک شریعت مقرر فرمائی۔اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہتے ہوئے دین اسلام کو تمام جہان کا مذہب قرار دیا۔قرآن مجید کو انسان کے ہاتھ میں دیتے

ہوئے فرمادیا کہ اب تمہاری فلاح کا راز صحیفہ میں مضمر ہے۔اگر اس پر پوری طرح عمل پیرا ہوگے تو دین و دنیا میں فلاح پاؤ گے۔اور اگر اسے تم نے نظر انداز کر دیا تو تمہارا حال بھی یہود و نصاریٰ کا سا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جب مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہ رہیں گے قرآن مجید اپنی عربی عبارت میں صحیح حالت میں موجود ہوگا۔مگر اس کے معنی میں اختلاف ہو جائے گا۔اور مسلمان کہلانے والوں کے ایک کثیر طبقہ کو قرآن حکیم پر ایمان ہی نہ رہے گا۔رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ان حالات کی خبر پا کر اپنی امت کو بھی مطلع فرمادیا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب ایمان ان کے دلوں سے اٹھ چکا ہوگا۔مسجدیں ظاہری شکل میں موجود ہونگی۔مگر حقیقی نمازی نہ رہیں گے۔اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی فرمادی لو کان ایمان معلقاً بالثریا لنالہٗ رجل امن ھاء اولاء اگر ایمان (بعض احادیث کے مطابق قرآن) زمین سے اُٹھ کر ثریا پر جا پہنچا ہو تو بھی ایک فارسی النسل مرد میدان اسے دوبارہ زمین پر اُتار لائے گا پس پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا آپ نے بھولی بھٹکی انسانیت کو پھر سے یاد دلایا کہ تمہاری نجات کی راہ صرف اور صرف قرآن ہے۔اگر قرآن مجید کو صحیح معنوں میں اپنا لیا جائے تو ہمارے تمام تنازعات حل ہو جاتے ہیں۔اور ہمارے روح کی تسکین بھی اسی آسمانی کتاب میں ہے۔چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی خدمت قرآن کے لئے وقف کر دی۔اور ایک ایسی جماعت قائم کی ہے جو رہتی دنیا تک اس خدمت کو جاری رکھے گی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت قرآن کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(الف)۔آپ نے مسلمانوں کو قرآن مجید کی طرف توجہ دلائی۔(ب)۔آپ نے قرآن کریم کے متعلق اپنوں اور غیروں کی غلط فہمیاں دور فرمائیں۔اور قرآن کریم کے صحیح مقام سے روشناس فرمایا۔(ج)۔عملی طور پر آپ کی خدمت قرآن یعنی اس کا ترجمہ اور تفاسیر کی۔اور آپ کی تصانیف میں بھی قرآن کریم کی برتری ثابت کی گئی ہے۔(د)۔قرآنی تعلیم کے رواج کے لئے ایک عالمگیر سلسلہ اخوت قائم کیا اور تمام دنیا کو قرآنی معارف سے روشناس کرایا۔اب میں آپ کی خدمت قرآن پر تفصیلاً روشنی ڈالوں گا۔یعنی اول قرآن کریم سے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کا رد اور دوسرے حصہ میں عملی طور پر آپ کی خدمت یعنی اشاعت تعلیمات قرآنیہ۔

نمبر 1۔آپ نے دنیا کو بتایا کہ قرآن کریم ایک جامع اور مکمل کتاب ہے۔جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق پوری پوری تعلیم درج ہے۔گذشتہ انبیاء کی کتب چونکہ مکمل نہیں تھیں اس لئے لوگوں

میں قرآن کریم کے متعلق بھی یہ غلط فہمی پائی جاتی تھی کہ شاید یہ کتاب بھی مکمل نہیں ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غلط عقیدہ کی پُرزور تردید فرمائی۔اور خود قرآن کریم سے ہی ثابت کر دیا کہ یہ ایک جامع اور کامل کتاب ہے۔آیت۔اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کے مطابق اسلامی شریعت کا مکمل ہونا ثابت ہے۔قرآن کریم کی صحت کے متعلق بھی اس زمانہ میں خود مسلمانوں میں شبہات پائے جاتے تھے۔لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف کتب شائع کر کے قرآن کریم کی صحت کو تاریخی اعتبار سے ثابت کر دیا اور دُشمنان اسلام کے اس بارے میں قرآن کریم پر اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے۔اوران کا منہ بند کر دیا۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک ایسی مدلل اور معقول کتاب ہے کہ اس نے اپنے دعوی کے لئے خود عقلی دلیل بیان فرمادی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔''قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس دعویٰ کو مضبوط اور قوی دلیلوں کے ساتھ ثابت کر دیا ہے''(نورالقرآن حصہ اول ص4)۔

نمبر2۔قرآن کریم کے بارہ میں ایک اور بڑی غلط فہمی یہ پائی جاتی تھی کہ اس کی آیات میں تناقص پایا جاتا ہے بعض آیات بعض دوسری آیات کا رد کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔علماء نے غلط فہمی کی بناء پر ان آیات کی فہرستیں شائع کیں جو کہ منسوخ ہو چکی تھیں بعض کے خیال میں ان کی تعداد پانچ سو تک تھی۔بعض تین سو بتاتے تھے۔اور بعض کے نزدیک ایسی آیات صرف پانچ تھی۔بہرحال سب کا اجماع تھا کہ کچھ آیات منسوخ ضرور ہیں۔اس کا نتیجہ یہ تھا۔کہ جب بھی لوگوں کو کسی آیت کے معنے سمجھ نہیں آتے تھے۔یا اس پر عمل نہ کرنا چاہتے تھے۔تو اسے منسوخ قرار دے دیتے۔یہ فتنہ اس قدر زور پکڑ گیا تھا کہ اگر وقت پر اس کا علاج نہ کیا ہوتا تو خطرہ تھا کہ قرآن کریم کی کسی آیت پر بھی ایمان نہ رہے۔اس غلط عقیدہ کی اصلاح بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت شد و مد کے ساتھ فرمائی۔۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک کی کوئی آیت،اس کا کوئی حکم اور اس کا کوئی حرف منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔''اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام من جانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو''۔(ازالہ اوہام ص60)

نمبر3۔پھر آپ نے یہ غلط فہمی بھی دُور فرمائی کہ قرآن کریم میں تقدیم وتاخیر ہو سکتی ہے۔تقدیم و

تاخیر کا جھگڑا مدتوں سے چل رہا تھا اور اکثر مفسرین اس کے قائل تھے حالانکہ ان پر قرآن کریم کے پورے معنی اور مطالب ابھی نہیں کھلے تھے یہ عقیدہ بھی نہایت نقصان دہ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی پُرزور تردید فرمائی اور جو آیات اس ضمن میں مفسرین کی طرف سے پیش کی جاتی تھیں۔ان کی تفسیر خود لوگوں کو سمجھائی۔اور ثابت کیا کہ قرآنی آیات ہر لحاظ سے صحیح اور درست ہیں۔کیا بلحاظ گرائمر کے،اور کیا واقعات اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں ''قرآن کریم ظاہری ترتیب کا اشد التزام رکھتا ہے اور ایک بڑا حصہ قرآنی فصاحت کا اسی سے متعلق ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کا ملحوظ رکھنا بھی وجوہ بلاغت میں سے ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت یہی ہے''۔(تریاق القلوب ص 133 حاشیہ)''ہم قرآن کی ترصیع اور ترتیب کو زیروزبر نہیں کر سکتے اور نہ اس میں اپنی طرف سے بعض فقرات ملا سکتے ہیں اگر ایسا کریں تو عنداللہ مجرم اور قابل مواخذہ ہیں''۔(اتمام الحجہ ص 15)نمبر 4۔علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی ثابت فرمایا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ واقعات تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔بہت سے ایسے واقعات قرآن کریم میں موجود تھے۔جن کی تصدیق تاریخی کتب سے نہیں ہوتی تھی۔لیکن بعد ازاں دوبارہ تحقیق کرنے پر قرآنی واقعات ہی درست ثابت ہوئے۔پرانے زمانہ میں واقعات ریکارڈ کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔بہت سے واقعات کا علم قطعاً نہ تھا۔گو بائیبل میں بہت سے واقعات کا ذکر موجود ہے۔مگر ان میں بہت کچھ ردوبدل ہو چکا ہے اور ابھی تک جاری ہے۔لہذا ان کو تو کوئی بھی پورا صحیح نہیں مانتا۔اور نہ ہی عقل ان میں سے بعض کو تسلیم کرتی ہے۔مگر قرآن کریم جو واقعات بیان کرتا ہے وہ بالکل صحیح ہیں۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قصص قرآنی صرف گزشتہ واقعات ہی نہیں بلکہ انہیں پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

نمبر 5۔قرآن پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک ہی قصہ کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قصہ کو بار بار بیان کرنے میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔اور یہ تکرار بامعنی ہوتا ہے۔مثلاً پھول ہے۔اس میں آٹھ دس مختلف پتیاں دائرہ میں اپنی اپنی جگہ قائم ہوتی ہیں۔اور سب کی سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔کہ یہ پھول بہت برا ہے۔کیونکہ اس میں تکرار پایا جاتا ہی اور ساری پنکھڑیاں ایک جیسی ہی ہیں۔اسی طرح قرآن کریم میں بعض امور کے تکرار کی مثال بھی اس پھول ہی کی طرح ہے۔جس میں بہت سی ایک جیسی پتیاں پائی جاتی

ہوں۔الغرض آپ نے اس اعتراض کو بھی ردّ کر دیا اور قرآن کریم کی شان کو دوبالا کر دیا۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قصص قرآنی صرف گزشتہ واقعات ہی نہیں بلکہ انہیں پیشگوئیوں کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں؛۔’’قرآن شریف میں جس قدر قصے بیان کئے گئے ہیں ان کی تحریر سے صرف یہی غرض نہیں کہ گزشتہ لوگوں کے نیک کام اور بد کام پیش کر کے ان کا انجام سنا دیا جائے۔تا وہ رغبت یا عبرت کا ذریعہ ہوں۔بلکہ یہ بھی غرض ہے کہ ان تمام قصوں کو پیشگوئی کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے‘‘(چشمہ معرفت ص148)

نمبر6۔قرآن کریم کے متعلق ایک قابل اعتراض اور غلط خیال مسلمانوں میں قائم ہو گیا تھا۔کہ وہ حدیث کو قرآن پر مقدم جانتے تھے۔اور حدیث کے فیصلے کو قرآنی فیصلے پر قاضی ٹھہراتے تھے۔مسلمانوں کا ایک بہت بڑا فرقہ جو اہل حدیث کہلاتا ہے۔حدیث کو قرآن پر ترجیح دیتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔اور اپنی پوری عمر قرآن کریم کو حدیث پر مقدم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔اور اپنی بہت سی تصانیف میں صرف اسی مسئلہ پر بحث کی ہے۔لوگوں کے ذہنوں میں قرآن کا مقام پیدا کرنا یقیناً آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بارے میں ایک اصول بھی بیان فرمایا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی حدیث اور کسی قرآنی آیت میں تضاد پایا جاتا ہے۔تو قرآنی آیت کو مشعلِ راہ بناؤ۔اور ایسی حدیث کو چھوڑ دو جو قرآن کریم کے خلاف پڑتی ہے۔کیونکہ قرآن کریم کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ اس کا ایک ایک شوشہ صحیح ہے۔لیکن احادیث کے متعلق ایسی کوئی ضمانت نہیں۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک حدیثوں پر بھی قاضی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں؛۔’’یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے۔اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہے۔حدیث جو ایک ظنی مرتبہ پر ہے۔قرآن کی ہرگز قاضی نہیں ہوسکتی‘‘۔(کشتی نوح ص95) ۔دوم۔اب خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عملی خدمت قرآن کا ذکر کرتا ہے۔آپ نے سب سے بڑی خدمت قرآن کی یہ ہے کہ آپ نے قرآن کریم کے صحیح معانی سے نسل انسانی کو آگاہ فرمایا ہے قرآن کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔آپ کی احادیث قرآن کریم کی تفسیر کا رنگ رکھتی ہیں۔مگر احادیث صحیحہ میں معدودے چند آیات کی تفسیر ہے مسلمان مفسرین نے تفاسیر لکھی ہیں مگر ان کے آپس میں بہت

سے اختلافات، نقائص اور کمیاں ہیں جن کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ یہ ضروری تھا کہ بعض صحیح اصولوں کے مطابق تفسیر لکھی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل اصول وضع فرمائے ہیں۔

الف۔قرآن کریم کا کوئی لفظ بے فائدہ یا بے معنی نہیں ہے۔ زائد لفظ کوئی نہیں، ہر لفظ ایک معنی اور حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ ہمارے عقیدہ اور تجربہ کے مطابق قرآن مجید نے انسانوں کی تمام دینی ضرورتوں کے متعلق کامل اور جامع تعلیم دے دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔''تمہاری فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔'' (کشتی نوح ص 24) ''قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا''۔ (چشمہ معرفت ص 72) ب۔قرآن کریم میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں وہ محض پرانے قصے نہیں ہیں بلکہ آئندہ زمانے کے لئے پیشگوئیاں ہیں نیز ہمارے عبرت حاصل کرنے کے لئے اسباق ہیں ج۔قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جائے جو دوسری آیات سے موید ہو۔ س۔قرآن کریم کے مطالب بیان کرنے کے لئے آپ نے ایک بڑا گر یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق پیدا کرو اور اُسی سے دُعا کرو۔ کہ وہ خود ہی اپنی کتاب کے مطالب کھول دے۔ **لا یمسّہ الّا المطّھرون**۔ آپ نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھ پر قرآن کریم کے مطالب کھولے ہیں۔ اور تمام دنیا کو جو آپؑ نے تفسیر نویسی کے مقابلہ کے چیلنج دیئے ہیں۔ وہ اس دعویٰ کا بیّن ثبوت ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر رنگ میں قرآن کریم کی عظیم الشان خدمت کی ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے معانی بیان کرنے اور ان کے اصولوں کے بیان کرنے کے علاوہ اور بھی ہر ممکن ذریعہ سے قرآن کی خدمت کی ہے مثلاً آپ نے عربی زبان کو ترقی دینے کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائی ہے عربی زبان کو اُمّ الالسنہ ہونا ثابت فرمایا۔ اپنی جماعت کو عربی پڑھنے کی تلقین عمر بھر کرتے رہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک کی زبان یعنی عربی زبان کامل زبان ہے۔ بلکہ ام الالسنہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔'' کامل کتاب کے لئے کامل بولی میں اترنا ضروری تھا۔ کیونکہ کامل اور ناقص کا پیوند درست بیٹھ نہیں سکتا۔ لہذا قرآن شریف عربی زبان میں اترا۔ جو اپنے ہر ایک پہلو کے رو سے کامل ہے'' (آریہ دھرم ص 8 حاشیہ) ''**سبحان اللّٰذی جعل العربیۃ اُمّ الالسنۃ کما جعل مکّۃ اُمّمّ القریٰ**

و جعل رسولنا خاتم النبین‘‘(انجام آتھم ص258)چنانچہ عربی دان پیدا کرنے کے لئے آپ نے قادیان میں مدرسہ احمدیہ قائم کیا۔اسی طرح آپ نے قرآن کریم کی خدمت اس رنگ میں بھی کی ہے کہ ایک ایسی جماعت قائم فرمائی ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ اوّل ۔وہ خود قرآن کے مطالب سمجھیں۔دوم۔ان پر عمل کریں۔

سوم ۔ دوسروں کو اس کے مطالب سمجھائیں ۔چہارم۔ دوسروں سے بھی قرآنی احکام پر عمل کروائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی۔’’قرآن مجید کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو۔تمہاری اس میں زندگی ہے۔جو لوگ قرآن کو عزت دیں ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا‘‘۔(کشتی نوح)پس جماعت احمدیہ آج اسلام کی جو خدمت کر رہی ہے۔یہ کام دراصل حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا ہی شروع کیا ہوا ہے۔اوراس پودے کا بیج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی لگایا ہوا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن کریم سے حقیقی عشق تھا۔پس اسی وجہ سے آپ ہر وقت قرآن ہی کا ذکر زبان پر رکھتے تھے۔آپ کی تحریرات اور آپ کی تقاریر اس بات کی شاہد ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے اپنی نظمیں بھی قرآن کریم کی مدح میں لکھی ہیں یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ مسلمانوں میں ہزارہا شاعر گزرے ہیں لیکن آج تک کسی کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ قرآن کریم کی مدح میں کوئی نظم لکھیں اور بیسیوں اشعار قرآن کریم کی مدح میں لکھے۔جن میں سے مشتے ازخروارے ایک شعر پیش کرتا ہوں

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلماں ہے

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے۔

پھر اس مرد حق کی مطیع جماعت کاروان خلافت کے سائے تلے عرصہ ایک صد سال سے قرآن کی خدمت کی جوت دل میں جگائے چہار دانگ عالم میں اپنی بے مائیگی کے باوجود ان اسلامی (نا نہاد ممالک جو تیل جیسی دولت سے مالا مال ہیں) ممالک کے مقابلہ میں شب و روز سرگرم عمل ہے۔دوصد 200 ممالک کی ہزار ہا جماعتوں کی مساجد اور مدرسہ جات میں درس قرآن کریم کو یقینی بنائے ہوئے ہے۔اور اب تک پوری کوشش سے ستر بڑی زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔اور ایک سو(100) سے زیادہ اہم زبانوں میں قرآن کریم کی اہم

آیات کا ترجم کررہی ہے۔ ان سب مقامی زبانوں میں لفظی ترجمہ کرنے میں پیش پیش ہے۔قرآنی عالم بنانے کے لئے سب برّاعظموں کے سب اہم ممالک میں دس جامعات احمدیہ قائم ہوچکی ہیں۔اور سالانہ سینکڑوں علماءقرآن بن رہے ہیں۔اب جدید وسائل نشرواشاعت سے استفادہ کرتے ہوئے اشاعت قرآن کریم میں ہزار گنا تیزی آچکی۔سینکڑوں روزنامے،ہفت روزے،سہ ماہی مجلہ جات سب ممالک میں شان قرآن بیان کرنے میں مصروف عمل ہیں ایم ٹی اے انٹرنیشنل ٹی وی کے تینوں چینلز مسلسل انوار خلافت کی روشنی میں شب و روز اشاعت قرآن کے لئے کمر کسے ہوئے ہے۔ان ساری کوششوں کا سہرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہی سر ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے قرآن مجید کے درس وتدریس اور دوستوں کے اندر قرآنی علوم سیکھنے کا شغف پیدا کرنے کا فریضہ احسن رنگ میں سرانجام دیا۔ان کے بعد حضرت مصلح موعود ؓ نے اللہ تعالیٰ سے قرآنی علوم سیکھے اور دنیا کو چیلنج پیش کیا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر اور اسکے معارف اور حقائق و لطائف بیان کرنے میں میرا مقابلہ کرلے۔نیز آپ نے معرکۃ الآرا تفسیر کبیر پیش کرکے مصلح موعود ہونے کا حق ادا کردیا۔پھر ان کے بعد حضرت ناصر دین ؒ نے تو ساری دنیا کے دورہ جات کرکے قرآن کریم کو دنیا کی مزید بڑی زبانوں میں ترجمہ کرواکر ہر بڑے ہوٹل اور گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا۔حضرت خلیفہ رابع ابن مریم نے تو اس عظیم کام کو اوج ثریا تک پہنچادیا۔اب ہمارے پیارے آقا امیرالمومنین حضرت مسرور احمد ایدہ اللہ بنصرالعزیز اس اہم کام کو مزید نئی زبانوں میں اس بابرکت کام کو وسعت دینے میں شب و روز اپنے انصار و خدام کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی بہت عظیم الشان خدمت کی ہے۔جس کی نظیر چودہ سو برس میں ملنا بہت مشکل ہے۔یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہی تو ہے کہ قرآن جسے لوگ نظر انداز کرچکے تھے اور گویا اس زمین سے اُٹھ گیا ہوا تھا۔وہ پھر اس زمین پر اُتارا گیا ہے اور آقائے دوجہاں کی یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی ہے کہ لو کان القرآن معلقاً باالثریا لنا لہ رجالاً منہا۔واقعی قرآن کرّہ ارض سے اٹھ چکا تھا۔مگر اس فارسی النسل جوان کی ہمت اور کوششوں کے نتیجہ میں آج دوبارہ دنیا میں رائج ہوگیا۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عجز وانکساری

جوخاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات طیبہ ایک شفاف آئینہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے ۔جہاں آپ نے خدا سے راہنمائی پا کر اپنی فکر کو ملفوظات اور روحانی خزائن کی شکل میں زیور تحریر بخشا۔وہیں خدا کی بتائی ہوئی پاک راہوں پر چلتے ہوئے آپؑ کی زندگی ہم سب اور آنے والے زمانوں کے لئے انسانی اخلاق کا عظیم ترین نمونہ ہے۔آپؑ کی سیرتِ قدسیہ اور اوصافِ کریمانہ پر کئی کتب اور ہزاروں مضامین لکھے گئے۔اس مختصر مضمون میں بھی آپ کے عجز وانکسار کے چند واقعات پیش ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی انتہائی سادگی، عاجزی اور انکساری میں گزری اور آپؑ نے جماعت کو بھی یہی تعلیم دی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں کہ ’’انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں مگر سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے اگر تکبر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا۔سوتم دل کے مسکین ہوجاؤ‘‘ (تذکرۃ الشہادتین ص63)

ایک اور جگہ آپؑ تحریر فرماتے ہیں، ’’میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔مگر تم شاید نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے۔۔پس مجھ سے سمجھ لو کہ میں خدا کی روح سے بولتا ہوں ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا عقلمند یا ہنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کردے اور اس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اس سے بہتر عقل اور علم دیدے۔‘‘ (نزول مسیح ص 402) آپؑ نے قرآنی آیت لوانزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل کی تفسیر کرتے ہوئے ایک معنے یہ بھی کئے ہیں فرماتے ہیں کہ ’’کوئی شخص محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کرسکتا کہ جب تک کہ دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہوجائیں۔اول تکبر کو توڑنا۔جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے۔گر کر زمین پر ہموار ہوجائے۔اسی طرح انسان کو چاہیے کہ تمام تکبر اور برائی کے خیالات کو دور کرے۔عاجزی اور خاکساری کو

اختیار کرے۔‘‘(ذکرحبیب،حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب ص261)

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی مجالس نہایت سادہ ہوتیں،جس کو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتا مجلس میں آنے والے احباب سے انتہائی محبت سے ملتے آپؑ کے کسی قول وفعل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ آپ بڑے آدمی ہیں۔حضرت مولانا عبدالکریمؓ صاحب سیالکوٹی اپنی کتاب ’’سیرت حضرت مسیح موعودعلیہ السلام‘‘(ص42۔41) میں تحریر فرماتے ہیں کہ’’باہر مسجد مبارک میں آپؑ کی نشست کی کوئی خاص وضع نہیں ہوتی ایک اجنبی آدمی آپؑ کوکسی خاص امتیاز کی معرفت پہچان نہیں سکتا۔آپؑ ہمیشہ دائیں صف ایک کونے میں مسجد کے اس طرح مجتمع ہوکر بیٹھتے ہیں جیسے کوئی فکر کے دریا میں خوب سمٹ کر تیرتا ہے۔میں جو اکثر محراب میں بیٹھتا ہوں اوراس لئے داخلی دروازہ کے عین محاذ میں ہوتا ہوں بسا اوقات ایک اجنبی جو مارے شوق کے سرزدہ اندر داخل ہوا ہے تو سیدھا میری طرف ہی آیا ہے اور پھر خود ہی اپنی غلطی پر متنبہ ہوا ہے یا حاضرین میں سے کسی نے اُسی حقدار کی طرف اشارہ کردیا ہے۔آپؑ کی مجلس میں احتشام اور وقار اور آزادی اور بے تکلفی دونوں ایک ہی وقت میں جمع رہتے ہیں ہر ایک خادم ایسا یقین کرتا ہے کہ آپؑ کوخصوصاً مجھ سے ہی پیار ہے‘‘۔

آپؑ کے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ’’والد صاحب نے اپنی عمر ایک مغل کے طور پر نہیں گزاری‘‘ آپؑ کے حلم اور منکسر المزاجی کی ایک مثال حیات طیبہ میں کچھ یوں تحریر ہے کہ’’ قادیان کے کنہیا لعل صرّاف کا یہ بیان ہے کہ ایک دفعہ خود مرزا صاحب کو بٹالہ جانا تھا آپؑ نے مجھے فرمایا کہ یکہ کرادیا جائے۔حضورؑ جب نہر پر پہنچے تو یاد آیا کہ کوئی چیز گھر میں رہ گئی ہے۔یکے والے کو وہیں چھوڑا اور خود واپس پیدل تشریف لائے۔یکے والے کو پل پر اور سواریاں مل گئیں اور وہ بٹالہ روانہ ہوگیا اور مرزا صاحب غالباً پیدل ہی بٹالہ گئے تو میں نے یکے والے کو بلا کر پیٹا اور کہا کہ کمبخت اگر مرزا نظام الدین ہوتے تو خواہ تجھے تین دن وہاں بیٹھنا پڑتا تو تُو بیٹھتا لیکن چونکہ یہ نیک اور درویش طبع آدمی ہے۔اسی لئے تو اسے چھوڑ کر چلا گیا۔جب مرزا صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپؑ نے مجھے بلا کر فرمایا۔’’وہ میری خاطر کیسے بیٹھا رہتا اسے مزدوری مل گئی وہ چلا گیا‘‘(حیات طیبہ ص15۔16)

آپ کے حلم وکرم کا ایک جلوہ یوں بیان ہے؛حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب نے بیان کیا

کہ ”جب میں قادیان سے واپس لاہور جایا کرتا تھا تو حضورؑ اندر سے میرے لئے ساتھ لے جانے کے واسطے کھانا بھجوایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میں قادیان سے آنے لگا تو حضرتؑ صاحب نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ جو خادم کھانا لایا وہ یوں ہی کھلا کھانا لے آیا۔ حضرتؑ صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ کھانا کس طرح ساتھ لے کر جائیں گے کوئی رومال بھی تو ساتھ لانا تھا جس میں کھانا باندھ دیا جاتا۔ اچھا میں کچھ انتظام کرتا ہوں اور پھر اپنے سر کی پگڑی کا ایک کنارہ کاٹ کر اس میں وہ کھانا باندھ دیا۔“ (ذکرحبیب، ص 321) ایک واقعہ ڈاکٹر بشارت احمد کی کتاب ”مجدد اعظم“ جلد دوم (1293 تا 1294) سے تحریر ہے۔ ”نواب محمد علی خان صاحب آف مالیر کوٹلہ کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوگیا تو حضرتؑ اقدس جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے۔ نماز جنازہ خود پڑھائی۔ قبر ابھی تیار نہ تھی۔ میں (مولف مجدد اعظم) بھی جنازہ کے ساتھ تھا۔ لوگ قبر دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی اسی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جو دیکھتا ہوں۔ تو حضرتؑ صاحب ندارد۔ گبھرا کر ادھر اُدھر دیکھا تو باغ میں ایک طرف اکیلے زمین پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ میں نے جلدی سے ایک درخت کے نیچے چادر بچھائی اور حضرتؑ سے جا کر عرض کی کہ یہاں تو دھوپ ہے وہاں درخت کے سایہ میں تشریف لے چلئے۔ فرمانے لگے، ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آپؑ درخت کے سایہ میں اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ میں قریب ہی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگوں نے جو دیکھا کہ حضرتؑ صاحب درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو لوگ وہیں آنا شروع ہو گئے۔ اب جو آتا حضرت اقدسؑ اُسے فرماتے ”آیئے آیئے یہاں بیٹھیئے“ اور خود پیچھے کھسک جاتے اور اُسے چادر پر بٹھا لیتے لوگ آتے گئے اور حضرت صاحبؑ پیچھے کھسک کھسک کر لوگوں کو چادر پر بٹھاتے گئے۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر نہ گزری تھی جو دیکھتا ہوں حضرت صاحب تو مٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور مرید سارے چادر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آنے والوں کو تو زیارت اور ملاقات کے ذوق شوق میں یہ نظر نہ آیا۔ مگر میں دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی ایمان ترقی کر رہا تھا کہ خدا نے کیا مرتبہ دیا ہے اور نفس میں کسقدر انکسار اور فروتنی ہے۔“ یہ وہ راہیں ہیں جو ہماری منزل کا نشان ہیں کہ ہم اپنے نفس کے گورکھ دھندوں سے نکل کر راہِ حق پائیں۔ خدا ہمیں ان پاک راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



کاسر صلیب کا علمی معجزہ

جس نے دنیائے مسیحیت میں تہلکہ مچادیا

قرآن مجید اوراحادیث صحیحہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّت محمدیہ کوادبارتنزل کے بعدآخری زمانہ میں جواقبال اورترقی ملنے والی ہے وہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ذریعہ ہوگی اوران کی کھوئی ہوئی جاہ وحشمت اورشان وشوکت مسیح آخرالزمان کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد ہی میسرآئے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ (الصّف:10) یعنی یہ وہی ذات ہے جس نے اپنارسول ہدایت ودین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسلام کوتمام ادیان باطلہ پر غالب کردے اگرچہ مشرک لوگ اس کوناپسند کریں۔مفسرین سابقہ اس آیت کریمہ کوحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے زمانہ کے متعلق قراردیتے ہیں۔کیونکہ اسلام کا موعودہ غلبہ اسی کے زمانے میں ہوگا۔هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ------ذالك عند خروج عیسیٰ (ابن جریر جلد 15 ص 72) اس آیت میں جس اسلامی غلبے کا ذکر ہے وہ مسیح موعود کی بعثت کے بعدواقع ہوگا۔اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے۔’’کیف تھلك امة انافی اولھا والمسیح ابن مریم فی اخرھا‘‘۔کہ وہ امت کس طرح ہلاک ہوسکتی ہے جس کے شروع میں (میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہوں۔اورآخر میں مسیح ہوگا۔امت محمدیہ کے ایک فردکوانبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک کا نام یعنی’’مسیح‘‘محض اس تفاول کی بناپردیا گیا ہے۔کہ اس مسیح محمدی کے زمانے میں مسیح موسوی کی بگڑی ہوئی امت اپنے دجل وفریب دھوکہ بازی اوردغابازی سے دنیا کے چپہ چپہ پر مسلط ہونے والی تھی۔پس ضروری تھا کہ مسیح موسوی کے نام پر پھیلائے ہوئے غلط عقائداورمکروفریب کی قلعی امت محمدیہ میں سے وہ شخص کھولے جواسی نام سے موسوم کیا گیا ہو۔اس مسیح کی علامات بیان فرماتے ہوئے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ولیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر۔اس حدیث میں مسیح موعود کی چارعلامتیں بیان کی گئی ہیں۔نمبر 1 مسیح حکم ہوگا۔نمبر 2۔عدل ہوگا۔نمبر 3 مسیح کسرصلیب کرے گا۔نمبر 4۔خنازیرکوقتل کرے گا۔مقدم الذکردوعلامات میں مسیح موعود کے اس کام کی طرف اشارہ ہے۔جواسے مسلمان عوام وخواص میں سرانجام دینا ہے۔اورمؤخرالذکر

دوعلامات میں مسیح کے اس کام کی طرف اشارہ مقصود ہے جو اسے قصر مسیحت کو منہدم کے لئے پورا کرنا ہے۔ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ یکسر الصلیب کے معنی یہ ہیں کہ مسیح کاٹھ کی صلیب کو لے کر ٹکڑے ٹکڑے کردے گا اور پھر یہ دعویٰ کرے گا کہ میں کسر صلیب کر چکا۔ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں۔کیونکہ خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نبی کا یہ مشن قرار دینا حد درجہ مضحکہ خیز امر ہے کہ وہ آئے گا اور لکڑی کی صلیبیں صبح وشام توڑتا پھرے گا۔ہم اسے بھی معقول مان لیتے اگر مسیحیوں کی چند صلیبیں نصب ہوتیں اور ان کو توڑ دینے سے آئندہ کے لئے کسی نئی صلیب بنانے کا امکان ختم ہوجاتا۔یا چند صلیبوں کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی مسیحیت کے طوفان کے ختم ہوجانے اور اس کے سارے طلسم ٹوٹ جانے کی امید ہوتی۔کوئی صاحبِ عقل انسان اس امر کو معقول نہیں سمجھ سکتا۔کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پُرحکمت کے کلام کی ایک ایسی تعبیر کی جائے۔ جو ہر پہلو سے غیر معقول اور بے حقیقت ہو۔ پس حدیث کے الفاظ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہو سکتا۔حقیقت یہ ہے کہ اگر غور سے کام لیا جائے۔تو کسر صلیب کے صرف ایک ہی معنے مراد ہوسکتے ہیں۔اور وہ یہ ہیں کہ آنے والا مسیح عیسائیوں کی مصنوعی مسیحیت کا تارو پود بکھیر کر رکھ دے گا اور عیسائیت کے دجل و فریب کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوڑ دے گا۔جس سے مسیحی تحریک کی کمر ٹوٹ جائے گی۔اور یہ دریا جو اپنی وسعت میں دنیا کو سمیٹتا نظر آتا ہے اپنی گزرگاہ کو کبھی سیراب نہ کر سکے گا۔چنانچہ شارحین احادیث میں سے محققین نے بھی ان ہی معنوں کو ترجیح دی ہے کہ کسر صلیب سے مراد ابطال نصرانیت ہے۔علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں۔"(عمدۃ القاری فی شرح بخاری جلد 5 ص 584 مطبوعہ مصر)"یعنی مجھے کسر صلیب کے معنے الہاماً بتائے گئے ہیں۔اور وہ یہ ہیں۔کہ مسیح موعود آ کر نصاریٰ کے اس کذب کا خوب اظہار کردے گا جو وہ کہتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر مار دیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بھی ان کے کذب اور جھوٹ کی خبر دی ہے۔پس بات صاف ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مفوضہ کام جو جو آپ نے سرانجام دینا تھا وہ کسر صلیب تھا یعنی مسیح ناصری علیہ السلام کو صلیب سے زندہ ہی اتار لیا گیا تھا۔اور یہی وہ حقیقت ہے جو بدیہی طور پر کسر صلیب کی حدیث کو پورا کرنے والی ہے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان دنوں مختلف مذاہب کے پیروؤں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حادثہ صلیب کے متعلق مختلف قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔

اوّل۔یہود کا یہ اعتقاد ہے حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔اور وہ صلیب پر ہی فوت ہوئے۔بالفاظ دیگر مسیح کا سر صلیب نہ ہوئے بلکہ صلیب کا سر مسیح ہوئی۔کہ بے چارے مسیح حادثہ صلیب

کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہوئے۔

دوم۔عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔اور وہ صلیب پر ہی فوت ہوئے گویا مسیح مکسور اور صلیب کا سر رہی۔سوم۔غیر احمدی مسلمانوں کے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام حادثہ صلیب سے دو چار ہونا ہی نہیں پڑا۔بلکہ آپ کے ہم شکل ایک اور شخص کو یہود نا مسعود نے صلیب پر لٹکا دیا۔اور وہ مارا گیا۔یعنی نہ ہی مسیح حدیث کے ظاہری معنوں کے پیش نظر کا سر صلیب ہوئے۔اور نہ ہی صلیب مسیح کا کچھ بگاڑ سکی۔بلکہ مسیح کو حادثہ صلیب پیش ہی نہیں آیا۔

چہارم۔چوتھا نظریہ اس بارہ میں جماعت احمدیہ کا ہے۔جس کی بنیاد ٹھوس علمی اور تاریخی تحقیق پر ہے اور یہی ایک نظریہ ایسا ہے۔جس کے ذریعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات بابرکات کا سر صلیب قرار دی جاسکتی ہے۔اور صلیب اپنے مقصد میں ناکام ونامرادرہ کر شکستہ ہوجاتی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکائے تو ضرور گئے تھے مگر بدبخت یہود اپنی تمناؤں کو بروئے کار نہ لاسکے اور جو مقصد ان کے پیش نظر تھا کہ وہ مسیح کو نعوذ باللہ ملعون ثابت کریں۔اس مقصد میں خدائی مشیت نے انہیں ناکام کر دیا۔اور خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ ہونے کی حالت میں صلیب پر سے زندہ اتار لیا۔اور تین دن کے لئے زمین دوز پناہ گاہ میں علاج ومعالجہ کے بعد آپ افغانستان ہوتے ہوئے کشمیر تشریف لے آئے۔اور یہیں آپ نے وفات پائی۔اس تحقیقی نظریہ کے ذریعہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے حدیث یکسر الصلیب کو لفظاً اور معناً دونوں طریق پر پورا کر دکھایا۔قصر مسیحیت کے درودیوار حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی حقانیت اسلام پر مشتمل تحریروں کے سامنے لرزہ براندام تو تھے ہی اب اس تحقیق سے عیسائیت کا رہا سہا وقار بھی خاک میں گیا۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام امام آخرزمان کا یہ دعویٰ فلسفہ ما بعد طبیعات کے دوراز قیاس قضایا پر مشتمل نہ تھا۔بلکہ ٹھوس دلائل اور قاطع براہین پر مشتمل ایک علمی ریسرچ ہے۔جس کی تائید اگر ایک طرف تاریخی اور واقعاتی شواہد سے ملتی ہے۔تو دوسری طرف بے شمار منقولی دلائل کتب مقدسہ سے اس تحقیق کی صداقت پر ثبوت ہیں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اپنی بیشتر کتب میں اس تحقیق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور بہ تمام وکمال یہ ثابت کردکھایا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر سے زندہ اُتار لیا گیا تھا۔اور آپ بموجب حدیث (ان عیسیٰ ابن مریم عاش عشرین وماعه سنة۔طبرانی) ایک سو بیس سال تک زندہ رہے تھے اور پھر اس طبعی عمر کے بعد فوت ہوئے تھے۔چنانچہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام افرماتے ہیں:" غرض مسیح ابن مریم کو صلیبی موت سے مارنا یہ ایک ایسا اصل

ہے کہ جس پر اس مذہب کے تمام اصولوں کفارہ، تثلیث وغیرہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور یہی وہ خیال ہے کہ جو نصاریٰ کے چالیس کروڑ انسانوں کے دلوں میں سرایت کر گیا ہے۔ اور اس کے غلط ثابت ہونے سے عیسائی مذہب کا کچھ بھی نہیں رہتا اگر عیسائیوں میں کوئی فرقہ دینی تحقیق کا جوش رکھتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ان ثبوتوں پر اطلاع پانے سے وہ بہت جلد عیسائی مذہب کو الوداع کہیں۔ اور اگر اس تلاش کی آگ یورپ کے تمام دلوں میں بھڑک اٹھے۔ تو جو گروہ چالیس کروڑ انیس ماہ کے اندر دستِ غیب سے ایک پلٹا کھا کر مسلمان ہو جائے کیونکہ صلیبی اعتقاد کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مارے گئے بلکہ دوسرے ملکوں میں پھرتے رہے۔ یہ ایسا امر ہے کہ یکدفعہ عیسائی عقائد کو دلوں سے اُڑاتا ہے اور عیسائیت کی دنیا میں انقلاب عظیم ڈالتا ہے"۔ (راز حقیقت ص14)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منفرد نظریہ کیوں؟ دلیل اوّل۔ سب سے پہلی دلیل جو مجھے اس امر کے اثبات میں پیش کرنی ہے۔ وہ صحف سابقہ میں مندرج واضح اور بیّن پیشگوئیاں ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موسوی کو مخالفین کے مختلف النوع مظالم کا نشانہ بننا پڑے گا اور وہ اس کی تذلیل وتحقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے۔ مگر خدائی نصرت آڑے وقت میں کام آئے گی۔ اور مسیح ان سے مخلصی پائے گا۔ چنانچہ زبور 118۔200۔ میں صاف آتا ہے۔ کہ وہ موعود شخص مصیبت سے مخلصی کے لئے دعا کرے گا اور اس کی سنی جائے گی یعنی وہ بچا لیا جائے گا۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ (1) کیونکہ نہ تو اس نے مصیبت زدہ کی مصیبت کو حقیر جانا نہ اس سے نفرت کی نہ اس سے اپنا منہ چھپایا بلکہ جب اس نے خدا سے فریاد کی تو اس نے سن لی۔ بڑے مجمع میں میری ثنا خوانی کا باعث تو ہی ہے" (زبور 22۔24)

(2) "میں مروں گا نہیں بلکہ جیتا رہوں گا اور خداوند کے کاموں کا بیان کروں گا۔ خداوند نے مجھے سخت تنبیہ تو کی لیکن موت کے حوالہ نہیں کیا"۔ (زبور 118۔17۔18) مذکورہ بالا زبوریں جن کے حوالے اوپر درج کئے گئے ہیں۔ عیسائی مناددوں کے نزدیک مسلم طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہیں چنانچہ پادری اکبر مسیح "ضربت عیسوی" میں، ڈاکٹر علی بخش صاحب "تفسیر زبور" میں، اور ڈاکٹر سٹینٹن صاحب "تفسیر متی" میں اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان زبوروں میں حضرت مسیح کے دعویٰ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اور آپ کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان زبوروں کی ایک ایک آیت انجیلی واقعات سے مطابقت رکھتی ہے۔ پس ہر دو حوالہ جات اس کا ثبوت ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا صلیبی موت سے بچنا ایک لازمی امر تھا کیونکہ صاف لکھا ہے "موت کے حوالے نہیں کیا بلکہ جب خدا تعالیٰ سے مصیبت اور

"تکلیف کی فریاد کی تو اس نے سُن لی چنانچہ عبرانیوں 5۔7 میں آتا ہے۔" اس نے بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار پکار کر اور آنسو بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی"۔ پھر دونوں زبور میں اس امر کا ذکر بھی موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس مصیبت سے نجات کے بعد ایک بڑے مجمع سے خطاب کریں گے۔ اور ان سے اپنی نجات کا تذکرہ کریں گے۔ پس اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت ہو گئے تھے۔ تو پھر اس پیشگوئی کو بھی جھوٹا قرار دینا پڑے گا۔ کیونکہ حادثہ صلیب تک آپ کو ماننے والے صف بارہ حواری تھے۔ اور وہ بھی بوقت مصیبت چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (متی 27/56) لہٰذا ہم ان کو مجمع کس طرح قرار دے سکتے ہیں پس مجمع وہی تھا۔ جس کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ" اور بھی میری بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں مجھے ان کو لانا ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہوگا۔" (یوحنا10۔16) تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ بخت نصر بادشاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے دس قبائل افغانستان و کشمیر کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میری اور بھیڑیں ہیں۔ اس سے وہی دس قبائل مراد تھے چنانچہ آپ بموجب پیشگوئی صحف سابقہ صلیب سے نجات پانے کے بعد ان قبائل میں آئے۔ اور اپنی نجات کا بڑے بڑے مجمعوں میں اعلان کرتے رہے۔ **دلیل دوم**۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے بچنے پر حضرت مسیح علیہ السلام کی خود اپنی پیشگوئی بھی ثبوت ہے۔ جو آپ نے صلیبی موت سے بچنے کے متعلق فرمائی تھی۔ چنانچہ مشہور انجیل نویس متی کہتا ہے" اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اسے کہا اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ زمانہ کے بُرے اور حرامکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یوناہ نبی کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا"۔ (متی 12/38۔39) ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام نے جہاں فقیہوں اور فریسیوں کو عام نشانات دکھانے سے انکار کیا ہے وہاں ایک نشان کے دکھانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اور ان اس نشان کو یوناہ نبی کے نشان سے مشتبہ قرار دیا ہے۔ یوناہ نبی کے معجزہ کا ذکر یوناہ۔2 تا15/10 میں بایں الفاظ مذکور ہے۔" اور انہوں نے یوناہ کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور سمندر کا تلاطم موقوف ہو گیا۔۔۔۔۔ لیکن خداوند نے ایک مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یوناہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا تب یوناہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے یہ دعا کی۔۔۔ اور

خداوند نے مچھلی کو حکم دیا اور اس نے یوناہ کو خشکی پر اُگل دیا''۔ یہود اور نصاریٰ کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام یا یوناہ نبی زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں گئے۔ اور زندہ ہی وہاں رہے۔ اور زندہ ہی باہر آئے تھے۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کے نشان کو یوناہ نبی کے نشان سے مشابہت تو تب ہی ہو سکتی ہے جب آپ صلیب سے زندہ اُتار لئے جائیں اور زندہ قبر میں داخل کئے جائیں۔ لیکن اگر بقول نصاریٰ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح صلیب پر وفات پا گئے تھے۔ گویا آپ مردہ حالت قبر میں داخل کئے گئے تھے۔ تو نشان کس طرح ہوا اور یوناہ کے نشان سے مشابہت کیسی؟ کیا یوناہ مچھلی کے پیٹ میں تین دن رات مردہ رہا تھا۔ اور مچھلی کے منہ سے باہر آتے ہی زندہ ہو گیا تھا؟ اگر یہ صحیح نہیں تو ماننا پڑے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی زندگی کی حالت میں قبر میں داخل کئے گئے تھے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب آپ صلیب پر سے زندہ اتار لئے جائیں۔ اس جگہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور اکثر مسیحی حضرات مذکورہ بالا دلیل کے جواب میں اسے پیش کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو اپنے معجزہ یا نشان کو یوناہ نبی کے معجزہ سے مشابہت دی تھی وہ دراصل مشابہت زمانی تھی نہ کہ حیات و ممات میں یعنی مسیح نے یہ فرمایا تھا کہ جس طرح یوناہ نبی تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح میں بھی تین رات دن قبر میں رہوں گا باقی یہ کہ زندہ رہوں گا یا مروں گا اس کا یہاں ذکر نہیں۔ عیسائی صاحبان کی یہ توجیہ شاید اندھی تقلید کرنے والے کے لئے تو باعث تسکین ہو سکے مگر اس شخص کے لئے جو حقائق و شواہد کا گرویدہ ہو وہ ان کے دجل و فریب سے اطلاع پا کر اور بھی زیادہ بدظن ہو جائے گا۔ کیونکہ یوناہ 1 / 17 میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ''تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا'' یہ عیسائی اور پادری صاحبان کی دجالی جعل سازیوں کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے کیونکہ انگریزی بائیبل میں صاف لکھا ہے کہ Three days and three nights یعنی یوناہ نبی تین دن تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کا قبر میں ٹھہرنے کا عرصہ از روئے انجیل صرف ایک دن اور دو رات بنتا ہے۔ کیونکہ مسیح کو جمعہ کی شام کو قبر میں رکھا گیا تھا۔ ہفتہ کا دن اور رات وہاں رہے۔ پھر اتوار کی صبح کو وہاں موجود نہ تھے۔ چنانچہ آتا ہے ''جب سبت کا دن گزر گیا تو مریم مگدلینی اور یعقوب کی ماں مریم اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تا کہ آ کر اس پر ملیں وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں وہ آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائے گا جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے اور قبر کے اندر جا کر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے داہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں اس نے ان سے کہا ایسی

حیران نہ ہوتم یسوع ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو۔ وہ جی اُٹھا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے دیکھو یہ وہ جگہ ہے جہاں اُنہوں نے اسے رکھا تھا۔ (مرقس16 / 21)

پس یہ صرف تحریف ہے جو اُنہوں نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے اردو بائیبل میں کی ہے۔ اور حقیقت وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بموجب اپنی پیشگوئی کے صلیب سے زندہ اُتارے گئے اور زندہ ہی قبر میں اُتارے گئے اور زندگی کی حالت میں ہی قبر سے باہر آئے اس لحاظ سے آپ کے نشان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی ورنہ قبر میں ٹھہرنے کے عرصہ کے لحاظ سے حضرت مسیح اور حضرت یونس کے نشان میں مشابہت نہیں ہے۔ **دلیل سوم**۔ تیسری دلیل جو اس امر کے اثبات میں پیش کرنی ضروری ہے وہ خدائے بزرگ برتر کے حضور میں حضرت مسیح علیہ السلام کی دعائیں اور التجائیں ہیں۔ آپ نے اس موت کے پیالے کو ٹالنے کے لئے نہایت اضطراب اور کرب کی حالت میں کیں۔ چنانچہ انجیل میں مذکور ہے کہ ’’اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمتن نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا۔ یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں۔ اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے اس سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کو نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر ذرا آگے منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ (متی۔26 / 36۔39) اسی طرح 17 / 32 اور لوقا 43 / 45 میں اس دعا کا ذکر موجود ہے پھر حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی دُعا کی قبولیت کا اتنا واثق یقین تھا کہ جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو تو آپ نے بلند آواز سے خدا کو پکارا اور کہا ’’ ایلی ایلی ماسبقتنی ی‘‘ عنی اے میرے خدا اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ (متی 27 / 46) پس کیا حضرت مسیح کی یہ سب دعائیں رد ہو سکتی ہیں۔

جبکہ خدا ایک گنہگار اور خطا کار کی بھی دعا اور التجا سنتا ہے اور شرف قبولیت بخشتا ہے۔ تو کیا ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے تصور میں لا سکتے ہیں کہ حضرت مسیح جو اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی بلکہ ان کے نزدیک ابن اللہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ کیا ان کی دعا قبول نہ ہوئی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو سنا اور قبول کیا اور آپ کو صلیبی موت سے بچا لیا چنانچہ عبرانیون 5 / 7 میں صاف لکھا ہے کہ ’’اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اُسکی سُنی گئی‘‘۔ یہاں ایک سوال اکثر عیسائی

صاحبان کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا تو ضرور قبول ہوئی مگر قبولیت کا اظہار اس رنگ میں نہیں ہوا۔ جیسا کہ جماعت احمدیہ کہتی ہے۔

بلکہ اس رنگ میں ہوا کہ جب آپ نے ضعف اور کمزوری کا اظہار کیا تو خدا تعالیٰ نے ایک فرشتہ آپ کی تسکین قلب اور تقویت کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ لوقا 22 / 43 میں لکھا ہے۔ ''اور آسمان سے ایک فرشتہ اُسے دکھائی دیا وہ اُسے تقویت دیتا تھا''۔ پس ان صاحبان کے نزدیک فرشتہ کا تقویت دینا دُعا کی قبولیت کا اظہار تھا۔ مگر اُن کا یہ خیال محض قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حالت صلیب میں ''ایلی ایلی ما سبقتنی'' کے کلمات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو قبولیت دُعا کے اثرات سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ اور فرشتے کے نزول سے طمانیت قلب حاصل ہونی چاہیے تھی، نہ ہوئی۔ کیا ہم روزانہ دنیا کے اخبارات میں ایسی باتیں نہیں پڑھتے کہ فلاں خونی ڈاکو نے خوشی خوشی تختہ دار پر اپنی جان دی اور چیخ و پکار کا نام تک نہ لیا۔ مگر یسوع ناصری جو بقول عیسائی صاحبان کامل انسان اور کامل خدا تھا اور جس کے مجسم ہونے کی علّت غائی ابتدا سے بلکہ ازل سے یہی تھی کہ وہ گنہگاروں کے فدیہ میں جان دے کیوں اس قسم کی تشویش قلبی کا اظہار کرتا تھا کیا ان واقعات سے یہ صاف اور سیدھا نتیجہ نہیں نکلتا کہ مسیح مصلوب ہونے کے لئے تیار نہیں تھا کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ مشیت الٰہی مجھے ضرور بچالے گی جیسے کہ آپ کے یہ الفاظ بآواز بلند کہہ رہے ہیں کہ'' روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے'' (متی 26 / 41) پس مسیح کی دعا کی قبولیت اسی رنگ میں ہوئی کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے صلیبی موت سے بچا لیا اور زندہ صلیب پر سے اُتار لیا۔ یہود کا مقصد مسیح کو صلیب پر مارنا تھا۔ اور اس طرح انہیں معاذ اللہ لعنتی ثابت کرنا تھا۔ اسی لعنت سے بچنے کے لئے حضرت مسیح نے دعا کی تھی جو سنی گئی۔ درمیانی تقویت تو زیر بحث نہ تھی نہ ہی مسیح نے اس کے لئے دعا کی تھے۔ ان کی دعا تو موت کا پیالہ ٹالنے کے لئے تھی۔ اور یہی دعا قبول ہوئی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔

دلیل چہارم۔ حضرت مسیح علیہ السلام ایک نبی اور پیغمبر تھے۔ بلکہ عیسائی صاحبان کے نزدیک ابن اللہ تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کی محبت اور عشق سے سرشار ہوتا ہے۔ اور ہر آن نصرت الٰہی آپ سے ہم کنار رہتی تھی۔ پس ایک ایسے فرد کے لئے جو مقبول بارگاہ الٰہی ہو یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسی موت مرے۔ جو ملعونوں اور مردودوں کی موت ہو۔ کیا خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کی ایسی تذلیل اور تحقیر گوارہ کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ قارئین خود غور فرمائیں کہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں صداقت اور حق

پرستی کا معیار کیا رہ جائے گا۔صلیبی موت ایک لعنتی موت سمجھی جاتی تھی۔استثناء 21/22 میں لکھا ہے۔’’اگر کسی نے ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور تو اسے مار کر درخت سے ٹانک دے۔تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے۔ بلکہ تو اسی دن اسے دفن کر دینا۔ کیونکہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔تا نہ ہو کہ تو اس ملک کو ناپاک کر دے جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو میراث کے طور پر دیتا ہے‘‘۔اسی وجہ سے یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے صلیبی موت تجویز کی تھی تا کہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نبی کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ وہ لعنتی موت مرے تھے۔جو ایک عام شریف آدمی کے لئے بھی تصور نہیں کی جا سکتی۔پس اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر وفات پا گئے تھے۔تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آپ ایک ملعون موت مرے تھے۔غور طلب امر یہ ہے کہ نبوت اور لعنت ہر دو صفات کیا ایک فرد میں جمع ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔کیونکہ جب ہم ان دونوں صفات کے مفہوم پر غور کرتے ہیں تو ان میں بُعد المشرقین نظر آتا ہے۔اور ان میں اتنا ہی تضاد اور تناقص ہے۔جتنا زمین و آسمان اور لیل و نہار میں ہے۔کیونکہ نبی کا دل تمام الائشوں اور کدورتوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔وہ محبت الٰہی میں ایسا محو ہوتا ہے۔کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں سرد ہو چکی ہوتی ہے۔شیطان اس سے دُور بھاگتا ہے۔اس کا قلب صافی انوار الٰہی کا مہبط اور مورد ہوتا ہے۔برخلاف اسکے ملعون اس شخص کو کہتے ہیں۔جس کا دل پلید اور ناپاک ہو وہ خدائی قُرب سے دور ہو۔شیطان سے اُس کا تعلق ہی نہ ہو بلکہ خود مجسم شیطان ہو۔

اب قارئین خود سوچ لیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ دو متضاد صفات نبوت اور لعنت کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔عیسائیوں کے نزدیک یہ بھی اہم ہے کہ وہ مسیح کو نہ صرف نبی بلکہ ابن اللہ سے بڑھ کر خدا قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ملعون۔اور یہ کہاں کی عقلمندی اور دانائی ہے؟۔اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ استثناء کے حوالے میں جس شخص کے ملعون ہونے کا ذکر ہے۔اس سے مراد وہ شخص ہے جو گنہگاری کی حالت میں صلیب دیا گیا ہو مگر حضرت مسیح علیہ السلام تو معصوم تھے۔انہوں نے نیک مقاصد کے لئے جان دی۔وہ ملعون نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ مسیح ملعون ہوئے۔ بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے پاک اور بزرگ نبی تھے۔آپ کی موت دیگر انبیاء کی طرح ہوئی۔جیسے دیگر راست باز انبیاء کی موت ہوئی۔اور آپ یہود کے بد ارادہ سے بچا لئے گئے تھے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں۔’’حضرت عیسیٰ کے وقت میں بدبخت

یہودیوں نے یہ چاہا کہ اُن کو ہلاک کریں اور نہ صرف ہلاک بلکہ ان کی پاک روح پر صلیبی موت سے لعنت کا داغ لگا دیں کیونکہ تورات میں لکھا تھا۔ کہ جو شخص لکڑی پر یعنی صلیب پر مارا گیا۔ وہ لعنتی ہے۔ یعنی اُس کا دل پلید اور ناپاک اور خدا کے دربار سے دور رہا ہوتا ہے اور راندہ درگاہ الٰہی اور شیطان کی مانند ہو جاتا ہے۔ اور اسی کئے شیطان کا نام لعین ہے اور یہ نہایت بد منصوبہ تھا کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت سوچا گیا تھا۔ تا اس سے وہ نالائق قوم یہ نتیجہ نکال لے کہ یہ شخص پاک دل اور سچا دل نہیں ہے۔ اور جیسا کہ مفہوم لعنت کا ہے۔ وہ خدا سے بجان و دل بیزار اور خدا اس سے بیزار ہے۔ لیکن خدائے قادر و قیوم نے بد بخت یہودیوں کو اس ارادہ سے ناکام و نامراد رکھا اور اپنے پاک نبی کو نہ صرف صلیبی موت سے بچایا بلکہ اُس کو ایک سو بیس برس تک زندہ رکھ کر تمام دُشمن یہودیوں کو اس کے سامنے ہلاک کیا۔ (راز حقیقت ص 2) پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو ہرگز ملعون نہیں سمجھتی۔ ہاں یہ فتویٰ آج سے دو ہزار سال قبل عیسائیوں کا ایک مسلمہ بزرگ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق دے چکا ہے۔ جس کا نام نامی پولوس ہے۔ وہ گلتیوں 3/13 میں لکھتا ہے۔ ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے''

پس معلوم ہوا کہ پولوس کے نزدیک مسیحؑ لعنتی موت مرا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کا نبی اور برگزیدہ ایسی موت سے ہرگز فوت نہیں ہوسکتا۔ یہ درست ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے گناہ تھے۔ یہود کے نزدیک تو انہوں نے جھوٹا دعویٰ نبوت کر کے اپنے آپ کو مجرم بنا لیا تھا یہود انہیں بذریعہ صلیب قتل کر کے ان کے مجرم ہونے پر مہر ثبت کرنا چاہتے ہیں۔ تا صلیبی موت ان کے کاذب ہونے پر دلیل ہو۔ عیسائی لوگ ان کی اس دلیل کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ اور مسیح کو مصلوب اور لعنتی قرار دیتے ہیں۔ دلیل پنجم۔ پیلاطوس جس کی عدالت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا مقدمہ پیش ہوا اور جو رومن ایمپائر کی طرف سے فلسطین کا چھٹا گورنر تھا۔ اناجیل کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی پاکدامنی اور بزرگی کا قائل ہو چکا تھا۔ اور آپ کو بے قصور تصور کرتا تھا۔ اس کی وجہ اس کی بیوی کی خواب تھی۔ جو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق دیکھی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے'' اور جب وہ (یعنی پیلاطوس) مسند پر بیٹھا اس کی جورو نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت تصدیق پائی۔ (متی 27/19) اس خواب کی بنا پر نیز اپنی تحقیق کی رو سے پیلاطوس حضرت مسیح علیہ السلام کو بری اور بے قصور مان چکا تھا۔ چنانچہ 19۔38 متی میں آتا ہے'' اور پلاطوس نے

کہا کہ حق کیا ہے یہ کہہ کے یہودیوں کے پاس باہر گیا اور انہیں کہا میں اس کا کچھ قصور نہیں پاتا''۔ نیز لوقا 23/13 میں آتا ہے۔''اور پلاطوس نے سردار کاہنوں اور سرداروں اور لوگوں کو پاس بُلا کے ان سے کہا کہ تم اس شخص کو میرے پاس یہ کہتے لائے کہ یہ لوگوں کو بہکاتا ہے۔ دیکھو تمہارے آگے تحقیق کرنے پر ان قصوروں میں سے جن کو تم اس پر ٹھہراتے ہو میں نے اس شخص میں کچھ نہ پایا۔ اور نہ ہیرودیس نے کیونکہ میں نے تمہیں اس کے پاس بھیجا۔ اور دیکھو اُس کا کوئی کام ایسا نہ ٹھہرا جو قتل کے لائق ہے۔ اس لئے اس کو تنبیہہ کر کے چھوڑ دوں گا''۔ پھر اناجیل سے اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ پلاطوس حضرت مسیح کو بے قصور گردان کر چھوڑ نا چاہتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔''حاکم کا دستور ہے عید کو لوگوں کی خاطر ایک بندھوا جسے وہ چاہتے وہ چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت ان کا براباس نامی ایک مشہور بندھوا تھا۔ سو جب وہ اکھٹے ہوئے پلاطوس نے ان سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ تمہارے لئے چھوڑ دوں۔ براہ باس یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ انہوں نے اسے زبردستی حوالہ کیا''(27/15) پھر مرقس 15۔9 میں آتا ہے۔''پلاطوس نے انہیں جواب دیا اور کہا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے یہودیوں کے بادشاہ کو چھوڑ دوں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سردار کاہنوں نے حسد سے اس کو حوالہ کیا تھا''۔ اسی طرح لوقا 23/43 میں لکھا ہے۔''اور دیکھو اس کا کوئی ایسا کام نہ ٹھہرا جو قتل کے لائق ہے اس لئے اس کو تنبیہ کر کے چھوڑ دوں گا''۔ مگر پیلاطوس بدبخت یہود کے اصرار کی وجہ سے اپنی اس نیک خواہش کو بروئے کار نہ لا سکا تو مسیح علیہ السلام کو یہود کے سپرد کرتے وقت اس نے پانی منگوایا اور از روئے اعتقاد مذہبی اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں اس کے خون سے بری ہوں۔ (متی 27/24) مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں کیا یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ حاکم وقت مسیح علیہ السلام کا طرف دار تھا۔ اور آپ کو راستباز سمجھتا تھا۔ اور آپ کی جان بچانے کے درپہ تھا۔ ان حوالہ جات سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پلاطوس حضرت مسیح علیہ السلام کی جان بچانے کے لئے بعض تدابیر کو عمل میں لایا۔

چنانچہ ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ واقع پلاطوس نے بعض ایسی تدابیر کیں حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانے والی تھی۔ اول۔ پلاطوس نے صلیب کے لئے وہ دن مقرر کیا۔ جو یہودیوں کی عید فسح سے قبل کا دن تھا۔ کیونکہ ان کو اس روز بہت کچھ رسومات مذہبی ادا کرنی ہوتی تھیں اور ان کو سخت مصروفیت رہتی تھی۔ چنانچہ یوحنا 19۔13 میں آتا ہے''پلاطوس یہ بات سن کر یسوع کو باہر لایا اور اس مقام میں جو چبوترہ اور عبرانی میں گبّاتا کہلاتا ہے۔ مسند پر بیٹھا اور فسح کی تیاری کا دن تھا''

۔دوم۔صلیب کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا اور شام سے سبت شروع ہو گئی تھی۔جن میں اور کوئی کام بموجب شریعت موسوی نہیں کر سکتے تھے۔مرقس 15۔42 میں آتا ہے" اور جب شام ہوئی اس لئے کہ تیاری کا دن تھا جو سبت سے پہلے ہوتا ہے"۔سوم۔جوافسر یعنی صوبیدار مقرر کیا وہ در پردہ مسیح کا معتقد تھا جیسا کہ اس کی کاروائی سے ثابت ہوتا ہے۔چہارم۔باوجود اس امر کے کہ مسیح کا عرصہ صلیبی موت کے لئے کافی نہیں تھا۔اس کے جسم سے۔مارنے سے خون اور پانی بہہ پڑتا ہے۔(یوحنا/19 34)ر خود تعجب بھی کرتا ہے کہ کیا اتنی جلدی مر گیا(مرقس 14۔42) حضرت مسیح علیہ السلام کی ہڈیاں نہیں تڑواتا۔جبکہ آپ کے ساتھ مصلوب ہونے والے دو چوروں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں۔(یوحنا 19 / 38)۔پنجم۔باوجود اس امر کے کہ اسے مسیح کی موت کا یقین نہیں۔آپ کی لاش ایسے شخص کو دی جاتی ہے جو مسیح کا شاگرد تھا۔اور مسیح پر ایمان لا چکا تھا۔یعنی یوسف نامی آرمینیا کا رہنے والا۔(متی 27 / 57) پس ان مذکورہ بالا تدابیر کی بنا پر ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اُتار لئے گئے تھے۔ان تدابیر میں سے کوئی بھی تدبیر سرسری اور معمولی تدابیر نہیں بلکہ یہ باور کرنے کے لئے قوی اور یقینی دلائل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیبی موت سے بچا لئے گئے تھے۔حاکم کی تدابیر تو الگ رہیں۔خدا تعالیٰ نے بھی عین موقع پر نصرت کا نمونہ دکھایا۔کہ صلیب کے وقت زلزلہ اور آندھی بھیج دی۔جس سے تمام لوگ خوف زدہ ہو گئے۔اور مسیحؑ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔جس سے مسیح کے شاگردوں کو موقع مل گیا کہ جلدی سے لاش کو اُتار سکیں۔(مرقس 15/33۔و متی 51/27 پھر اخیر میں صوبیدار اور پہرہ داروں کا خوفناک واقعات دیکھ کر ایمان لانا(متی 27 / 54) پھر لاش کو بلاتحقیق و معائنہ ایک مخلص مرید کے سپرد کر دینا یہ سب ایسے راز ہیں جن پر معمولی سمجھ کا انسان بھی غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔کہ یہ ضرور مسیح کے بچاؤ کے لئے عمدہ تدابیر تھیں۔ان تمام دلائل پر غور کرنے سے ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے۔کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر مرنے کا عقیدہ عقل ونقل کی رو سے باطل ہے۔اور قرآن مجید کا اعلان **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ** ایک ابدی صداقت کا اعلان ہے۔کہ حضرت مسیح علیہ السلام واقعہ میں نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے۔ہاں ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجہ میں مسیح کو مانند مصلوب ومقتول سمجھ لیا گیا۔اب اس بیسویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت کے غلط عقیدہ کی تردید کروا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت وحرمت اور شان کو پھر قائم کر دیا ہے۔بلکہ حضرت مسیح

موعودعلیہ السلام کے ذریعہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی قبر سرینگر (کشمیر) کے انکشاف سے حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے بچ جانے پر مہر کردی ہے۔اس طرح موجودعیسائیت کا عقیدہ کفارہ باطل اور صلیبی موت کا عقیدہ بھی پاش پاش ہوجاتا ہے۔یہی کسرِ صلیب ہے جوحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے لئے مقدر تھی۔جس سے اسلام کی فتح اور عیسائیت کی شکست روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔الحمدللہ۔



حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کی افادیت



’’میرے اندر ایک آسمانی رُوح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ کو زندگی بخشتی ہے جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔‘‘

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے اُمیدوار

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو سلطان القلم کے آسمانی خطاب سے نوازا۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کے مبارک قلم سے ایسے عظیم الشان روحانی خزائن جاری ہوئے ہیں جن کے ذریعہ کروڑوں روحانی مردے زندگی کی طرف لوٹ آئے۔حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کی پیدائش کے بعد کے زمانہ میں غیر مذاہب نے اسلام پر یکبارگی حملہ کر کے عالم اسلام کو بالعموم اور مسلمانانِ ہند کو بالخصوص بوکھلا دیا تھا۔اسلام پرغیروں کے پے درپے حملوں کی ان میں سکت نہ تھی۔ایسے نازک وقت میں حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام نے اس کیفیت کو بھانپ کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اسلام کی مدافعت کا بیڑا اُٹھایا اور اُسی کی تائید و نصرت سے کتب، ملفوظات،تحریرات،مکتوبات واشتہارات میں قرآن کریم،اسلام اور بانی اسلام کی صداقت اور بلندشان کوثابت کرنے کے لئے ناقابل تردید براہین ودلائل مہیا فرمائے ہیں جو ہمیشہ طالبان حق کی راہنمائی اور ازدیادِ ایمان کا موجب بنتے رہیں گے۔حضرت اقدس

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا اگر خدا تعالیٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو۔ بارہا لکھتے دیکھا ہے ایک خدا کی روح ہے جو تیر رہی ہے قلم تھک جایا کرتی ہے مگر اندر ایک جوش نہیں تھکتا ،طبیعت محسوس کیا کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔(ملفوظات جلد 2 صفحہ 483 ایڈیشن 2003ء)

نیز فرماتے ہیں: ''یہ رسائل جو لکھے گئے ہیں تائید تعالیٰ سے لکھے گئے ہیں میں ان کا نام وحی والہام تو نہیں رکھ سکتا مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خدا تعالی کی خاص اور خارق عادت تائید نے یہ رسالے میرے ہاتھ سے نکلوائے ہیں۔''(سرّ الخلافہ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 415۔416)

یہی وہ زمانہ ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم نے وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر:11) ''اور جب صحیفے نشر کئے جائیں گے۔'' کے الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے ابن مریم کے نزول ثانی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی تھی کہ: ''۔۔۔۔۔ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد'' (بخاری کتاب الانبیا، باب نزول عیسیٰ بن مریم، حدیقۃ الصالحین صفحہ 899) یعنی وہ مال بھی لٹائیں گے لیکن کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اور نشر صحف سے اس کے وسائل یعنی پریس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے ایسی قوم کو پیدا کیا جس نے آلات طبع ایجاد کئے۔ دیکھو کس قدر پریس ہیں جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تا وہ ہمارے کام میں ہماری مدد کرے اور ہمارے دین اور ہماری کتابوں کو پھیلانے اور ہمارے گوہر قوم تک پہنچائے تا وہ ان کی طرف کان دھریں اور ہدایت پائیں۔(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 473)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اس نے مجھے متوجہ کیا ہے کہ میں قلمی اسلحہ پہن کر اس سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اُتروں اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا کرشمہ بھی دکھلاؤں۔ میں کب اس میدان کے قابل ہو سکتا تھا۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی بے حد عنایت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میرے جیسے عاجز انسان کے ہاتھ اس دین کی عزت ظاہر ہو۔۔۔۔ اور دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جہاں نابینا معترض آ کر اٹکا ہے، وہیں حقائق ومعارف کا مخفی خزانہ رکھا ہے۔''(ملفوظات جلد اول صفحہ 38 ایڈیشن 2003) نیز فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا کہ میں ان خزائن مدفونہ کو دُنیا پر ظاہر کروں اور ناپاک اعتراضات کا کیچڑ جو اُن درخشاں جواہرات پر

تھوپا گیا ہے اُس سے اس کو صاف کروں‘‘(ملفوظات جلد اول صفحہ 38 ایڈیشن 2003)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کُتب وتحریرات وارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی افادیت و اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

’’اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے مرزا صاحب کو امام مانا، صادق سمجھا، بہت اچھا کیا اس غرض و غایت کو سمجھا کہ امام کیوں آیا ہے؟ وہ دنیا میں کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس کی غرض یا اس کا مقصد میری تقریروں سے یا مولوی عبدالکریم کے خطبوں سے یا کسی اور کی مضمون نویسیوں سے معلوم نہیں ہو سکتی اور نہ ہم اس غرض اور مقصد کو پورے طور پر بیان کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ وہ ہمارے بیان میں زور اور اثر ہو سکتا ہے جو خود اس رسالت کے لانے والے کے بیان میں ہے۔‘‘(حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 314)

ملائکہ کے نزول کا ذریعہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تمام کتب اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے لکھی ہیں اس لئے ان کا مطالعہ بہت مبارک اور فرشتوں کے نزول کا ذریعہ بنتا ہے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

’’ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے ان کے پڑھنے سے بھی ملائکہ نازل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت صاحب کی کتب پڑھتے ہوئے نکات اور معارف کھلتے ہیں اور جب پڑھو جب ہی خاص نکات اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ خاص فیضانِ الٰہی کے ماتحت مکمل کی گئی ہے اس کے متعلق میں نے دیکھا ہے کہ جب کبھی بھی میں اس کو لے کر پڑھنے بیٹھا ہوں دس صفحے نہیں پڑھ سکا کیونکہ اس قدر نئی باتیں اور نئے نئے معارف اور نکتے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں کہ دماغ انہیں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو حضرت صاحب کی کتب بھی خاص فیضان رکھتی ہیں۔ ان کا پڑھنا بھی ملائکہ سے فیضان حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور ان کے ذریعہ نئے نئے علوم کھلتے ہیں۔‘‘(ملائکۃ اللہ انوار العلوم جلد 5 ص 560)

نیز فرماتے ہیں:۔ایک بات بتادوں اور میں اپنے تجربے سے کہتا ہوں اور علی الوجہ البصیرت کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جو تفسیر قرآنی ہمارے ہاتھ میں دی ہے وہ اتنی عظیم ہے کہ کوئی کتاب لے لو چھوٹی ہو یا بڑی اور اسے سو دفعہ پڑھو سو دفعہ ہی آپ کو اس میں نئے معانی نظر آ جائیں گے۔ یہ اس قسم کی تفسیر ہے۔آپ کی کتب عام کتابوں کی طرح نہیں بلکہ خدا سے سیکھی ہیں۔‘‘(مشعل راہ جلد 2 صفحہ 443)

ایک اور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔’’میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ میں جب عربی یا اُردو میں کوئی عبارت لکھتا

ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے۔‘‘(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18ص434)

پس یہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آب حیات جو آپ کے مبارک قلم سے آپ کی کتب کی شکل میں دنیا کی روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لئے نکلا ہے اس سے سارا عالم فیض یاب ہو چنانچہ آپ فرماتے ہیں:’’میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا جو زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس چشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا ۔‘‘(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3ص104) حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔’’جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے۔‘‘

(سیرت المہدی جلد اول حصہ دوم ص365)

پھر آپ نے ایک دفعہ فرمایا:’’جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا۔سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہوتا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل وعیال سمیت نجات پاؤ۔‘‘(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد18ص403)

پھر آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ’’سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔‘‘(ملفوظات جلد 4ص361) یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی علیہ السلام اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا اسلئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تاکہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دیئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور رسولؐ کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے

جائیں اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔



چندہ جات کی بروقت اور ماہانہ ادائیگی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش

چندہ کی ادائیگی اور اس کی ضرورت و اہمیت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احباب جماعت کو واضح کر دیا تھا کہ اور کس طرح ادا کرنا چاہیے۔اس لئے حضور علیہ السلام گاہے بگاہے احباب جماعت کو ارشاد فرماتے رہتے تھے۔

ماہ بماہ چندہ ادا کرنے کا ارشاد۔ خصوصی تحریکات جیسے (مہمانوں کے لئے ایک مکان اور کنواں تیار کرنے کی بابت (مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص 326) ملحقہ بیت مبارک کے لئے چندہ کی اپیل (مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص 452)

ایک ضروری فرض کی تبلیغ، احمدیہ اسکول کے اجراء کے لئے چندہ کی اپیل (مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص 457)

اشتہار بابت چندہ مدرسہ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص 1) کے علاوہ حضور نے ایک اشتہار بعنوان؛ اشتہار الانصار؛ میں احباب کو ماہ بماہ باقاعدہ چندہ دینے کی تحریک فرمائی اس کا ایک متعلقہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے فرمایا پس ہوش میں آجاؤ اور جاہل مت بنو اور اپنے مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ خدا کی راہ میں کوشش کرو (عربی سے اردو ترجمہ)

نیز فرمایا اس عالی سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے وہی لائق ہے جو ہمت بھی عالی رکھتا ہو اور نیز آئندہ کے لئے ایک تازہ اور سچا عہد خدا تعالیٰ سے کر لے کہ وہ حتی الوسع بلاناغہ ہر ایک مہینہ میں اپنی مالی امداد سے ان دینی مشکلات کے رفع کرنے کے لئے سعی کرتا رہے گا (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص 166)

پھر حضور نے منارۃ المسیح کی تعمیر اور انتظام لنگر خانہ اور توسیع مکان اور مدرسہ کی مالی اعانت وغیرہ کے الگ الگ اشتہارات مختلف وقتوں میں دیئے لیکن شروع سے حضور اس بات پر زور دیتے رہے کہ ماہ بماہ چندہ کی ادائیگی ہوتی رہے چنانچہ ایک اشتہار میں تحریر فرمایا۔''اب چاہیے کہ ہر ایک دوست اپنی اپنی

ہمت اور مقتدرت کے موافق بہت جلد بلاتوقف اس چندہ میں شریک ہو اور یہ چندہ ہمیشہ ماہواری طور سے ایک تاریخ مقررہ پر پہنچ جانا چاہیے بالفعل یہ تجویز ہوئی کہ بقیہ براہین اور ایک اخبار جاری کیا جائے اور آئندہ جو جو ضرورتیں پیش آئیں گی ان کے موافق وقتاً فوقتاً رسائل نکلتے رہیں گے اور چونکہ یہ تمام کاروبار چندہ پر موقوف ہے اس لئے اس بات کو پہلے سوچ لینا چاہیے کہ اسقدر اپنی طرف سے چندہ مقرر کریں جو بسہولت ماہ بماہ پہنچ سکے اے مردمان دین! کوشش کرو کہ یہ کوشش کا وقت ہے۔ اپنے دلوں کو دین کی ہمدردی کے لئے جوش میں لاؤ کہ یہی جوش دکھانے کے دن ہیں اب تم خدا تعالیٰ کو کسی اور عمل سے ایسا راضی نہیں کر سکتے جیسا کہ دین کی ہمدردی سے۔ سو جاگو اور اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ اور دین کی ہمدردی کے لئے وہ قدم اٹھاؤ کہ فرشتے بھی آسمان پر جزاکم اللہ کہیں۔ اس سے مت غمگین ہو کہ لوگ تمہیں کافر کہتے ہیں تم اپنا صدق خدا تعالیٰ کو دکھلاؤ اور اتنے جھکو کہ بس فدا ہی ہو جاؤ۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول ص 367)

صدق کی پہچان۔ فرمایا "ہر ایک شخص جو اپنے تئیں بیعت شدوں میں داخل سمجھتا ہے اس کے لئے اب وقت ہے کہ اپنے مال سے بھی اس سلسلہ کی خدمت کرے۔ جو شخص ایک پیسہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ سلسلہ کے مصارف کے لئے ماہ بماہ ایک پیسہ دیوے اور جو شخص ایک روپیہ ماہوار دے سکتا ہے وہ ایک روپیہ ماہوار ادا کرے۔ کیونکہ علاوہ لنگر خانہ کے اخراجات کے دینی کاروائیاں بھی بہت سے مصارف چاہتی ہیں۔ صدہا مہمان آتے ہیں مگر ابھی تک گنجائش مہمانوں کے لئے آرام دہ مکان میسر نہیں جیسا کہ چاہیے۔ چارپائیوں کا انتظام نہیں۔ توسیع و تبلیغ کی ضرورت بھی پیش ہے۔ تالیف اور اشاعت کا سلسلہ بمقابل مخالفوں کے نہایت کمزور ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے جہاں پچاس ہزار رسالے اور مذہبی پرچے نکلتے ہیں ہماری طرف سے بلا التزام ایک ہزار بھی ماہ بماہ نکل نہیں سکتا۔ یہی امور ہیں جنکے لئے ہر ایک بیعت کنندہ کو بقدر وسعت مدد دینی چاہیے تا خدا تعالیٰ بھی مدد دے۔ اگر بے ناغہ ماہ بماہ ان کی مدد پہنچتی رہے گو تھوڑی مدد ہو تو وہ اس مدد سے بہتر ہے جو مدت تک فراموشی اختیار کر کے پھر کسی وقت اپنے ہی خیال سے کی جاتی ہے ہر ایک شخص کا صدق اس کی خدمت سے پہچانا جاتا ہے۔ عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا چاہیے کہ زکوۃ دینے والا اسی جگہ اپنی زکوۃ بھیجے اور ہر ایک شخص فضولیوں سے اپنے تئیں بچاوے اور اس راہ میں وہ روپیہ لگاوے اور بہر حال صدق دکھاوے تا فضل اور روح القدس کا انعام پاوے کیونکہ یہ انعام ان لوگوں کے لئے تیار ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 ص 83)

پس ہمیں حضور علیہ السلام کی تمنا اور فرمودات کی روشنی میں، ان کے خلفائے کرام کی پیروی میں، اطاعت کی معراج کو پانے کی خاطر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو پورا کرنے کے لئے حسب روایت ایک صد بیس سالہ، اس قافلے کو سوئے منزل رواں دواں رکھنے اور تیز گام کرنے کے لئے حسب سابق کندھے سے کندھا ملا کر ان طاغوتی طاقتوں کو میدان کارزار میں شکست فاش دینے کی خاطر اپنے پیارے امام خلیفة المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر کہربائی رفتار سے ان ظلمت سے بھرپور بحر و بر کو ہنود و یہود اور نصاریٰ کے مشرک و باطل نظریات سے پاک کرنا ہے۔ اے دوستو! اس کار عظیم کی وسعت و عظمت کو ذرا تصور میں لایئے۔ جن کے لئے حضرت حکیم الامت نور دین خلیفہ اول نے حکمت و فراست سے دعائیں کرتے ہوئے امام الزمان کی دلی آرزو کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کی، اور قوم کو ایک ہاتھ پر جمع کر کے سوئے منزل چلے اور پھر مصلح موعود فضل عمر کے منصوبوں کی دور اندیشیانہ حکمت و تڑپ ملاحظہ ہو جس نے ساری زندگی اس عالی مقصد کے حصول کی خاطر اس قدر عرق ریزی سے مستقبل کی منصوبہ بندی کر کے جماعت کی مضبوط بنیادیں باندھیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور آنے والے گھمبیر خطرات کی، قبل از وقت نشاندہی کی اور وہ بے خطر بحر ذخار میں کود کر خود راہنمائی کا حق ادا کرتے رہے اور آپ کی دور بین نظروں نے ہمارے لئے مستقیم منزل کا تعین کیا۔ حضرت ناصر دین کے صبر اور خندہ پیشانی نے تو ہمارا اتنا حوصلہ بڑھایا کہ ''محبت سب کے لئے اور نفرت کسی سے نہیں'' کا نصب العین لے کر ہم نے دنیا کا دل جیت لیا۔ افریقہ اور یورپ جس کی اسلام کے نام لیواؤں پر نظر بھی نہ پڑتی تھی۔ اب اسی نے اسقدر وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا ہے کہ سینکڑوں مساجد اب ان کے قلب میں صلیبی اور مشرکانہ عقائد کو پاش پاش کرنے کا مستقر بن چکی ہیں۔ پھر حضرت خلیفہ رابع (ابن مریم) کی تڑپ و کرب دعوت الی اللہ کو محسوس کریں، جس نے مسیح وقت کی مساحت کا حق یوں ادا کیا کہ برصغیر کا کونہ کونہ، قریہ قریہ اور ہر گلی کوچہ اس نے چھان مارا۔ جو اس کی دلی تڑپ کا گواہ ہے۔ پھر دیس اور بدیس کی محافل سوال و جواب اس کی علمی شان قلبی تڑپ تبلیغ دین کی شاہد ہیں کہ کس طرح اس مرد مجاہد نے درد دل سے دن دگنی اور رات چوگنی جماعت کو محض اس خدائے بزرگ و برتر کے لامتناہی فضل سے ترقیات سے ہم کنار کیا کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ اس درد کو، ان خواہشوں کو، ان آرزوؤں کو، ان تمناؤں کو، ان کربناک لمحات کو، ان یزیدی ہتھکنڈوں سے کشتی احمدیت کو مہیب بھنوروں سے نکال لانے والوں کے نیک اور اعلیٰ مقاصد کو ذرا تصور میں لایئے اور پہلے سے ہزار گنا بڑھ کر آنے والے مسائل کی پیش بندی کے لئے اللھم

لبیك یا سیدی کے لئے تیار ہو جایئے کہ امام وقت آپکو جہاد اکبر کے لئے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ یہ عین وہ وقت ہے جس کے لئے آقا دو جہاں نے مہدی آخرزمان کو سلام پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ اے اطاعت گزارو! شاباش! تم نے بھی اب تک اولین کی طرح آخرین بن کر خوب حق ادا کیا ہے۔ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں، بے آب و گیاہ جنگلوں میں، آدم خور انسانوں کے درمیاں رہ کر، فرعونی اور یزیدی ہتھکنڈوں، قانونی، معاشی، سیاسی پابندیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جوانمردی سے اپنے سالار وں اور ائمہ وقت کی راہنمائی میں کمال اطاعت کا دلکش نمونہ دکھاتے ہوئے کلمہ توحید پھیلانے کا حق ادا کیا اور گلستان احمدیت کو ہمارے محبوب شہداء نے بھی اپنے خون سے سینچ کر اولین کی طرح قربانی کی تاریخ رقم کی ہے۔ اب تک ہر قسم کی قربانیوں کی سعادت اس جماعت کو نصیب ہوئی کہ کفر بھی حیران و ششدر ہے۔ اب سنو! مزید کمر کس لو، منزل قریب ہے اب ابن منصور کی حکمت عملی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اور اس کا ساتھ دینے کے لئے بے خطر اس میدان کارزار میں کود پڑیں کہ خدائے مسرور تمہارا وارث ہوگا مگر تیر و تفنگ سے نہیں، اطاعت امام سے، دعا سے، نیک عمل سے، جان و مال اور اولاد پیش کرنے سے، ہر قسم کی قربانی کرنے سے، دعوت الی اللہ سے، تربیت اولاد سے، علم سکھانے سے، صبر کرنے سے، حلیمی سے پیش آنے سے، انسانیت سے، اسوہ سے، نرمی اور پیار سے،، ہر قسم کی نیکی کرنے سے، فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ سے آؤ اس کاروان نافلہءموعود کے مجاہد بنئے اور ایک اور تاریخ رقم کر ڈالیں کہ آنے والی قومیں تمہارا نام لیتے ہوئے اپنی گردنیں بڑے فخر سے بلند کر کے تمہارا ذکر کریں او رخدائے عظیم بھی تم سے راضی ہو۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں

اللہ تعالیٰ جب اپنے مامورین اور مرسلین کو دنیا میں مبعوث کرتا ہے ایک مامور من اللہ کی صداقت کو پہچاننے کے لئے تائیدات سماوی کا اصول ہر مذہب میں مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مامور من اللہ سے کلام کرتا ہے۔ تو کثرت کے ساتھ امور غیبیہ ان پر ظاہر کرتا ہے اور اپنے دست قدرت سے آسمانی نشانات اور معجزات کے ذریعہ ان کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ اس آخری زمانے میں بھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ تو اپنی اس قدیم سنت کے موافق کثرت کے ساتھ ارضی و سماوی آسمانی

نشانات اور معجزات آپ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ آپؑ نے خدائے قادر سے خبر پا کر بہت ساری پیشگوئیاں فرمائیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں ذیل میں چند پیشگوئیاں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ ان کو پڑھنے سے ہم سب کو ایمان کو تازہ کرنے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر نورِ یقین کو مضبوط کرنے کی توفیق ملے اوّل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک نہایت ہی پیارے دوست اور مرید تھے جن کا نام حضرت مولانا نورالدین صاحب تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ ہی جماعت کے پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ یہ بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ اور بہت بڑے عالم اور فاضل اور بہت بڑے حکیم بھی تھے۔ یہاں تک کہ مہاراجہ کشمیر نے انہیں اپنا ذاتی معالج مقرر کر کے اپنے دربار میں رکھا ہوا تھا یوں آپ شاہی طبیب بھی تھے۔ آپ کا ایک بیٹا تھا جو فوت ہو گیا تھا اس پر دشمنوں نے بہت خوشی ظاہر کی کہ مولوی صاحب اب لاولد رہ گئے۔ تب حضورؑ نے مولوی صاحب کے لئے بڑی دعا کی اور دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تمہاری دعا سے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس بات کا نشان کہ وہ محض دعا کے ذریعہ سے ہی پیدا ہوگا اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس کے بدن پر بہت سے پھوڑے نکل آئیں گے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالحئی رکھا گیا اور اس کے بدن پر غیر معمولی طور پر بہت سے پھوڑے نکلے جن کے داغ اس کے بدن پر دیر تک موجود رہے یہ کس قدر روشن نشان تھا۔ دوم۔ ایک مرتبہ حضورؑ کو الہام ہوا کہ ''آج حاجی ارباب محمد لشکر خاں کے قرابتی کا روپیہ آتا ہے'' اور آپ نے یہ پیشگوئی اپنے گاؤں کے رہنے والے دو ہندوؤں کو بھی سنادی۔ ان کا نام شرمپت اور ملاوامل تھا اور ان ہی دنوں میں سے ایک یعنی ملاوامل ڈاکخانہ گیا تا کہ معلوم کرے کہ واقعی ارباب لشکر خاں کے کسی رشتہ دار کی طرف سے روپیہ آیا ہے یا نہیں۔ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ ایک خط آیا ہے جس میں لکھا تھا کہ ارباب محمد سرور خاں نے دس روپے بھیجے ہیں لیکن آریوں نے انکار کیا کہ یہ ارباب محمد سرور خاں ارباب محمد لشکر خاں کا کوئی رشتہ دار ہے۔ اُس وقت حضورؑ نے ایک شخص منشی الٰہی بخش کو خط لکھا اور پوچھا کہ ارباب محمد سرور خاں کی ارباب محمد لشکر خاں سے کیا رشتہ داری ہے۔ تو ان کا جواب آیا کہ سرور خاں ارباب محمد لشکر خاں کا بیٹا ہے اور یوں ہندو لاجواب ہو گئے۔ سوم۔ اسی طرح ایک اور وحی ہوئی کہ ''عبداللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں'' یہ صبح کا وقت تھا اور اس وقت کچھ ہندو بھی پاس موجود تھے۔ ان میں سے ایک شخص کا نام بشن داس تھا۔ حضورؑ نے ان سب کو بتایا کہ خدا نے مجھے یہ سمجھایا ہے کہ اس نام کے ایک شخص کی طرف سے کچھ روپیہ آئے گا تو بشن داس نے کہا کہ اچھا میں خود ڈاکخانہ جا کر پتہ کروں گا ان دنوں ڈاک دو بجے آیا

کرتی تھی وہ اسی وقت ڈاکخانہ گیا اور جواب لایا کہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ایک دوست عبداللہ خاں نے روپیہ بھیجا ہے اور پھر اس نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی تو حضورؑ نے جواب دیا کہ وہ خدا جس کو تم نہیں پہچانتے یہ خبر اس نے دی ہے۔ **چہارم**۔ سیالکوٹ میں ایک صاحب بھیم سین ہوتے تھے انہوں نے وکالت کا امتحان دیا تو حضورؑ نے انہیں اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس ضلع کے سب اشخاص جنہوں نے امتحان دیا ہے فیل ہوجائیں گے۔ اور صرف لالہ بھیم سین پاس ہونگے۔ اور یہ خبر نہ صرف لالہ بھیم سین کو دی گئی بلکہ تیس کے قریب اور لوگوں کو بھی سنادی گئی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ سیالکوٹ کی ساری جماعت فیل ہوگئی اور صرف لالہ بھیم سین ہی پاس ہوئے۔ **پنجم**۔ حضورؑ کو خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے فرش کو آگ لگی ہوئی ہے اور حضورؑ نے اس آگ کو بار بار پانی ڈال کر بجھایا ہے اور پھر اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضورؑ کو اس خواب کے معنی سمجھائے کہ شیخ صاحب پر اور ان کی عزت پر بڑی مصیبت آئے گی اور پھر وہ مصیبت صرف حضورؑ ہی کی دعاؤں سے دور ہوگی اور شیخ صاحب کو بذریعہ خط اس کی اطلاع بھی کردی گئی۔ چنانچہ اس کے چھ ماہ بعد شیخ صاحب ایک الزام میں پھنس گئے۔ ان پر ایک مقدمہ بن گیا بلکہ یہاں تک کہ انہیں پھانسی کی سزا کا حکم بھی ہوگیا۔ ایسے وقت میں ان کے بیٹے کی طرف سے دعا کی درخواست ملی کہ ان کی رہائی کے لئے دعا کی جائے اور پھر حضورؑ نے ان کے لئے دعا کی اور ان کے بیٹے کو انکی رہائی کی خوشخبری لکھ دی گئی چنانچہ اس کے بعد وہ رہا ہو گئے۔ **ششم**۔ ایک دفعہ آپ نے عالم کشف میں دیکھا کہ آپ کا چوتھا بیٹا صاحبزادہ مبارک احمد چٹائی کے پاس گرا پڑا اور اسے سخت چوٹ آئی ہے اور کرتہ خون سے بھر گیا ہے۔ خدا کی قدرت کہ ابھی اس کشف کو تین منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضورؑ اپنے کمرہ سے باہر آئے تو دیکھا کہ مبارک احمد جس کی عمر قریباً سوا دو سال کی تھی کا پیر پھسل گیا اور وہ گر گیا اور زمین پر جا پڑا اور اسے چوٹ بھی لگی اور کپڑے خون سے بھر گئے اور بالکل جیسے کشف میں دیکھا تھا بالکل ویسے ہی واقعہ بھی ہوگیا اور اس بات کی بہت سی عورتیں جو گھر میں تھیں گواہ ہیں۔ **ہفتم**۔ 1897ء میں مرزا یعقوب بیگ صاحب نے جو میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے۔ ڈاکٹری کا امتحان دیا اور حضورؑ نے ان کے لئے دعا کی تو الہام ہوا ''تم پاس ہو گئے ہو'' اور یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یعقوب بیگ کامیاب ہوجائے گا اور ایسا ہی واقع ہوا کہ یہ نوجوان بڑی خوبی سے پاس ہوا اور لاہور کے ہی میڈیکل کالج میں ہاؤس سرجن مقرر ہوا۔ **ہشتم**۔ یہ 1888ء کا واقعہ ہے جو حضورؑ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؑ کو پچاس روپے کی ضرورت پیش آئی۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس

وقت حضورؑ کے پاس کچھ نہ تھا اور جب صبح کے وقت حضورؑ سیر کے لئے تشریف لے گئے تو اس ضرورت کے خیال سے طبیعت میں جوش پیدا ہوا کہ اس ضرورت کے لئے دعا کریں پس حضورؑ نے اس جنگل میں جا کر اس نہر کے کنارہ پر جو قادیان سے تین میل کے فاصلہ پر بہتی ہے دعا کی تو دعا کے بعد حضورؑ کو عربی میں الہام ہوا جس کا ترجمہ ہے کہ" دیکھ میں تیری دعاؤں کو کیسے جلد قبول کرتا ہوں" تو حضورؑ خوشی خوشی قادیان واپس آئے اور بازار کی طرف تشریف لے گئے تا کہ ڈاکخانہ جا کر معلوم کریں کہ کیا کوئی رقم آئی ہے یا نہیں چنانچہ وہاں حضورؑ کو ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ لدھیانہ سے کسی نے پچاس روپے بھجوائے ہیں اور پھر وہ روپیہ حضورؑ کو اسی دن یا اگلے دن مل بھی گیا۔



حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت اسلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

اِک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقین سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن
دیں کی نصرت کے لئے اک آسمان پر شور ہے
اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

ہمارے آقا و مولا حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اسلام کے خلاف ایک طرف بیرونی دُشمن دجال اور یاجوج ماجوج کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور دوسری طرف اندرونی طور پر خود مسلمانوں کی حالت ایسی ہوگی کہ دین دنیا سے اٹھ جائے گا کہ یعنی اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کو مسلمان مہجور کی طرح چھوڑ دیں گے۔ جہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فساد عظیم کا ذکر کیا وہاں یہ تسلی بھی دی کہ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ آخری زمانے میں امام مہدی کو مبعوث کرے گا۔ جو دین کو ثریا سے پھر واپس زمین پر لائے گا اور پھر دین اسلام کو زندہ کرے گا۔ آج ہم اس بات کے زندہ گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدیم سنت کے مطابق :

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مسیح و مہدی بنا کر خدمت اسلام کے لئے مبعوث کیا۔ آپ علیہ السلام ایسے زمانہ میں آئے جبکہ انگریزی دورحکومت پورے عروج پر تھا اور عیسائی مشنری پوری قوت سے تبلیغ عیسائیت میں مشغول تھے۔ ان کی ترقی کی رفتار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف تیس سال کے عرصہ میں ہندوستان میں چار لاکھ عیسائیوں کا اضافہ ہو گیا اور ہر جگہ خداوند یسوع مسیح کی صدا گونجنے لگی تھی۔ دوسرے طرف مسلمان الہام الٰہی کے منکر ہو رہے تھے۔ اور علماء کا گروہ آپس میں تکفیر بازی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ اسلام کی بےبسی اور بےکسی کا نقشہ ایک شاعر نے یوں کھینچا۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

ان تاریکیوں میں جبکہ دنیا بزبان حال ایک مصلح ربانی کا مطالبہ کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کے حال پر رحم فرما کر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو اُن خاص طاقتوں کے ساتھ بھیجا جو اس زمانہ کے روحانی مصلح کے لئے ضروری تھیں۔ آپ اسلام کے وہ قمر تھے جس نے سراج منیر حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی لے کر اسے ساری دنیا میں پھیلایا۔ دنیا میں ایک ضلالت کا طوفان برپا تھا مگر زمین وآسمان کے خدا نے طوفان زدوں کی دعا کو سنا۔ آج سے 122 سال قبل 23 مارچ 1989ء کو 40 افراد حضرت صوفی احمد جان صاحب کے مکان بمقام لدھیانہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کشتی میں سوار ہوئے اس کے بعد یہ تعداد بڑھتی چلی گئی اور آج اس کشتی پر سوار جماعت احمدیہ کے افراد اعلاء کلمہ اسلام کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں۔ بلکہ میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ میں اُس کا (خدا کا) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلال ظاہر کروں‘‘۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 3 ص 519)

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے مسلمانوں کو ایک بار پھر زندہ خدا پر یقین عطا کیا اور اپنے وجود کو پیش کر کے ثابت کیا کہ

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

حدیث مبارکہ ہے کہ ابن مریم نازل ہوگا وہ اس قدر مال تقسیم کرے گا کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ رہے گا۔اس پیشگوئی کو پورا کرتے ہوئے آپ نے خدمت اسلام میں اردو، فارسی اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں اسّی 80 سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔جن سے آسمانی روح بولتی تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔''جو مجھے دیا گیا وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارف الٰہی کے خزانے ہیں۔جن کو بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔''(روحانی خزائن جلد 3 ص 566)

چنانچہ آپ نے اسلام کا محبوبانہ اور دلربا چہرہ دکھانے کے لئے علم و عرفان کے خزائن پانی کی طرح بہا دیئے اور کیا ہی خوب فرمایا:

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امید وار

آپ نے قرآن مجید کے معانی بیان کرنے اور ان کے اصولوں کے بیان کرنے کے علاوہ اور بھی ہر ممکن ذریعہ سے قرآن کی خدمت کی ہے۔مثلاً آپ نے عربی زبان کو ترقی دینے کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائی ہے عربی زبان کا اُمّ الالسنہ ہونا ثابت فرمایا۔اپنی جماعت کو عربی پڑھنے کی تلقین عمر بھر کرتے رہے۔جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآن پاک کی زبان یعنی عربی زبان کامل زبان ہے۔ بلکہ اُمّ الالسنہ ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں؛''کامل کتاب کے لئے کامل بولی میں اترنا ضروری تھا۔کیونکہ کامل اور ناقص کا پیوند درست بیٹھ نہیں سکتا۔لہٰذا قرآن شریف عربی زبان میں اترا جو اپنے ہر ایک پہلو کے رو سے کامل ہے''(آریہ دھرم ص 8 حاشیہ)

''سُبْحَانَ الَّذِیْ جَعَلَ الْعَرَبِیَّةَ اُمُّ الْاَلْسِنَۃ کَمَا جَعَلَ مَکَّۃَ اُمّ الْقُرٰی وَ جَعَلَ رَسُوْلَنَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْن''(انجام آتھم ص 258)

چنانچہ عربی دان پیدا کرنے کے لئے آپ نے قادیان میں مدرسہ احمدیہ قائم کیا۔اسی طرح آپ نے قرآن کریم کی خدمت اس رنگ میں بھی کی ہے کہ ایک ایسی جماعت قائم فرمائی ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ اوّل۔وہ خود قرآن کے مطالب سمجھیں۔دوم۔ان پر عمل کریں۔سوم دوسروں کو اس کے مطالب سمجھائیں۔چہارم۔دوسروں سے بھی قرآنی احکام پر عمل کروائیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی''قرآن مجید کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو۔تمہاری اس میں زندگی ہے۔جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔جو لوگ ہر ایک حدیث

اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا‘‘۔(کشتی نوح) پس جماعت احمدیہ آج اسلام کی جو خدمت کر رہی ہے ۔یہ کام دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی شروع کیا ہوا ہے۔اوراس پودے کا بیج حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا ہی لگایا ہوا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قرآن کریم سے حقیقی عشق تھا۔پس اسی وجہ سے آپ ہروقت قرآن ہی کا ذکر زبان پر رکھتے تھے۔آپ کی تحریرات اورآپ کی تقاریراس بات کی شاہد ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے اپنی نظمیں بھی قرآن کریم کی مدح میں لکھی ہیں یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ مسلمانوں میں ہزارہا شاعر گزرے ہیں لیکن آج تک کسی کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ قرآن کریم کی مدح میں کوئی نظم لکھیں۔ جب کہ آپ نے بیسیوں اشعارقرآن کریم کی مدح میں لکھے۔جن میں سے مُشتے ازخروارے ایک شعرپیش کرتا ہوں۔

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

آپ آئے اور سب کچھ کر دکھایا جو وعدوں میں مذکور تھا۔آپ نے دنیا کو حقیقی اسلام دیا،زندہ خدا دیا،زندہ رسول سے روشناس کروایا اورزندہ کتاب پر زندہ یقین عطا کیا۔صلیبی فتنہ کی تمام ترترقی کویکسر روک دیا۔آپؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی وفات نہ صرف قرآن وحدیث سے بلکہ عہد نامہ قدیم ،عہد نامہ جدید، تاریخی اور طبی کتب سے ثابت کرکے موجودہ عیسائیت کی بنیاد اُکھیڑ ڈالی۔عیسائی دنیا کو بتایا کہ جس کوتم خدا مانتے ہووہ سرینگر کشمیر کے محلہ خانیار میں مدفون ہے۔آپؑ نے عیسائیت کے باطل عقائد کا اس زور سے مقابلہ کیا کہ آپ کے مخالفین بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مرزا صاحب نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کوشکست دے دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کے بہت سے غلط عقائد کی اصلاح کی۔اپنی سیرت سے ثابت کیا کہ دعا محض عبادت نہیں بلکہ ایک زندہ اور زبردست طاقت ہے اور اہل اسلام کو الہام، جہاد اور جنت و دوزخ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔آپؑ نے آسمانی نشانات سے دکھلایا کہ الہام کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے ورنہ اسلام بھی ایک مردہ مذہب ہے۔قرآن مجید کی جس آیت یا مقام پر مخالفین نے اعتراض کیا ان سب کا آپ نے ایسا خوب صورت اور لطیف جواب دیا کہ معترض کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ رہا۔ بلکہ ہر اعتراض ایک طمانچہ بن کر اس کے منہ پر پڑا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی تحدی سے فرمایا کہ قرآن کریم کا ایک شعشہ بھی منسوخ نہیں۔زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں ۔مگر قرآن کریم کا

کوئی حکم اور آیت ٹل نہیں سکتی۔مسلمانوں میں پائے جانے والے اس خوفناک گمان کی تردید کی کہ ایک خونی مہدی آئے گا اور کافروں کے قتل سے دیں کو آگے بڑھائے گا۔فرمایا:

اے غافلو! یہ باتیں سراسر دروغ ہیں
بہتان ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں
فرما چکا سید کونین مصطفٰی
عیسٰی مسیح جنگوں کا کردے گا التوا
جب آئے گا توصلح کو وہ ساتھ لائے گا
جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

پھر آپ نے لاہور میں منعقدہ جلسہ اعظم مذاہب میں اسلام کی تمام ادیان پر برتری ثابت کی۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اسلام کے لئے سب سے بڑی خدمت آپ کی دن رات کی پُر درد دُعائیں تھیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ ان دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے متعلق یہ الہام کیا کہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' اور آپ کو بشارت دی کہ آج سے تین صدیاں نہیں گزریں گی کہ ساری دنیا کی اکثریت احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو قبول کرلے گی۔(تذکرۃ الشہادتین،ص 64۔65) حضرت محمد ﷺ کے عاشق صادق کی خدمت اسلام کا فیض آپ کے بعد بھی برابر جاری ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے ہی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا بابرکت نظام دوبارہ جاری ہوا اور اس طرح پھر سے مسلمانوں کو خلافت کے نظام کے ذریعہ ایک ہاتھ پر جمع کیا گیا اور اب تا قیامت مسلمانوں کی ترقی کا سامان ہوا۔افسوس کہ مسلمانوں نے جس امام مہدی کو حضرت رسول اکرم ﷺ کا سلام پہنچانا تھا اس کا انکار کردیا اور مسلسل کرتے چلے جارہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا حضرت رسول اکرم ﷺ کے عاشق صادق سے یہ وعدہ ہے کہ ''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا،لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا''۔اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کی اتنی خدمت کی تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج بھی اسلام کی اس قدر نازک حالت ہے۔اس کا جواب بھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا۔ فرمایا: ایسا آدمی سخت جاہل ہوگا جو مسیح موعود کی وفات کے وقت اعتراض کرے کہ وہ کیا کر گیا۔ اگرچہ یک دفعہ نہیں مگر انجام کار وہ تمام بیج جو مسیح موعود نے بویا تدریجی طور پر بڑھنا شروع کرے گا اور دلوں کو اپنی طرف کھینچے گا اور یہاں تک کہ ایک دائرہ کی طرح دنیا میں پھیل جائے گا''۔ (ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 ص 295) دراصل نبی کے سپرد جو عظیم کام ہوتا ہے۔ وہ اس کی زندگی میں پورا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انسان کی محدود زندگی ہوتی ہے۔ نبی تو کام کا آغاز کرنے آتا ہے۔ ایک تخم بونے آتا ہے جو پھر اس کے جانشینوں کے ذریعہ بڑھتا اور پھولتا ہے اور ساری دنیا پر محیط ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تکمیل اشاعت کا کام شروع ہوا اس کو خلافت کے سائے تلے آج ہم نے آگے بڑھاتے چلے جانا ہے۔ یہ کام مشکل ہونے کے باوجود آسان بھی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا کام ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے۔ یہ تقدیر الٰہی جاری ہو چکی ہے کہ اسلام نے دنیا پر غالب آنا ہے اور ضرور آنا ہے۔۔ قضائے آسماں است ایں بہر حالت شود پیدا۔ آج ہم نے آپ کی اس خواہش کو پورا کرنا ہے کہ: ''دین کی ہمدردی کے لئے وہ قدم اُٹھاؤ کہ فرشتے بھی آسمان پر جزاکم اللہ کہیں''۔ (مجموعہ اشتہارات جلد 1 ص 368) حضرت اقدس مسیح موعود ہمیں وہ ہتھیار دے گئے ہیں جن کی ہمیں ضرورت تھی اور ان خزائن سے اپنی جیبیں بھرنے کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کو مالا مال کرنا ہے اور اس پیشگوئی کا مصداق بننا ہے کہ

''میرے فرقہ کے لوگ اسقدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے''۔

(تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 ص 409)

اسلام کی فتح کے لئے ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ ہماری فتح کی کلید ہمارا خدا ہے ہم میں اور دوسروں میں طرہ امتیاز ہمارا خدا سے تعلق ہے۔ اگر ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت اسلام کے کام کو جاری رکھنا ہے تو ہمیں بھی خدا تعالیٰ سے پختہ تعلق پیدا کرنا ہوگا۔ اس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یکم دسمبر 1888ء کے اشتہار میں ذکر کیا۔ فرماتے ہیں: ''اسلام کی فتح حقیقی اس میں ہے کہ جیسے اسلام کے لفظ کا مفہوم ہے اس طرح ہم اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اور اپنے نفس اور اس کے جذبات سے بکلی

خالی ہوجائیں ۔۔۔اور بکلّی مرضیاتِ الٰہیہ میں محو ہوجائیں اور بعداس فناء کے وہ بقا ہم کو حاصل ہوجائے ۔ہماری بصیرت کوایک دوسرا رنگ بخشے ۔اور ہماری معرفت کوایک نئی نورانیت عطا کرے اور ہماری محبت میں ایک جدید جوش پیدا کرے اور ہم ایک نئے آدمی ہوجائیں اور ہمارا قدیم خدابھی ہمارے لئے ایک نیا خداہوجائے۔یہی فتح حقیقی ہے۔جس کے کئی شعبوں میں سے ایک شعبہ مکالمات الٰہیہ بھی ہے۔اگر یہ فتح اس زمانہ میں مسلمانوں کوحاصل نہ ہوئی تو مجرد عقلی فتح انہیں کسی منزل تک پہنچانہیں سکتی۔میں یقین رکھتا ہوں کہ اس فتح کے دن نزدیک ہیں ۔خدا تعالیٰ یہ روشنی پیدا کرے گااوراپنے ضعیف بندوں کا آمرزگار ہوگا۔(مجموعہ اشتہارات جلد1ص187)



سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے متعلق غیروں کے تاثرات



مرزافرحت اللہ بیگ صاحب:

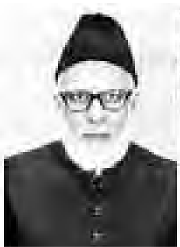
اب ایک ایسے شخص سے میرے ملنے کا حال سنیے جو اپنے فرقے میں نبی سمجھا جاتا ہے اور دوسرے فرقے والے خدا جانے اسے کیا کچھ نہیں کہتے۔یہ کون ہے؟ جناب مرزاغلام احمد قادیانی، بانی فرقہ احمدیہ۔ان سے میرا رشتہ یہ ہے کہ میری خالوزاد بہن ان سے منسوب تھیں۔اس لئے یہ جب کبھی دلّی آتے تو مجھے ضرور بلا بھیجتے اور پانچ روپے دیتے۔چنانچہ دوتین دفعہ ان سے میراملنا ہوا مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ انہوں نے کبھی مجھ سے ایسی گفتگو نہیں کی جس کو تبلیغ کہا جاسکے۔میں اس زمانہ میں ایف اے میں پڑھتا تھا۔زیادہ تر مسلمانوں کی تعلیم کا ذکر ہوتا تھا۔اس پر وہ افسوس ظاہر کیا کرتے تھے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں اور جب تک مذہبی تعلیم عام نہ ہوگی اس وقت تک مسلمان ترقی کی راہ سے ہٹے رہیں گے۔میرے ایک چچا تھے جن کا نام مرزاعنایت اللہ بیگ تھا۔یہ بڑے فقیر دوست تھے۔تمام ہندوستان کا سفر فقیروں سے ملنے کے لئے کیا۔بڑی بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ چنانچہ اس سے ان کی محنت کا اندازہ کر لیجئے کہ تقریباً چالیس سال تک یہ رات کونہیں سوئے۔صبح کی نماز پڑھ کردواڑھائی گھنٹے کے لئے سوجاتے ورنہ ساراوقت یادالٰہی میں گزارتے۔ایک دن میں جومرزاغلام احمد

صاحب کے ہاں جانے لگا تو چچا صاحب قبلہ نے کہا ''بیٹا میرا ایک کام ہے وہ کردو اور وہ کام یہ ہے کہ جن صاحب سے تم ملنے جا رہے ہو ان کی آنکھوں کو دیکھو کہ کس رنگ کی ہیں'' میں سمجھا بھی نہیں اس سے ان کا کیا مطلب ہے مگر جب مرزا صاحب کے پاس گیا تو بڑے غور سے ان کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سبز رنگ کا پانی گردش کرتا معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں مَیں نے خود بھی ان کو ذرا غور سے دیکھا کیونکہ اس سے پہلے جو میں ان کے پاس جاتا تھا تو ہمیشہ نیچی آنکھ کر کے بیٹھتا تھا۔ اس دفعہ میں نے دیکھا ان کا چہرہ بہت بارونق تھا۔ سر پر کوئی دو انگل کے بال ہیں۔ ڈاڑھی خاصی نیچی ہے۔ آنکھیں جھکی جھکی ہیں۔ بات کرتے ہیں تو بہت متانت سے کرتے ہیں مگر بعض وقت جھلا بھی جاتے ہیں۔ بہرحال وہاں سے واپس آنے کے بعد میں نے چچا صاحب قبلہ سے تمام واقعات بیان کئے تو فرمایا ''فرحت دیکھو اس شخص کو برا کبھی نہ کہنا، فقیر ہے اور یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں'' میں نے کہا یہ آپ نے کیونکر جانا؟ فرمایا کہ جو آنحضرت ﷺ کے خیال میں غرق رہتا ہے اس کی آنکھوں میں سبزی آجاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبز رنگ کے پانی کی ایک لہر ان میں دوڑ رہی ہے۔ میں نے اس وقت تو ان سے وجہ نہ پوچھی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ سب فقراء اور اہلِ طریقت اس پر متفق ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا رنگ سبز ہے اسی کا عکس آپ کے زیادہ خیال کرنے سے آنکھوں میں جم جاتا ہے۔ (عالمی ڈائجسٹ کراچی بابت اکتوبر 1968ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کے برادر مکرم ابوالنصر مولانا غلام یاسین آہ:

مولانا ابوالکلام آزاد کے برادر مکرم ابوالنصر مولانا غلام یاسین آہ نے اپریل 1905ء میں اپنی قادیان آمد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کا حال اخبار وکیل امرتسر میں شائع کیا۔ وہ لکھتے ہیں: ''میں نے کیا دیکھا، قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی اور ان کا مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا۔ مرزا صاحب نے (جبکہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔ آج کل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ میں (جو خود انہیں کی ملکیت ہے) قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی تقریباً تین ہزار آدمیوں کی ہے مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے...... رستے کچے اور ناہموار ہیں۔ بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آتی ہے، اپنی نوعیت میں سب پر

فوقیت لے گئی ہے۔ آتے ہوئے یکہ میں مجھے جس قدر تکلیف ہوئی تھی، نواب صاحب کے رتھ نے لوٹتے کے وقت اس میں نصف تخفیف کر دی۔ اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی میں آگے نہ بڑھ سکتا۔ اکرام ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر کسی نے بھائی کا سا سلوک کیا اور مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا اس وقت واقف ہے اور مولانا عبدالکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے، مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر، جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز ہے۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا ہے۔ بردباری کی شان نے انکساری کی کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی سفید پگڑی باندھتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر تقریباً 66 سال کی ہے۔ مرزا صاحب کے مریدوں میں، مَیں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی اور بے حد عقیدتمند تھے۔ مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا ''ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتے قیام کریں'' (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے)۔ میں جس شوق کو لے کر گیا تھا ساتھ لایا اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے۔'' (حیات طیبہ صفحہ 682)



مولوی محمد حسین بٹالوی

فرقہ اہلحدیث کے چوٹی کے عالم تھے۔ انہوں نے کتاب براہین احمدیہ پڑھنے کے بعد کہا: ''ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ کی موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں لَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر

پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ نہ سمجھے تو ہم کو کم از کم ایک ایسی کتاب بتاوے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کر دے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی ۔قلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑہ اُٹھایا ہو اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام میں شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ ومشاہدہ کر لے اور اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزا چکھا دیا ہو۔ نیز لکھتے ہیں ''مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی وشرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب ہیں اس زمانہ سے آج تک ہم میں ان کی خط وکتابت اور ملاقات ومراسلات برابر جاری رہی ہے اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دئے جانے کے لائق ہے۔مئولف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدّی کی ہے اور یہ منادی اکثر رُوئے زمین پر کر دی ہے کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ میرے پاس آئے۔ نیز لکھتے ہیں ''اے خدا اپنے طالبوں کے رہنما ان پر اپنی ذات سے ان کے ماں باپ سے،تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم فرما تو اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور اس کے برکات سے ان کو مالا مال کر دے اور کسی اپنے صالح بندے کے طفیل اس خاکسار شرمسار گناہگار ہوا پنے فیوض اور انعامات اور اس کتاب کی برکات سے فیض یاب کر۔آمین۔ **وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْب**۔'' (اشاعۃ السنہ جلد 6 وجلد 7 نمبر 11)

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف



حضرت مرزا غلام احمد قادیانی حق پر ہیں اور اپنے دعویٰ میں راستباز اور صادق ہیں۔ اور آٹھوں پہر اللہ تعالیٰ حق سبحانہ کی عبادت میں مستغرق رہتے ہیں اور اسلام کی ترقی اور دینی امور کی سربلندی کے لئے دل وجان سے کوشاں ہیں۔ میں ان میں کوئی مذموم اور قبیح چیز نہیں دیکھتا۔ اگر انہوں نے مہدی اور عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ بھی ایسی بات ہے جو جائز ہے''۔

(اشارات فریدی۔ مرتبہ۔ رکن الدین جلد 3 ص 971۔ ترجمہ از فارسی مطبوعہ مفید عام پریس۔ آگرہ 0231ھ)



چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار

جماعت احمدیہ کی اشاعت دین کے لئے تڑپ اور تبلیغی مساعی کے متعلق لکھتے ہیں:۔ ’’مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہوسکی ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہوکر اُٹھا۔ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر واشاعت کے لئے بڑھا۔۔۔۔۔اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کرگیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے‘‘

(فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں ص64۔از چوہدری افضل حق)



ادیب،شاعر،ایڈیٹر علامہ نیاز فتحپوری صاحب

جماعت احمدیّہ کے اعلیٰ کردار کا یوں ذکر کرتے ہیں:

’’اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے یقیناً اخلاق اسلامی کو دوبارہ زندہ کیا اور ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھادی جس کی زندگی کو ہم یقیناً اسوہ نبیؐ کا پرتَو کہہ سکتے ہیں۔‘‘ (رسالہ نگار لکھنؤ ماہ نومبر 1959ء)



مدیر سیاست مولانا سیّد حبیب صاحب

عیسائیوں اور آریوں کے مقابل پر حضرت بانی جماعت احمدیہ کی خدماتِ دین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

’’اس وقت کے آریہ اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے اکّے دکّے جو عالم دین بھی کہیں موجود تھے وہ ناموس شریعت حقہ کے تحفظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا اس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اُترے اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریہ اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کر لیا۔۔۔۔مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوبی وخوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے‘‘(تحریک قادیان صفحہ 208)



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اَخبارات کے تبصرے

مرزا صاحب جیسی بین الاقوامی شخصیت کا انتقال جس نے مذہبی دنیا میں اپنے فولادی قلم، زبردست مقناطیسی کشش، مقدس تعلیمات اور غیر معمولی قوت قدسی کے ساتھ رُبع صدی سے زائد عرصہ تک تہلکہ مچائے رکھا، کوئی معمولی حادثہ نہ تھا کہ اس پر خاموشی اختیار کی جاسکتی۔ ادھر یہ چونکا دینے والی خبر سنی گئی اور ادھر ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے تک پریس میں ایک شور پڑ گیا اور اخبارات نے حضور کی وفات کی خبر شائع کرتے ہوئے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ان اخبارات میں مسلمان، ہندو اور عیسائی وغیرہ ہر قسم کے طبقہ وخیال کے لوگ شامل تھے۔ ہندوستان کے جن مسلم اخبارات نے اس موقع پر تبصرے شائع کئے ان میں اخبار وکیل امرتسر، البیان، لکھنؤ، تہذیب نسواں، لاہور، اخبار کرزن گزٹ دہلی، البشیر (اٹاوہ) یونین گزٹ بریلی، میونسپل گزٹ لاہور، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، صادق الاخبار ریواڑی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اخبار ''وکیل'' امرتسر

مسلمان اخبارات میں سب سے زیادہ زوردار اور مؤثر اور حقیقت افروز ریویو اخبار ''وکیل'' امرتسر کا تھا جو مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے نکلا۔ انہوں نے لکھا:



''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی اُنگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔۔۔۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ اس دنیا میں نہیں آتے۔

یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔‘‘ ’’میرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص اُن سے جدا ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفینِ کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تا کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا اور آئندہ بھی جاری رہے۔‘‘ مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا۔ قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و قیمت آج جب کہ وہ اپنا فرض پورا کر چکا ہے۔ ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہرگز قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جب کہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائل میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سر راہ منزل مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑی تھیں اور دوسری طرف ضعف اور مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی کہ جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑا ئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دُھواں ہو کر اُڑنے لگا۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے گا اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں بھی مرزا

صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔مرزاصاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب نے اس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی مفلسی کی نوحہ خوانی جابجا آغاز کی تھی، ان کا تعاقب شروع کیا۔ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ رکھا اور جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کردئے گئے۔اس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزاصاحب آریہ سماج کے چہرہ سے اُنیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اُتارنے میں مصروف رہے۔ان کی آریہ سماج کے مقابل کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہوجائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظرانداز کی جائیں۔فطری ذہانت مشق ومہارت اور مسلسل بحث مباحثہ کی عادت نے مرزاصاحب میں ایک شان خاص پیدا کردی تھی۔اپنے مذہب کے علاوہ مذاہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی اور اپنی معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کرتے تھے۔تبلیغ وتلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہوگیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مذہب وملت کا ہواُن کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑجاتا تھا۔ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔مرزاصاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم وعدل ہوں۔لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کردینے کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد کا ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔آیندہ اُمید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔

(بحوالہ بدر جون 1908ء)(دوسرا تبصرہ اخبار وکیل امرتسر۔مورخہ 30 مئی 1908ء صفحہ 1)

مرزاغلام احمد مرحوم

26 مئی 1908ء کی صبح ہندوستان کی جدید مذہبی تاریخ میں دیر تک اہمیت سے دیکھی جائے گی۔ جب کہ دس بجے کے قریب مرزاغلام احمد صاحب قادیانی نے بعارضہ ہیضہ یا بقول بعارضہ دردگردہ انتقال کیا۔مرحوم آج کل اپنی اہلیہ کے علاج اور تبدیل آب وہوا کی غرض سے لاہور میں مقیم تھے مگر وہ خدائی حکم جو ایک ادنیٰ فرد اور زبردست تاجدار اور ایک فقیر اور اولوالعزم نبی پر یکساں عمل کرتا ہے آپہنچا۔اور اس سے

ایک ایسے شخص کے وجود پر بدنیتی کا پردہ ڈال دیا جس نے عبرت ناک دعاوی سے مذہبی دنیا میں تلاطم برپا کر دیا۔ مرزا صاحب کی لائف (سوانح عمری) میں ابتدائی دنوں کے سوا آپ کو ایسے تھوڑے ہی صفحے ملیں گے جو حیرت انگیز واقعات سے معنون اور تعجب خیز کیفیتوں سے مزّین نہ ہوں۔ خواہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دشمنان اسلام کے ساتھ نبرد آزمائی کر رہے ہوں خواہ قادیان میں بیٹھے ہوئے پیروان رسول پر مخالفت کی آگ برسا رہے ہوں۔ خواہ یورپ میں مادہ پرست عیسائیوں کو مذہب اسلام کی برکتوں سے آگاہ کر رہے ہوں۔ اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی مگر ان کی زندگی اور زندگی کے کارناموں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنے مطالعہ اور فطری سلیم کے رُو سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور کر لیا تھا۔ 1877ء کے قریب جب کہ اُن کی 35 یا 36 سال کی عمر تھی ہم اُن کو ایک غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاک باز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اُٹھانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ ہم اُسے بے چین پاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اُس پر چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے۔ کبھی حمایت وحقیقت اسلام میں وہ کتابیں لکھتا ہے۔ 1886ء میں بمقام ہوشیار پور آریوں سے جو مباحثات انہوں نے کئے تھے ان کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔ غیر مذاہب کی تردید اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا۔ ان کی ایک کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دئے اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گرد وغبار سے صاف کر کے دنیا میں پیش کیا جو مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دئے تھے۔ غرض یہ کہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی تھی جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے۔ گو بعض بزرگان اسلام اب براہین احمدیہ کے برا ہونے کا فیصلہ دے دیں محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں اور بطور حفظ ماتقدم اپنے آئندہ دعاویٰ کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا لیکن اس کے بہترین فیصلہ کا وقت 1880ء تھا جب کہ وہ کتاب شائع ہوئی مگر اس وقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ یہ

دوسری بات ہے کہ اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنے تئیں اس کا مستحق نہ دکھایا۔ کیریکٹر کے لحاظ سے ہمیں مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا ایک چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرض کہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار کیا بلحاظ مذہبی خدمات وحمایت دین مسلمانان ہند میں ان کو ممتاز، برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچادیا۔''

(اخبار وکیل امرتسر 30 مئی 1908ء)

''تہذیب النسواں'' لاہور۔

سیّد ممتاز علی صاحب امتیاز نے لکھا:

''مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود تو نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت ورہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی''

اخبار زمیندار، لاہور۔

منشی سراج الدین صاحب (والد مولوی ظفر علی خاں صاحب) ایڈیٹر اخبار ''میندار'' نے لکھا:

''مرزا غلام احمد صاحب 1860ء یا 1861ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر 22 یا 24 سال ہوگی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ 1877ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے ہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو ومستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ 1881ء یا 1882ء میں آپ نے براہین احمدیہ کی تصنیف کا اعلان کر دیا اور ہم اس کتاب کے اوّل خریداروں میں سے تھے۔۔۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ آپ کے دعاوی خواہ وہ دماغی استغراق کا نتیجہ ہوں مگر آپ بناوٹ اور اِفتراء سے بری تھے مسیح موعود یا کرشن کا اوتار ہونے کے دعاوی جو آپ نے کئے اُن کو ہم ایسا ہی خیال کرتے ہیں جیسا کہ منصور کا دعویٰ انا الحق تھا۔ گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہیں ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے۔''

’’البشیر‘‘ اٹاوہ

البشیر اٹاوہ نے لکھا کہ ’’اس سے انکار نہیں ہوسکتا ہے حضرت اقدس اس زمانہ کے نامور مشاہیر میں سے تھے۔اس ترقی علوم فنون کے زمانہ میں درحقیقت یہ امر کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ اُنکے کئی لاکھ راسخ الاعتقاد مرید ایسے تھے جو اُن کے ہر ایک حکم کو ہر ایک پیشگوئی کو وحی خیال کرتے تھے اور بلا چوں و چرا تسلیم کرتے تھے۔اُن مریدوں میں عوام الناس اور جہلا، پڑھے لکھے، غریب اور امیر عالم وفاضل اور نئے تعلیم یافتہ غرض کہ ہر درجہ اور ہر حیثیت کے مسلمان موجود ہیں۔ جو درجہ کہ حضرت مرزا صاحب کو اپنے مریدوں میں حاصل تھا اور جو اثر کہ حضرت اقدس کا اپنے مریدوں کی جماعت پر تھا اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ یہ اثر کسی مولوی اور نہ عالم وفاضل کو اپنے معتقدوں پر تھا اور نہ کسی صوفی اور ولی اللہ کا اپنے مریدین پر تھا اور نہ کسی لیڈر اور نہ کسی ریفارمر کا اپنے مقلدین پر۔ چونکہ وہ مسلمان کی ایک کثیر جماعت کے پیشوا اور امام برحق تھے لہٰذا تہذیب مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کی عزت کریں اور ان کے انتقال پر افسوس ظاہر کریں۔

’’علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ‘‘ علی گڑھ۔

علی گرھ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ نے لکھا کہ: مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے۔1874ء سے 1876ء تک شمشیر قلم عیسائیوں، آریوں اور برہموسماج کے خلاف خوب چلایا۔آپ نے 1880ء میں تصنیف کا کام شروع کیا۔آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی جس کے جواب کے لئے آپ نے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا۔آپ نے اپنی تصنیف کردہ اسی کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں جس میں سے بیس عربی زبان میں ہیں۔ بیشک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔‘‘

’’صادق الاخبار‘‘ ریواڑی۔

صادق الاخبار ریواڑی نے لکھا:’’مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کو ان کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے۔ اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کا کما حقہ ادا کر کے خدمتِ دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامی اسلام اور معلم المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بیوقت موت پر افسوس کیا جائے۔‘‘

(اخبار’’صادق الاخبار‘‘ ریواڑی۔ جون 1908ء)

’’کرزن گزٹ‘‘ دہلی ’’یونین گزٹ‘‘ بریلی

’’کرزن گزٹ‘‘ دہلی کے ایڈیٹر مرزا حیرت دہلوی نے لکھا کہ ’’مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ ہم بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقّق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔۔۔۔۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیِ ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔۔۔ اس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اُس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔‘‘

’یونین گزٹ‘‘ بریلی میں بھی مرزا حیرت دہلوی کا یہ تبصرہ معمولی تخفیف الفاظ کے ساتھ شائع ہوا۔ ان اخبارات کے علاوہ ملت، پیسہ اخبار لاہور، نسیم آگرہ نیر اعظم مرادآبادی، روہیل کھنڈ بریلی وغیرہ بلکہ بیسیوں اخباروں میں آپ کی وفات پر عمدہ مضامین شائع ہوئے۔

غیر مسلم اخبارات:

یہ تو ہندوستان کے اسلامی جرائد ورسائل کا تذکرہ تھا جہاں تک غیر مسلم اخباروں اور رسالوں کا تعلق ہے اُن میں بھی اس موقع پر بڑے موثر اور زوردار اداریے لکھے گئے مثلاً میونسپل گزٹ لاہور، آریہ پتریکا لاہور، اِندر، سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور امرتا بازار پتریکا، برہم پر چارک، پانیر الہ آباد، جیون تت، یونٹی کلکتہ، بنگالی کلکتہ، سٹیٹسمین۔

’’میونسپل گزٹ‘‘۔

چنانچہ میونسپل گزٹ نے لکھا کہ: ’’مرزا صاحب علم وفضل کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے تحریر میں بھی روانی تھی بہرحال ہمیں ان کی موت سے بحیثیت اس بات کے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے نہایت رنج ہوا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عالم دنیا سے اٹھ گیا۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ'' لاہور

سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے لکھا کہ ''مرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان ضلع گورداسپور۔۔۔ ایک مشہور و معروف اسلامی واعظ اور سلسلہ احمدیہ کے بانی تھے۔۔۔۔ انہوں نے مذہبی اور تعلیمی کام میں مشغول ہونے کی خاطر ملازمت سے استعفٰی دے دیا تھا۔۔۔وہ لاہور میں ہندو مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق کے بڑھانے کے لئے ایک انجمن قائم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔''

''امرتا بازار پتریکا''



امرتا بازار پتریکا کلکتہ نے لکھا کہ ''وہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے اور سینکڑوں آدمی روزانہ اُن کے لنگر سے کھانہ کھاتے تھے ان کے مریدین میں ہر قسم کے لوگ فاضل، مولوی، باا ثر، رئیس، تعلیم یافتہ آدمی، امیر اور سوداگر ہیں۔

''آریہ پترکا''

آریہ پتریکا نے لکھا کہ ''عام طور پر جو اسلام دوسرے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس کی نسبت آپ کے خیالات اسلام کے متعلق زیادہ وسیع اور زیادہ قابل برداشت تھے۔ مرزا صاحب کے تعلقات آریہ سماج سے کبھی بھی دوستانہ نہیں ہوئے اور جب ہم آریہ سماج کی گزشتہ تاریخ کو یاد کرتے ہیں تو ان کا وجود ہمارے سینوں میں بڑا جوش پیدا کرتا ہے۔ اندر لاہور۔ ''اندر'' لاہور نے لکھا کہ:'' اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو مرزا غلام احمد صاحب ایک صفت میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور وہ صفت ان کا استقلال تھا۔ خواہ وہ کسی مقصود کو لے کر تھا۔ اور ہم خوش ہیں کہ وہ آخری دم تک اس پر ڈٹے رہے اور ہزاروں مخالفتوں کے باوجود ذرا بھی لغزش نہیں کھائی۔''

برہم پرچارک

برہم پرچارک نے لکھا کہ ''ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ کیا بلحاظ لیاقت اور کیا بلحاظ اخلاق اور شرافت کے ایک بڑے انسان تھے''

’’پائونیر‘‘ الہ آباد

نے لکھا کہ ’’اگر پچھلے زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آ کر دنیا میں اس وقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالت میں اس سے زیادہ غیر موزوں نہ ہوگا جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی معلوم ہوتے تھے۔۔۔مرزا غلام احمد صاحب کو اپنے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ ان کو خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔انہوں نے بشپ ویلڈن (بشف لیفرائے چاہیے۔ناقل) کو۔۔۔چیلنج دیا کہ نشانوں میں ان کا مقابلہ کریں۔۔اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ تا فیصلہ ہو کہ سچا مذہب کون سا ہے۔۔۔بہرحال قادیان کا نبی ایک ایسا انسان تھا جو ہر روز دنیا میں پھر نہیں آیا کرتے، ان پر سلامتی ہو۔‘‘ ’’جیون تت‘‘ دیوسماج جیون تت میں دیوسماج کے سیکریٹری نے لکھا کہ وہ اسلام کے مذہبی لٹریچر کے خصوصیت سے عالم تھے سوچنے اور لکھنے کی اچھی طاقت رکھتے تھے۔کتنی ہی بڑی کتابوں کے مصنف تھے۔۔۔مرزا صاحب اپنے خاص عقائد اور ارادہ کے پکے تھے اس لئے انہیں اپنی راہ میں بہت سخت مخالفتیں اور بدنامیاں سہنی پڑیں مگر وہ ان پر قائم رہے۔‘‘

دی یونٹی اینڈ دی مسٹری کلکتہ

دی یونٹی اینڈ سی مسٹر دی کلکتہ نے لکھا کہ ’’مرحوم ایک عالم آدمی تھے اور صرف اپنے ہی مذہب سے پوری پوری واقفیت نہ رکھتے تھے بلکہ عیسائیت اور ہندو مذہب کے بھی خوب جاننے والے تھے۔آپ کا میگزین جس کا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جس کو بڑی قابلیت سے چلایا جاتا ہے آپ کی طاقت تنقید کی باریکی کو ظاہر کرتا ہے۔ان کو بھی مذہبی اتحاد کا خیال تھا۔لیکن آپ نے عیسایت کے بعض مسائل کی خوب دل بھر کر قلعی کھولی ہے۔۔۔ایسے آدمی کی وفات قوم کیلئے افسوس ناک ہے۔ **بنگالی کلکتہ**۔ بنگالی کلکتہ نے لکھا کہ ’’مرزا صاحب مذہب اسلام کے مجدد تھے۔‘‘

سٹیٹس مین کلکتہ۔

سٹیٹس مین کلکتہ نے لکھا کہ ’’مرزا صاحب ایک مشہور مقدس اسلامی واعظ اور فرقہ احمدیہ کے بانی تھے (ترجمہ) ان کے علاوہ اور بھی کئی اخبارات مثلاً اخبار’’عام لاہور‘‘ اخبار’’ٹائمز‘‘ لندن وغیرہ نے بھی تبصرے کئے مگر ان کے درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ ❁❁❁

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کا مثالی جوڑا، جنت کا نمونہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک الہام میں کہا گیا کہ ''تو مع اپنی زوجہ کے بہشت میں داخل ہو'' ۔(ترجمہ تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 288) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گھر اس بہشت کا ایک نمونہ تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اماں جان کی ازدواجی زندگی بہت خوش گوار اور پُر بہار تھی۔باوجود عمر کے ظاہری تفاوت کے دونوں میاں بیوی کامل محبت اور یگانگت کا ایک بے نظیر نمونہ تھے۔یہ ایک مثالی جوڑا تھا جن میں ہر قسم کی دوئی مٹ چکی تھی۔اور ایسے ہو گئے تھے گویا ایک سینے میں دو دل دھڑک رہے ہیں۔یہ اس لئے تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اماں جان کی بہت خاطر داری کرتے تھے آپ کے ماں باپ اور بھائیوں سے بھی حسن سلوک میں کمی نہیں کرتے تھے۔جبکہ دوسری طرف حضرت اماں جان بھی دل و جان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر فدا تھیں۔آپ کے دعاوی پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان رکھتی تھیں۔اپنا سب کچھ آپ پر فدا کر دینے کے لئے تیار رہتی تھیں۔اس طرح اس مقدس جوڑے کی باہمی محبت و یگانگت نے ایک ایسے گھرانے کو جنم دیا جو خدا کے فضلوں اور انعامات کا مورد بنا جن کے حق میں الٰہی نوشتے پورے ہوئے اور جن میں خدا نے اپنی روح ڈالی۔اس طرح اس مقدس جوڑے کی بہشتی زندگی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔ہر جوڑے کے لئے ایک پیغام ہے۔کہ ازدواجی زندگی کو خوشگوار کیسے بنایا جا سکتا ہے اور اس کے لئے کن اصولوں پر عمل ضروری ہے۔

خاطر داری اور ناز برداری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اماں جان کی بہت خاطر داری اور ناز برداری کرتے تھے۔ حضرت اماں جانؓ کے متعلق حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں۔''مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔پھر بھی آپ کا ایک خاص رعب تھا۔اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح وعود علیہ السلام سے دنیا کے عام قاعدہ کیخلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے۔اور مجھے یاد ہے۔کہ حضور اقدس کے حضرت اماں جان کی بے حد قدر و محبت کرنے کی وجہ سے آپ کی قدر میرے دل میں بھی بڑھا کرتی تھی۔آپ باوجود اس کے کہ انتہائی خاطر داری اور ناز برداری آپ کی حضرت اقدس کو ملحوظ رہتی کبھی حضور کے مرتبہ کو نہ بھولتی تھیں۔بے

تکلفی میں بھی پختہ ایمان اور اس وجود مبارک کی پہچان آپ کے ہر انداز و کلام سے مترشح تھی۔ جو مجھے آج تک یاد ہے۔" (روزنامہ الفضل لاہور 25 اپریل 1952 صفحہ 4)

برکتوں کا دور

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں " حضرت اماں جان کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کی شادی خاص الٰہی تحریک کے ماتحت ہوئی تھی اور دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ یہ شادی 1884 میں ہوئی اور یہی وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ مجددیت کا اعلان فرمایا تھا۔ اور پھر سارے زمانہ ماموریت میں حضرت اماں جانؓ مرحومہ مغفورہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفیقہ حیات رہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہیں حد درجہ محبت اور انتہا درجہ شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان کی بے حد دلداری کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ زبردست احساس تھا کہ یہ شادی خدا کے خاص منشاء کے مطابق ہوئی ہے۔ اور یہ کہ حضور کی زندگی کے مبارک دور کے ساتھ حضرت اماں جانؓ کو خاص نسبت ہے۔ چنانچہ بعض اوقات حضرت اماں جانؓ بھی محبت اور ناز کے انداز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں۔ کہ میرے آنے کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں برکتوں کا دور شروع ہوا ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسکرا کر فرماتے تھے کہ "ہاں یہ ٹھیک ہے" دوسری طرف حضرت اماں جانؓ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کامل محبت اور کامل یگانگت کے مقام پر فائز تھیں اور گھر میں یوں نظر آتا تھا۔ کہ گویا دو سینوں میں ایک دل کام کر رہا ہے"۔ (سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 78۔79)

بابرکت جوڑا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔ "اس زمانہ میں ایک جوڑا بابرکت ہوا۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے چنا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شادی سے پیشتر اس شادی کے بابرکت ہونے کی اطلاع الہام کے ذریعہ دی۔۔۔ یہ شادی ہی کی طرف اشارہ تھا اس میں بتایا گیا کہ جیسے آدم کے لئے جنت تھی اسی طرح تیرے لئے بھی جنت ہے۔ مگر اس حوا نے تو آدم کو جنت سے نکلوایا تھا لیکن یہ حوا جنت کا موجب ہوگی۔ مجھے خوب یاد ہے اس وقت تو برا محسوس ہوتا تھا۔ لیکن اب اپنے زائد علم کے ماتحت اس سے مزا آتا ہے اس وقت میری عمر بہت چھوٹی تھی مگر یہ خدا کا فضل تھا کہ باوجودیکہ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ نہ تھی۔ جب سے ہوش سنبھالی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کامل یقین اور ایمان

تھا اگر اس وقت والدہ صاحبہ کوئی حرکت کرتیں جو میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شایان شان نہ ہوتی تو میں یہ نہ دیکھتا کہ ان کا میاں بیوی کا تعلق ہے اور میرا ان کا ماں بچہ کا تعلق ہے بلکہ میرے سامنے پیر اور مرید کا تعلق ہوتا حالانکہ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کچھ نہ مانگتا تھا والدہ صاحبہ ہی میری تمام ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ باوجود اس کے والدہ صاحبہ کی طرف سے اگر کوئی بات ہوتی تو مجھے گراں گزرتی۔ مثلاً خدا کے کسی فضل کا ذکر ہوتا تو والدہ صاحبہ کہتیں میرے آنے پر ہی خدا کی یہ برکت نازل ہوئی ہے۔ اس قسم کا فقرہ میں نے والدہ صاحبہ کے منہ سے کم از کم سات آٹھ دفعہ سنا اور جب بھی سنتا گراں گزرتا۔ میں اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بے ادبی سمجھتا لیکن اب یہ درست معلوم ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس فقرے سے لذت پاتے تھے۔ کیونکہ وہ برکت اسی الہام کے تحت ہوتی کہ۔۔ ایک آدم تو نکاح کے بعد جنت سے نکالا گیا تھا لیکن اس زمانہ کے آدم کے لئے نکاح جنت کا موجب بنایا گیا ہے۔ چنانچہ نکاح کے بعد ہی آپ کی معموریت کا سلسلہ جاری ہوا۔ خدا تعالیٰ نے بڑی بڑی پیشگوئیاں کرائیں۔ اور آپ کے ذریعہ دنیا میں نور نازل کیا اور اسی طرح آپ کی جنت وسیع ہوتی چلی گئی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آدم کے لئے جوڑا منتخب کیا گیا وہ صرف جسمانی لحاظ سے تھا۔ مگر اس آدم کے لئے جو چنا گیا یہ روحانی لحاظ سے بھی تھا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **اَلْاَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَۃٌ** ارواح کو ایک دوسرے سے نسبت ہوتی ہے۔ جب ایسی ارواح مل جائیں تو ان کے جوڑے بابرکت ہوتے ہیں۔ (خطبات محمود جلد سوم صفحہ 246,245 خطبہ نکاح مرزا عزیز احمد صاحب)

گھر کی خدمت گار عورتوں کا بے ساختہ تبصرہ

شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب تحریر کرتے ہیں۔ ”اس بات کو اندرون خانہ کی خدمت گار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف یا تصنع کی زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں۔ بہت عمدہ محسوس کرتی ہیں۔ وہ تعجب سے دیکھتی ہیں اور زمان اور اپنے گردوپیش کے عام عرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں اور میں نے بارہا انہیں حیرت سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے“ ایک دن خود حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ”فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں۔“

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب جلد 3 صفحہ 400)

مجازی معشوق

حضرت مفتی محمد صادق صاحب روایت کرتے ہیں۔ ’’حضرت مسیح موعودؑ حضرت اماں جان کا اس قدر اکرام واعزاز کرتے تھے۔ آپ کی خاطر داری اس قدر ملحوظ رکھتے تھے کہ عورتوں میں اس بات کا چرچا رہتا تھا۔ جب میں لاہور میں ملازم تھا۔ 1897 یا اس کے قریب کا واقعہ ہے۔ لاہور کا ایک معزز خاندان قادیان آیا۔ ان میں سے بعض نے بیعت کی اور سب حسن عقیدت کے ساتھ واپس گئے واپسی پر اس خاندان کی ایک بڑھیا نے ایک مجلس میں ذکر کیا۔ کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کی کس قدر خاطر اور خدمت کرتے ہیں۔ اتفاقاً اس مجلس میں ایک پرانے طرز کے صوفی بزرگ بھی بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے ہر سالک کا ایک معشوق مجازی بھی ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا معشوق ان کی بیوی ہے۔ یہ خیال تو صوفی بزرگ کا تھا مگر اصل بات یہ ہے کہ حضرت اماں جان کا احترام ان خوبیوں اور نیکیوں کے سبب تھا جو ان میں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے باعث تھا جو ہمیشہ ان پر ہوتے رہے‘‘۔

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ 231,230)

ملکہ کی حکومت

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام یقیناً ایک خیر الناس وجود تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ آپ کا سلوک انتہائی درجہ پاکیزہ اور حسن واحسان کی خوبیوں سے معمور تھا۔ یہ مضمون اس نوعیت کا ہے کہ اس پر قلم اٹھاتے ہوئے مجھے کسی قدر حجاب محسوس ہوتا ہے مگر میں اپنے ناظرین کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک بہترین خاوند اور بہترین باپ تھے۔ اور گھر کے اس بہشتی ماحول اور اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی وجہ سے جماعت احمدیہ کی مستورات اپنے خانگی تنازعات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنا ایک زبردست سہارا اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک نہایت مضبوط ستون خیال کرتی تھیں۔ کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ ہماری ہر شکایت نہ صرف انصاف بلکہ رحمت واحسان کے جذبات کے ساتھ سنی جائے گی۔ مجھے وہ لطیفہ نہیں بھولتا جبکہ ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے عہد حکومت میں ایک دفعہ ایک معزز احمدی نے کسی خانگی بات میں ناراض ہو کر اپنی بیوی کو سخت سست کہا۔ بیوی بھی حساس تھیں وہ خفا ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر تک ہماری والدہ کے ذریعہ شکایت پہنچائی۔ دوسری طرف وہ صاحب بھی غصہ میں جماعت احمدیہ

کے ایک نہایت معزز فرد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے پاس آئے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک اپنے حالات پہنچانے چاہے۔حضرت مولوی صاحب مرحوم کی طبیعت نہایت ذہین اور با مذاق تھی۔ان دوست کی بات سن کر کہنے لگے۔''میاں تم جانتے نہیں کہ آج کل ملکہ کا راج ہے پس میرا مشورہ یہ ہے کہ چپکے سے اپنی بیوی کو منا کر گھر واپس لے جاؤ اور جھگڑے کو لمبا نہ کرو''۔چنانچہ ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور گھر کی ایک وقتی ناراضگی امن اور خوشی میں بدل گئی۔لطیفہ اس بات میں یہ تھا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے جو یہ کہا کہ آج کل ملکہ کا راج ہے اس سے ان کی یہ مراد تھی کہ جہاں آج کل حکومت انگریزی کی باگ ڈور ایک ملکہ کے ہاتھ میں ہے وہاں جماعت احمدیہ کی روحانی بادشاہت میں بھی جہاں اس قسم کے خانگی امور کا تعلق ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے گھر والوں کی بات کو زیادہ وزن دیتے ہیں اور عورتوں کی ہمدردی اور ان کے حقوق کا آپ کو خاص خیال رہتا ہے''۔

(سلسلہ احمدیہ از مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 213,212)

میاں بیوی کے جھگڑوں میں سے ایک جھگڑا

اس عنوان کے تحت سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ میں درج ہے۔سب سے پہلی چیز جو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا کرتی ہے وہ میاں کا یہ شعور ہے کہ اسے اپنی بیوی پر غیر معمولی حکومت حاصل ہے۔جس کی وجہ سے اسے حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس سے سلوک کرے۔اس شعور کے تحت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔کہ کھانے میں نمک کیوں تیز ہو گیا۔چاول سخت کیوں رہ گئے۔یہ برتن یہاں کیوں پڑا ہے۔الغرض چھوٹی چھوٹی باتیں مرد کو جوش میں لاتی ہیں۔ان ساری چیزوں کے پیچھے ایک چیز کام کرتی ہے۔اور وہ یہ کہ مرد کو گھر پر رعب رکھنا چاہیے۔اور قطعاً اس بات کی پرواہ نہ کی جاتی کہ یہ میری غلام تو نہیں۔یہ دائرہ انسانی سے خارج تو نہیں۔مجھے کیا حق ہے کہ میں اس سے اس طرح بدسلوکی سے پیش آؤں۔مگر یہی حالت تھی کہ جس نے عام گھروں کی حالت بہت بری بنا رکھی تھی۔اور عورتیں مردوں کے ہاتھوں سخت نالاں تھیں۔لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے گھر میں اسلام گھر کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا۔محترمہ استانی سکینۃ النساء بیگم صاحبہ جو مکرم قاضی اکمل صاحب کی حرم محترم ہیں اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔اور جن کو حضرت اقدسؑ کے گھر میں بہت قریب سے حالات دیکھنے کا موقع ملا ہے۔اپنی ایک روایت میں جو انہوں نے مجھے لکھ کر دی لکھا؛''ایک دفعہ حضرت (اماں جان) فرماتی تھیں۔میں جب پہلے پہل دلی سے آئی تو

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گڑ کے میٹھے چاول پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بہت شوق اور اہتمام سے میٹھے چاول پکانے کا انتظام کیا۔تھوڑے سے چاول منگوائے اوراس میں چار گنا گڑ ڈال دیا سووہ بالکل راب بن گئی۔ جب پتیلی چولھے سے اتاری اور چاول برتن میں نکالے تو دیکھ کر رنج اور صدمہ ہوا کہ یہ خراب ہو گئے ۔ادھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔حیران تھی کہ اب کیا کروں اتنے میں حضرت صاحبؑ آ گئے ۔میرے چہرہ کو دیکھا جو رنج اور صدمہ سے رونے والوں کا سا بنا ہوا تھا۔آپ دیکھ کر ہنسے اور فرمایا کیا چاول اچھے نہ پکنے کا افسوس ہے؟۔ پھر فرمایا :نہیں ! یہ تو بہت اچھے ہیں۔میرے مذاق کے مطابق پکے ہیں ایسے زیادہ گڑ والے ہی تو مجھے پسندیدہ ہیں۔ یہ تو بہت اچھے ہیں۔اور پھر بہت خوش ہو کر کھائے۔حضرت (اماں جان) فرماتی تھیں۔کہ حضرت صاحب نے مجھے خوش کرنے کے لئے اتنی باتیں کیں کہ میرا دل خوش ہو گیا''۔

اس واقعہ سے سبق

یہ واقعہ ہمارے گھروں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے حضرت اماں جان دلی کی رہنے والی تھیں۔وہاں گڑ کے چاولوں کا کوئی رواج نہیں تھا مگر حضرت اماں جان نے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میرے شوہر کو کون سی چیز پسند ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت میں کیسی دوررسی تھی۔ ہر عقلمند اور سلیقہ شعار عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے میاں کے گھر میں جا کر پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے کہ میرے میاں کی طبیعت کا کیا رنگ ہے وہ کون سے کھانے پسند کرتا ہے وہ کس کس چیز کو اور عادت کو پسند کرتا ہے جو بیوی نئے گھر میں آ کر شوہر کی پسند کی چیزوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گی اس کی زندگی بحیثیت بیوی کے کامیاب ہوگی۔اس واقعہ سے جہاں حضرت اماں جان کی طبیعت کا یہ رنگ معلوم ہوا وہاں حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کا رنگ بھی معلوم ہوا۔آپ نے کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔شور اور غل سے مکان سر پر نہیں اٹھایا جیسے مغلوب الغضب شوہر کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی نادم اور پریشان بیوی کو اپنی نیکی اور خوش خُلقی سے اور بھی موہ لیا''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ 226,225)

ہمارے دوستوں کو تو ایسے دوستوں سے پرہیز کرنا چاہیے

مئی 1893 میں ڈپٹی عبداللہ آتھم سے امرتسر میں مباحثہ تھا۔ایک رات جبکہ خان محمد شاہ صاحب

مرحوم کے مکان پر بہت بڑا مجمع تھا اطراف سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔حضرتؑ اس روز سر درد سے بیمار تھے۔شام کو مشتاقانِ زیارت ہمہ تن چشم انتظار بنے ہوئے تھے حضرتؑ مجمع میں تشریف لائے۔منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے جو پہلے آپؑ سے بڑی محبت اور حسن ظنی رکھتے تھے۔مگر بعد میں الگ ہوگئے۔آپ سے آپ کی بیماری کی تکلیف پوچھی اور پھر کہا۔'' آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔آپ کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہیے۔''اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:'' ہاں یہ بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف رہتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں۔اس پر منشی عبدالحق صاحب نے کہا کہ:اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رُعب پیدا نہیں کرتے۔میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمام خاص میں سرِ مُو فرق آجائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لیں۔حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے خیال کیا کہ یہ بات میرے محبوب آقا کے حق میں مفید ہے۔اس لئے بغیر سوچے سمجھے اس کی تائید کردی۔حضرت اقدس نے حضرت مولانا کی طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا'' ہمارے دوستوں کو تو ایسے دوستوں سے پرہیز کرنا چاہیے''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ 227,226)

شوہر کی خوشنودی کے لئے روٹی خود پکا کر بھیجنا

محترمہ استانی سکینۃ النساء صاحبہ اہلیہ قاضی محمد اکمل صاحب لکھتی ہیں:'' پہلے پہل تو مہمانوں کی روٹی بھی خود پکا کر باہر بھجواتی رہیں۔پھر لنگر خانہ قائم ہوگیا تو خود نہ پکائی ہوگی اب بھی کئی بار میں نے دیکھا ہے کہ صحت کی حالت میں خود ہی چولھے کے آگے بیٹھ جانا اور ہانڈی پکانا،آٹا گوندنا حالانکہ خدمت گاریں بھی پاس ہی بیٹھی ہوتی ہیں ایسی شاندار ہستی جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے وقار اور رعب کی خاتون کبھی باورچی خانے کی طرف جانا خلاف وقار وشان کے نامناسب بات جانتی ہوگی اور پھر آپ ہیں بھی تو ایک دہلی کے عالی وقار خاندان کی فرد آپ کا نورانی چہرہ ہی دیکھ کر تعجب میں ڈال دیتا ہے کہ ایسی باحوصلہ اور پُر وقار خاتون کھانا خود پکا رہی ہے۔یہ سب کچھ عالی قدر شوہر محترم اَلْف اَلْف صلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کے لئے گوارہ کیا تھا''۔(سیرت سیدہ نصرت جہاں بیگم از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ 392)

بے حد قدر و قیمت

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بیان فرماتی ہیں: ''حضرت اماں جان کی بے حد قدر و قیمت آپ کی نظر میں تھی اور بہت زیادہ دلداری، بہت خیال حضرت اماں جان کا رکھتے تھے۔اس کا نقش میرے دل پر اب تک ہے۔مگر ایک بار میں نے دیکھا کہ جب آپ نے ضروری سمجھا تو حضرت اماں جان کی بھی تربیت فرمائی۔ایک واقعہ عرض ہے بس یہی ایک بات دیکھی اور کبھی نہیں اور خود حضرت اماں جان بھی تو ایک نمونہ تھیں ضرورت بھی پیش نہیں آئی کبھی بھی۔صاف نظارہ یاد ہے نیچے کے کمرے کے سامنے کے سہ درے میں نانی اماں بیٹھی تھیں۔کسی خادمہ نے ان کا کہنا نہ مانا اور کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے غلط فہمی پیدا ہو کر نانی اماں حضرت اماں جان سے ناراض ہو گئیں تھیں اس وقت مجھے یاد ہے کہ حضرت اماں جان غصہ میں کہہ رہی تھیں کہ لڑکی (حضرت اماں جان کو نانی اماں لڑکی کہہ کر مخاطب ہوتی تھیں) آخر میری بیٹی ہی تو ہے۔ہاں ! میرے حضرت میرے سر کے تاج تو ہیں بے شک۔وغیرہ وغیرہ۔اتنے میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت اماں جان کو اپنے آگے آگے لئے چلے آرہے ہیں۔اس طرح کہ حضرت اماں جان کے دونوں شانوں پر آپ کے دست مبارک ہیں۔اور حضرت اماں جان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں۔آپ خاموشی سے اسی طرح حضرت اماں جان کو لے کر آگے بڑھے اور اسی طرح حضرت اماں جان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نانی اماں کے قدموں پر آپ کا سر جھکا دیا۔پھر نانی اماں نے حضرت اماں جان کو اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیا۔شاید گلے بھی لگایا تھا۔اور آپ واپس تشریف لے گئے۔کچھ سوچیں اس زمانہ کی اولادیں! اکثریت وہ ہونگی جن کو ماؤں کی قدر نہیں۔احمدی بچیو اور بہنو یہ نقشہ جو میں نے دیکھا اور یاد رہا اس کو ذرا اپنی چشم تصور میں لاؤ کہ وہ شاہِ دین اپنی خدا تعالیٰ کی جانب سے لقب پائے ہوئے بیوی اماں جان کو جس کی ہر وقت خاطر آپ کو مطلوب تھی اور جس کی عزت بہت زیادہ آپ کے دل میں تھی اس کی والدہ کی معمولی ناراضگی سن کر برداشت نہ فرما سکا۔اور خود لا کر اس کی ماں کے قدموں میں جھکا دیا۔گویا یہ سمجھایا کہ تمہارا رتبہ بڑا ہے مگر یہ ماں ہے۔تمہارے لئے بھی اس کے قدموں تلے جنت ہے(تحریرات مبارکہ صفحہ 215,214)

(از بہشتی زندگی شائع کردہ خدام الاحمدیہ پاکستان)



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آسمانی تحریک نظامِ وصیّت



امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام رسالہ الوصیّت میں نظامِ وصیّت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس سارے نظامِ وصیّت سے خدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے؟ فرمایا ''اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ اس الٰہی انتظام پر اطلاع پا کر بلا توقف اس فکر میں پڑتے ہیں کہ حصّہ کُل جائیداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے زیادہ اپنا جوش دکھلاتے ہیں وہ اپنی ایمانداری پر مہر لگا دیتے ہیں''۔ یہ فقرہ ہر احمدی کو بہت مستعد اور بیدار کرنے والا ہے۔ واضح طور پر فرمایا کہ نظامِ وصیّت کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مومن اور منافق میں ایک امتیاز قائم کر کے دکھادے۔ گویا اس کو سچے الٰہی احمدیوں کے ایمان کا ایک معیار قرار دیا ہے اور ایک مخلص احمدی کی شان یہ ہے کہ وہ اس الٰہی انتظام کی اطلاع پانے کے بعد اس میں شمولیت سے پیچھے نہ رہے بلکہ فرمایا کہ جو احمدی فوراً اس میں شامل ہو جائیں گے وہ اپنے عمل کے ساتھ اپنی ایمانداری کا ثبوت دیں گے۔ اس پُر زور تاکیدی فقرہ کو پڑھ کر ہر احمدی کو اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ اس کا شمار کن لوگوں میں ہے۔

اسی مضمون کو ایک دوسرے پیرایہ میں یوں بیان فرمایا:

'' وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا ہے کہ خبیث اور طیّب میں فرق کر کے دکھلا وے اس لئے اب بھی اس نے ایسا ہی کیا''۔ اس فقرہ سے واضح فرمایا گیا ہے کہ نظامِ وصیّت اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان کے طور پر ہے۔ جو اس امتحان پر پورے اتریں گے وہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سچے مومن ہوں گے۔ وہی طیّب قرار پائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے پیار سے نوازتا ہے۔ یہ زوردار فقرہ بھی ایک سچے احمدی کو اس بابرکت نظام میں شمولیت پر آمادہ کرنے کے لئے بہت کافی ہونا چاہئے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس بابرکت نظامِ وصیّت میں شمولیت کے بارہ میں تاکیدی اظہار فرمایا:

''ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اِس وقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے، دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائیں گے۔ اور ثابت ہو جائے گا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے پورا کر کے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا۔ بے شک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گزرے گا اور

اِس سے اُن کی پردہ دَری ہوگی‘‘۔نظامِ وصیّت کو اس وقت کا امتحان قرار دیتے ہوئے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اس نظام میں شامل ہونے والے ہی درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوں گے۔یہی امر اُن کے عہد بیعت کی سچائی کا بھی گواہ ہوگا۔اور پھر بہت ہی واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ اس ایک امتحان سے منافقوں کی منافقت خوب کھل کر سامنے آجائے گی اور اس طرح ہر شخص ان کو خوب جان لے گا۔مجھے یقین ہے کہ اس فقرہ کو توجہ سے پڑھنے کے بعد کوئی مخلص احمدی اس بابرکت نظام سے باہر نہیں رہ سکتا۔اور وہ مخلص احمدی جو امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس نظامِ وصیّت میں شامل ہوجائیں گے ان کو کیا انعامات ملیں گے۔اس سلسلہ میں فرمایا: ’’اس کام میں سبقت دکھلانے والے راستبازوں میں شمار کئے جائیں گے اور ابد تک خدا تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں گی‘‘۔اس نظام میں شمولیت کی برکات کا بہت ہی مختصر الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ اس نظام کا حصہ بنوگےتو ’’بہشتی زندگی پاؤ گے‘‘۔

سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السّلام رسالہ الوصیّت میں نظامِ وصیّت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اپنے الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انزل فیھا کل رحمۃ۔ ہر قسم کی رحمت اس (قبرستان) میں اتاری گئی ہے۔

عرصہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا تھا کہ ایک بہشتی مقبرہ ہوگا گویا اسمیں وہ لوگ داخل ہونگے جو اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں جنتی ہیں۔(الوصیت) تم استقامت اور اپنے نمونے سے اس درخت کی حفاظت کرو کیونکہ تم میں سے ہر ایک اس درخت کی شاخ ہے۔اور وہ درخت اسلام کا ایک شجر ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس شجر کی حفاظت کی جاوے۔اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کے لئے سب سے اول تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ۔اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلاؤ۔اس پہلو میں مالی ضرورتوں اور امداد کی حاجت ہے۔اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔آنحضرت ﷺ کو بھی ایسی ضرورتیں پیش آئی تھیں۔اور صحابہ کی یہ حالت تھی کہ ایسے وقتوں پر بعض ان میں سے اپنا سارا ہی مال آنحضرت ﷺ کو دے دیتے اور بعض نے آدھا دے دیا اور اسطرح جہاں تک کسی سے ہوسکتا فرق نہ کرتا۔(الوصیت)

یقینا یاد رکھو کہ خدا ہے اور مر کر اس کے حضور ہی جانا ہے۔کون کہہ سکتا ہے کہ سال آئندہ کے انہی دنوں میں ہم میں سے یہاں کون ہوگا اور کون آگے چلا جائے گا جبکہ یہ حالت ہے اور یہ یقینی امر ہے۔پھر کس قدر

بد قسمتی ہوگی اگر اپنی زندگی میں قدرت اور طاقت رکھتے ہوئے اس اصل مقصد کے لئے سعی نہ کریں۔ اسلام توضرور پھیلے گا اور وہ غالب آئے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہے مگر مبارک ہونگے وہ لوگ جو اس اشاعت میں حصہ لیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے جو اس نے تمہیں موقع دیا ہے۔ یہ زندگی جس پر فخر کیا جاتا ہے ہیچ ہے اور ہمیشہ کی خوشی کی وہی زندگی ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوگی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اسی دنیا اور اسی زندگی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تیاری بھی یہاں ہی ہوتی ہے۔ اب جو شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسی رحمت کے نزول کی جگہ میں دفن ہو کیا عمدہ موقع ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کرلے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرلے۔ یہ صدی جس کے تیئس سال گزرنے کو ہیں گزر جائے گی اور اس کے آخر تک موجودہ نسل میں سے کوئی نہ رہے گا اگر نکما ہو کر رہا تو کیا فائدہ؟۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنا صدقہ پہلے بھیجو یہ لفظ صدقہ کا صدق سے لیا گیا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی کامل نمونہ اپنے صدق اور اخلاص کا نہیں دکھا تا لاف زنی سے کچھ بن نہیں سکتا۔ الوصیت اشتہار میں جو میں نے حصہ جائیداد کی اشاعت اسلام کے لئے وصیت کرنے کی قید لگائی ہے۔ میں نے دیکھا کہ کل بعض نے 1/6 کی کردی ہے۔ یہ صدق ہے جو ان سے کراتا ہے اور جب تک صدق ظاہر نہ ہو کوئی مومن نہیں کہلا سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظام وصیت کے بارہ میں رسالہ الوصیت میں جو ارشادات ہیں وہ مندرجہ ذیل نتائج کے حامل ہیں۔ (نمبر 1) وصیت حقیقی ایمان کی مہر ہے۔ (نمبر 2۔) وصیت ایمان اور نفاق میں امتیاز کے لئے بطور پرچہ امتحان ہے۔ (نمبر 3) وصیت اقرار بیعت کی سچائی کا ذریعہ ہے۔ (نمبر 4۔) وصیت موعودہ عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ نمبر 5۔ وصیت اعلیٰ درجہ کے اخلاص کے اظہار اور دوسروں سے ممتاز ہونے کا ذریعہ ہے۔ موصیوں کے لئے حسب ذیل خطابات ہیں۔ (ا) راست باز (ب) حقیقی مومن (ج) اعلیٰ درجہ کے بہشتی۔ (چ) سابقین اولین۔ (و) کامل الایمان۔ (ر) بہشتی۔ (س) خدا کے پسندیدہ۔ (ش) برگزیدہ جماعت۔ (ص) پاک دل جماعت (نمبر 7) موصیوں کے ایمان کی حسب ذیل تعریف۔ (ا)۔ سچا اور انشراحی ایمان (ب) کامل ایمان (د) نفاق اور بزدلی سے خالص ایمان (نمبر 8) موصیوں کے اموال دائمی مدد دینے والے اور صدقہ جاریہ ہیں۔ (نمبر 9) موصی آئندہ نسلوں کے لئے یادگار ہونگے (نمبر 10) موصیوں کی دینی خدمات ہمیشہ کے لئے آنے والی اقوام پر ظاہر ہوتی رہیں گی۔ (نمبر 11) موصیوں پر ابد تک خدا کی رحمت ہوگی۔ (نمبر 12) موصیوں کے خاتمہ بالخیر کی بشارت۔

وصیت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خلفائے کرام ارشادات

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

یہ خدا نے ہمارے لئے ایک نہایت ہی اہم چیز رکھی ہے اور اس ذریعہ سے جنّت کو ہمارے قریب کر دیا ہے۔ پس وہ لوگ جن کے دل میں ایمان اور اخلاص تو ہے مگر وصیّت کے بارہ میں سُستی دکھلاتے ہیں۔ مَیں انہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ وصیّت کی طرف جلدی بڑھیں۔۔۔اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وصیّت کرنے سے ایمانی ترقی ضرور ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس زمین میں متّقی کو دفن کرے گا۔ تو جو شخص وصیّت کرتا ہے اُسے متّقی بنا بھی دیتا ہے۔۔۔اس وقت میرے نزدیک کم سے کم تحریک یہ ہونی چاہیے کہ جماعت کا ہر فرد وصیّت کر دے۔ دنیا میں ہر چیز کے مظاہرے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ہمارے ہاتھ سے قادیان نکل جانے کی وجہ سے دشمن کی نظریں اس وقت خاص طور پر اس امر پر لگی ہوئی ہیں، کہ بہشتی مقبرہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے جس کیلئے یہ لوگ وصیّت کیا کرتے تھے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ یہ لوگ کیسے وصیّت کرتے ہیں۔ اس اعتراض کو ردّ کرنے کا ہمارے پاس ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہر احمدی وصیّت کر دے اور دنیا کو بتا دے کہ ہمیں خدا تعالیٰ کے وعدوں پر جو ایمان اور یقین حاصل ہے وہ قادیان کے ہمارے ہاتھ سے نکلنے یا نہ نکلنے سے وابستہ نہیں بلکہ ہم ہر حالت میں اپنے ایمان پر قائم رہنے والے ہیں۔۔۔ میں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وصیت آزمائش ایمان کا ذریعہ ہے۔ وصیت پیمانہ ہے ایمان کو ناپنے کا۔ اور وصیت آئینہ ہے اپنی ایمانی شکل دیکھنے کا۔

(خطبہ جمعہ 14 مئی 1926ء فرمودہ حضرت مصلح موعودؓ)

''وصیت بچوں کی ماں، جوانوں کی باپ، عورتوں کی سہاگ ہوگی''

نظام نو حضرت مصلح موعودؓ۔ ''وصیت کی تحریک خدا کی طرف سے ہے اور اس کے ساتھ بہت سے انعامات وابستہ ہیں'' (حضرت مصلح موعودؓ)

''کوشش کریں کہ ہماری جماعت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ رہے جس نے وصیت نہ کی

ہو‘‘(حضرت مصلح موعودؓ)

’’نظام وصیت‘‘ ایک عظیم نظام ہے ہر پہلو کے لحاظ سے (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ)

اللہ تعالیٰ کے قائم کردحضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریک ہے تو اس میں عظیم الشان برکتیں پڑیں گی جو آپ کے تصور سے بھی بالا ہوں گی‘‘(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

’’نظام وصیت صرف دسواں حصہ مالی قربانی کا نام نہیں۔ یہ نظام ہے زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمانی رفعتوں تک پہنچانے کا۔اور جہاں اس نظام میں مالی قربانی کی امید رکھی جاتی ہے وہاں ہر دوسرے پہلو سے ایک نمایاں بھرپور اسلامی زندگی جو ہر لحاظ سے منور ہو اور حسین ہو اور محمد ﷺ کی روحانی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں رفعتوں کی طرف لے جانے والی ہو اور خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرنے والی ہو‘‘۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ 30 اپریل 1982ء)

’’اپنی زندگیوں کو پاک کرنے کے لئے اور اپنی اولاد کی زندگی کو پاک کرنے کے لئے وصیت کے آسمانی نظام میں شامل ہو جائیں‘‘(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصر العزیز)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز کی خواہش

میری خواہش ہے اور میں تحریک کرنا چاہتا ہوں کہ اس آسمانی نظام میں اپنی زندگیوں کو پاک کرنے کے لئے، اپنی نسلوں کو پاک کرنے کے لئے شامل ہوں، آگے آئیں اور کم از کم۔۔۔ پندرہ ہزار اس ایک سال میں نئی وصایا ہو جائیں تا کہ کم از کم پچاس ہزار وصایا تو ایسی ہوں جو سو سال میں ہم کہہ سکیں کہ ہوئیں۔۔۔میری خواہش ہے کہ 2008 میں جب خلافت احمدیہ کو قائم ہوئے انشاء اللہ تعالیٰ 100 سال ہو جائیں تو دنیا کے ہر ملک میں، ہر جماعت میں جو کمانے والے افراد ہیں، چندہ دہندہ ہیں، ان میں سے کم از کم پچاس فیصد تو ایسے ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس عظیم الشان نظام میں شامل ہو چکے ہوں اور روحانیت کو بڑھانے اور قربانیوں کے اعلیٰ معیار قائم کرنے والے بن چکے ہوں۔ یہ اور بھی جماعت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک حقیر سا نذرانہ ہو گا جو جماعت خلافت کے سو سال پورے ہونے پر دے رہی ہو گی، شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر رہی ہو گی۔؛(خطاب برموقعہ جلسہ سالانہ یو کے یکم اگست 2004)

’’صف دوم کے انصار کو تو سو فیصد شامل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے‘‘

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصر العزیز فرماتے ہیں کہ

حسب سابق روایات مومنین اوراپنے بزرگوں کی طرح ان فرمودات کی حکمتوں کو بروقت سمجھتے ہوئےعشق حقیقی کے تقاضوں کے پیش نظراس میدان میں یقین محکم سے بےخطرکودجائیں اورخدائے مسرورکی رضاپاکرعنداللہ ماجورہوں۔اس رازق اور حیّ وقیّوم خدا کے قائم کردہ خلیفہ کے دائیں اور بائیں ،آگے پیچھے سیسہ پلائی ہوئی دیواربن کرثابت کردیں کہ ہاں نحن انصار اللہ ہیں۔ہماری اس اطاعت کی گونج مکفرین کےایوانوں کی بنیادوں کوتائیدایزدی سے ہلاسکتی ہے جوہمیں اطاعت امام سے حاصل ہو تی ہے۔اب تک بےشمارخدائی انعامات کاذراتصوراپنے اذہان میں لایئے جوانفرادی طورپریااجتماعی طور پرجماعت اوراہل جماعت پرہوئے ہیں اوراس کےدلکش اورمحبت سے بھرپورسلوک کامزالیں۔اوراس رحیم وکریم خدا کاشکرکرتے ہوئے مزیدفضلوں میں اضافہ دیکھتے جایئے۔اطاعت کے معراج کو پانے کے لئے امام وقت کی ہاں سے ہاں ملاتے رہیے۔اے خداتوایساہی کر۔آمین۔

وصیت کرنا کیوں ضروری ہے

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالی بنصرالعزیز کی خواہش۔۔میری خواہش ہے اور میں تحریک کرنا چاہتا ہوں کہ اس آسمانی نظام میں اپنی زندگیوں کو پاک کرنے کے لئے،اپنی نسلوں کو پاک کرنے کے لئے شامل ہوں،آگے آئیں اورکم ازکم۔۔۔پندرہ ہزاراس ایک سال میں نئی وصایاہوجائیں تاکہ کم ازکم پچاس ہزاروصایاتوایسی ہوں جوسوسال میں ہم کہہ سکیں کہ ہوئیں۔۔۔میری خواہش ہے کہ 2008 میں جب خلافت احمدیہ کوقائم ہوئے انشاءاللہ تعالیٰ 100 سال ہوجائیں تو دنیاکے ہرملک میں،ہرجماعت میں جوکمانے والے افرادہیں،چندہ دہندہ ہیں،ان میں سے کم ازکم پچاس فیصدتوایسے ہوں جوحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے اس عظیم الشان نظام میں شامل ہوچکے ہوں اور روحانیت کو بڑھانے اورقربانیوں کے اعلی معیارقائم کرنے والے بن چکے ہوں۔یہ اوربھی جماعت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضورایک حقیر سا نذرانہ ہوگا جو جماعت خلافت کے سوسال پورے ہونے پردے رہی ہوگی،شکرانے کےطورپراللہ تعالیٰ کےحضورپیش کررہی ہوگی۔۔۔۔۔۔’’اپنی زندگیوں کوپاک کرنے کے لئےاوراپنی اولادکی زندگی کوپاک کرنے کے لئے وصیت کےآسمانی نظام میں شامل ہوجائیں‘‘

(خطاب برموقع جلسہ سالانہ یوکے یکم اگست 2004)

نظام وصیت کانظام خلافت کے ساتھ بڑاگہراتعلق ہے۔کیونکہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو

اپنی وفات کی خبروں سے جہان جماعت کی فکر ہوئی اور آپ نے مالی قربانی کے نظام کو جاری فرمایا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیت کے نظام کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''وصیت کا معاملہ نہایت اہم معاملہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے ایسی خصوصیت بخشی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خاص الہامات کے ماتحت قائم کیا ہے کہ کوئی مومن اس کی اہمیت اور عظمت کا انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قائم کردہ سارا نظام ہی آسمانی اور خدائی اور الہامی نظام ہے مگر وصیت کا نظام ایسا نظام ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص الہام کے تحت قائم کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب الوصیت کے آغاز میں فرمایا۔ ''میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور ان تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ چند نصائح لکھوں''۔ اس فقرہ سے پتہ لگتا ہے کہ حضورؑ نے یہ کتاب بہت محبت بھرے دلی جذبات کے ساتھ بطور نصیحت لکھی ہے اور خاص طور پر وہ احباب جماعت مخاطب ہیں جن کو حضورؑ نے دوستوں کے پیار بھرے لفظ میں یاد فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ الوصیت میں فرمایا۔ ''پہلے میں اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں جس نے میری موت کی خبر دے کر میرے لئے یہ تحریک پیدا کی'' اس فقرہ سے کتاب کے لکھنے اور نصائح درج کرنے کے فوری پس منظر کا ذکر فرمایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ''اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں''۔ ظاہر ہے کہ اس سے طبعاً ہر ایک کو فکر ہوگی لیکن ساتھ ہی بتایا کہ اس سے تحریک ہوئی کہ چند نصائح لکھوں جس سے پڑھنے والوں اور عمل کرنے والوں کو غیر معمولی تسلّی اور اطمینان قلب کی صورت پیدا ہوگی۔ گویا یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی وحی کے تابع ہے۔ نظام خلافت کا قیام بھی اور نظام وصیت کا اجرا بھی۔ ''ہم کھلے کھلے نشان تیری تصدیق کے لئے ہمیشہ موجود رکھیں گے''۔ اس فقرہ سے بھی پتہ لگتا ہے کہ یہ دونوں نظام یعنی نظام خلافت اور نظام وصیت اللہ تعالیٰ کی ایماء سے قائم ہونگے۔ اور ان نشانوں کا وجود کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ نیز یہ دونوں نشان حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو ثابت کرنے کا ذریعہ ہونگے احمدی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے قائل ہیں ہی لیکن غیر از جماعت لوگوں کی گواہی کا اندازہ آپ امرتسر کے معروف سکھ، سکالر، مصنف اور صحافی جناب سردار ارجن سنگھ عاجز کے الفاظ میں ان کی کتاب '' سیر قادیان'' سے کر سکتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''احمدیوں کے نزدیک خلیفہ کا حکم ماننا ضروری ہے۔ خلیفہ جو کچھ کہہ دے وہ ان کے لئے قانون

بن جاتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایسا مذہبی یا سیاسی ریفارمر نہیں ہے۔جس کے حکموں کو اس کے مرید اس طرح مانتے ہیں جس طرح کہ خلیفہ قادیان کے حکموں کو احمدی تسلیم کرتے ہیں۔اور یہی خصوصیت ہے کہ جس کی وجہ سے یہ گروہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔جماعت میں نظام خلافت کے قیام کی بشارت اور جماعت کی ترقیات کے نہایت ایمان افروز تذکرہ کے بعد حضورؑ نے الوصیت میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ایک جگہ مجھے دکھائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ لکھا گیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نام الہامی ہے اور نظام وصیت میں داخل ہو کر یہاں مدفون ہونے والے جو برگزیدہ اور متقی لوگ ہوں وہ ان احباب میں شامل ہوں گے جو جنتی ہونگے۔جیسا کہ حضورؑ کے فقرہ سے ظاہر ہے۔حضورؑ نے بہشتی مقبرہ کے بارے میں فرمایا''ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں''۔یہ مضمون کئی جگہ حضورؑ نے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے اور سب کو یکجا دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نظام وصیت کی شرائط حضورؑ نے اللہ تعالیٰ کے ایما پر تحریر فرمائیں۔ان کو پورا کرنے والے بہشتی اور جنتی لوگ ہی اس قابل بنائے جائیں گے کہ اس مقدس قبرستان میں اُن کو جگہ ملے۔پھر بہشتی مقبرہ کے متعلق آپ نے فرمایا ۔'' انزل فیھا کل رحمۃ ،'یعنی ہر قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور اس بہشتی مقبرہ کے بلند و بالا مقام اور اس کے مھبط الانوار ہونے کا ثبوت ہیں۔نظام وصیت کی عظمت اور شوکت کا نقشہ مزید ان الفاظ سے بھی سامنے آتا ہے۔جب حضورؑ لکھتے ہیں یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دوراز قیاس باتیں ہیں۔یہ اُس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔جو لوگ ابھی نظام وصیت میں شامل نہیں ہیں۔انہیں سابقون سے سبق سیکھنا چاہیے۔اور آگے بڑھ کر فوراً اس نظام میں شامل ہونا چاہیے۔

رسالہ الوصیت میں لکھا ہے''وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا ہے کہ خبیث اور طیب میں فرق کر کے دکھلاوے۔اس لئے اب بھی اس نے ایسا ہی کیا''۔پھر فرماتے ہیں۔''ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائیں گے اور ثابت ہو جائیگا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے پورا کر کے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا بے شک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گزرے گا اور اس سے ان کی پردہ دری

ہوگی‘‘۔’’اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو سچا اور صاف مسلمان ہو‘‘(الوصیت ص23)4۔

’’بالآخر ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کام میں ہر ایک مخلص کو مدد دے اور ایمانی جوش ان میں پیدا کردے اور ان کا خاتمہ بالخیر کرے‘‘(الوصیت ص25)

’’تا آئندہ نسلیں ایک ہی جگہ ان کو دیکھ کر اپنا ایمان تازہ کریں اور تا ان کے کارنامے جو خدا کے لئے انہوں نے دینی کام کئے ہمیشہ کے لئے قوم پر ظاہر ہوں‘‘(الوصیت ص23)۔

’’ہر ایک صالح جو اس کی کوئی بھی جائیداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کرسکتا۔اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے‘‘(الوصیت)۔

یہ خدا نے ہمارے لئے ایک نہایت ہی اہم چیز رکھی ہے اور اس ذریعہ سے جنّت کو ہمارے قریب کردیا ہے۔پس وہ لوگ جن کے دل میں ایمان اور اخلاص تو ہے مگر وصیّت کے بارہ میں سُستی دکھلاتے ہیں۔مَیں انہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ وصیّت کی طرف جلدی بڑھیں۔۔۔اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وصیّت کرنے سے ایمانی ترقی ضرور ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس زمین میں متّقی کو دفن کرے گا۔تو جو شخص وصیّت کرتا ہے اُسے متّقی بنا بھی دیتا ہے۔۔۔اس وقت میرے نزدیک کم سے کم تحریک یہ ہونی چاہیے کہ جماعت کا ہر فرد وصیّت کردے۔دنیا میں ہر چیز کے مظاہرے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ہمارے ہاتھ سے قادیان نکل جانے کی وجہ سے دشمن کی نظریں اس وقت خاص طور پر اس امر پر لگی ہوئی ہیں،کہ بہشتی مقبرہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے جس کیلئے یہ لوگ وصیّت کیا کرتے تھے۔اب ہم دیکھیں گے کہ یہ لوگ کیسے وصیّت کرتے ہیں اس اعتراض کو ردّ کرنے کا ہمارے پاس ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہر احمدی وصیّت کردے اور دنیا کو بتادے کہ ہمیں خدا تعالیٰ کے وعدوں پر جو ایمان اور یقین حاصل ہے وہ قادیان کے ہمارے ہاتھ سے نکلنے نہ نکلنے سے وابستہ نہیں بلکہ ہم ہر حالت میں اپنے ایمان پر قائم رہنے والے ہیں ۔۔۔(خطبہ جمعہ 14 مئی 1926ء فرمودہ حضرت مصلح موعودؓ))

وصیت کی تحریک خدا کی طرف سے ہے اور اس کے ساتھ بہت سے انعامات وابستہ ہیں۔۔۔۔۔کوشش کریں کہ ہماری جماعت میں کوئی ایسا فرد نہ رہے جس نے وصیت نہ کی ہو(المصلح موعود)1942 میں حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر نظام نو کے نام سے ایک تقریر فرمائی۔آپ نے فرمایا۔میں یہ تقریر اللہ تعالیٰ کے القاء سے کر رہا ہوں۔اس میں آپ نے بڑی

تفصیل سے نظام وصیت کے متعلق بتایا۔ کہ کس طرح اس نے دنیا میں قائم ہونا ہے۔حضورؓ نے فرمایا ’’عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب دنیا چلاّ چلاّ کر کہے گی کہ ایک نئے نظام کی ضرورت ہے۔تب چاروں طرف سے آوازیں اُٹھنی شروع ہوجائیں گی کہ آؤ ہم تمہیں ایک نیا نظام دیتے ہیں ۔روس کہے گا آؤ میں تم کو ایک نیا نظام دیتا ہوں امریکہ کہے گا کہ آؤ ہم تمہارے سامنے ایک نیا نظام دیتا ہوں ۔اس وقت میرا قائم مقام قادیان سے کہے گا کہ نیا نظام الوصیت میں موجود ہے کہ اگر دنیا فلاح و بہبود کے رستہ پر چلنا چاہتی ہے اس کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ الوصیت کے پیش کردہ نظام کو دنیا میں جاری کیا جائے‘‘ (نظام نو)

احباب کرام دیکھیں روس کا اشترا کی نظام بُری طرح نا کام ہوا۔جرمنی اور اٹلی کا فاشٹ نظام اپنی موت آپ مر گیا۔امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا حال تو آپ دیکھ رہے ہیں ۔ساری دنیا میں امریکہ اپنی ساکھ کھو بیٹھا ہے۔مغربی مما لک کے اپنائے ہوئے اقتصادی اور سیاسی نظام سے دنیا میں امن و آشتی قائم نہیں ہوسکتی۔دیکھیں حضرت مصلح موعودؓ کی نصف صدی پہلے کہی ہوئی باتیں کس صفائی سے پوری ہورہی ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا ’’ نئے نظام وہی لاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں۔جن کے دلوں میں نہ امیر کی دشمنی ہوتی ہے نہ غریب کی بے جا محبت ہوتی ہے۔جو مشرقی ہوتے ہیں نہ مغربی۔وہ خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہوتے ہیں۔اور وہی تعلیم پیش کرتے ہیں۔جو امن قائم کرنے کا حقیقی ذریعہ ہوتے ہیں۔پس آج وہی تعلیم امن قائم کرے گی جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ آئی ہے اور جس کی بنیاد الوصیت کے ذریعہ رکھ دی گئی ہے‘‘۔چنانچہ آپ نے نظام وصیت کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ افضل اور کامل نظام کی بنیاد چار اصولوں پر قائم ہونی چاہیے۔**اوّل**۔سب انسانوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔**دوم**۔انفرادیت اور عائلی زندگی کے لطیف جذبات کو تباہ نہ ہونے دیا جائے۔**سوم**۔یہ کام مالداروں سے طوعی طور پر لیا جائے اور جبر سے کام نہ لیا جائے۔**چہارم**۔نظام ملکی نہ ہو بلکہ بین الاقوامی ہو۔‘‘حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک ہے تو اس میں عظیم الشان برکتیں پڑیں گی اور آپ کے تصوّر سے بھی بالا ہوں گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز اس سلسلے میں مزید فرماتے ہیں کہ یہ نظام

ایسا نظام ہے کہ اگر نیک نیتی سے اس میں شامل ہوا جائے اور شامل ہونے کے بعد جبکہ آپ نے فرمایا اپنے اندر بہتری کی کوشش بھی کی جائے تو اس نظام کی برکت سے روحانی تبدیلی جو کئی سالوں کی مسافت ہے وہ دنوں میں اور دِنوں کی گھنٹوں میں طے ہوجائے گی۔ پس اپنی اصلاح کی خاطر بھی اس نظام میں احمدیوں کوشامل ہونا چاہیے۔اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس نظام میں شامل ہونے والوں کے لئے جو دعائیں ہیں ان میں حصہ لینا چاہیے۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس بنصرالعزیز نظام وصیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔؛ایک تو میں نے کہا تھا کہ صف دوم کے جو انصار ہیں وہ نظام وصیت میں شامل ہونے کی کوشش کریں اگر صف دوم کے انصار نے اس طرف توجہ دی ہے اور ان کی اکثریت، بلکہ صف دوم کے انصار کو تو سو فی صد شامل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔اگر تو اکثریت شامل ہوگئی ہے تو الحمداللہ اور مزید گنجائش ہے تو اسے بھی پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ کوشش مجلس انصاراللہ کی سطح پر ہونی چاہیے۔اگر وہ معیاری عمل نہیں کئے جن کی انصاراللہ سے توقع کی جاتی ہے تب بھی توجہ کرنی چاہیے۔بعض لوگ کہہ دیتے ہیں ہمارے عمل ایسے ہیں کہ ہمیں وصیت کرتے ہوئے ڈرلگتا ہے اگر ایسے عمل بھی ہیں۔تب بھی وصیت کرنی چاہیے صف دوم کے جو انصار ہیں ان کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔(برموقع اجتماع مجلس انصاراللہ یوکے 2009) پس خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تمام اُن دوستوں سے درخواست ہے کہ جنہوں نے ابھی تک وصیت نہیں کی۔انہیں جلد از جلد اس نظام میں شامل ہوجانا چاہیے۔اب وقت آچکا ہے کہ دنیا کو اس نظام سے روشناس کروایا جائے۔

وصیت ہے اک آسمانی نظام
یہ جنت کے پانے کا ہے مقام
چلے آؤ اس کی طرف دوستو!
ندا دے رہا ہے امام ہمام
وصیت کرو تم وصیت کرو
ہر اک کو یہی اب نصیحت کرو



حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام کا توکل علی اللہ

خدا تعالیٰ نے اصحاب احمد کو بھی وہی توکل عطا کیا جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

اصحاب احمد میں سے چند ایک صحابہ کے توکل علی اللہ کی جھلکیاں پیش ہیں۔

حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔

اگر آپ کی زندگی دیکھی جائے تو آپ کی تمام زندگی ہی اللہ پر توکل سے عبارت تھی۔کئی بار ایسے مواقع آئے کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ تھا لیکن آپ نے ہر حال میں اللہ پر ہی توکل کیا اور اس توکل کی ہی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر میدان میں کامیابی دی۔کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا کہ آپ کی حالت اس حد تک پہنچ جاتی کہ آپ اٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکتے تھے لیکن کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا اور ہمیشہ توکل علی اللہ ہی کیا اور پھر خدائے ذوالجلال نے آپ کو اکیلا نہ چھوڑا۔اور آپ کے ہر ابتلاء کے موقع پر اللہ پر ہی توکل کرنے پر آپ کو مزید فضلوں اور رحمتوں سے نوازا۔ایک دفعہ آپ بھوپال پہنچے۔شہر میں داخل ہوتے وقت آپ کے پاس صرف ایک روپیہ تھا۔ایک باورچی کو اٹھنی دی اور کھانا کھایا،اٹھنی واپس لی لیکن جب بعد میں دیکھا تو وہ غائب تھی۔بھوپال میں ''باجی کی مسجد'' نامی ایک مسجد تھی۔آپ وہاں رہنے لگے اس حال میں کہ آپ کے پاس کوئی روپیہ نہ تھا۔اور بہت وقتوں تک کھانے کا موقع نہ ملا۔حتیٰ کہ ایک دن آپ نے یقین کرلیا کہ شام تک میں زندہ نہ بچوں گا۔اس باجی کی مسجد میں ایک چبوترہ تھا۔عصر کی نماز کے بعد ٹیک لگا کر اس چبوترے میں بیٹھ گئے۔اور پھر لیٹ گئے آپ کے بدن سے پسینہ جاری تھا اور خیال تھا کہ شام تک شاید ہی زندہ رہوں۔لیکن اس حالت میں بھی کچھ نہ مانگا صرف اور صرف اپنے رازق خدا پر ہی توکل بہتر سمجھا۔پھر خدا نے ہی سبب بنایا اور وہاں کا ایک منشی آیا اس نے آپ کو نبض دکھائی۔آپ نے نبض دیکھ کر کہا کہ بدہضمی ہے۔اسے حقیقت میں بدہضمی ہی تھی اس کے کہنے پر نسخہ بتایا جو کہ بہت قیمتی تھا پھر وہ چل دیئے۔پھر پیغام بھجوایا کہ آج آپ کی دعوت ہمارے ہاں ہے۔آپ اُٹھ تو سکتے نہ تھے۔وہیں لیٹے رہے۔حتیٰ کہ پھر پیغام آیا اور پھر میزبان کا ایک شخص آپ کو کندھوں پر اٹھا کر گھر لے گیا جہاں جا کر آپ نے کھانا کھایا۔یہ تھا آپ کا توکل علی اللہ۔پھر آپ کا توکل اس مشہور واقعہ سے بھی جھلکتا ہے کہ جب آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بُلا بھیجا آپ اپنے مطب

میں تھے۔ کہ وہیں سے دوڑ پڑے اور بغیر کسی پیسہ کے ٹرین کی طرف چل دیئے۔ اس میں تو ایک یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کس قدر خدا کے مسیح سے محبت کرتے تھے دوسری یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ کا خدا پر توکل تھا کہ وہ خود ہی کوئی نہ کوئی کرایہ کا سامان بنا دے گا۔ پھر خدا نے اس توکل کی بنا پر آپ کے پاس سٹیشن پر ہی ایک ایسے آدمی کو بھیج دیا جس کی بیوی بیمار تھی اس نے آپ کا کرایہ ادا کر دیا۔

حضرت مولا بخش صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کے آباء واجداد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ڈیرہ غازی خان سے پندرہ میل کے فاصلہ پر بستی رندان نامی ایک احمدیوں کا گاؤں ہے۔ جماعت کی طرف سے مکرم مولوی محمد عثمان صاحب، مکرم عبدالخالق صاحب، اور آپ کو کسی جماعتی کام سے وہاں بھیجا گیا۔ یہ وفد کوٹ چھٹہ سے تو لاری پر گیا اور بقیہ چھ میل طے کرنے کو ایک ٹم ٹم کرایہ پر لی۔ گرمی کا وقت تھا گھوڑا تھک کر گر گیا۔ اور بہتیری کوشش کی گئی لیکن نہ اُٹھا۔ مولا بخش صاحب موصوف پیدل چلنے کے بھی عادی نہ تھے تاہم آپ پھر بھی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور یہ سوچتے ہوئے کہ ہم اللہ کے کام کی غرض سے نکلے ہیں وہ خود ہی ہماری سواری کا انتظام کر دے گا۔ پیدل چل پڑے۔ دوسرے دوست اس گھوڑے کو اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں دور سے ایک شخص سفید گھوڑا سرپٹ دوڑاتے نظر آیا آپؓ نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص واقف ہوا اور یہ گھوڑا ٹانگے کو لگ سکا تو ہم اسے جوت لیں گے اور سوار ٹانگے والے گھوڑے پر سوار ہو جائے گا۔ لیکن جب سوار نے مقامی دوستوں سے سلام کلام نہ کیا تو آپ سمجھے کہ یہ کوئی اجنبی شخص ہے۔ سوار اسی طرح گھوڑا سرپٹ دوڑائے چلا آیا۔ اور بالکل آپ کے پاس آ کر گھوڑے سے اُتر کر کہنے لگا ''ملک صاحب اس پر چڑھ جائیں'' یہ شخص آپ کا ایک واقف قادر بخش گرداور قانونگو تھا۔ ملک صاحبؓ نے عذر کیا اور کہا کہ آپ چلیں میں پیدل آ جاتا ہوں لیکن اس نے کہا کہ کوئی بات نہ کریں اس پر بیٹھ جائیں۔ یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔ چنانچہ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ چند سال سے میں بستی رندان سے اپنے حلقہ کو جاتا ہوں اور کبھی اس نے کان تک نہیں ہلایا اور میرے اشارہ پر چلتی تھی۔ مگر آج نہ معلوم کیا ہوا کہ جب گاؤں میں سے نکلا تو یہ واپس مُڑ گئی اور بھاگنا شروع کیا ہر چند اسے روکنے کی کوشش کی لیکن آپ کے پاس پہنچ کر خود بخود ٹھہر گئی ہے۔ بس آپ سوار ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے ملک صاحب کو بآرام بستی رندان پہنچایا اور اگلے روز بھی بآرام کوٹ چھٹہ پہنچا دیا۔ (اصحاب احمد جلد 1 صفحہ 154)

حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔



آپ کو ایک دفعہ پشاور جانے کا اتفاق ہوا۔رات کو حسن ابدال سے سوار ہو کر جب صبح صدر پشاور اترے۔آپ نے ساری رات کچھ نہ کھایا تھا اور سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن کسی سے اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے۔ساتھ ساتھ اپنے مالک پر توکل بھی تھا کہ وہ خود ہی کوئی نہ کوئی انتظام کر دے گا۔مولوی رحمت اللہ کی مسجد میں پہنچے تو جماعت ہو چکی تھی۔آپ کے ساتھی اور آپ نے نماز پڑھی۔اس وقت ایک طالب علم نے مشکوٰۃ مطالعہ کیلئے کھولی ہوئی تھی۔اور اندھیرے کی وجہ سے حروف نظر نہیں آتے تھے۔اس لئے روشنی کے زیادہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے آپ کو دیکھ کر ایک اور طالب علم کو بلا کر کچھ پیسے دیئے اور بازار سے نان اور کباب منگوائے۔اور نماز سے فارغ ہونے پر آپ کے سامنے رکھ دیئے۔آپ نے سمجھا کہ شاید رسمی طور پر پوچھا ہے اس لئے اسے کہا کہ آپ کھائیں۔اس نے کہا کہ یہ آپ کے لئے منگوایا ہے۔چونکہ آپ نے رات کو گاڑی سے سفر کیا ہے اور راولپنڈی اور پشاور کے درمیان کوئی ایسا اسٹیشن نہیں جس پر کھانا مل سکے۔اسلئے یہ سمجھ کر کہ آپ رات کو بھوکے رہے ہونگے۔آپ کے لئے کھانا منگوایا ہے۔حضرت مولوی صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے جذبات تشکر اتنے موجزن ہوئے کہ آپ چاہتے تھے کہ چیخ مار کر رو پڑیں۔(اصحاب احمد جلد پنجم حصہ اول صفحہ 23،22)

حضرت حافظ حامد علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت یعقوب علی عرفانی صاحبؓ بیان کرتے ہیں۔کہ حافظ صاحب عیال دار تھے۔جو کچھ یہاں سے ملتا اسی میں گزر اوقات کرتے تھے۔کبھی اس قسم کی خواہش نہ کی کہ یہ ہو وہ ہو۔ساری عمر میں اپنے رہنے کے لئے ایک کوٹھڑی بھی نہ بنا سکے۔خوددار اور غیور اتنے تھے کہ اپنی حالت کا اظہار کسی سے نہ کرتے تھے۔جب حضرت اقدس کی ترقیات کا دور آیا اور سلسلہ میں دولت مند لوگ بھی آنے لگے۔تو وہ حافظ صاحب کو حضرت اقدس کا خادم قدیم سمجھ کر یا اس خیال سے کہ وہ تمام مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔اور ان کے آرام و آسائش کا خیال کرتے تھے، کچھ دینا چاہتے تو انکار کر دیتے۔اور ہمیشہ خدا تعالیٰ پر ایسا توکل کرتے کہ وہ خالق الکل ہمیشہ ان کی تمام ضروریات خود پوری فرمائے گا۔(اصحاب احمد جلد پنجم)

حضرت شیخ فضل احمد بٹالوی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کے باہ میں اصحاب احمد میں درج ہے کہ ''احمدیت میں شامل ہونے کے بعد آپ کی طبیعت مذہب کی طرف بہت زیادہ مائل تھی۔اور آپ نمازیں اور دیگر عبادات بڑی باقاعدگی سے بجالاتے تھے ظہر کے وقت نماز باجماعت کے لئے دفتر سے جایا کرتے تھے۔ ہندو اور سکھ کلرک اسے پسند نہ کرتے تھے۔1910ء میں ایک سکھ ہیڈ کلرک نے افسر اعلیٰ کے پاس شکایت کی اس نے دریافت کیا کہ کیا تم نماز کے لئے جاتے ہو؟۔آپ نے فرمایا یہ درست ہے وہ کہنے لگا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں تم نہیں جاسکتے۔اس پر آپ نے فرمایا کہ نماز تو میں ضرور پڑوں گا۔اور اب بھی نماز کے لئے جارہا ہوں۔آپ عبادت سے مجھے نہیں روک سکتے۔اس کے بعد آپ دفتر نہ گئے اور خدا تعالیٰ پر ہی توکل کیا۔کہ جس خدا کے لئے میں نے نوکری چھوڑی ہے وہ خود ہی میرا کچھ ذریعہ کرے گا۔اس افسر نے آپ کو ملازمت سے برخواست کر دیا۔جس کے لئے آپ پہلے ہی تیار تھے۔مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے سے بہتر ملازمت غیر معمولی حالات میں عطا فرمائی۔اور کمانڈنگ افسر نے خود جائے نماز خرید کر دیا اور کہا کہ میرے دفتر میں نماز پڑھا کرو''۔(اصحاب احمد جلد سوم صفحہ 165)

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت شیخ فضل احمد بٹالوی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے 1910ء کی گرمیوں میں آپ کو دفتر کی طرف سے لاہور سے ڈلہوزی جانے کا آرڈر ملا۔آپ لکھتے ہیں۔کہ میرے ہمراہ میری بیوی،اس کا بھائی اکبر علی اور میرے بھائی امیر احمد سفر کر رہے تھے۔ایک ٹانگے میں ہم تھے۔اور تین ٹانگوں میں ہندو کلرکوں کے اہل وعیال تھے۔جب دنیرہ پڑاؤ پر پہنچے تو شام ہوگئی۔وہاں کے ہندو کلرکوں نے اپنے ہندو بھائیوں کو اپنے ہندو بھائیوں کو اپنے خیموں میں جگہ دے دی۔اور میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ہر چند مکان یا ٹینٹ کی تلاش کی مگر کچھ نہ ملا۔اکبر علی نے گھبرا کر کہا کہ رات سر پر آگئی ہے اب کیا ہوگا میں نے کہا خدا داری چہ غم داری۔خدا تعالیٰ ضرور کوئی سامان کر دے گا۔اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا اس نے مجھے محبت سے سلام کیا۔اور پوچھا آپ یہاں کہاں؟۔میں نے قصہ سنایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ابھی آتا ہوں۔تھوڑی دیر میں وہ چند سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹینٹ لایا اور خیمہ لگوا کر اس میں بستر بچھوا دیا اور پانی وغیرہ رکھوا کر وہاں سے چلا گیا اور رات کے قریباً گیارہ بجے دال روٹی اور زردہ لے کر آیا اور معذرت کرنے لگا کہ دیر ہوگئی تھی اس لئے گوشت نہ مل سکا۔پھر میرے پوچھنے پر کہا۔آپ مجھے نہیں جانتے؟۔آپ نے ہی تو میری درخواست لکھی تھی جس پر مجھے دفعداری مل گئی تھی۔پھر وہ چند آدمی چھوڑ گیا

کہ رات کو پہرہ دیں اور صبح کو خیمہ سنبھال لیں۔(اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 208،209)

حضرت حافظ نور محمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولد میاں مراد علی صاحب ککے زئی ضلع گورداسپور

جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔اور ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت نہیں فرمایا تھا۔آپ کے والد کے انتقال پر حضور علیہ السلام نے آپ کو ایک ہی پیاری نصیحت فرمائی۔اور یقیناً حافظ صاحب نے اسے حرز جان بنایا ہوگا۔وہ فرماتے ہیں۔''جس وقت۔میرے والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا تو اس کے بعد میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حافظ صاحب اب بجائے والدین کے اللہ تعالیٰ کو سمجھو۔وہی تمہارا کارساز ہوگا اور متکفل ہوگا۔چنانچہ تاحال اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میری دستگیری فرمائی ہے''۔(اصحاب احمد جلد 3 صفحہ 208،209)



خلفائے احمدیت کی دلکش تحریریں

درود اجابت دعا کی کلید ہے:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں کہ

''درود سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جو شخص درود کثرت سے پڑھتا ہے اس کی دعائیں کثرت سے قبول ہوتی ہیں۔دنیا میں یہ طریق ہے کہ اگر کسی سے کچھ کام کرانا ہوتا ہے تو اس کی پیاری چیز سے پیار کیا جاتا ہے۔کسی عورت سے اگر کوئی کام کرانا ہو تو اس کے بچے سے محبت کرو۔پھر دیکھو وہ کیسی مہربان ہوتی ہے۔فقیر بھی جب خیرات لینے کے لئے دروازہ پر جاتا ہے تو یہ صدا کرتا ہے''مائی تیرے بچے جیئیں۔'' کیونکہ فقیر بھی جانتے ہیں کہ اس صدا کا ماں پر بہت اثر ہوتا ہے جب ماں یہ آواز سنتی ہے تو دوڑی آتی ہے اور فقیر کو خیرات دیتی ہے۔دیکھو اس آواز کے سنتے ہی جو اس کے پیارے بچے کے لئے ایک دعا ہوتی ہے وہ کس طرح دوڑی آتی ہے۔اسی طرح درود پڑھنے والے شخص کے متعلق جب خدا دیکھتا ہے کہ اس نے اس کے پیارے کے لئے دعا کی ہے۔تو کہتا ہے تو نے میرے پیارے کے لئے دعا کی آ میں تیری دعا بھی قبول کرتا ہوں۔(الفضل 11 دسمبر 1925ء)

درود انسان کی اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ ہے:

''نادان کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رحمت و برکت درود میں مانگی جاتی ہے، اپنے لئے اس میں کیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے روحانی ترقی ہوسکتی ہے۔مگر درود دراصل اپنے ہی لئے دعا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت دیکر اس دعا کی وسعت اور جامعیت کو اور زیادہ بڑھا دیا گیا ہے۔پس درود بہترین دعا ہے اور اس پر جتنا زور دیا جائے۔اتنا ہی تھوڑا ہے۔میں سمجھتا ہوں اس نکتہ کو یاد رکھ کر اگر کوئی درود پڑھیگا۔تو اسے دعاؤں میں خاص لطف اور مزا آئے گا۔کیونکہ اب پڑھنے والے کیلئے اس کے الفاظ کوئی چیستان اور معمے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے کیلئے کھلا ہوا راستہ ہے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ورنہ خدا اور رسول کی طرف سے جتنی باتیں سکھائی گئی ہیں ان میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں انسان اپنی نادانی سے انہیں قابل اعتراض سمجھتا ہے۔مگر وہ بڑی بڑی برکتیں اپنے اندر رکھتی ہیں۔''

(الفضل 13 جنوری 1928ء)

خطبات باقاعدہ سنا کریں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں'' آپ سے میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ اپنی نسلوں کو خطبات باقاعدہ سنوایا کریں یا پڑھایا کریں اور سمجھایا کریں کیونکہ خلیفہ وقت کے یہ خطبات اس دور میں دیئے جارہے ہیں یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ طرف سے ظاہر ہونیوالی نئی ایجادات کے سہارے بیک وقت ساری دنیا میں پھیل رہے ہیں اور ساری دنیا کی جماعتیں ان کو براہ راست سنتی اور فائدہ اٹھاتی اور ایک قوم بن رہی ہیں اور اُمتّ واحدہ بنانے کے سامان پیدا ہو رہے ہیں اس لئے خواہ وہ فجی کے احمدی ہوں یا سرینام کے احمدی ہوں، ماریشس کے ہوں یا چین جاپان کے ہوں، روس کے ہوں یا امریکہ کے، سب اگر خلیفہ وقت کی نصیحتوں کو براہ راست سنیں گے تو سب کی تربیت ایک رنگ میں ہوگی ......ان کے حلیّے اپنے ناک نقشے کے لحاظ سے تو الگ الگ ہوں گے لیکن روح کا حلیہ ایک ہی ہوگا۔وہ ایسے رووحانی وجود بنیں گے جو خدا کی نگاہ میں مقبول ٹھہریں گے۔''(خطبات طاہر جلد 10 صفحہ 470)

توکل اور قناعت کی ضرورت:

حضرت خلیفۃ الخامس المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: پھر میاں بیوی کے جھگڑے ہیں یہ بھی توکل میں کمی کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں میں قناعت کا مادہ کم

ہوتا ہے۔بجائے اس کے کہ وہ اپنے خاوند کی جیب کو دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ کھولے،اپنے دوستوں، سہیلیوں یا ہمسایوں کی طرف دیکھتی ہیں جن کے حالات ان سے بہتر ہوتے ہیں۔اور پھر خرچ کر لیتی ہیں، پھر خاوندوں سے مطالبہ ہوتا ہے اور دو۔پھر آہستہ آہستہ یہ حالت مزید بگڑتی ہے اور اس قدر بے صبری کی حالت اختیار کر لیتی ہے کہ بعض دفعہ باوجود اس کے کہ دو دو تین تین بچے بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس بے صبری کی قناعت کی وجہ سے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل نہ ہونیکی وجہ سے۔کیونکہ ایسے لوگ صرف دنیاداری کے خیالات سے ہی اپنے دماغوں کو بھرے رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ پر اس وجہ سے یقین بھی کم ہو جاتا ہے۔اور اگر خدا تعالیٰ پر یقین نہ ہو تو پھر اس کے سامنے جھکتے بھی نہیں ،اس سے دعا بھی نہیں کرتے۔تو یہ ایک سلسلہ جب چلتا ہے تو پھر دوسرا سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے۔اور پھر جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والے نہ ہوں ان پر توکل کیسے رہ سکتا ہے۔تو ایسی عورتیں پھر اپنے گھروں کو برباد کر دیتی ہیں۔خاوندوں سے علیحدہ ہونے کے مطالبے شروع ہو جاتے ہیں ۔ اور پھر جیسا کہ میں نے کہا کہ ایک برائی سے دوسری برائی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

(خطبات مسرور جلد 1 صفحہ 250)

دونفلوں کی تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 3 دسمبر 2010ء کے خطبہ جمعہ میں احمدی احباب کو روزانہ دو نوافل ادا کرنیکی تحریک کرتے ہوئے فرمایا پس ان حالات میں دنیا بھر کی جماعتوں کے تمام افراد کو میں خاص طور پر اپنے مظلوم اور تکلیف اور مشکلات میں گرفتار بھائیوں کے لئے دعاؤں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کم از کم دو نفل روزانہ صرف ان لوگوں کیلئے ہر احمدی ادا کرے جو احمدیت کی وجہ سے کسی بھی قسم کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔جو ظالمانہ قوانین کی وجہ سے اپنی شہری اور مذہبی آزادیوں سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔اسی طرح جماعتی ترقی کے لئے بھی خاص طور پر دعائیں کریں۔پس اگر ہر احمدی اپنے دل کی بے چینی کو خدا تعالیٰ کے حضور پہلے سے بڑھ کر پیش کرے گا خود مشاہدہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر اس پر کس طرح پڑ رہی ہے پہلے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حصار میں لے لے گا۔

(روزنامہ الفضل 18 جنوری 2011ء)



دعائے مسیحا کا ایک شیریں ثمر (مولانا نورالدین ؓ)



خدا تعالیٰ کے ماموریں دنیا میں آ کر جب رُشد و ہدایت کا کام شروع کرتے ہیں تو بشری تقاضوں کے تحت اپنے معاون و مددگار کی تلاش کرتے ہیں وہ ایسے وجود ملنے کے لئے خدا کے حضور دعائیں بھی کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے متعلق خدا سے التجا کی۔(سورۃ طٰہٰ آیت 32 تا 35) ترجمہ۔مولا کریم میرے بھائی کے ذریعہ میری کمر مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر۔تا ہم تیری تسبیح اور تیرا ذکرِ خیر بڑھ چڑھ کر کریں۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور حضرت ہارون آپ کو عطا ہوئے۔ ہمارے ہادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا۔میرے مولا اسلام کو دو عمر میں سے کسی ایک کے ذریعہ مدد دے۔ خدائے رحیم و رحمان نے یہ گریہ وزاری سُنی اور حضرت عمر بن خطاب مشرف بہ اسلام ہوئے۔اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مامور کیا تو آپ نے بھی ایک پُر از نورِ یقین دوست عطا ہونے کے لئے اپنے رب کے حضور صدائیں اور التجائیں کیں۔آپ نے فرمایا:’’میں خدا تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کیا کرتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ الٰہی میرا ناصر و مددگار کون ہے۔میں تنہا اور بے حقیقت ہوں پس جب دعا کا ہاتھ مسلسل اُٹھا اور آسمانی فضا میری دعاؤں سے معمور ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری عاجزانہ دُعا قبول کر لی۔اور رب العالمین کی غیرت جوش میں آئی اور مجھے ایک مخلص اور صدیق دیا۔۔۔۔۔۔اس مددگار کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔‘‘(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 ص 81۔82)

اللہ کی شان دیکھئے ایک طرف حضرت مسیح موعودؑ اپنے صدیق کی تلاش میں تھے تو دوسری طرف حضرت مولانا نورالدین ایک محی دین کے لئے دست بدعا رہتے تھے،فرماتے ہیں۔’’میں شوق رکھتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ ایسا شخص دکھائے جو دین کی تجدید کرے اور معاندین اور شیاطین پر روحانی سنگباری کرے۔۔۔اِس مقصد کی خاطر میں نے حق و یقین کے انوار کے مہبط یعنی بیت الحرام کا قصد

کیا۔ میں جنگلوں کو عبور کرتا تھا اور صحراؤں میں سے گزرتا تھا اور ربانی بندوں میں سے اس بندے کو تلاش کررہا تھا۔‘‘(کرامات الصادقین ص149)

اُلفت کا تب مزا ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

دونوں خدا رسیدہ روحیں ایک دوسرے کی تلاش میں تھیں خدا نے جب دونوں کی ملاقات کا انتظام کیا تو عجب واردات ہوئی دونوں کی کیفیت پہلی نظر میں دیدنی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔’’جب وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میری نظر اُس پر پڑی تو میں نے اس کو دیکھا کہ وہ میرے رب کی آیات میں سے ایک آیت ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری اس دعا کا نتیجہ ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا۔‘‘(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 ص583)

دوسری طرف پہلی نظر میں حضرت مولانا نورالدینؓ کا کیا عالم تھا۔’’آپ اس وقت سیڑھیوں سے اُترے تو میں نے دیکھتے ہی دل میں کہا کہ یہی مرزا ہے اور اس پر میں سارا ہی قربان جاؤں سبحان اللہ۔۔ سارا ہی قربان جاؤں۔‘‘(الحکم 22اپریپ 1908ء) یہ الفاظ یقیناً آپ کے دل کی گہرائیوں سے نکلے تھے۔کیونکہ آپ کی بعد کی زندگی ثابت کرتی ہے کہ آپ نے خدا اور رسولؐ کے بعد اپنے تئیں حضرت مسیح موعودؑ کے عشق میں گم رکھا تھا۔یہ آپ ہی تھے جنہوں نے فرمایا:’’اگر مرزا صاحب کہیں تو میں اپنی بیٹی امت الحئی کا رشتہ نہالی (جو کہ ایک مہترانی تھی) کے بیٹے سے کردوں یہ آپ ہی تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی کمسن بیٹی کے سامنے اپنے بچے سے کہلوایا کہ کہو کہ میں آپ کا نوکر ہوں۔(حیاتِ نور ص287)

یہ آپ ہی تھے جنہوں نے اپنا وطن،اپنی جائیداد،گھر بار،چلتا ہوا کاروبار سب کچھ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک اشارے پر قربان کر دیا اور اپنے معشوق کے قدموں میں دھونی رما کر بیٹھ گئے۔یہ آپ ہی تھے حضرت مسیح موعودؑ سے ہونے والی ہر تحریک میں ہراول دستے کے سرخیل ہوا کرتے تھے۔غرضیکہ آپ نے واقعتاً اپنا تن من دھن حضرت مسیح موعودؑ پر نچھاور کیا ہوا تھا۔قارئین کرام! آپ کی ان حسین اداؤں اور قربانیوں کی شان ہزاروں چند بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحا کا یہ عاشق عامۃ الناس میں سے کوئی مرید نہ تھا،کوئی ان پڑھ،مجذوب نہ تھا کوئی غیر معروف شخص نہ تھا بلکہ یہ مجذوب وہ تھا جس کا شہرہ چاردانگ ہند میں تھا جو ایک طرف اپنے عہد کا بے بدل مفسر،محدث اور متکلم شمار کیا جاتا تھا رو دوسری جانب آپ کی طبابت کا ڈنکا ملک کے طول وعرض میں بجتا تھا۔طب میں آپ کی مہارت محض کسبی نہ تھی بلکہ

خدا کی طرف سے بعض اوقات موہبت کے طور پر بھی آپ کو علاج سمجھایا جاتا تھا اس خدا رسیدہ طبیب کا ایک حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمائیں جو طب کی مشہور کتاب زبدۃ الحکماء میں درج ہوا ہے۔

''مریض کوئی ہے دوائی کسی کو دی جارہی ہے''

اس شہ سرخی کے نیچے اس مریض کا حیرت انگیز علاج درج تھا جو آپ نے ایک ایسی دوائی سے کیا جو خدا تعالیٰ نے آپ کو سمجھائی۔ مریض دس بارہ سال کی عمر کا لڑکا تھا جس کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جو قادیان سے چودہ پندرہ میل دور تھا نامعلوم وجہ کے باعث بچے کا جبڑا اس طرز پر بند ہو گیا کہ وہ کھل نہیں رہا تھا اس کے والدین اور رشتہ دار اسے بٹالہ اور گورداسپور کے ہسپتالوں میں لے کر گئے لیکن کسی ڈاکٹر سے علاج نہ ہو سکا۔ ایک ہفتہ گزر گیا بچہ نہ کچھ کھا سکتا تھا نہ کچھ پی سکتا تھا۔ دن بدن کمزور ہوتا جارہا تھا تمام عزیزان نے مل کر فیصلہ کیا کہ بچے کو قادیان میں موجود حکیم نورالدین صاحب کے پاس لیجایا جائے۔ چنانچہ ایک صبح وہ بچے کو چارپائی پر ڈال کر حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کے مطب میں لے آئے اور درخواست کی کہ فوری طور پر حکیم صاحب بچے کو دیکھ لیں کیونکہ اس کی حالت بہت خراب ہے، لیکن بیماری کا سن کر آپ نے فرمایا کہ مریض کو باری پر ان کے پاس لایا جائے بچے کے لواحقین نے اس بات کا بہت برا منایا اور کسی عزیز نے یہاں تک کہہ دیا کہ بچے کو واپس لے چلیں لیکن کسی عقلمند ساتھی نے انہیں سمجھایا کہ آپ اتنی دور سے آئے ہیں باری کا انتظار کرنے میں کیا ہرج ہے۔ جب بچے کو اسکی باری پر آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اس کے ساتھ آنے والے عزیزان میں سے تین کو اپنے داہنے ہاتھ اور تین کو اپنے بائیں طرف بٹھایا اور مریض بچے کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اپنے خادم سے فرمایا کہ ہر ایک کے سامنے ایک ایک پلیٹ رکھ دو جو رکھ دی گئیں آپ کے حکم پر اس بچے کے سامنے سے پلیٹ اٹھالی گئی اس کے بعد خادم سے فرمایا کہ ہر پلیٹ میں کالی مرچ (پسی ہوئی) اور نمک تھوڑی تھوڑی مقدار میں ڈال دی جائے جو ڈال دی گئی پھر فرمایا کہ لیموں کی ایک ایک قاش رکھ دی جائے چنانچہ وہ بھی رکھ دی گئیں آپ نے اپنے دونوں اطراف پر بیٹھے اشخاص سے فرمایا کہ نمک مرچ کے ساتھ لیموں کو چاٹنا شروع کر دیں ہر ایک نے اس ہدایت کی تکمیل کی۔ سب نے انہیں چاٹنا شروع کر دیا، تین چار منٹ کے بعد مریض بچے کے منہ سے رال بہنا شروع ہو گئی آپ نے فرمایا کہ پیک دان بچے کے سامنے رکھ دیا جائے اور لیموں چاٹنے والوں سے فرمایا کہ آپ لیموں چاٹتے رہیں بچے کے منہ سے رال تیزی سے بہنے لگ گئی آٹھ دس منٹ کے بعد بچے کا جبڑا کھل گیا بچے کے عزیزان جواب خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے نے آپ سے پوچھا

کہ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا، آپ نے فرمایا کہ جب بچے کو صبح لایا گیا تو اسی وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے کشفی طور پر یہ علاج مجھ پر ظاہر کیا گیا اسی کے مطابق بازار سے لیموں منگوائے گئے جس میں ضروری تھا کہ کچھ وقت لگتا اسی لئے متعلقہ عزیزان کو کہا گیا کہ وہ اپنا مریض باری پر لائیں تا کہ اس وقت تک ضروری انتظام کرلیا جائے بچے کی تکلیف کے بارہ میں فرمایا کہ بچے کے منہ کا لعاب کسی وجہ سے جم گیا تھا جو ڈاکٹر یا حکیم کسی طریقہ سے حرارت دے کر اس جمے ہوئے لعاب کو پگھلا دیتا وہ جبڑے کے کھولنے میں کامیاب ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے کشفاً یہ علاج میرے ذہن میں ڈالا جس کو میں نے عملی جامہ پہنایا جس سے خدا تعالیٰ نے مجھے کامیابی عطا فرمائی۔ آپ جہاں مادی طور پر نافع الناس تھے وہیں آپ روحانیت کے شہ سوار بھی تھے لیکن روحانی علوم کی جولانگاہ بے اَنت ہوتی ہے، اسی لئے آپ میں یہ تڑپ تھی کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا امام آئے جو روحانی پیاسوں کے لئے آبِ بقا ہو جائے چنانچہ آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے وجود میں اپنی منزل مل گئی۔ اس منزل پر پہنچ کر آپ کو کیا ملا کسی نے یہی سوال ایک مرتبہ آپ سے کیا کہ آپ خود اتنے علاّمہ فہامہؒ تھے آپ کو مرزا صاحب کی بیعت سے کیا ملا؟ آپ نے جواباً فرمایا: ''آپ سے پہلے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوتی تھی اب بیداری کے عالم میں بھی ہو جاتی ہے۔''



حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



حضرت حکیم مولانا نور الدینؓ صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کی ذات اللہ تعالیٰ، اس کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن مجید، اور مسیح الزمان علیہ السلام کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی آپ کی زندگی کا مقصد اسلام کی اشاعت اور اس کی خاطر اپنا تن من دھن صرف کر دینا تھا اور اس کی خاطر آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ گزار دیا۔ احادیث کے پڑھنے اور پڑھانے میں ہزاروں میل کے سفر کئے حرمین شریف گئے تو وہاں بھی کلمات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکھنے میں وقت گزارا حضرت مسیح الزمان علیہ السلام کی طرف سے تحریری صورت میں خدمت دین کرنے کا ارشاد ہوا تو فصل الخطاب، نور الدین وغیرہ کتب تحریر کیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی عشق کی منہ بولتی تصویر ہیں جن میں معاندین رسولؐ کے اعتراضات کی دھجیاں بکھیری گئیں ہیں آپ آلِ

رسول سے محبت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے تھے۔ یہ محبت اور عشق رسولؐ ایسا تھا جو کہ بارگاہ رسالت میں مقبول ہو گیا۔تُو ہم کو محبوب ہے: آپ کا عشق رسول ﷺ ایسا سچا اور مقبول تھا کہ خود معشوقؐ کی طرف سے آپ کو قبولیت عشق و محبت کی سند عطا ہوئی۔ رویا میں متعدد بار آپ کو زیارت رسولؐ نصیب ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رؤیا میں آ کر آپ کی راہنمائی بھی فرمائی اور آپ کی محبت کو قبول فرمایا۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل بیان فرماتے ہیں:''میں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کمر پر اس طرح اٹھا رکھا ہے جس طرح بچوں کو مشک بناتے ہیں پھر کان میں کہا کہ تُو ہم کو محبوب ہے۔''(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص298)

آپ اپنے قیام مدینہ منورہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپؐ نے فرمایا کہ''تمہارا کھانا تو ہمارے گھر میں ہے''(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص124)معشوق و محبوب کی طرف سے عاشق کے لئے کتنا پیار اظہار اور تسلی کا سامان اس فقرہ میں موجود ہے۔مدینہ کے قیام کے ایّام میں آپ بیان کرتے ہیں کہ''میں نے بارہا نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور اپنی بعض غفلتوں اور سستیوں کا مشاہدہ کیا۔''(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص122)ایک بار آپ پر نوم غیر طبعی طاری ہوئی تو نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آنحضور ﷺ نے آپ کو کہا کہ کشمیر دیکھنا چاہتا ہے تو آپ نے کہا ہاں۔آنحضور ﷺ چل پڑے اور آپ پیچھے پیچھے ہو لئے اور کشمیر پہنچ گئے گویا اس رویا کے ذریعہ آپ کو بھیرہ چھوڑنے اور کشمیر کی ملازمت کی تحریک ہوئی۔(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص164)کشمیر کے قیام کے دوران آپ کو ایک بار آنحضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی جس میں آپ نے ۔آنحضور ﷺ سے حدیث یاد کرنے کا طریق دریافت کیا۔(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص 178)۔'' آپ کو آنحضور ﷺ نے ایک مرتبہ خواب میں فرمایا کہ

ربَنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار بہت پڑھا کرو۔''

(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص215)

یوں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کو اپنے محبوب کی زیارت بھی نصیب ہوتی رہی اور محبوب کی طرف سے نہ صرف کئی معاملات میں راہنمائی ہوئی بلکہ عاشق کی محبت کی قبولیت کے لئے سند بھی عطا

ہوئی۔**حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا عشق رسول ﷺ**: حضرت مسیح موعودؑ جوہر شناس تھے آپ اپنے محبین اور مخلص مریدوں کی صفات حسنہ بیان فرماتے تھے۔جن خوش نصیبوں کا ذکرآپ نے اپنی کتب میں فرمایاان میں سب سے نمایاں اورزیادہ ذکرحضرت حکیم مولانا نور الدینؓ صاحب کا ہے۔آپ کی صفات حسنہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت حکیم مولانا نور الدینؓ صاحب کا عشق رسول ﷺ بیان فرمایا کہ آپ ﷺ کی خاطر اپنا سب کچھ فدا کر چکے تھے۔اوراپنی زندگی تائید رسول ﷺ کی راہ میں ہی فنا کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ذیل میں تین مختصرتحریرات درج ہیں جن سے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے عشق رسول ﷺ پر روشنی پڑتی ہے۔نشانِ آسمانی میں حضرت مسیح موعودؑآپ کے بارہ میں تحریرفرماتے ہیں:۔’’جوشخص خدائے تعالیٰ کی ہستی پرایمان لاکراوردین اسلام کوایک سچااورمنجانب اللہ دین سمجھ کراور باایں ہمہ اپنے زمانہ کے امام کوبھی شناخت کرکے اللہ جل شانہ اوررسول ﷺ اورقرآن کریم کی محبت اورعشق میں فانی ہوکر محض اعلاءکلمہ اسلام کے لئے اپنے مال حلال اورطیب کواس راہ میں فدا کرتا ہے۔اس کی عنداللہ قدر ہے وہ ظاہر ہے‘‘(نشانِ آسمانی ص47 روحانی خزائن جلدنمبر 4 ص 407) آئینہ کمالات اسلام میں حضرت مسیح موعودؑآپ کا ان الفاظ میں ذکرفرماتے ہیں (عربی عبارت کا اردوترجمہ)۔’’بلا شک وہ مشکوٰۃ نبوت کے انوارسے منور ہےاورشانِ مردمی اوراپنی پاک طینیت کے مناسب حال نبی ﷺ کےنورسےنورلیتاہے‘‘(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد5 ص584) آپ کی تمنا تھی کہ آپ کا خون دینِ مصطفیٰ کے لئے بہہ جائے اورآپ کی جان حضرت رسول ﷺ کی راہ میں قربان ہوجائے اس بارہ میں حضرت مسیح موعود اپنی عربی تصنیف لطیف میں فرماتے ہیں (عربی عبارت کا اردو ترجمہ)’’بھلائی اورنیکی کا کوئی موقع اس کے ہاتھ سے کبھی فوت نہیں ہوتا۔وہ پسند کرتا ہے کہ اپنا خون پانی کی طرح اعلاء دین رسول اللہ ﷺ کے لئے بہادے اوروہ تمنا رکھتا ہے کہ اس کی جان رسول اللہ ﷺ کی تائیدکی راہ میں صرف ہوجائے۔‘‘

(حمامۃ البشریٰ ص14 روحانی خزائن جلد7 ص180)

گویاآپ کی خواہش اورتمنایہی تھی کہ آپ کی جان ومال سب کچھ دینِ مصطفیٰ اورراہِ مصطفیٰ کے لئے فداہوجائے اورآپ نے اپنی تمنااورخواہش کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے سب کچھ اس راہ میں فدا کردیا۔

تحصیل علم حدیث کا والہانہ شوق اور مہارت:

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اظہار آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات طیبہ کے علم کا حصول اور اس پر عمل کرنا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ عمر بھر علم حدیث سیکھنے اور سکھانے میں مصروف رہے۔اس کے لئے آپ نے دور دراز کے سفر بھی اختیار کئے ۔حرمین شریف تشریف لے گئے اور وہاں بھی نامی گرامی شیوخ الحدیث سے صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث پڑھیں تحصیل علم حدیث کے بعد آپ نے درس حدیث کا سلسلہ بھیرہ اور قادیان میں شروع کر دیا اور آپ نے بڑے بڑے شاگرد پیدا کئے۔

آپ سے صحیح بخاری پڑھنے والوں میں حضرت مصلح موعودؓ جیسی شخصیت بھی شامل ہے ۔علم حدیث سیکھنے کے لئے پہلے آپ بھوپال گئے پھر حرمین شریف تشریف لے گئے اور وہاں شاہ عبدالغنی، شیخ محمد خزرجی، مولوی رحمت اللہ صاحب، سید حسن صاحب سے صحاح ستہ اور موطا پڑھی آپ کو اس قدر کلمات سیکھنے اور یاد کرنے کا شوق تھا کہ رؤیا میں بھی آپ کی راہنمائی ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ کی گئی اور آپ کو اس سے تفہیم ہوئی کہ حدیث پر عمل کرنا ہی حدیثوں کو یاد کرنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔(مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین ص178)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت سے عقیدت:

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا اظہارِ عقیدت و محبت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہی محدود نہ تھا چنانچہ اپنے اس عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔:''اہل بیت کو بدل اپنا محبوب و پیارا یقین کرتے ہیں تمام بیبیاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت عائشہؓ و خدیجہؓ سے لے کر اور تمام خاندان نبوت علیؓ اور امام حسنؓ سبط اکبر اور امام حسینؓ سبط اصغر شہید کربلا اور ان کی والدہ بتول زہراسیدۃ النساء اھل الجنہ۔ سب کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ گروہ بدل یقین کرتے ہیں صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیھم اجمعین۔''

(مرقاۃ یقین فی حیات نورالدین ص48)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے غیرت کا اظہار:

عاشق اپنے محبوب کے لئے غیرت رکھتا ہے۔اور اپنے محبوب کے لئے غلط نظریات کو ردّ کرتا ہے۔آپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شکست نہیں کھائی میں ایسی کہانیوں کو جھوٹ سمجھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکست کھائی ۔۔۔میرا اعتقاد نہیں کہ کسی رسول کو شکست

ہوئی ہو چونکہ مجھ کورسولوں سے محبت ہے اس لئے میں نے اپنی عمر میں کبھی شکست نہیں کھائی بہت آدمیوں نے میرے قتل کے منصوبے بنائے مگر ہمیشہ ناکام رہے۔'' (مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین ص 237) مدح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں کی جاتی ہے؟ خوبصورت استدلال: مقام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں آپ نے ایک انتہائی خوبصورت، نرالا اور عشق رسولؐ میں ڈوبا ہوا استدلال فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے۔:''ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا تم یہ بتاؤ کہ تم کسی بات کے قائل بھی ہو جو کسی مذہب نے مانی ہے؟ کہا کہ ہاں دعا کا قائل ہوں۔ میں نے کہا کہ زمین گول ہے نماز کا وقت زمین پر ہر جگہ ہوتا ہے مسلمان دنیا کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں یعنی ہر وقت سینکڑوں ہزاروں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں پھر ہر نماز میں درود پڑھی جاتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا تو بتاؤ کوئی رسول بھی ایسا ہے جس کے لئے اس قدر دعائیں مانگی جاتی ہوں اور مانگی گئی ہوں۔'' (مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین ص 285)



حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب غیروں کی نظر میں

مولانا نور الدین اپنے علم و عرفان اور تقویٰ کے لحاظ سے بہت بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ہندوستان کے جید علماء اور بزرگ ان کے متعلق بہت اچھی آراء رکھتے تھے۔

جناب سرسید احمد خان بانی علیگڑھ کالج



آپ کا ایک خط جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''جناب مولانا مخدوم و مکرم من جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب''

پھر لکھا'' آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جاہل پڑھ کر جب ترقی کرتا ہے تو پڑھا لکھا کہلاتا ہے مگر جب اور ترقی کرتا ہے تو فلسفی بننے لگتا ہے پھر ترقی کرے تو اسے صوفی بننا پڑتا ہے جب یہ ترقی کرے تو کیا بنتا ہے سر دست میں کچھ نہیں کہہ سکتا افسوس کہ سوال آخر کو آپ نے لاجواب چھوڑا مگر میں ان بزرگوں کا دیکھنے والا ہوں جو وحدت شہود کے مقر اور وحدت وجود میں ساکت تھے۔ اس لئے اس کا جواب اپنے مذاق کے موافق عرض کرتا ہوں کہ جب صوفی ترقی کرتا ہے تو مولانا نورالدین ہو جاتا ہے'' اس خط کا اختتام اس طرح ہوتا ہے ''آپ کی اس عنایت کا جو آپ نے مجھ گناہ گار پر کی اور اپنی متبرک شفقت دلی سے مجھے عزت بخشی میں اس

کا دل سے شکرادا کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اس گنہگار کے دلی ناچیز شکر کو قبول فرمائیں گے۔

والسلام مع الاکرام سید احمد علی گڑھ 8 مارچ 1897ء''

(''مکتوبات سرسید'' (جلد دوم مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل احمد صاحب پانی پتی ناشر مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور طبع ثانی جون 1985ء)

جناب مولانا عبیداللہ سندھی



برّصغیر کے مشہور سیاسی و مذہبی لیڈر مولانا عبیداللہ سندھی خاص معتقدین میں سے تھے۔ اوراس کا برملا اظہار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ اپنے خط بنام ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی صاحب میں لکھتے ہیں'' آپ کو معلوم نہیں کہ میں مولانا نور الدین کی خدمت میں کس طرح حاضر ہوا ۔ آپ مولانا محمد علی اور مولانا صدرالدین سے دریافت کر سکتے ہیں کہ مولانا مرحوم میرے متعلق کیا خیالات رکھتے تھے ان کی دعاؤں کو میں اپنے لئے ایک ذریعہ نجات سمجھتا ہوں محض اس وجہ سے میرے دیوبندی کشمیری دوستوں نے میری تکفیر سے گریز نہیں کیا میری محبت اس پارٹی سے کم نہیں ہوئی'' پھر آگے چل کر لکھتے ہیں'' مولانا نورالدین کو علماء اسلام میں بہت بڑے درجہ پر مانتا ہوں۔۔۔۔۔اس لئے میں مولانا نورالدین کے خاص شاگردوں کی بہت عزت کرتا ہوں''

(مولانا عبیداللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات صفحہ 45،46'' مرتبہ محمد اسلم شائع کردہ ندوۃ المصنفین سمن آباد لاہور)

حکیم نیّر واسطی



مشہور حکیم جناب سیّد احمد علی نیّر واسطی نے'' طب العرب'' پر تشریحات میں حضرت مولانا کے متعلق تحریر کیا:'' اطبائے پنجاب میں حکیم نورالدین بھیروی معالج ریاست کشمیر و جموں کا نام نامی نہایت سربلند ہے جن کے گنگا جمنی طریق علاج نے نظامِ طب میں ایک عجیب تاثیر اور رنگینی پیدا کر دی ہے۔آپ 1841ء میں پیدا ہوئے فارسی لاہور میں مفتی محمد قاسم سے پڑھی اور طب میں آپ نے لکھنؤ کے مشہور حکیم علی حسین صاحب سے شرف تلمذ حاصل کی''

(تشریحات بر کتاب'' طب العرب صفحہ 444 مرتبہ ایڈورڈ جی براؤن مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور 1954)

جناب حکیم محمد افضل صاحب

جناب حکیم محمد افضل صاحب جنرل سیکٹری پنجاب طبی کانفرنس نے آپ کے بارے میں لکھا:
''پنجاب کے مشہور طبیب ہوئے ہیں سن پیدائش 1841ء لاہور۔لکھنؤ بھوپال وغیرہ میں دینی اور طبی تعلیم حاصل کی پھر ریاست جموں وکشمیر میں ریاست کے طبیب رہے۔مہاراجہ صاحب آپ سے بہت عزت سے پیش آتے تھے۔قیام جموں کے زمانہ میں حکیم صاحب کو مرزا غلام احمد قادیانی سے عقیدت ہوگئی۔چنانچہ مرزا صاحب کی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی تائید میں ''تائید براہین احمدیہ'' تالیف کی۔ریاست سے قطع تعلق ہونے کے بعد وطن مالوف بھیرہ تشریف لے گئے۔پھر مکان بنانے کے بعد آپ قادیان چلے آئے اور میرزا صاحب کے ایما سے قادیان میں ہی مقیم ہو گئے۔ اوراہل وعیال کو بھی وہیں منگا لیا تھوڑے ہی دنوں میں حذاقت کا ڈنکہ بج گیا اور سل،دق،نامردی وغیرہ کے مریض بکثرت آنے لگے کسی مریض کا علاج اگر یونانی طریقہ سے نہ ہوتا تھا تو آپ کو ویدک اورڈاکٹری دوا میں اضافہ کرنے کے بعد عجیب وغریب کامیابی ہوتی تھی۔''میرزا صاحب کے زمانہ حیات میں اگر ایک طرف میرزا صاحب کے اردگرد معتقدین اور مریدین کا ہجوم ہوتا تھا تو دوسری طرف حکیم صاحب کے مکان پر مرضاء اور طلباء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔خود میرزا صاحب حکیم صاحب کی شان میں تعریفی کلمات کہنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔اور حکیم صاحب کے علم وفضل کی قدر شناسی کرتے تھے۔میرزا صاحب کے بعد جماعت احمدیہ نے متفقہ طور پر آپ کو خلیفہ قرار دیا۔اور کئی سال اس منصب پر فائز رہنے کے بعد 1914ء میں بمقام قادیان ہی انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔آپ علومِ معقول ومنقول میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔طب میں آپ کو درجہ اجتہاد حاصل تھا''(''مجربات کانفرنس''نمبر 3 صفحہ 7 مرتبہ حکیم محمد افضل)

جناب منشی عبدالعزیز خاں

باغبان پورہ کے ایک صاحب جناب منشی عبدالعزیز خاں صاحب ناظم مدرسۃ العلمین نے 1894ء میں ٹامس کارلائل کی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ'' کے لیکچر کا اردو ترجمہ ''اسلام اوراس کا بانی'' کے نام سے شائع کیا۔اس سے آپ کے نام پر معنون کرتے ہوئے لکھا۔
''نظر بعالی خدمت فیض درجات عمدۃ المحققین وقدوۃ المدققین،حاجی دینِ متین جناب حکیم مولوی نورالدین صاحب۔۔۔۔۔۔ان قومی خدمات جلیلہ تقریری وتحریری ومذہبی توجہات جمیلہ

لسانی و مالی کے لحاظ سے جو جناب کی ذات بابرکات سے رفاہِ عام کے بارہ میں علی العموم اور اشاعتِ اسلام کے پیرایہ میں علی الخصوص معرضِ ظہور میں آئی ہیں'' (تاریخ احمدیت جلد سوم جدید ص 573)

جناب عبدالمجید سالک

جناب عبدالمجید سالک اپنی کتاب ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' کے صفحہ 300۔ 301 پر لکھتے ہیں۔'' آپ کی حذاقت و ذہانت کا شہرہ نزدیک و دور پھیل گیا اور آپ ہندوستان کے چند منتخب اطباء میں شمار ہونے لگے اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی سے عقیدت ہو جانے کی وجہ سے آپ بھیرہ چھوڑ کر قادیان چلے گئے اور بقیہ عمر درس و تدریس علاج و معالجہ اور پرورش غرباء میں بسر کر دی۔ آپ کل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی کے اعزازی ممبر اور رکن خصوصی بھی تھے۔ مرزا صاحب کے انتقال کے بعد آپ ان کے خلیفہ اول قرار پائے''



(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد سوم جدید ص 531۔536)

جناب مولانا سیّد عبدالحیٔ

''محترم، فاضل، نورالدین صاحب ابن حافظ غلام رسول بھیروی، قادیانی جو مشہور ہیں خلیفۃ المسیح بڑے علماء میں سے تھے۔ 1258ھ میں ایک دیہات بھیرہ شاہ پور میں پیدا ہوئے جیسا کہ منقول ہے کہ ان کا نسب نامہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم و تعلم۔ علم فارسی، خطاطی، اور مبادی العربیہ پڑھی اور راولپنڈی کے کسی مدرسہ میں فارسی پڑھنے کے لئے کسی کو اپنا استاد مقرر کر لیا تھا اور اقلیدس، حساب اور جغرافیہ بھی پڑھا اور ان کے امتحانوں میں کامیاب ہوئے، پھر ابتدائی مدرسہ کے ناظم مقرر کر لئے گئے، مستقل چار سال اسی پر برقرار رہے ،اسی عرصہ میں صرف ونحو، منطق اور علم العقائد کی کتب پڑھ لیں پھر اس آمدنی سے کنارہ کش ہو گئے، مستقل پڑھنے پڑھانے میں لگے۔ شیخ احمد دین سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں، مگر چونکہ ان کے استاد، ادھر ادھر بہت منتقل ہوتے رہے اس لئے انہیں چھوڑ کر لاہور منتقل ہو گئے۔ وہاں سے رام پور چلے گئے، شیخ حسن شاہ، شیخ عزیز اللہ، شیخ ارشاد حسین، مفتی سعید اللہ، اور شیخ عبدالعلی سے علم حاصل کیا پڑھنا مکمل کر کے وہاں تین برس ٹھہرے رہے، پھر رام پور سے لکھنؤ سفر کیا، فن طب کے مشہور حکیم علی

حسین سے پڑھا، ان کے ساتھ دوسال رہے اس طرح یہ فن میں ماہر ہو گئے، پھر رام پور سے بھوپال کا سفر کیا، وہاں منشی جمال الدین خان مدارالمہام سے ملاقات کی، مفتی عبدالقیوم بن شیخ عبدالحئی برھانوی سے فن فقہ و حدیث پڑھی، 1285ھ میں حج کے لئے سفر کر کے حجاز اقدس میں قیام کیا۔ شیخ محمد خزرجی، سیّد حسین، شیخ رحمت اللہ ہندی جو''اظہارحق'' والے ہیں ان سے بھی پڑھا۔ شیخ جلیل، شیخ عبدالغنی بن ابی سعید دہلوی مہاجر مدینہ منورہ کے ساتھ رہے۔ ان کے ہاتھ پر طریقہ مجددیہ پر بیعت کی پھر بصرہ لوٹ آئے اس کے بعد ان کے اور علماء شہر کے درمیان مناظرات ومباحثات ہوئے اس کے بعد آپ کو جموں شہر کا خاص حکیم مقرر کر دیا گیا اور آپ کی مقبولیت ہوئی پھر امیر شہر جموں سے اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے وظیفہ سے محروم کر دیئے گئے۔ اس وقت جموں شہر میں مرزا غلام احمد قادیانی سے ملاقات ہوئی جب مرزا (صاحب) نے '' براہین احمدیہ'' تصنیف کی تو حکیم صاحب نے ایک'' تصدیق براہین احمدیہ'' نام کی لکھی اور اس سے بیعت کی اور اس طرح اس کے مرید ہو گئے۔ حکیم مولوی نورالدین صاحب فی نفسہ بہت بڑے عالم تھے معقول اور منقول تمام علوم کے جامع تھے اور فن طب کے ماہر تھے۔ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ مرزا کے بارے میں جو دلیل اور علمی باتیں منقول ہیں ان ہی کی طرف سے ہیں۔

(چودھویں صدی کے علماء برّصغیر ص 634۔636 اردو ترجمہ''نزھۃ الخواطر'' جلد ہشتم ناشر دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی 2004ء)

جناب حکیم محمد حسین قرشی

جناب حکیم محمد حسین قرشی صاحب اپنی '' بیض خاص'' میں تحریر کرتے ہیں؛۔'' حکیم (نورالدین) موصوف دور گزشتہ کے ان تین چار طبیبوں میں سے ہیں جن کا اسم گرامی ہندوستان کے طول وعرض میں غیر معمولی شہرت حاصل کئے ہوئے تھے۔ لکھنؤ میں حکیم عبدالعزیز صاحب، دہلی میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب اور پنجاب میں حکیم نورالدین صاحب۔ یہی تین ایسے طبیب تھے جو دوسرے سب طبیبوں سے ممتاز اور معالجہ میں شہرہ آفاق تھے''۔ (بیاض خاص ص27۔ بحوالہ حیات نور مرتبہ مکرم شیخ عبدالقادر صاحب)



حضرت مولانا حکیم نورالدین رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح الاوّل کے چند شاگردوں کا اجمالی تعارف

آپ (حضرت حکیم نورالدینؓ) کو زمانہ شاگردی میں ہی دوسروں کو پڑھانے کا موقع ملا۔جس زمانہ میں آپ مکہ میں تحصیل علم میں مصروف تھے انہی ایام میں آپ سے شاہ ابوالخیر صاحب دہلوی خلف الرشید حضرت محمد عمر صاحب نقشبندی مجددی فقہ کی کتاب رَدّالمختار پڑھا کرتے تھے۔(مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین ص115 جدید ایڈیشن) تحصیل علم کے بعد جب آپ بھیرہ تشریف لائے تو باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس وقت آپ مشکوٰۃ شریف پڑھایا کرتے تھے۔آپ کی تدریس کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔اور تشنگانِ علم وحکمت آپ سے فیض یاب ہو رہے تھے۔حضرت مسیح موعودؑ کے در پر آ کر دُھونی رمانے کے بعد جس قدر محنت اور توجہ آپ نے سلسلہ کے علماء تیار کرنے میں صَرف کی وہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔حضرت مصلح موعودؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب، حضرت مرزا شریف احمدؓ صاحب، حضرت میر محمد اسحٰقؓ صاحب، حضرت حافظ روشن علیؓ صاحب، حضرت مولوی غلام نبیؓ صاحب مصری، حضرت صوفی غلام محمدؓ صاحب المعروف ماریشسی اور دیگر علماء جنہوں نے خلافت ثانیہ میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے، آپ ہی کے شاگرد تھے۔آپ کے شاگردوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔اس لئے نہایت اختصار سے ذیل میں آپ کے کچھ نامور شاگردوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت خلیفہ نورالدینؓ صاحب جمونی

جمونی صاحب بھیرہ میں حضرت مولوی صاحب کے پاس تقریباً دس سال تک رہے۔اور آپ سے دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ علمِ طِب بھی حاصل کرتے رہے۔چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ:''مولوی صاحب مجھے خود حدیث پڑھاتے تھے۔لیکن پڑھائی کے دوران میں بہت مریض آجایا کرتے تھے۔اور مولوی صاحب مجھے ایک دو حدیثیں پڑھانے کے بعد نسخے لکھوانے لگ جاتے۔اور پھر فرماتے ان کو یہ دوائیاں بانٹ دو۔دوائیوں کی تقسیم کے بعد مولوی صاحب مجھے پھر پڑھانا شروع کر دیتے۔اس اثناء میں اور مریض آجاتے۔تو پھر نسخہ لکھنے اور دوائیاں تقسیم کرنے کا کام شروع ہو جاتا۔غرضیکہ مریضوں کے ہر گروہ کے وقفہ کے درمیاں ایک دو حدیثوں کی پڑھائی ہوتی۔اس اثناء میں

بھوپال سے ایک اہل حدیث منشی جمال الدین صاحب نے حضرت مولوی صاحب کو بھوپال آنے کے لئے لکھا۔بھوپال میں مقیم ہونے کے ارادہ سے بھیرہ سے روانہ ہوئے۔ اور مجھے بھی لاہور تک ساتھ لائے۔لاہور پہنچ کرفرمایا کہ بھوپال پہنچ کر اور وہاں مقیم ہوکرآپ کو بلا لیں گے۔اتنی دیر آپ یہیں ٹھہریں۔لیکن اس اثناء میں مولوی صاحب کے بڑے بھائی مولوی محمد سلطان صاحب فوت ہوگئے۔اس لئے حضرت مولوی صاحب کو واپس آنا پڑا۔مولوی صاحب نے لاہور پہنچ کر مجھے فرمایا۔کہ بھیرہ چلو میں نے عرض کیا کہ میں اب یہاں مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کررہاہوں لیکن مولوی صاحب اصرار کر کے بھیرہ واپس لے گئے اور فرمایا کہ ہم آپ کو طب اور حدیث خود پڑھائیں گے۔پھر میں ہمراہ ہولیا اور حسب سابق تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔''

(حیاتِ احمد مرتبہ حضرت یعقوب علی تراب صاحب (جدید) جلدسوم حاشیہ ص116۔117)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔



آپ نے حضرت مولوی صاحب سے قرآن،حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔آپ بہت سی کتب کے مصنف،کئی اخباروں کے ایڈیٹر،سات آٹھ زبانوں کے ماہر، اور نہایت نیک نفس اور پاکباز انسان تھے۔آپ بھی حضرت مولوی صاحب کی طرح اہلِ بھیرہ تھے۔اورآپ کے والدآپ کو جوانی کی عمر میں حضرت مولوی صاحب کے پاس چھوڑ آئے تھے۔اوراسی زمانے میں آپ نے حضرت مولوی صاحب سے علم حاصل کیا۔حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا تعلق حضرت مولوی صاحب کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت سے بہت پہلے کا تھا۔وہ آپ کی دعاؤں اورتوجہ سے ہی سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے تھے۔اُن پرحضرت مولوی صاحب کے اثر کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بیعت حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لی تھی جس سے اس طرف اشارہ تھا کہ آپ حضرت مولوی صاحب کے خاص طور پرزیرِ اثر ہیں اورانہی کی وساطت سے سلسلہ میں داخل ہورہے ہیں۔حضرت مولوی صاحب جب جموں میں قیام پذیر تھےتو آپ چھ ماہ تک حضرت مولوی صاحب کی صحبت میں رہے۔اوراُن سے

بخاری شریف پڑھی ۔ان کا اپنا بیان ہے کہ مجھ پر ایک ایسا وقت آیا ہے کہ میں علمِ حدیث سے بالکل نا آشنا تھا۔اوراس طرف توجہ کرنی پسند نہ کرتا تھا۔میرے مخدوم استاذ حضرت مولوی صاحب جواس صلوٰتِ علم کے ذوق سے حظ وافر رکھتے تھے۔ ہمیشہ اس طرف توجہ کرنے کی ترکیب دیتے تھے۔آخر 1886ء میں جبکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مشیت نے کشمیر میں چھ ماہ کے لئے ایک جگہ رکھا اور مولوی صاحب نے بخاری شریف مجھے سنائی یا یوں کہو کہ میں نے اُن سے سُنی اس وقت مبارک برکات مجھ پر منکشف ہوئیں اوراب تو میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ جوکوئی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک صورت دیکھنا چاہے وہ حدیث پڑھے ۔قرآن شریف پڑھنے کے بعد بڑا سعادت مند وہ ہے جو حدیث پڑھتا ہے حضرت مولوی صاحب کی صحبت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ میں اس قسم کی خوبیوں اور معارف سے واقف ہوا۔"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محموداحمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں: "مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم سے بہت کچھ دیا ہے۔اور حق یہ ہے کہ اس میں میرے فکر یا میری کوشش کا دخل نہیں۔وہ صرف اس کے فضل سے ہے۔مگر اس فضل کے جذب کرنے میں حضرت استاذی المکرّم حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کا بہت سا حصہ ہے۔میں چھوٹا تھا اور بیمار رہتا تھا،وہ مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیتے تھے۔اوراکثر یہ فرماتے تھے کہ میاں تم کو پڑھنے میں تکلیف ہوگی میں پڑھتا جاتا ہوں تم سنتے جاؤ اوراکثر اوقات خود ہی قرآن پڑھتے ،خود ہی تفسیر بیان کرتے ،اس کے علوم کی چاٹ مجھے انہوں نے لگائی اوراس کی محبت کا شکار بانی سلسلہ احمدیہ نے بنایا۔بہرحال وہ عاشقِ قرآن تھے۔اوران کا دل چاہتا تھا کہ سب قرآن پڑھیں۔مجھے قرآن کا ترجمہ پڑھایا اور پھر بخاری کا،اور فرمانے لگے لو میاں! سب دنیا کے علوم آگئے۔ان کے سوا جو کچھ ہے یا زائد یا ان کی تشریح ہے۔" (تفسیر کبیر جلد 3 دیباچہ)

اسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا: "قرآن کریم کا ترجمہ میں نے آپ سے (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل) سے چھ ماہ میں پڑھا۔میرا گلا چونکہ خراب رہتا تھا۔اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مجھے پڑھنے نہیں دیتے تھے آپ خود ہی پڑھتے جاتے تھے اور میں سنتا جاتا تھا اور چھ مہینے یا اس سے کم عرصہ میں سارے قرآن کا ترجمہ آپ نے پڑھا دیا۔پھر تفسیر کی باری آئی ۔تو سارے قرآن کریم کا آپ نے ایک مہینہ میں دور ختم کر دیا۔اس کے بعد بھی آپ کے درسوں میں شامل ہوتا رہا ہوں لیکن پڑھائی کے طور پر صرف ایک مہینہ ہی پڑھا ہوں۔پھر مجھے آپ نے بخاری پڑھائی اور تین مہینہ میں ساری بخاری ختم کرا دی

حافظ روشن علی بھی میرے ساتھ درس میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ بعض دفعہ سوالات بھی کرتے تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس کا جواب دیتے تھے۔ حافظ صاحب ذہین تھے اور بات کو پھیلا پھیلا کر لمبا کر دیتے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے شوق آتا کہ میں بھی اعتراض کروں چنانچہ ایک دو دن میں نے بھی بعض اعتراض کئے اور رحضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے ان کے جوابات دیئے۔ لیکن تیسرے دن جب میں نے کوئی اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''میاں! حافظ صاحب تو مولوی آدمی ہیں وہ سوال کرتے ہیں تو میں جواب دے دیتا ہوں۔ لیکن تمہارے سوالات کا میں جواب نہیں دوں گا۔ مجھے جو کچھ آتا ہے تمہیں بتا دیتا ہوں اور جو نہیں آتا وہ بتا نہیں سکتا۔ تم بھی خدا کے بندے ہو اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں تم بھی محمد رسول ﷺ کی اُمت میں شامل ہو اور میں بھی محمد رسول ﷺ کی اُمت میں شامل ہوں۔ اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا صرف میرا ہی کام نہیں تمہارا بھی فرض ہے کہ تم سوچو اور اعتراضات کا جواب دو مجھ سے پوچھا نہ کرو چنانچہ اس کے بعد میں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ قیمتی سبق یہی تھا، جو آپ نے مجھے دیا۔'' (الفضل 12۔ اکتوبر 1960ء ص 3۔4)



حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے 1912ء میں ایف اے پاس کرنے کے بعد بی اے میں داخلہ لیا تو دورانِ سال آپ دنیا پر دین کو مقدم کرتے ہوئے کالج سے نام کٹوا کر قرآن و حدیث کے علم کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے قاضی ظہور الدین اکمل صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''کالج پھر بھی مل جائے گا مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، ممکن ہے قرآن مجید و حدیث پڑھنے کا اور پھر وہ بھی نور الدین ایسے پاک انسان سے پھر موقع نہ مل سکے اس لئے میں نے یہی بہتر جانا۔'' (حیات بشیر ص 61 جدید ایڈیشن) حضرت مولوی صاحب نے آپ کے ذوق قرآن کو دیکھ کر ان کے لئے خاص طور پر درس کا اہتمام کیا۔ چنانچہ ''حیات بشیر'' میں لکھا ہے کہ: ''حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو ایک جماعت کے ساتھ صبح بعد نمازِ فجر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے ایک درس قرآن شریف کا دینا شروع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ بیرونی اصحاب جو اس موقع پر آ سکتے ہیں۔ آ کر شامل ہو جائیں۔ دو رکوع روزانہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک درس بعد عصر اور ایک بعد مغرب ہوتا ہے۔ ہر سہ میں شامل ہونے سے بہت جلد قرآن شریف سارا پڑھا جا سکتا ہے۔'' نومبر 1913ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی طبیعت ایک دن زیادہ خراب ہو گئی

تو آپ نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو فرمایا: ''میاں کل جمعہ ہے مگر تم آجانا اگر زندگی باقی ہے تو تمہیں ہفتہ کے دن قرآن ختم کرانے کا ارادہ ہے۔ ورنہ میرے بعد اپنے بھائی صاحب (حضرت مصلح موعود۔ ناقل) سے ختم کر لینا۔'' لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور 8 نومبر 1913ء کو آپ نے سارا قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے پڑھ لیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے آپ کے لئے بہت دعائیں کیں۔ اور حضرت اُمّ المومنین نے اس خوشی سے مٹھائی بانٹی۔'' (حیات بشیر ص 62۔63 جدید ایڈیشن)

حضرت مرزا شریف احمد صاحب



12 مئی 1910ء کے پرچہ بدر میں ''مدینۃ المسیح'' کے عنوان کے نیچے لکھا ہے۔: ''حضرت مولانا (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل۔ ناقل) آج کل تین درس دیتے ہیں بعد از نماز صبح مسجد میں پہلے صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو، پھر چند گریجوایٹ ہیں مثلاً شیخ تیمور صاحب ایم اے، ان کو قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔ یہ درس خصوصیت سے لطیف ہوتا ہے بخاری کا درس بھی شروع ہے مبارک وہ جو اس موقع سے فائدہ حاصل کرے۔'' (بدر 13 مئی 1910ء ص 2 حیات نور ص 452)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی حضرت مولوی صاحب کے شاگردوں میں سے تھیں۔ آپ بیان کرتی ہیں: ''میں نے کچھ تعلیم نہیں پائی۔ دس سال کی عمر میں باقاعدہ گھریلو تعلیم کا جو سلسلہ تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ چونکہ میرے استاد مکرم پیر منظور محمد صاحب کی اہلیہ محترمہ کو ٹی بی ہو گئی تھی تو حضرت مسیح موعودؑ نے مجھے پڑھنے کے لئے اُدھر جانے سے روک دیا تھا کیونکہ اس طرح زیادہ وقت وہاں گزرتا تھا۔ ویسے تو وہ ہمارے گھر ہی میں تھے۔ کسی کسی وقت چلی بھی جاتی تھی۔ تین چار روز حضرت مسیح موعودؑ نے خود مجھے فارسی (گلستاں) کا سبق پڑھایا پھر اپنی کم فرصتی کی وجہ سے فرمایا ناغہ ہوگا مولوی صاحب سے کہو یہ بھی وہی پڑھا دیا کریں۔ قرآن شریف کا ترجمہ تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ پہلے ہی پڑھاتے تھے۔'' (تحریراتِ مبارکہ شائع کردہ لجنہ اماء اللہ پاکستان ص 154)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں اور میر محمد اسحاقؓ صاحب دونوں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا خاندانی تعلق خواجہ میر درد دہلوی کے خاندان سے تھا اور حضرت مسیح

موعودؑ کے برادرِ نسبتی تھے۔ قادیان کے دور میں آپ نے بھی حضرت مولوی صاحب سے علم حاصل کیا۔ حضرت مولوی صاحب نے انہیں ان چالیس احادیث کا راوی بھی بنایا جو آپ نے مدینہ میں قیام کے دوران حضرت شاہ عبدالغنی مجدّدی سے روایت کی تھیں۔

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی

آپ نے بھی حضرت مولوی صاحب سے درس لیا۔ چنانچہ آپ بیان کرتے ہیں: ''حضرت اقدس علیہ السلام بار بار مجھے فرمایا کرتے تھے۔ کہ مولوی نورالدین کی تفسیر قرآن آسمانی تفسیر ہے۔ صاحبزادہ صاحب اُن سے قرآن پڑھا کرو، اوران کے درس قرآن میں بہت بیٹھا کرو اور سنا کرو اگر تم نے دو تین بھی سیپارہ بھی مولوی صاحب سے سنے یا پڑھے تو تم کو قرآن شریف پڑھنے کا ملکہ ہو جاوے گا یہ بات مجھ سے حضرت اقدس علیہ السلام نے شاید پچاس بار کہی ہوگی اور در حقیقت میں اسرارِ قرآنی اور تفسیر کلام رحمانی سے نا آشنا اور ناواقف تھا۔ پس میں حضرت اقدس علیہ السلام کے فرمانے سے درس میں بیٹھنے لگا۔ اور قرآن شریف سننے لگا۔ اور ایک لطف ایسا آنے لگا کہ جس کا بیان میری تحریر سے باہر ہے۔ اور آپ ہی کی برکت سے مجھے قرآن شریف کی تفہیم ہوتی گئی اور خود حضرت اقدس علیہ السلام بھی مجھے پڑھایا کرتے تھے اور مطالب قرآن کریم سمجھایا کرتے تھے اور ایک شرف مجھے آپ سے یہ ہے کہ میں نے بخاری شریف کا کچھ حصہ آپ سے پڑھا ہے اور تھوڑے سے حصہ میں میر ناصر نواب صاحب مدّظلّہ العالی بھی میرے شریک اور ہم سبق رہے۔'' (تذکرۃ المہدی حصہ اوّل ص 174 جدید ایڈیشن)

حضرت حافظ روشن علی صاحب

آپ حضرت مولوی صاحب کے شاگردِ خاص تھے آپ کا سارا وقت حضرت مولوی صاحب کے مطب یا درس میں گزرتا تھا۔ آپ درس انتہائی غور سے سنتے تھے قرآن اور تفسیر کا علم آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے حاصل کیا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے ایک دفعہ فرمایا: ''میں نے اپنے تمام روحانی علوم میاں محمود احمد کو دے دیئے ہیں۔ اور تمام ظاہری علوم حافظ روشن علی صاحب کو دے دیئے ہیں۔'' (حافظ روشن علی صاحب، سیرت وسوانح از سلطان احمد پیر کوٹی ص 24) حضرت حافظ روشن علی صاحب اپنے متعلق بیان کرتے ہیں: ''میں جب شروع شروع میں قادیان پڑھنے کے لئے آیا تو میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل ہونا چاہتا تھا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا میاں تم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے گھبرا کر عرض کی کہ حضور! نہ میرے باپ نے عربی پڑھی نہ میرے دادا نے۔ قرآن شریف بھی مجھے

پڑھنا نہیں آتا تو میں عربی کی اتنی بڑی بڑی کتب کیسے پڑھوں گا؟ فرمایا تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو جاؤ اس پر میں نے ہائی اسکول کا خیال دل سے نکال دیا۔ اور مدرسہ احمدیہ میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے ایک مرتبہ حضور عصر کی نماز اور درس کے لئے مسجد اقصیٰ کی طرف تشریف لے جارہے تھے، میں بھی ساتھ تھا جب مسجد کی آخری سیڑھی پر پہنچے، تو اپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور دوسرا اپنی داڑھی پر، اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ دیکھو میں نے عربی پڑھی ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ عربی پڑھنے کے بعد خدا تعالیٰ رزق نہیں دیتا؟۔ یہ سن کر میں بالکل خاموش ہو گیا اور اس کے بعد مجھے حضور کا درس سننے کا اتنا شوق پیدا ہوا کہ میں حضور کے ہر درس میں بڑے شوق اور جدو جہد سے شامل ہوتا۔ (حیاتِ نور باب ہشتم ص 604۔605)

حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ



آپ حضرت مولوی صاحب کی شفقت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔: سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں جب بھی میں قادیان مقدس حاضر ہوتا تو اکثر مولوی نورالدین صاحبؓ مجھے طب پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ آپ ذہین آدمی ہیں میں جلد ہی آپ کو طبّ کا علم پڑھا دوں گا اس کے جواب میں میں یہی عرض کرتا رہا کہ مجھے تصوّف کے بغیر اور کسی علم سے شغف نہیں اس لئے معذور ہوں۔ آخر جب اسی طرح کئی سال گزر گئے تو ایک دن حضرت مولانا صاحب مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ اور ایک طب کی کتاب میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا اب تو میں آپ کو پڑھا کر ہی چھوڑوں گا۔ میں نے جب یہ شفقت دیکھی تو پڑھنے پر مجبور ہو گیا اور حضور سے طبّ کی بعض کتب بالا سباق پڑھتا رہا۔ اس کے بعد آپ کی توجہ سے مجھے اس علم کا اتنا شوق پیدا ہوا کہ میں نے بعض نسخے راہ چلتے مسافروں سے بھی پوچھے ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھایا ہے۔'' (حیات قدسی حصہ دوم ص 81۔82)

مولوی محمد علی صاحب



آپ نے حضرت مولوی صاحب سے قرآن مجید کا علم حاصل کیا۔ چنانچہ آپ اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ: ''میری زندگی میں ۔۔۔۔۔ جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور

خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرّم حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم ہیں۔''
(بیان القرآن از مولوی محمد علی صاحب جلد اول دیباچہ ص 3)

اکبر شاہ خان نجیب آبادی

تاریخ کا ذوق رکھنے والے ایک نوجوان تھے چھ سال تک حضرت مولوی صاحب کی صحبت میں رہے۔ درسِ قرآن میں شامل ہو کر نوٹ لکھتے رہے۔ ان کی سب سے پہلی مرتبہ کتاب ''مرقات الیقین فی حیات نورالدین'' ہے جو حضرت مولانا حکیم نورالدین ؓ خلیفۃ المسیح الاوّل کی اپنی لکھوائی ہوئی سوانح عمری ہے۔ مرقات الیقین کی صرف پہلی جلد ہی شائع شدہ ہے۔ اس کی ایک اور جلد بھی تھی۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اپنی لکھوائی ہوئی تھی۔ مگر جب یہ مبائعین سے علیحدہ ہو گئے۔ تو اس کتاب کا مسوّدہ بھی ساتھ ہی لے گئے۔ جس کی وجہ سے وہ حصہ شائع نہ ہو سکا۔ یہ اردو کے بلند پایہ ادیب، بہت سی اعلیٰ درجہ کی تاریخی اور تحقیقی کتب کے مولّف، کئی اخبار اور رسالوں کے ایڈیٹر اور ہندوستان کے مشہور انشاء پرداز تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے شاگردوں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ پورا ہندوستان آپ کے شاگردوں سے بھرا پڑا ہے۔ تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تاریخ کا ادنیٰ سا طالب علم بھی انکار نہیں کر سکتا اب آخر میں آپ کے چند مشہور شاگردوں کے اسماء لکھنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ آپ کے شاگرد کس پایہ کے تھے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب، حضرت خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب پلیڈر، مکرم شیخ تیمور صاحب سابق وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی، مرزا محمد حسین صاحب، ملک غلام فرید صاحب ایم اے، سید ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، مہاراجہ رنبیر سنگھ، راجہ امر سنگھ، راجہ رام سنگھ وغیرہ۔ اسی طرح آپ کے چند ایسے تلامذہ کے اسماء بھی بیان کر دئے جاتے ہیں جنہوں نے آپ سے علم طِب حاصل کیا۔ حضرت حکیم غلام محمد صاحب امرتسری، حکیم قطب الدین صاحب بدوملہوی، حکیم فضل الرحمٰن صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، حکیم ڈاکٹر محمد طفیل بٹالوی صاحب، حکیم نور محمد صاحب، ڈاکٹر محمد حیات صاحب راولپنڈی، حکیم نظام جان صاحب، حکیم عبدالرحمٰن کاغانی صاحب، حکیم محمد ابراہیم کپورتھلوی صاحب، حکیم عطا محمد صاحب، حکیم محمد صدیق صاحب۔



اِعجازِ مصلح موعودؓ ربوہ کی تعمیر

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے



وہ محبُوبِ مطاع، وہ عظیم المرتبت انسان، وہ گرامی قدر شخصیت، وہ لاکھوں قلوب کا فاتح اِمام، جس کے قدموں میں ہم عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔جس کی محبت، جس کی اُلفت اور جس سے وابستگی ہمارے دلوں کی اَتھا گہرائیوں اور ہمارے جسموں کے رَگ و ریشے میں رَچی بسی ہوئی تھی۔ وہ رُوحانی باپ جو ہمیں اپنے جسمانی باپوں سے زیادہ پیارا تھا۔وہ۔جس کے علمی کارناموں اور اسلامی خدمات نے اپنے اور غیروں کے دل موہ لئے تھے۔وہ جو بے مثال اور بے شمار دماغی صلاحیتوں اور تنظیمی قابلیتوں کا مالک تھا۔۔۔۔جو خلقی طور پر دینی و دُنیوی علوم کا سرچشمہ تھا۔جس کی یاد دل میں آتے ہی سرِ نیاز جبہہ سائی کے لئے بےقرار ہوجاتا تھا۔جس کا تصوّر پیدا ہوتے ہی محبت کے آنسو پلکوں پر لرزنے لگتے تھے۔جس نے ہمارے قلوب کے مخفی گوشوں تک میں پون صدی تک شاہانہ مگر بزرگانہ تسلّط جمائے رکھا۔جس کے اَوصافِ حمیدہ خود خالقِ کُل نے بیان فرمائے۔جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت وعظمت کا ایک درخشندہ نشان تھا۔وہ موعود مصلح جس کا یوم مناتے ہوئے ہمارے قلوب قرب ومسرت کے احساس سے جگمگا اُٹھتے تھے۔وہ اپنے فہم وفراست، تدبر، اولوالعزمی، اور دوسری بے شمار صلاحیتوں کے طفیل ایک چھوٹی اور غریب سی جماعت کو شہرت اور وسعت کے بامِ رفعت تک پہنچا کر اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔اور ہمیں اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک اپنی یادوں کا درد دے گیا۔ہم کیا اور ہماری بساط کیا کہ اس عالی قدر مصلح کے کارہائے نمایاں کو بیان کرسکیں۔جس کی تعریف آسماں سے کی گئی۔جب نطق کچھ کہنے پہ آتا ہے تو ہر گام پر رُکتا ہے لیکن اس محبوب کی یاد سے دل کو بہلانے کے لئے کچھ کہنا ہے مگر کیا کہوں ؟

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسن تو بسیار

اس باغِ حُسن اور چمنِ رُوحانیت کا ہر غنچہ اور ہر پھول دامن پکڑ کر بیٹھ جاتا اور کہتا ہے کہ ''جا ایں جا است'' آخر خیال آیا کہ دارالہجرت ربوہ کی ارضِ مقدس پر محبت وعقیدت کے چند آنسو تصوّر ہی میں بہادوں کہ یہ وہ مقام ہے جسے قادیان کا ظل ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔ تاریخِ اُمّم کا ایک باب یہ بھی ہے۔ کہ ہجرت سنتِ انبیا بھی ہے۔ اور تلواروں پر پنپتی الٰہی جماعتوں پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ اپنی متاعِ ایمان کو سینوں میں سنبھالے خدا کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے وطنوں سے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں نکلتی ہیں اور پھر ناصرِ دینِ غیّور خدا انہیں نیا مرکز دے کر سکینت بخشتا ہے۔ اس ہجرت کی کوئی صورت ہو مگر اس کا نقطہ مرکزی مظلومیت کی انتہا ہوتی ہے، یہی موسیٰ وعیسیٰ کے ساتھ ہوا۔ یہی فخرِ رُسل حضرت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوا۔ یہی حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ہوا۔ بنیادی طور پر ہجرت دی تھی فرق صرف یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی زندگی میں ہجرت کا اذن ملا اور یہ اذن آپ کے مثیل ونظیر حضرت مصلح موعود کو ملا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں کئی بار ہجرت کا ذکر ہوا۔ بلکہ ایک مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ طاغوتی طاقتوں نے یکبارگی یلغار کر کے حضرت مسیح موعودؑ کے لئے سخت پریشانیاں پیدا کر دیں۔ اور آپؑ نے بڑے ہی پُر درد لہجے میں تحریر فرمایا کہ:۔ ''ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح موعود کا قول ہے کہ نبی بے عزّت نہیں مگر اپنے وطن میں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ صرف نبی بلکہ بجُز اپنے وطن کے کوئی راستباز بھی دوسری جگہ ذلّت نہیں اُٹھاتا اور اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيرًا وَّسَعَةً۔ یعنی جو شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدا کی زمین میں ایسے آرام پائے گا جن میں بلاحرج دینی خدمات بجالا سکے۔ سو اے ہموطنو! ہم تمہیں عنقریب الوداع کہنے والے ہیں۔'' (شحنۂ حق)

اس سے ظاہر ہے داغِ ہجرت اپنے وقوع میں بہت عرصہ قبل ہی سے پردہ غیب سے جھانک رہا تھا اور جب 1894ء میں حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا تو اتنی سی بات تو یقینی ہو گئی تھی کہ یہ داغ تو ایک روز لگ کر رہے گا۔ مگر کب؟ اسکا کسی کو علم نہ تھا۔ انہی ایّام میں حضرت مسیح موعودؑ پر ایسے شدید اوقات بھی آئے کہ آپ کے صحابہؓ نے مختلف مقامات کی طرف ہجرت کرنے کی تجاویز بھی پیش کیں۔ جنہیں سن کر آپ نے تردید نہ فرمائی بلکہ فرمایا کہ ''اچھا! جب اذن ہو گا'' لیکن جب احمدیت کا مختصر سا قافلہ مصائب وحوادث کا مقابلہ کرتا ہوا 1905ء میں داخل ہوا تو حضرت مسیح موعودؑ نے باعلامِ الٰہی ہجرت کے زمانہ کی تعین فرما دی۔

یعنی فرمایا کہ:۔’’انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض نبی کے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے‘‘ (بدر 7 ستمبر 1905ء)

یہ ایک بڑی ہی واضح تعیین تھی۔لیکن اس کے ساتھ ہی جماعت کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے رحم وفضل پر یقین رکھتے ہوئے یہ بھی سمجھتی رہی کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر پر غالب ہے۔اور انہیں بدل بھی سکتا ہے۔لیکن جب مسیح محمدی کا عہدِ فاروقی آیا تو مجسّم فہم وفراست حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت کو آئندہ خطرات سے متنبہ کرنا شروع کیا۔اور جب فتنہ احرار نے قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے نعرے لگائے۔اور اس وقت کی حکومت نے بھی ان فتنہ پردازوں کی پیٹھ ٹھونکی۔تو حضرت مصلح موعودؓ نے اس عظیم فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے جماعت کو تحریک جدید کے عظیم الشان اور مستحکم بلند مینار پر کھڑا کرتے ہوئے اس سے منجملہ اور مطالبات کے یہ مطالبہ بھی کیا۔:۔’’چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ قوم کو مصیبت کے وقت پھیلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کہتا ہے۔کہ مکہ میں اگر تمہارے خلاف جوش ہے تو کیوں تم باہر نکل کر دوسرے ممالک میں پھیل نہیں جاتے۔اگر تم باہر نکلو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری ترقی کے بہت سے رستے کھول دے گا۔اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کا بھی اور رعایا میں بھی ایک حصہ ایسا ہے جو ہمیں کچلنا چاہتا ہے۔ہمیں کیا معلوم کہ ہماری مدنی زندگی کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے۔قادیان بے شک ہمارا مذہبی مرکز ہے۔مگر کیا معلوم ہماری شوکت وطاقت کا مرکز کہاں ہے۔ہندوستان کے کسی اور شہر میں بھی ہوسکتا ہے۔اور چین،جاپان،فلپائن،سماٹرا،جاوا،روس،امریکہ غرضیکہ دنیا کے کسی بھی ملک میں بھی ہوسکتا ہے۔اس لئے جب ہمیں معلوم ہوا کہ لوگ بلاوجہ ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا ضروری فرض ہوجاتا ہے۔کہ ہم باہر جائیں اور تلاش کریں کہ ہماری مدنی زندگی کہاں سے شروع ہوتی ہے۔مجھے شروع خلافت سے یہ خیال تھا کہ اور اسی خیال کے تحت میں نے مشن قائم کئے تھے‘‘ (مطالبات تحریکِ جدید ص52)

اللہ!اللہ!! کتنی واضح تشریح ہے داغِ ہجرت کی۔اور کتنی فراست اور بصیرت رُوحانی ہے۔کہ سالہا سال بعد آنے والے واقعات وحقائق کے لئے نہ صرف ذہنی طور پر جماعت کو تیار کیا جارہا تھا۔بلکہ جماعت کے استحکام کے لئے اور اُن خطرات کے مقابلہ کے لئے تیاریاں بھی شروع کردی گئی تھیں۔اور جماعت کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے تحریک جدید ایسی منظم اور زبردست جدوجہد

بھی شروع فرمادی تھی ۔حضرت مصلح موعودؓ کا دماغ اعلیٰ اور دوررَس تھا۔آپ نے فرمایا:’’بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بیرونی مشنوں پر روپیہ خرچ کرنا بے وقوفی ہے۔مگر میں جانتا ہوں کہ یہ خیال اسی وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ ایسے لوگوں نے سلسلہ کی اہمیت کونہیں سمجھا۔اوراسے ایک انجمن خیال کرلیا ہے۔مذہبی سلسلے ضرورایک وقت میں دنیا کےتوپخانوں کی زد میں آتے ہیں۔اور کبھی ظلم و ستم کی تلواروں کے سایہ کے بغیر ترقی نہیں کرسکتے۔‘‘(مطالبات تحریکِ جدید ص 52۔53) تائید غیبی سے پردے اُٹھانے والے حضرت مصلح موعودؓ نے 1935ء سے ہی جماعت کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کا آغاز کردیا تھا۔اور مدنی زندگی کے آغاز کے مرکز کی طرف اشارہ بھی کردیا تھا۔فرمایا:۔جب تک قربانی اور ایثاراور محنت کی عادت ہمارے اندر پیدانہیں ہوجاتی اس وقت تک ہم دین کے لئے قربانی کرکس طرح سکتے ہیں۔اگر کبھی دین کے لئے ہمیں اپنے وطنوں سے ہجرت کرنی پڑے تو ہم ہجرت کس طرح کریں گے؟‘‘(الفضل ربوہ15 نومبر 1946ء)

بہرحال حضرت مصلح موعود نے امام الزمان کے الہامات وملفوظات کی روشنی میں آثاروقرائن کو یکجا کرکے جماعت کے سامنے ہجرت کا واضح تصور پیش فرما دیا تھا۔ بلکہ ہجرت کے نتیجہ میں پیش آنے والے خطرات کے مقابلہ کی تیاریاں بھی شروع کردی تھیں۔اب صرف یہ امر صیغہ راز میں رکھا گیا تھا کہ وہ مقام کونسا ہوگا۔؟ جہاں سے مدنی زندگی کا آغاز ہوگا۔سواللہ تعالیٰ کی اٹل تقدیروں کے ماتحت وہ وقت آن پہنچا۔اور تقسیم برِّصغیر پاک وہند کے وقت ہندوؤں اور سکھوں نے جوخون کی ہولی کھیلی تو اس وقت جماعت کی اکثریت نے اپنے سینوں میں داغِ ہجرت لئے نہایت کسمپرسی کی حالت میں قادیان کی مقدس اور پیاری بستی کو چھوڑنے اوراپنے لئے مدنی مرکز بنانے پر مجبور ہو گئی۔اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت مصلح موعودؓ کے وجود میں سہارا بن کرآسمان سے اُترا۔اور تسبیح کے یہ منتشر دانے حضرت مصلح موعودؓ کی اولوالعزمی کے مضبوط دھاگے میں پروئے گئے اور مجتمع ہوئے۔ وہ ابراہیمی طیور پھرابراہیم ثانی کے فرزند کی آواز پرایک اُجاڑ، بیابان، اورسنسان وویران خطہ ارض پراکٹھے ہوئے۔مگر وہاں کوئی شجرسایہ دار بھی نہ تھا جس کی شاخوں پر وہ طیور بسیراکرسکیں۔کوئی ٹنڈمنڈ درخت تک نہ تھا۔جس پر کہ کوئی آشیانہ بن سکے۔ابراہیمی طیور جمع تھے۔وہ بے چینی سے اپنے پروں کو پھڑ پھڑارہے تھے کہ کوئی نشیمن مل جائے مگر وہاں کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔کوئی سبزہ نہ تھا،کوئی ہریالی نہ

تھی، کہیں گھاس کا تنکا نہ تھا۔ حدِ نظر تک ویرانہ تھا جسے دیکھ کر ویرانیاں بھی شرما جائیں۔ یا خشک پتھریلی پہاڑیاں تھیں جو ماحول کی ہولناکی میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے کئی گھنٹے اس مقام کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا؛ ”جو جائے پناہ خواب میں دیکھی تھی یہ پہاڑیاں اور ظاہری علامات خواب کے مطابق ہیں۔ مگر یہ جگہ ایسی سرسبز نہیں۔ ممکن ہے ہماری کوششوں سے یہ جگہ سرسبز ہو جائے۔“ (کتاب ربوہ ص 102) حضرت مصلح موعودؓ نے بڑے ہی واشگاف الفاظ میں جماعت کو قربانیوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ بھی فرما دیا تھا کہ: ”جب تک قربانی اور ایثار اور محنت کی عادت ہمارے اندر نہیں ہو جاتی اس وقت تک ہم دین کے لئے قربانی کر کس طرح سکتے ہیں۔ اگر کبھی دین کے لئے ہمیں اپنے وطنوں سے ہجرت کرنی پڑے تو ہم ہجرت کس طرح کر سکیں گے۔“ (الفضل ربوہ 15 نومبر 1946ء)

یہ وہ مایہ ویرانی تھا جس کی کوکھ سے ربوہ کا عظیم روحانی مرکز جنم لینے والا تھا۔ جہاں سے الٰہی نوشتوں کے مطابق روحانیت کے چشمے پھوٹنے والے تھے۔ مگر وہاں دُھول تھی کہ گھٹنوں کو چھوتی تھی بے آبی تھی کہ دیکھ کر زہرہ آب ہوتا تھا۔ سیم وتھور اور کلّر تھا کہ الف لیلیٰ کی داستانوں کے نا قابلِ عبور راستے یاد آئے جاتے تھے۔ اور یہی وہ مقام تھا جہاں فرزندِ ابراہیم خاک اور دُھول کے پردوں کو اپنی روحانی بصارت کے زور سے ہٹا کر ربوہ کا مرکز بسا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ”ممکن ہے ہماری کوششوں سے یہ جگہ سرسبز ہو جائے“ اور تاریخِ عالم کا یہ فیصلہ ہے کہ اولُو العزم کے نا قابلِ شکست عزائم کے سامنے نا کامیوں کے پیٹ سے کامرانیاں نکلی چلی جاتی ہیں اور پھر وہاں تو وہ انسان کھڑا تھا جسے انسانوں نے نہیں بلکہ خدائے عرش نے اُولوالعزم کا خطاب دیا تھا۔ اور اس نے ان ویرانوں میں قدم رکھنے سے قبل یہ ابراہیمی دُعا کی تھی کہ رَبِّ اَدخِلنِی مُدخَلَ صِدقٍ اور آج۔۔۔۔۔۔ محض خدا کے فضل اور اس کی تائید ونصرت کے نتیجہ میں اسی بے آب وگیاہ میدان میں دارالہجرت ربوہ کا تاریخی اور رُوحانی شہر آباد ہے۔ جو ہمارے پیارے مصلح موعودؓ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ یہ وہی ربوہ ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مثیل ونظیر نے اپنی مدنی زندگی کے لئے بسایا تھا اور یہی وہ آشیانہ ہے جہاں ہزاروں طیور ابراہیمی محض رضائے الٰہی کی خاطر فرزندِ ابراہیم کی آواز پر جمع ہوئے اور جماعت کو مصلح موعود کے تصور کا مدنی مرکز مل گیا جو بفضلِ خدا، احمدیت کی عظمت وشوکت کا نشان بن چکا ہے۔

چنانچہ ربوہ کی بالکل ابتدائی تعمیرات پر ہی روز نامہ ''سفینہ'' لاہور نے 13 نومبر 1948ء کو لکھا تھا کہ:۔ایک مہاجر کی حیثیت سے ربوؔہ ہمارے لئے ایک سبق ہے۔ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں بھی اُجڑے اور یہاں بھی کسم مپُرسی نے اُنہیں منتشر رکھا۔۔۔۔ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے۔لیکن ان کی تنظیم ،ان کی اخوت اور دُکھ سُکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کی ہے۔۔۔ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی قابلِ نظر ہے۔وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے ربوہ عوام وحکومت کے لئے ایک مثال ہے۔اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعویٰ کئے بغیر سب کچھ کر دکھاتے ہیں۔'' یہ سب کچھ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی بے مثال قیادت ، ہمت ،اور اُولوالعزمی کا آئینہ دار ہے اور تدبر اور دُور اندیشی کے اس تعمق تک حضور ہی کی نگاہ عمق دوز پہنچ سکتی تھی۔آج جب اس مرکز پر نظر پڑتی ہے تو اس شہر کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔اس کی مادی خوبصورتی کے علاوہ جو رُوحانی خوبصورتی نے کل دنیا میں دعوت الی اللہ کے جھنڈے گاڑے ہیں۔اُن پیارے وجودوں کو جنم دیا۔اُن کی پرورش کی۔اور پھر کُل عالم میں پھیلا کر پیغامِ احمدیت کو اَمر کر دیا اور مشیتِ ایزدی سے اسلام کے مرکز خامس (لندن) کو متحرک کر دیا۔جو خلافتِ حقہ کا عظیم الشان مرکز ہے۔جہاں علوم کے دریا بہتے ہیں،رُحانیت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔اور دنیا کے ہر حصے سے تشنگانِ رُحانیت اپنی پیاس بجھانے کے لئے کھنچے چلے آتے ہیں یہاں سے دنیا کے کناروں تک تبلیغ اسلام کے تار ملتے ہیں۔یہ بھی ربوہ کی بستی کا ہی جاگ لگایا ہوا ہے۔آخر میں اپنے پیارے مصلح موعود کے شعر پر ربوہ کو اور بانی ربوہ کو سلام پیش کرتا ہوں۔

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دُعا گو
کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوؔہ کو دُعائیں



نافلہ موعود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ



قافلہ سالار، مجسم نور، سرتاپا محبت، حسن و احسان کا پیکر، شفقت و رحمت کا ایک میٹھا، خوشبودار اور ناپید کنار ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جس کی لہروں میں سکون، اور سکون میں طوفان کا سا جوش اور ولولہ جس کے حسن اور صداقت پر قدرت ثانیہ کی انمٹ مہر ثبت ہو چکی تھی۔ اور جو زلزلوں اور ابتلاؤں کی چکی میں پس کر بھی صحیح سلامت باہر واپس آیا۔ جس کا ارادہ پہاڑوں کی طرح اٹل اور جس کا صبر و تحمل ظلم کی ہر تلوار کو کند اور ستم کے ہر طوفان کا منہ موڑ دینے والا۔ جو عہد کی آواز تھا۔ جس کے قدم قدم پر نصرت الٰہی شامل حال رہی۔ جس کی دلآویز مسکراہٹ نے روتے ہنسا دیئے۔ مُردوں کو زندہ کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کا تیسرا باب تھا۔ جس کی جانب روحانیوں کا یہ قافلہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ اس کے مناقب بیان بھی کئے جائیں تو کیسے؟ کتنی فتوحات، کتنی حسین یادیں، کتنی یادیں جو قدم قدم پر دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ رحمت اور محبت کا یہ بادل تو اوّل سے آخر تک کھل کر برسا اور متواتر برسا اتنا برسا کہ کیا اپنے کیا بیگانے اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب کے رگ و پے کو سیراب کر گیا سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ربّ جلیل کے خلیفہ موعود تھے۔ ان کی نسبت ہزاروں سال قبل طالمود میں خبر دی گئی تھی۔ یہ ہے وہ خدا نما شخصیت جس کی مقدس سیرت کے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نافلہ کے طور پر پانچویں لڑکے کا وعدہ کیا تھا۔ کتاب مواہب الرحمن کے صفحہ 139 پر یہ پیشگوئی ہے۔ ''اِنَّا نُبَشِّرُ كَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ نَافِلَةً مِّن عِندِی'' عنی ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں وہ تیرے لئے نافلہ ہے وہ ہماری طرف سے نافلہ ہے۔ (تذکرہ صفحہ 588)

حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ الٰہی بشارت دی کہ ''میں تجھے ایک ایسا لڑکا دوں گا جو دین کا ناصر ہوگا'' (الفضل 8 اپریل 1915ء) یہ دونوں الٰہی وعدے حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بابرکت ذات میں پورے ہوئے۔ ان بشارتوں کے عین مطابق 16 نومبر 1909ء کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ہاں حضرت سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا۔ جن کا نام مرزا ناصر احمد رکھا گیا۔ آپ کی پرورش حضرت اماّں جان کی مبارک گود میں ہوئی۔ سیدنا حضرت مرزا

ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی اس خوشبختی پر ناز فرماتے اور لطف و سرور کے احساس میں ڈوب جایا کرتے تھے:۔ ’’میری تربیت تو حضرت اماں جان نے کی تھی‘‘۔نوعمری سے ہی آپ کی ذات کے دھارے کا رُخ خدمت دین کی طرف تھا۔ایک جگہ اپنی ڈائری میں فرماتے ہیں:۔’’اپنی ہر چیز کو قربان کر دوں گا مگر اسلام کی عزت دنیا میں قائم کر کے چھوڑوں گا‘‘۔

محبت آپ کی شخصیت کا نمایاں ترین پہلو تھا۔محبت کے اسی گہرے جذبے کی عکاسی کرتا ہوا آپ کا یہ قول جسے اپنے اور غیر سبھی سراہتے ہیں؛۔’’محبت سب کے لئے اور نفرت کسی سے نہیں‘‘اور آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس قول کی سچی تصویر تھا۔آپؒ بے حد محبت فرماتے۔لیکن محبت کو جتانا ناپسند فرماتے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے جن پیاروں سے دین کی خدمت کا کام لینا ہوتا ہے تو وہ شروع ہی سے ان کی تربیت کا خود التزام فرماتا ہے۔ایسا ہی التزام ان کے لئے بھی کیا۔

پہلے تو آپ نے اللہ کے فضل سے قرآن کریم کا تاج اپنے سر پر سجایا۔اور تیرہ برس کی عمر میں قرآنکریم مکمل حفظ کر لیا۔1929ء میں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔اور گورنمنٹ کالج سے 1934ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔اسی سال 2 جولائی 1934ء کو حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ بنت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم سے آپ کا نکاح ہوا۔6 اگست 1934 کو آپ کا رُخصتانہ ہوا۔ایک ماہ بعد آپ بغرض تعلیم انگلستان روانہ ہو گئے۔اور 9 نومبر 1938ء کو آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کر کے واپس قادیان تشریف لائے۔پھر جامعہ احمدیہ کے پرنسپل اور بعدہٗ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج اور مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر کے ساتھ ساتھ صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نیز مختلف جماعتی خدمات کی وافر توفیق ملی۔7 اور 8 نومبر کی درمیانی شب حضرت مصلح موعودؓ وفات پا گئے لیکن قدرت ثانیہ کا روحانی سلسلہ اسی آب و تاب اور روانی سے جاری رہا۔آنے والا وجود جانے والے وجود کے کارناموں کی مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہو کر بلند سے بلند عمارت بناتا چلا گیا۔جماعتی ترقی کی ہر نئی اینٹ اپنی بنیاد کو مستحکم کرتی چلی جاتی ہے۔3 دسمبر 1981ء کو حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کی وفات ہوگئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اس موقع پر خدا کے آگے سر تسلیم خم کیا۔اور کمال حوصلہ سے اس صدمہ کو برداشت کیا۔پھر حضورؒ نے خالص دینی اغراض کے لئے نکاح کا ارادہ فرمایا۔بہت دُعاؤں کے بعد 11۔اپریل 1982ء کو آپؒ کی شادی مکرمہ حضرت طاہرہ صدیقہ بیگم سے ہوئی۔نکاح کے ایک ماہ بعد آپؒ بیمار ہو گئے۔اور مختصر علالت کے بعد 9 جون 1982ء کو رات ایک بجے آپؒ اسلام آباد میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔(یقیناً ہم

اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)10 جون کو آپؒ کا جنازہ ربوہ لایا گیا۔اسی دن ڈیڑھ بجے دوپہر انتخاب خلافت کا وقت مقرر ہوا۔حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ منتخب ہوئے۔اور بعد نماز عصر حضرت مرزا ناصر احمدؒ صاحب کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر تدفین عمل میں آئی۔

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا ایک نہایت تابندہ و درخشندہ نشان تھے۔آپ نے اپنے نورانی وجود کے لمعاتِ نور سے ایک جہان کو منور کیا اور مشرق و مغرب میں بسنے والی قوموں کے لاکھوں افراد کو برکت بخشی پھر حضرت مصلح موعودؓ کے فرزندار جمند ہونے کی وجہ سے تعلق باللہ، قُربِ الٰہی کی نعمتوں سے آپ کو وافر حصہ ملا علوم ظاہری و باطنی آپ کو عطا کئے گئے۔اور خاص طور پر اولوالعزمی آپ کو عطا ہوئی۔

1974ء کے پُرآشوب دور میں آپ کی اولوالعزم قیادت میں جماعت جس شان سے سُرخرو ہو کر نکلی۔وہ آپ کی بلند حوصلگی کا ثبوت ہے۔ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو بلند مرتبہ و مقام حاصل تھا۔اور آپ اخلاق حمیدہ، اوصاف عالیہ سے متصف تھے۔اور آپ کی نہایت مطہر و پاکیزہ زندگی، ظاہری و باہری حسن سے آراستہ دل آویز شخصیت آپؒ کی ارفع و اعلیٰ شان اور آپ کے کارہائے نمایاں، آپ کے نام اور آپ کے کام کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رکھیں گے۔آپؒ کا سترہ سالہ مقدس و مبارک دورِ خلافت بے شمار افضال خداوندی اور تائیدات الٰہیہ سے روشن تھا۔آپ نے بہت عظیم الشان اور انقلاب انگیز کارنامے سرانجام دیئے۔آپ کی متعدد تحریکات اور ان کے بابرکت نتائج سے جماعت کو نہ صرف استحکام حاصل ہوا بلکہ جماعت احمدیہ شاہراہِ ترقی پر تیزی سے گامزن ہوئی۔

حضرت اقدس بانی سلسلہ کا الہام ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' اپنے ظاہری معنوں کے لحاظ سے پورا ہوا۔اور اس کے پہلے مصداق بننے کی سعادت گیمبیا کے گورنر جنرل ایف ایم سنگھاٹے کو حاصل ہوئی۔برّ اعظم افریقہ میں احمدیت کا پیغام جس شان سے پھیلا وہ بھی آپؒ کے دور کا ایک درخشندہ باب ہے۔نیز حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور الہام کہ:''میرے فرقہ کے لوگ علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے'' مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی صورت میں پورا ہوا۔خدا تعالیٰ کے فضل سے نصرت جہاں سکیم بھی بہت بابرکت ثابت ہوئی۔سینکڑوں مساجد، تعلیمی ادارے اور ہسپتال قائم ہوئے۔اور ان میں احمدی مبلغین، اساتذہ اور ڈاکٹر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔تعلیمی ترقی کے لئے آپ نے عظیم الشان منصوبہ جاری فرمایا۔کہ احمدی لڑکے لڑکیوں کو کم از کم میٹرک پاس ہونا چاہیے۔اس منصوبے کا

اہم حصہ بورڈ یا یونیورسٹی میں اوّل دوم سوم آنے والے احمدی طلبہ میں طلائی تمغہ جات کی تقسیم کی سکیم تھی جو اب بھی جاری ہے۔آپؒ نے احمدیہ صد سالہ جوبلی فیڈ کا اعلان فرمایا اور اس سلسلہ میں دُعائیہ عظیم روحانی پروگرام جاری کیا جس پر آج بھی عمل جاری ہے۔الغرض سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی زندگی اور سیرت طیبہ اور کارناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے قریباً سترہ سالہ عہد خلافت اور جانشینی کا کماحقہٗ حق ادا فرمایا ہے۔اور آپ اپنے عظیم کاناموں کی بنا پر زندہ و جاوید ہیں آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمت دین میں گزارے۔میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور بے شمار رحمتیں ہر آن آپ پر برستی رہیں۔(آمین)



فضل عمر فاؤنڈیشن۔نافلہ موعود کی پہلی بابرکت تحریک

تحریک کا پس منظر

1965ء کے تاریخی جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب جج عالمی عدالت نے 19 دسمبر کو احباب کے سامنے حضرت مصلح موعودؓ کے بے مثال کارناموں اور عظیم الشان بے شمار احسانوں کی یادگار کے طور پر 25 لاکھ کا ایک فنڈ قائم کرنے اور اس میں بڑھ چڑھ کر رقوم پیش کرنے کی تحریک پیش کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے اختتامی خطاب میں 21 دسمبر 1965ء کو فرمایا:۔''کل مخدومی و محترمی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے احباب جماعت کی خدمت میں حضرت مصلح موعودؓ کی یاد میں ایک تحریک پیش کی تھی۔اب مشورہ کے بعد اس فنڈ کا نام'' فضل عمر فاؤنڈیشن'' تجویز ہوا ہے۔اس فنڈ سے بعض ایسے کام لئے جائیں گے جن سے حضرت مصلح موعودؓ کو خاص دلچسپی تھی۔اس میں شک نہیں کہ موجودہ شکل میں صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید، وقف جدید، انصار اللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ، لجنہ اماء للہ، ناصرات الاحمدیہ کی جو ذیلی تنظیمیں قائم فرمائی ہوئی ہیں۔وہ سب حضور کی یادگار ہیں۔اور جب تک یہ قائم ہیں۔اور جب تک ان تنظیموں کے اچھے اور خوشکن نتائج نکلتے چلے جائیں گے اس وقت تک حضرت فضل عمرؓ کا نام اور کام بھی زندہ رہے گا اور دنیا حضور کو عزت سے یاد کرتی رہے گی۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم حضورؓ کی یاد میں صدقہ جاریہ کے

طور پر نئی سکیمیں جاری نہ کریں اس لئے میں دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی تمام مالی قربانیوں پر قائم رہتے ہوئے اور ان میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر بشاشت قلب کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر اس فنڈ میں دل کھول کر حصہ لیں اور ساتھ ہی یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس فنڈ کو بابرکت کرے اور اس کے اچھے نتائج کا ثواب حضرت فضل عمرؓ کو بھی اور ہمیں بھی پہنچائے''۔حضورؒ نے مزید فرمایا:۔ ہمارا اندازہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پچیس لاکھ سے کہیں زیادہ رقم ہو جائیگی۔امید ہے کہ کم از کم پندرہ لاکھ روپے بیرونی جماعتیں ہی فراہم کریں گی۔اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنادی جائے گی۔جو اس کے قوائد ضوابط مرتب کرے گی۔اور غور کرے گی کہ کن کن کاموں پر اور کس طرح سے اسے استعمال کیا جائے۔'' پھر مجلس مشاورت 1966ء کے موقع پر 27 مارچ کو فرمایا:۔''فضل عمرؓ فاؤنڈیشن تو دراصل اظہار ہے اس محبت کا جو ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت فضل عمرؓ کے لئے پیدا کی اور یہ محبت اس لئے پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فضل عمرؓ کو جماعت پر بحیثیت جماعت اور لاکھوں افراد جماعت پر بحیثیت افراد بے شمار احسانات کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔تو خدا تعالیٰ کی حمد اور شکر کے طور پر اور اس محبت کے نتیجہ میں جو ہمارے دلوں میں اس پاک وجود کے لئے ہے ہم نے اسلام کی اشاعت کے لئے اس فاؤنڈیشن کو جاری کیا ہے۔اس میں بدعت اور معصیت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ہماری نیتیں صاف ہیں''۔یکم جون 1966ء کے الفضل میں حضورؒ کا یہ پیغام شائع ہوا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا پیغام

احباب کرام السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔۔۔۔

فضل عمر فاؤنڈیشن کی تحریک محبت وعقیدت کے اس چشمہ سے پھوٹی ہے جو احباب کے دل میں اپنے آقا المصلح موعود کے لئے موجزن رہی اور موجزن رہے گی۔امید ہے کہ آپ سب اپنے عمل سے اس کا ثبوت دیں گے۔جیسا کہ بعض احباب نے عملی ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔اور بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کو احسن جزاء عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ قربانی پیش کرنے کی توفیق عطا کرے۔آمین۔جزاکم اللہ وباللہ التوفیق۔خلیفۃ المسیح الثالثؒ 18 مئی 1966ء

اللہ تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت:

اس تحریک کے جاری کرنے کے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو بذریعہ

الہام اطلاع دی۔ ’’تینوں ایناں دیواں گا کہ تو رج جاویں گا‘‘۔حضورؒ کے علاوہ جماعت کے بعض دوستوں کو بھی بشارتیں ملیں۔حضورؒ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور موقع پر فرمایا:۔’’ایک دوست کو خواب میں حضرت مصلح موعودؓ نظر آئے۔آپ نے اس دوست کو کہا کہ اس کو یعنی مجھے یہ پیغام پہنچا دو کہ فضل عمر فاؤنڈیشن سے منارہ ضرور بنایا جائے اور منارہ کی تعبیر ایسے شخص کی ہوتی ہے جو اسلام کی طرف دعوت دینے والا ہو۔اس کا مطلب یہ تھا کہ فضل عمر فاؤنڈیشن سے جید علماء ضرور پیدا کیئے جائیں ۔ اس سے بے توجہی نہ برتی جائے بہت سی اور خوابیں بھی اور دوستوں نے دیکھی ہیں۔ہم نے فیصلہ کیا ہے۔کہ اس فنڈ کی رقم یعنی جو سرمایہ ہے اس کو خرچ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جن مقاصد کے پیش نظر فضل عمر فاؤنڈیشن کا قیام کیا گیا ہے۔ان کو پورا کرنے کے لئے جس قدر روپیہ کی ہمیں ضرورت پڑے گی وہ اس فنڈ کی آمد سے پورا کیا جائے گا‘‘۔

فضل عمر فاؤنڈیشن کے مقاصد

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے فرمودات کی روشنی میں فضل عمر فاؤنڈیشن کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

1۔حضرت مصلح موعودؓ کے بے مثال کارناموں اور عظیم الشان ان گنت احسانوں کی یادگار میں 25لاکھ روپے کا ایک ریزرو فنڈ قائم کرنا۔

2۔حضرت مصلح موعودؓ کی یاد میں صدقہ جاریہ کے طور پر اس نئی سکیم کا جاری ہونا۔

3۔اس فاؤنڈیشن کے قیام سے اسلام کی اشاعت میں سرعت پیدا کرنا۔

4۔اس فاؤنڈیشن سے جید عالم پیدا کرنا۔

5۔اس فنڈ سے بعض ایسے کام کرنا جن سے حضرت مصلح موعودؓ کی خاص دلچسپی تھی۔

6۔اس فنڈ کی رقم کہ جو سرمایہ ہے اس کو خرچ نہیں کرنا بلکہ اس فنڈ کو تجارت پر لگا کر اس کی آمد سے حاصل شدہ رقم سے جملہ کام سرانجام دینا۔

دفتر فضل عمر فاؤنڈیشن۔سب سے پہلا کام فضل عمر فاؤنڈیشن کے دفتر کے قیام کا تھا۔صدر انجمن احمدیہ کے احاطہ میں نوے سال کے لئے زمین پٹہ پر لے کر دفتر کی تعمیر کی گئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے دست مبارک سے 6اگست 1966ء کو دفتر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور 15 جنوری 1967ء کو فاؤنڈیشن کے صدر حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے دفتر کا افتتاح فرمایا۔

فضل عمر فاؤنڈیشن کے ثمرات

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 4 جولائی 1980ء کو بیت النور فرینکفورٹ مغربی جرمنی میں خطبہ جمعہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

''سب سے پہلے میری طرف سے فضل عمر فاؤنڈیشن کا منصوبہ پیش ہوا۔ جماعت نے اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق اس میں حصہ لیا اس کے تحت بعض بنیادی نوعیت کے کام سرانجام دیئے گئے یہ گویا ابتداء تھی ان منصوبوں کی جو خدائی تدبیر کے ماتحت غلبہ دین کے تعلق میں جاری ہوئے تھے۔''

1۔ **سوانح فضل عمر:** جس مقدس وجود کی یاد میں فضل عمر فاؤنڈیشن قائم کی گئی تھی۔ ان کی سیرت کے بارہ میں کتاب سوانح فضل عمر شائع کی گئی جس کی پانچ جلدیں ہیں۔

2۔ **حضرت مصلح موعودؓ کی تقاریر اور خطبات:** مصلح موعودؓ نے اللہ تعالیٰ کی بشارت ''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا'' کے مطابق اپنے باون سالہ دور خلافت میں بے شمار تقاریر و خطبات باون سال سے زائد کی اخباروں اور رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان سب کو اکھٹا کر کے محفوظ رکھنے کا کام اس فاؤنڈیشن کے بنیادی کاموں میں سے ہے اس سلسلہ میں خطبات محمود کے نام سے حضرت مصلح موعودؓ کے خطبات اور تقاریر کی 18 جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ کی تصانیف ''انوار العلوم'' کی 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

3۔ **خلافت لائبریری۔** حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ میں جماعت کے پاس لائبریری کی کتب تو تھیں لیکن ایک وسیع عمارت کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ چنانچہ آپؓ کی ہدایت پر ایک جدید لائبریری کی وسیع عمارت فضل عمر فاؤنڈیشن کے ذریعے تعمیر کی گئی۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دست مبارک سے 18 جنوری 1970ء کو رکھا گیا اور اس کا افتتاح بھی حضورؒ نے ہی فرمایا۔ جو بیس اکتوبر 1971ء کو عمل میں آیا۔ اس موقع پر حضورؒ نے فرمایا: ''یہ اتنی اہم چیز ہے کہ ہمارے مبارک کام اس سے وابستہ ہیں۔۔۔۔۔ اسلام مخالفوں کے اعتراضات کے جواب، تربیت یہ سب کام لائبریری سے ہی تعلق رکھتے ہیں اس لائبریری کا نام خلافت لائبریری رکھا گیا ہے

4۔ **انعامی مقالہ جات۔** فاؤنڈیشن نے ہر سال علمی تحقیق انعامی مقالہ جات لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کا مدعا علمی ذوق پیدا کرنا اور کتب تصنیف کرنے کی اس جامع سکیم پر عملدرآمد کرنا تھا۔ جو حضرت المصلح موعود نے 1949ء میں جماعت کے سامنے رکھی تھی۔ اول انعام حاصل کرنے والوں کو ایک ہزار

روپے سے اڑھائی ہزار روپے تک کے انعامات دیئے جاتے رہے ہیں۔خلافت ثالثہ کے اختتام تک 27 مقالہ جات پر انعامات دیئے گئے۔انعامات کی کل رقم 25 ہزار روپے کے لگ بھگ دی گئی۔

5۔سرائے فضل عمر۔خلافت ثالثہ میں جلسہ سالانہ پر فاؤنڈیشن نے 1974ء میں سرائے فضل عمر کے نام سے ایک گیسٹ ہاؤس تعمیر کیا جس کا سنگ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 30 جنوری 1974 کو اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔

6۔ٹرانسلیشن بوتھ:۔غیر ملکی مہمانوں کو جلسہ سالانہ پر اصل تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے تراجم سنانے کی دقت محسوس کی جارہی تھی۔غیر ملکی مہمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے یہ خواہش فرمائی کہ ترجمانی کے لئے آلات نصب کر کے غیر ملکیوں کو سہولت دی جائے۔ان آلات کی قیمت کے لئے ایک لاکھ روپے کا ابتدائی سرمایہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے فراہم کیا۔



دور خلافت ثالثہ میں اشاعت وخدمت قرآن کا عالم گیر منصوبہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت وسوانح کا ایک نمایاں پہلو تعلیم القرآن کے لئے بھرپور جدوجہد ہے آپؒ حافظ قرآن تھے۔اور قرآن پاک سے شدید محبت رکھتے تھے۔آپ کا ہر عمل قرآنی آیات کی تفسیر تھا۔آپ کی شدت سے خواہش تھی کہ جماعت کا کوئی فرد ایسا نہ ہو جسے قرآن شریف پڑھنا نہ آتا ہو۔آپ نے ایک موقع پر فرمایا:۔''قرآن کریم ہماری زندگی، ہماری سوچ، ہماری جان، ہمارا سب کچھ ہے''۔(حیات ناصر ص 317) آپ نے تعلیم القرآن کو خلیفہ وقت کا سب سے اہم ترین کام قرار دیا۔احباب جماعت کو قرآن کریم سیکھنے، سمجھنے، اور اس کی پیروی کرنے کی تلقین فرمائی ایک عظیم الشان کشف کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضورؒ کو تعلیم القران کے متعلق ایک زبردست بشارت دی۔جس کا ذکر کرتے ہوئے خطبہ جمعہ 5 اگست 1966ء میں حضورؒ نے فرمایا۔''پانچ ہفتے کی بات ہے ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں بہت دعاؤں میں مصروف تھا اس وقت عالم بیداری میں میں نے دیکھا کہ جس طرح بجلی چمکتی ہے۔اور زمین کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روشن کر دیتی ہے۔اس طرح ایک نور ظاہر ہوا اس نے زمین کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ڈھانپ لیا۔پھر میں نے دیکھا کہ اس نور کا ایک حصہ جیسے جمع ہو رہا ہے پھر اس نے الفاظ کا جامہ پہنا

اور ایک پرشوکت آواز فضا میں گونجی جو اس نور سے بنی ہوئی تھی اور وہ یہ تھی ''بُشریٰ لکُم '' یہ ایک بڑی بشارت تھی۔لیکن اس کا ظاہر کرنا ضروری نہ تھا۔ہاں دل میں ایک خلش تھی اور خواہش تھی کہ جس نور کو میں نے زمین کو ڈھانپتے ہوئے دیکھا ہے۔جس نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک زمین کو منور کر دیا ہے اس کی تعبیر بھی اللہ تعالیٰ مجھے سمجھائے۔چنانچہ وہ ہمارا خدا جو بڑا ہی فضل کرنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہے اس نے خود اس کی تعبیر مجھے اس طرح سمجھائی کہ گزشتہ پیر کے دن میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا اور تیسری رکعت کے قیام میں تھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی غیبی طاقت نے اپنے تصرف میں لے لیا ہے اور اس وقت مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ جو نور میں نے اس وقت دیکھا تھا۔وہ قرآن کا نور ہے۔جو تعلیم القرآن اور اور عارضی وقف کی سکیم کے ماتحت دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس مہم میں برکت ڈالے اور انوار قرآن اسی طرح زمین پر محیط ہو جائیں گے۔جس طرح میں نے اس نور کو زمین پر محیط ہوتے دیکھا ہے۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔(حیات ناصر ص63)

چنانچہ حضورؒ نے تعلیم القرآن کے کام کو تیز کرنے کے لئے بے شمار اقدامات فرمائے۔اور اپنے عہد خلافت میں جماعت کے ہر طبقہ اور ہر ذیلی تنظیم اور ہر ایک عہدیدار کو مختلف پیرایہ میں اس اہم فریضہ کی طرف توجہ دلاتے رہے۔حضورؒ نے قرآنی علوم کو دنیا میں پھیلانے کے لئے متعدد منصوبہ جات جماعت کے سامنے رکھے مثلاً: 1۔آپ نے تعلیم القرآن کو وقف عارضی کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے فرمایا:''بڑے بڑے کام جو ان دوستوں کو کرنے پڑیں گے ان میں سے ایک تو قرآن کریم ناظرہ پڑھنے اور باترجمہ پڑھنے کی جو مہم جماعت میں جاری کی گئی ہے اس کی انہیں نگرانی کرنی ہوگی۔اور اسے منظم کرنا ہوگا''۔(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 23 مارچ 1966)

2۔حضورؒ نے واقفین عارضی،تعلیم القرآن اور مجلس موصیان کی تنظیم کا الحاق کرتے ہوئے فرمایا: ''موصی صاحبان کا ایک بڑا گہرا اور دائمی تعلق قرآن کریم کو سیکھنے اس کے نور سے منور ہونے اور اسکی برکات سے مستفیض ہونے اور اس کے فضلوں کا وارث بننے سے ہے۔اسی طرح قرآن کریم کے انوار کی اشاعت کی ذمہ داری بھی ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تعلیم القرآن اور وقف عارضی کی تحریکوں کو موصی صاحبان کی تنظیم کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور یہ سارے کام ان کے سپرد کئے جائیں''۔نیز فرمایا:''قرآن کریم کے انوار کی اشاعت ہر موصی کا بحیثیت فرد اور اب موصیوں کی مجلس کا بحیثیت مجلس پہلا اور آخری فرض ہے اور اس بات کی نگرانی کرنا کہ وقف عارضی کی سکیم کے ماتحت زیادہ

سے زیادہ موصی اصحاب اوران کی تحریک پروہ حصہ لیں جنہوں نے ابھی تک وصیت نہیں کی‘‘۔

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 10اپریل1969)

3۔تعلیم القرآن کی اہمیت اوراس کے پروگراموں کوعملی جامہ پہنانے کے لئے اوران کی نگرانی کے لئے 1966ء کے اوائل میں حضورؓ نے نظارت اصلاح وارشاد تعلیم القرآن قائم فرمائی۔

4۔ستمبر 1969 میں حضورؒ نے سورۃ البقرہ کی ابتدائی سترہ آیات حفظ کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔’’میرے دل میں یہ خواہش شدت سے پیدا کی گئی ہے کہ قرآن کریم کی ابتدائی سترہ آیات ہر احمدی کو یاد ہونی چاہئیں اوران کے معنی بھی اور تفسیر بھی آنی چاہئیں اور پھر ہمیشہ دماغ میں مستحضر رہنی چاہیے۔۔۔ یہ مضمون اس اعتبار سے بنیادی حیثیت کا حامل ہے کہ اس میں ان بیماریوں سے بچنے کی راہیں بتائی گئی ہیں۔پس ہم میں سے ہر چھوٹے اور بڑے اور ہر عورت اور ہر مرد کو یہ آیات زبانی یاد ہونی چا ہئیں۔5۔حضورؒ خود حافظ قرآن تھے اوران کے دل میں یہ شدید تڑپ تھی۔کہ جماعت کے نوجوان کثرت سے حافظ قرآن بنیں۔ چنانچہ حضورؒ نے جماعت کے نوجوانوں کوتحریک فرمائی کہ وہ قرآن کریم کا ایک ایک پارہ حفظ کریں اس طرح تی خدام مل کر پورا قرآن حفظ کرلیں گے۔8۔بعثت مسیح موعودؑ کی ایک ہی غرض ہے وہ یہ کہ قرآن کریم کے خزائن کو بنی نوع انسان تک پہنچانا ہے۔حضورؒ کی نگاہ میں احادیث نبویہ اور کتب حضرت مسیح موعودؑ چونکہ قرآن کریم کی تفسیر ہیں اس لئے قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے انکا مطالعہ از حد ضروری قرار دیا۔فرمایا:۔’’ حضرت مسیح موعودؑ نے جو کچھ بھی کہا اور لکھا وہ قرآن کریم کی ہی تفسیر ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم میں سے بعض،بعض چیزوں یا بعض مضامین کے متعلق کچھ پریشان ہوں کہ ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ یہ قرآن کریم کی کس آیت کی تفسیر ہے۔لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ لاکھوں احادیث جوامت مسلمہ نے بڑی محنت اور جدوجہد سے محفوظ کیں سب قرآن مجید کی تفسیر ہے‘‘۔(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 26اگست1966ء)

پھر فرمایا:۔’’اس لئے مہدی موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہرایک کے پاس قرآن مجید کا عظیم متن موجود ہو۔اس کے لئے یہ ضرور ہے کہ متن کے ساتھ طباعت ہو اور قرآن کریم کو تجارتی نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ روحانی جذبہ کے تحت اس کی اشاعت ہو،دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ہر قوم اور ہر ملک کی زبان میں کیا جائے۔تاکہ دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کواس کے معنی ومفہوم کے ساتھ پہنچایا جاسکے‘‘۔(حیات ناصر ص 479)اشاعت قرآن کے

مقصد کی تلقین کی خاطر حضور نے ربوہ میں جدید پریس کا سنگ بنیاد رکھا اس موقع پر حضورؒ نے فرمایا:۔’’آج ایک اہم کام کی ابتدا کی جارہی ہے۔وہ ایک جدید اور بہترین قسم کے چھاپہ خانہ کی ابتداء ہے۔جس کی عمارت کا سنگ بنیاد اس وقت رکھا جائے گا خدا تعالیٰ نے چاہاتو اس کے فضل سے اور اسی کی رحمت سے ایک دن ہماری انتہائی خوشی بھی پوری ہو جائیگی۔تاہم مرکز احمدیت میں ایک مطبع سے تو ہمارا کام نہیں چلے گا یہ تو ایک اصل اور جڑ ہے جو اس باغ میں لگائی جارہی ہے جس کو چھاپہ خانوں کا باغ کہا جاسکتا ہے۔پھر پاکستان میں دوسری جگہوں پر بھی بڑے بڑے چھاپے خانے بن جائیں گے پھر دنیا کے ہر ملک میں ہماری ملکیت ہوں گےاور ہماری نگرانی میں چلنے والے ہوں گے(الفضل 15 جون 1970)

حضورؒ نے براعظم افریقہ اور یورپ کے لئے پریس کے منصوبوں کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

’’میں ایک اور بات بھی احباب جماعت سے کہنا چاہتا ہوں۔اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اشاعت قرآن کا ایک منصوبہ بنایا تھا جس کی خدا تعالیٰ کے فضل سے ابتدا ہو چکی ہے۔یہ منصوبہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ ہمارا چھاپہ خانہ ہو دوسرے یہ کہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ دنیا میں اشاعت کی جائے۔میں نے اس منصوبہ کے اعلان کے وقت بھی کہا تھا کہ ہمیں ایک نہیں سینکڑوں چھاپہ خانوں کی ضرورت پڑے گی۔تاہم ایک پریس کا کام شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بتایا کہ اس سے بھی ایک بڑا کام ہے۔تمہیں اس کی طرف توجہ دینی چاہیے۔چنانچہ یہ تفہیم ہوئی کہ اس پریس کے علاوہ ہمارے دو اور پریس ہونے چاہئیں ایک افریقہ میں اور ایک براعظم یورپ میں انگلستان میں یا جہاں حالات اجازت دیں۔ربوہ میں ایک جدید پریس کے قیام کا منصوبہ پچھلے سال سے تعلق رکھتا ہے دوسرے مرحلے میں قرآن کی ہمہ گیر اشاعت کا کام کرنا ہے‘‘۔(حیات ناصر جلد اول ص 483)

روانگی یورپ سے قبل 12 جولائی 1973 کو فرمایا۔’’یہ سفر خالصتاً اس لئے اختیار کیا جارہا ہے تا کہ یورپ میں۔۔قرآن کی اشاعت کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے منصوبوں کا اور وہاں پر ایک اعلیٰ قسم کا پریس قائم کرنے کا جائزہ لیا جاسکے اور اس غرض سے یورپ کے مختلف مشنوں اور وہاں کے احباب سے براہ راست مشورہ ہو سکے‘‘۔اسی دورہ کے دوران آپ نے زیورک میں فرمایا:۔ہمارا مطمح نظر خدمت خلق ہے نہ کہ روپیہ کمانا۔حضرت مہدی علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کے روحانی فرزند ہیں جو آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق مبعوث ہوئے ہیں۔اس زمانہ میں اور بھی مسلمان ہیں۔لیکن یہ ہماری جماعت ہے جو تبلیغ اور اشاعت قرآن کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔ہماری مساعی کے نتائج ہماری

کوششوں کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ اور بلند ہیں۔ دراصل ہماری کامیابی کا منبع ہماری کوششیں نہیں ہیں بلکہ ان کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا فضل ہے"۔

تراجم قرآن کریم کے منصوبے

21 دسمبر 1965ء کو آپ نے فرمایا:۔

مجھے ابھی خیال آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تدبیر کی کہ دنیا کے بہت سے ممالک صرف دو تین قوموں کے سیاسی اقتدار کے نیچے آ گئے۔ اس میں دنیا کے لئے ایک بہت بڑا فائدہ مضمر تھا۔ وہ یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ مسیح محمدی کو بھیجے تو یہ اشاعت ۔۔۔۔۔ کا کام آسان ہو جائے۔ ورنہ مسیح محمدی کے زمانہ میں اس وقت تک آپ کا یہ پیغام تمام دنیا میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جب تک اس کا ساری زبانوں میں ترجمہ نہ کیا جاتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت دنیا کی اقوام میں سے کچھ قومیں انگریزوں کے اقتدار کے نیچے آ گئیں اور کچھ جرمنوں اور کچھ فرانسیسیوں کے اقتدار کے نیچے آ گئیں۔ اس لئے ہم اسلام کا پیغام ان تینوں زبانوں کے ذریعہ اقوام عالم کی خاصی بڑی تعداد تک پہنچا سکتے ہیں اگر روسی اور چینی زبان کو شامل کر لیا جائے تو 80 فیصد آبادی کو ہمارا پیغام پہنچ جاتا ہے۔ دسمبر 1981ء کے جلسہ سالانہ پر حضورؒ نے اپنی اس خواہش کو دہراتے ہوئے فرمایا:۔"میرے دل میں بڑی تڑپ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی اور صحت دے اور میں دنیا کی تین اہم زبانوں فرانسیسی، روسی اور چینی زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کروا کے تفسیری نوٹس ان ممالک میں پہنچا دوں۔ اس سے دنیا کی نوے فیصد آبادی ایسی ہو گی جس کے ہاتھ میں قرآن شریف پکڑا دیا جائے گا"۔"اللہ تعالیٰ نے مجھے عزم بھی دیا ہے ہمت بھی دے اور میرا عزم ہے کہ جلد سے جلد یہ کام ہو جائے۔"(حیات ناصر جلد اول ص 490,491)

دورہ کینیڈا کے دوران دانشوروں اور سکالرز سے ملاقات

1980ء کنیڈا کے دورہ کے دوران کیلیگری کے مقام پر حضورؒ نے 9 ستمبر کو ماہرین علوم کے ایک وفد کو جس میں کیلیگری یونیورسٹی کے بعض دانشور اور سکالرز اور پروفیسرز شامل تھے۔ آپ نے ان سب کو شرف ملاقات بخشا اور انہیں قرآنی تعلیم کے بعض ایسے پہلوؤں سے روشناس کرایا جس کا براہ راست تعلق موجودہ زمانے سے ہے۔ پھر فرمایا:۔"اس ضمن میں میں آپ صاحبان سے یہ کہنا چاہتا ہوں قرآن ایک بہت عظیم کتاب ہے۔ اگر اس کی تعلیم اور مدنی زندگی سے متعلق اس کے بیان کردہ اصولوں پر عمل کیا جائے تو عالمگیر جنگ کے خطرات میں گھری ہوئی یہ دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن سکتی ہے کیونکہ یہ عظیم کتاب

سب کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے''۔(دورہ مغرب ص471,468)

قرآنی اقوام کی نجات کا ذریعہ:

اس طرح 1980ء میں جرمنی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حضورؒ نے فرمایا:۔''میں تمام اقوام پر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں۔کہ ان کی نجات قرآن کریم کی بے مثال اور لازوال تعلیم پر عمل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔دنیا مانے یا نہ مانے میرا مشورہ اور میری نصیحت یہی ہے کہ بنی نوع انسان قرآن عظیم کے بیان کردہ اصولوں کو اپنائے اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو خدا کی امام کے نیچے لائے۔جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے تیسری عالمگیر جنگ کے خطرہ سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔(دورہ مغرب ص46)اب ہم ذیل میں تراجم کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی غیر معمولی مساعی کا اسی ترتیب سے جائزہ پیش کرتے ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ میں انگریزی زبان میں ترجمہ اور تفسیر القرآن شائع ہوئی تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اس کے نئے ایڈیشن شائع کروائے۔نیز تفسیر القرآن انگریزی کا ایک جلد میں خلاصہ جو تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔1969ء میں شائع ہوا۔جرمن اور ڈچ زبان میں حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ میں ترجمہ شائع ہو چکا تھا۔اس کے نئے ایڈیشن وقتاً فوقتاً مختلف ممالک سے شائع ہوتے رہے۔ڈینش،انڈونیشین زبان میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ شائع کروایا سپرانٹو،یورو،گرمکھی،سندھی،بنگالی زبان میں ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے زمانے میں مکمل ہوا۔ہندی،منچن،چینی،یوگوسلاوین،سویڈن،افریقہ کی زبان ہاؤسا میں قرآن کریم کا ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور میں شروع ہوا۔(حیات ناصر ص496) اس کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دور میں تفسیر صغیر کا ایک اور ایڈیشن 1971ء کے جلسہ سالانہ پر شائع ہوا۔انگریزی ترجمہ قرآن 1977ء اور 1979ء میں شائع ہوا۔حضرت مسیح موعودؑ کی تفاسیر سورۃ البقرہ تا سورۃ الکہف مختلف جلدوں میں شائع ہوئیں۔آپ کے دور خلافت میں حضرت مصلح موعودؓ کے دیباچہ تفسیر القرآن کا فرانسیسی ترجمہ شائع ہوا۔(حیات ناصر جلد اول ص496)حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ساری دنیا میں قرآن کریم کی عظمت ثابت کرنے کے لئے اپنی خلافت کے بالکل آغاز میں اہل یورپ کو انتباہ فرمایا اور حضرت مسیح موعودؑ کی عظیم الشان پیشگوئیوں کو بڑی جرائت کے ساتھ اہل مغرب کے سامنے پیش کیا۔اور قرآن کریم کی تعلیمات کو اہل مغرب تک پہنچایا۔(حیات ناصر جلد اول ص464) حضورؒ کے دور خلافت میں قرآن کریم کی جو غیر معمولی اور کامیاب اشاعت ہوئی اس کے اعداد و شمار جمع کرنا

جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ بے شمار ہوٹلوں، لائبریریوں کے علاوہ ممتاز شخصیات کو گاہے بگاہے قرآن کریم پیش کئے گئے۔ مثلاً نائیجیریا کے سب سے بڑے ہوٹل کے لئے احمدیہ مشن کی طرف سے قرآن کریم کے دوسو نسخوں کا تحفہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ غانا کے ایک ہوٹل کے آٹھ سوستائیس کمروں کے لئے قرآن کریم کے نسخے دیئے گئے۔ مزید برآں سیرالیون میں 80 قرآن پاک ایک ہوٹل کے لئے پیش کئے گئے جزائر فی جی کے ہوٹلوں کے لئے 116 نسخے پیش کئے گئے۔

(الفضل ربوہ 11 اکتوبر 1973)

اسی طرح امام وقت کی یہ روشن کردہ شمع کا یہ قافلہ اپنے سالاروں کے ساتھ ہر دور خلافت میں خداداد راہنمائی، راستطاعت اور دعاؤں کے ساتھ اس شمع نور کو مسلسل روشن کرتا رہا۔ اور آج ہم پانچویں سالار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرالعزیز کی راہنمائی میں ساری دنیا کے دوصد ممالک میں ستر زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم مہیا کر چکے ہیں۔ الحمدللہ۔



محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی ایک عظیم الشان تحریک

LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE

تھی۔ آپؒ محبت کا سفیر بن کر ملک ملک اور قوم قوم محبت اور پیار کا سبق دیتے رہے۔ آپؒ کو اپنی جماعت سے بہت پیار تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ''جماعت اور خلیفۂ وقت ایک ہی وجود کے دونام ہیں''۔ (حیات ناصر ص 8)

قافلہ سالار، مجسم نور، سرتاپا محبت، حسن واحسان کا پیکر، شفقت ورحمت کا ایک میٹھا، خوشبودار اور ناپیدا کنار ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جس کی لہروں میں سکون، اور سکون میں طوفان کا سا جوش اور ولولہ جس کے حسن اور صداقت پر قدرت ثانیہ کی انمٹ مہر ثبت ہو چکی تھی۔ اور جو زلزلوں اور ابتلاؤں کی چکی میں پس کر بھی صحیح سلامت باہر واپس آیا۔ جس کا ارادہ پہاڑوں کی طرح اٹل اور جس کا صبر وتحمل ظلم کی ہر تلوار کو کند اور ستم کے ہر طوفان کا منہ موڑ دینے والا۔ جو عہد کی آواز تھا۔ جس کے قدم قدم پر نصرت الٰہی شامل حال رہی۔ جس کی دلآویز مسکراہٹ نے روتے ہنسا دیئے۔ مُردوں کو زندہ کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کا تیسرا باب تھا۔ جس کی جانب روحانیتوں کا یہ قافلہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ اس کے

مناقب بیان بھی کیئے جائیں تو کیسے؟ کتنی فتوحات، کتنی حسین یادیں، کتنی یادیں جو قدم قدم پر دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ رحمت اور محبت کا یہ بادل تو اوّل سے آخر تک کھل کر برسا اور متواتر برسا اتنا برسا کہ کیا اپنے کیا بیگانے اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب کے رگ و پے کو سیراب کر گیا۔

آپؒ کو قرآن کریم سے اس حد تک عشق تھا۔ آپ نے ساری عمر زندگی کے ہر شعبے میں قرآن کریم سے مدد لی۔ اور آیات قرآنی کو تمام شعبوں میں اس طرح نافذ فرمایا کہ آپ کا ہر عمل آیات قرآن کی تفسیر بن گیا۔ آپ نے جماعت کو محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں کا موٹو دیا۔ قرآنی تعلیمات کا نچوڑ پیش فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ”میں نے اپنی عمر میں سینکڑوں مرتبہ قرآن کریم کا نہایت تدبر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس میں ایک بھی آیت ایسی نہیں۔ جو دنیاوی معاملات میں ایک اور غیر میں تفریق کی تعلیم دیتی ہو۔ شریعت بنی نوع انسان کے لئے خالصاً باعث رحمت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے لوگوں کے دلوں کو محبت پیار اور ہمدردی سے جیتا تھا۔ اگر ہم بھی لوگوں کے دلوں کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے سب سے محبت نفرت کسی سے نہیں اور یہی طریقہ ہے دلوں کو جیتنے کا۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں“۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ محبت و شفقت کا مجسمہ تھے۔ مغربی جرمنی میں حضورؒ نے ایک موقع پر اپنی زندگی کا مطمح نظر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میں نے اپنی زندگی بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ میرے دل میں نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کا ایک سمندر موجزن ہے اس لئے میں انہیں راہِ فلاح کی طرف جو بلاشُبہ اسلام کی راہ ہے بُلا رہا ہوں۔ یہاں بھی محبت کا پیغام لے کر آیا ہوں اور وہ یہی ہے کہ انسان انسان سے محبت کرے۔ محبت کے نتیجہ میں محبت ہی پیدا ہوتی ہے۔ ہمیشہ محبت ہی غالب آتی ہے۔ اور تعصّب کے لئے سدا سے شکست مقدر ہے“۔ حضورؒ نے 1980ء میں چار برّاعظموں کا دورہ فرمایا اور محبت کا سفیر بن کر اپنی اس آفاقی تحریک کو دنیا کے کونے کونے میں بنفسِ نفیس پہنچایا۔

حضورؒ کی زندگی کا مسرور ترین لمحہ 9 اکتوبر 1980ء کو آیا جب حضورؒ نے سپین سے مسلمانوں کے اخراج کے سات سو پچاس سال بعد قرطبہ کے قریب پیدرو آباد کے مقام پر پہلی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر بھی حضورؒ نے یہی پیغام دیا۔ فرمایا ”احمدیت ہمیں یہ سبق سکھاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ خواہ وہ غریب ہوں یا امیر پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ۔۔۔۔ اسلام ہمیں باہم محبت اور اُلفت سے رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمیں انکساری سکھاتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ

انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے وقت ہمیں مسلم اور غیر مسلم میں کسی قسم کی کوئی تمیز روا نہیں رکھنی چاہیے۔انسانیت کا یہی تقاضا ہے میرا پیغام صرف یہ ہے کہ

LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE

یعنی سب کے ساتھ پیار کرو نفرت کسی سے نہ کرو‘ 1980ء میں حضورؒ نے پورے یورپ میں محبت کا پیغام دیا اور سوئٹزر لینڈ میں اس ارادے کا اظہار کیا کہ حضورؒ محبت کا سفیر بن کر سارے یورپ میں محبت کا پیغام دینے نکلے ہیں۔فرمایا:۔’’میں یورپی ممالک کا یہ دورہ اسی لئے کر رہا ہوں کہ یہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف سے امن کا پیغام دوں۔اور قیامِ امن کی حقیقی راہ انہیں بتاؤں۔چنانچہ میں جس ملک میں جاتا ہوں لوگوں کو یہی یقین دلانے کی کوشش کرتا ہوں کہ انسانیت کی بقا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنا سیکھو۔اس لئے میں محبت کے ایک سفیر کی حیثیت سے یہ دورہ کر رہا ہوں۔(حیات ناصر ص 658)اسی طرح انگلستان میں ایک کانفرنس کے دوران بھی اپنے اس آفاقی پیغام کو دہراتے ہوئے فرمایا:۔’’میں ایک مذہبی آدمی ہوں میں سیاست میں دخل نہیں دینا چاہتا۔میرا پیغام اسلام کا پیغام ہے دینِ حق کہتا ہے انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ بلا استثناء ہر انسان سے محبت کرو اور اس کے حقوق غصب نہ کرو۔۔اس بنیادی اصل پر عمل پیرا ہو۔’’محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں‘‘اور اسی لئے میں کہتا ہوں کسی اور کی طرف نہ دیکھو قرآن کی طرف آؤ‘‘۔(حیات ناصر ص 658) حضورؒ نے ہالینڈ میں پریس کانفرنس کے دوران لوگوں کو ایک عالمگیر تباہی سے متنبہ فرمایا اور اس تباہی سے بچنے کا واحد راستہ بتاتے ہوئے فرمایا۔’’دنیا بڑی تیزی سے ایک تیسری عالمگیر تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے۔اس تباہی کو محبت و پیار اور بے لوث خدمت کے ذریعہ انسانوں کے دل جیت کر اور خدائے واحد کے ساتھ ان کا تعلق قائم کر کے روکا جا سکتا ہے‘‘۔سکنڈے نیوین ممالک کے دورہ کے دوران بھی حضورؒ نے ان ممالک میں اپنی تحریک کا پرچار کیا۔اور اپنے پیغام محبت کا اعادہ کیا۔سویڈن میں گوٹن برگ کے مقام پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔’’میرا مشن یہ ہے اور میں یہاں کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانا چاہتا ہوں۔کہ ان کے مسائل کا حل اس امر میں مضمر ہے کہ وہ نوع انسان سے محبت کرنا سیکھیں۔۔۔۔۔میں یقین رکھتا ہوں کہ محبت و پیار اور بے لوث خدمت کے ذریعہ ایک دن ہم اسلام کے لئے تمہارے دل جیتنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس دن ہم تمہیں یقین دلا دیں گے

کہ ہم جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ اس سے جو پہلے تمہارے پاس ہے بہتر ہے تو تم اسلام کو قبول کئے بغیر اور اس کی آغوش میں آئے بغیر نہ رہو گے‘‘

ناروے میں اوسلو کے مقام پر مسجد نور کا افتتاح فرما کر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنے دورے کے مقصد سے آگاہ فرمایا کہ:۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے ان دونوں بڑی طاقتوں نے سوچا تھا کہ اگر ہم دونوں انتہائی مہلک ہتھیاروں کے انبار لگالیں گے تو اس سے دنیا میں قیام امن میں بہت مدد ملے گی۔ قیام امن کی اس انوکھی کوشش میں وہ ناکام ہو چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ امن کے لازوال اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انسانوں کو باہم ایک دوسرے سے محبت کرنے کی تعلیم دینے سے قائم ہوگا اس لئے میں محبت کا سفیر بن کر آیا ہوں‘‘۔ برّ اعظم افریقہ میں جو قومیں ہمیشہ محبت سے محروم چلی آرہی تھیں اور دنیا کی نفرت کا نشانہ تھیں ان تک بھی حضورؒ نے عملی طور پر اپنی تحریک کو جاری فرمایا۔ حضورؒ نے 1980ء کے دورہ مغرب کے دوران فرمایا۔

’’1980ء میں میں مغربی افریقہ کے دورہ پر گیا میں نے محسوس کیا کہ وہاں کے لوگ محبت کے بھوکے ہیں۔ ماضی میں ان پر اتنا ظلم وتشدد کیا گیا ہے کہ اب جب کہ وہ آزاد ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کوئی ان سے پیار کا سلوک کرے چنانچہ انہیں ایک نیا تجربہ ہوا جب میں نے ان سے محبت اور شفقت کا اظہار کیا تو وہ بہت ممنون ہوئے‘‘۔ نائیجیریا میں ایک صحافی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضورؒ نے فرمایا’’بنی نوع انسان کی محبت ہمارے دلوں میں ہے اور یہ محبت ہی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم انہیں راہ نجات دکھائیں اور جو خدمت بھی ہم سے بن پڑے اس کو بجالائیں‘‘۔ برّ اعظم امریکہ میں بھی حضورؒ محبت کا سفیر بن کر گئے۔ حضورؒ کی ان کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے ایک امریکی ریٹائرڈ جرنیل Gen.Roland delmary نے استقبالیہ تقریب میں کہا۔’’یہاں بہت سے لوگ ہیں جو آپ سے ملنے اور تبادلہ خیالات کرنے کے متمنی ہیں کیونکہ آپ جہاں بھی جاتے ہیں امن لے کر جاتے ہیں آپ امن کی باتیں کرتے ہیں امن ہی آپ کی گفتگو کا موضوع ہوتا ہے۔ امن کا پرچار ہی آپ کا مشن ہے۔ اور باہمی تفرقوں، مخالفتوں، نفرتوں کو ختم کرنا آپ کا مقصد ہے آپ کو تو امریکہ میں زیادہ عرصہ ٹھہرنا اور قیام کرنا چاہیے تاکہ ملاقات کے متمنی آپ سے مل سکیں اور آپ کے بیش قیمت خیالات سے مستفید ہو سکیں‘‘۔

کینیڈا میں حضورؒ نے ایک پریس کانفرنس کے دوران اپنی تحریک کو اپنے الفاظ میں یوں بیان

فرمایا:۔ مذہب کا تعلق دل سے ہے اور دل کو جبر سے یا قوت کے بل پر بدلا نہیں جاسکتا ساری دنیا کے ایٹم بم مل کر بھی ایک دل کو بدل نہیں سکتے دل ہمیشہ کسی عقیدہ کے باطنی حسن اور خوبی سے بدلتے ہیں یا محبت و پیار اور بے لوث خدمت سے۔ اسلام نہ نفرت سے پھیلا ہے اور نہ اب تلوار یا فوجی قوت سے پھیلے گا۔ پہلے بھی اسلام کے حسن نے دلوں مسخر کیا تھا اور اب بھی اس کا اپنا حسن نوع انسانی کے دلوں کو مسخر کر کے ان پر فتح حاصل کرے گا اور ہر قوم اور ملک کے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء کو جو جنگیں لڑنا پڑیں وہ سب دفاعی جنگیں تھیں انکا اسلام کی اشاعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پہلے قریش مکہ نے ظلم وستم کا بازار گرم کر کے اور پھر متعدد بار مدینہ پر حملہ آور ہو کر اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا اور پھر اس زمانہ کی دو بڑی طاقتوں قیصر و کسریٰ نے اپنی زبردست جنگی قوت سے اسلام کا نام ونشان مٹانا چاہا لیکن نہ قریش مکہ اور نہ قیصر و کسریٰ اسلام کو کالعدم کرنے میں کامیاب ہوسکیں اور اسلام اپنے باطنی حسن اور بے پناہ کشش کی وجہ سے دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔ قریش مکہ اور نہ قیصر و کسریٰ نے اسلام پر جو جنگیں مسلط کیں وہ اس بات کو دنیا میں آشکار کرنے کا موجب بنیں کہ دلوں کو جبر کے ذریعہ یا طاقت کے بل پر بدلا نہیں جاسکتا۔۔۔ہم پُرامن تبلیغ واشاعت کے ذریعہ اسلام کو پھیلانے میں کوشاں ہیں اور اس میں رفتہ رفتہ کامیابی ہو رہی ہے ایک وقت آئے گا کہ تمام نوع انسانی اسلام کے حسن کی گرویدہ ہو جائیگی اور دین واحد پر جمع ہو کر امت واحدہ کی شکل اختیار کر لے گی''۔

حضورؒ دنیا کے مختلف بّر اعظموں میں محبت کی سوغات بانٹتے رہے۔ جب آپ کیلیگری پہنچے تو آپ نے محبت کے پیغام کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:''اگر تیسری جنگ کی شکل میں سروں پر منڈلانے والی تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو ایک ہی خاندان کے افراد کی طرح ملکر زندگی گزارو سب کو یکساں درجہ دو اور سب کے یکساں حقوق تسلیم کروابھی وقت ہے ہمیں آج کچھ کرنا چاہیے تاکہ مستقبل میں اپنی دانشمندی اور دوراندیشی کی وجہ سے ہم ہنسیں اور خوش ہوں نہ کہ اپنی حماقتوں پر آنسو بہائیں خداہمیں اس کی توفیق دے''۔1980ء میں یورپ، امریکہ اور افریقہ کے تاریخی دورہ سے واپس آ کر جلسہ سالانہ ربوہ کے موقع پر حضورؒ نے جماعت کو اس سے قبل دیئے ہوئے ماٹوز''حمد'' اور''عزم'' میں دو مزید ماٹوز کا اضافہ فرمایا جو''محبت و پیار'' ''ہمدردی وخیرخواہی'' ہیں۔ حضورؒ کی تمام تحریکات انسان کی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قویٰ کا سامان کرتی ہیں اور ان کا خلاصہ

ہے، حمد، عزم، محبت و پیار اور ہمدردی و خیر وخواہی ۔۔۔حضورؒ نے پندرھویں صدی کے آغاز میں جماعت کو یہ ماٹو دیتے ہوئے ان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ پہلا ماٹو ''محبت اور پیار ہے'' ہم نے محبت و پیار سے دنیا بھر کے دل خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے جیتنے ہیں۔ ہمارا اگلا ماٹو خیر خواہی اور رحمت ہے دنیا سے فساد تبھی مٹ سکتا ہے کہ جب دنیا انانیت کو چھوڑ کر خدمت کے مقام پر کھڑی ہو گی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت بھلائی اور خیر خواہی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ کسی کو دُکھ دینا، کسی سے بُرائی نہیں کرنی۔ کوشش کرنی ہے کہ دنیا جو گنا ہوں، دکھوں بے چینی اور بے اطمینانی کی بھٹی میں جل رہی ہے یہ سب دور کر کے ماحول اور معیشت میں خوشی اور اطمینان پھیلا دیا جائے تا کہ دنیا سمجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واقعی دنیا کے حقیقی محسن اعظم تھے ''۔ (حیات ناصر)



حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی



سویابین استعمال کرنے کی تحریک

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے 1980ء میں پورے چار ماہ دنیا کے چار براعظموں میں پھیلے ہوئے تیرہ ممالک کا دورہ فرمایا۔ اس دوران آپ نے افریقہ کے سب سے بڑے شہر ابادان میں مرکز احمدیہ مسجد ابادان کا افتتاح فرمایا۔ وہاں تاریخی خطاب میں آپ نے سویا بین کے استعمال کی ہدایت فرمائی۔ ''اللہ تعالیٰ جسے سب قدرتیں اور طاقتیں حاصل ہیں۔ احمدی خاندانوں کو بڑے ذہین بچے عطا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم عطیہ کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ اور پوری کوشش کرنی چاہیے کہ یہ ضائع ہونے نہ پائیں۔ ہر احمدی کا فرض ہے کہ اس بات کا اہتمام کرے کہ اس کے بچے حتی المقدور اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کریں۔ اور اس طرح کوئی ایک ذہن بھی ضائع نہ ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے ہاں تعلیم کی شرح دوسروں کے مقابلہ میں بہت بڑھ جائے گی۔ اور تمہیں ایک ایسا امتیاز حاصل ہو جائے گا۔ جو پوری قوم کے لئے باعث فخر ہوگا۔ بچوں کی تعلیمی ترقی کا اہتمام کرنے

کے ضمن میں ان کی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔بعض خوراکیں بچوں کی جسمانی صحت اور ذہنی نشوونما کے لئے بہت مفید ہیں۔ان میں ایک سویابین بھی ضرور دینی چاہیے۔لیکن یہ احتیاط ضروری ہے کہ سویابین اصلی اور اعلیٰ قسم کی ہو۔سویابین کے متعلق جدید تحقیق یہ ہے کہ اس میں چوبیس فیصد تیل ہوتا ہے۔اس تیل میں ایک کیمیکل ہے۔ جسے لیسی تھین کہتے ہیں۔ یہ کیمیکل بچوں کی عام صحت اور بالخصوص سکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے ذہن کے لئے مفید ہے''۔(بحوالہ دورہ مغرب ص 348، 349)حضورؒ نے مزید فرمایا۔'' دماغی قوت اور ذہنی استعداد بڑھانے والے ایک خاص کیمیکل کا ذکر فرمایا جولیسی تھین کہلاتا ہےاوراس امر کی طرف توجہ دلائی۔ کہ بچوں کو مناسب مقدار میں سویابین (جس میں لیسی تھین کافی مقدار میں ہوتی ہے) ضرور استعمال کرنی چاہیئے''۔(دورہ مغرب ص؛8)ایک ڈینش بچی کے سر پر دستِ شفقت پھیرااوراس کے والدکو جوساتھ ہی کھڑے تھےنصیحت فرمائی کہ وہ بچی کوروزانہ لیسی تھین نامی دوااستعمال کرائیں تاکہ اس کا حافظہ اورذہانت اور بڑھےاوروہ اپنی کلاس میں اول آئے اور بڑی ہوکر یونیورسٹی میں بھی نمایاں اورامتیازی پوزیشن حاصل کرے۔پھر بچی کوامریکی فرم کے تیار کردہ سویابین لیسی تھین کے چھ کیپسول اپنے پاس سے مرحمت فرمائے۔اوراسے مخاطب کر کے فرمایا۔میں یہ کیپسول بطور تحفہ دیتا ہوں۔تم بازار سے مزید کیپسول خرید کر روزانہ استعمال کیا کرو۔(دورہ مغرب صفحہ 167۔167)اس ضمن میں ایک چھوٹی سی بات بتادوں کہ ایک نئی ریسرچ یہ ہوئی ہے کہ دال کی قسم کی ایک چیز سویابین ہے۔وہ اب پاکستان میں بھی لگانے کی مہم حکومت کی طرف سے جاری کی گئی ہےاس کے اندر بڑی خصوصیات ہیں۔اس کی بہت سی قسمیں ہیں بلکہ سینکڑوں ہیں۔سویابین میں 24 فیصد تیل (چکنائی) ہے۔اس چکنائی میں بڑی بھاری مقدار میں ایک کیمیائی جز پایا جاتا ہے۔اس کو''لیسی تھین'' کہتے ہیں۔یہ کیمیاوی جز وانسان کے حافظہ کے لئے بڑا مفید ہے۔طالب علم سویابین (لیسی تھین) کا استعمال کریں:۔یہ نئی ریسرچ ہوئی ہے کہ سویابین کھانے سے طالب علم 40 فیصد اپنا وقت بچالیتا ہے۔یعنی جس بات کے حفظ کرنے میں دس منٹ اس کو لگتے تھے وہ اس نے چھ منٹ میں حفظ کر لی تو بڑا فائدہ ہوگیا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ چھ گھنٹے اگراس نے کام کیا اس کا عام جو نتیجہ تھا وہ چھ کی بجائے دس نکلا پہلے دس گھنٹے میں اگراس نے چھ گھنٹے کی چیز حفظ کی تھی

پھر دس گھنٹے کی چیز چھ گھنٹے میں حفظ کرنے لگ گیا۔لیسی تھین میں اور بہت ساری خصوصیتیں ہیں۔میں بھی اس کو استعمال کرتا ہوں۔ایک بچہ ہمارا نوجوان مجھے ملنے کے لئے آیا۔محنت کی وجہ سے اس کی آنکھیں گڑھے میں گئی ہوئی تھیں۔چہرہ پر بڑی کمزوری کے آثار تھے۔کہنے لگا۔میں ستمبر میں فائنل ایم بی بی ایس کا امتحان دینے لگا ہوں تھک جاتا ہوں۔محنت کر رہا ہوں اور میں نے اپنا ٹارگٹ بنایا ہے کہ 70 فیصد نمبر لونگا۔میں نے کہا میں نے تمہارا ٹارگٹ بنا دیا ہے 80 فیصد نمبر لینے کا۔تو یہ دس فیصد نمبر میں نے۔۔۔ بڑھائے ہیں۔اس کے لئے ذمہ داری میری ہوگی۔میں تمہیں ایک نسخہ بتاتا ہوں۔لیسی تھین میں نے اسے بتائی۔اور میں نے تجربہ کروانے کے لئے اسے اپنے پاس سے چھ کیپسول دیئے۔اور کہا کہ تین دن ایک کیپسول صبح ناشتے کے ساتھ اور ایک دوپہر کھانے کے ساتھ کھاؤ۔تین دن کے بعد شام کو میرے پاس آکر بتانا،تمہیں کوئی اثر محسوس ہوا اس کا۔وہ تین دن کے بعد آیا۔پہلے تو میری نظر نے پہچانا کہ چہرے پر سے اس کی کمزوری دور ہوگئی۔بڑا صحت مند آنکھوں میں جان آئی ہوئی۔ایسی تیزی جو ذہانت کی تیزی،آنکھوں سے ظاہر ہوتی ہے۔مجھے کہنے لگا کہ میں پانچ گھنٹے کام کر کے تھک جاتا تھا اور اب یہ کیپسول جو کھائے ہیں۔میں دس گھنٹے بھی کام کر کے نہیں تھکتا۔میں نے کہا۔پھر میرے پاس تو ستمبر تک سویا بین کھلانے کے لئے نہیں ہے۔منگواؤ باہر سے۔اگر مجھے خدا توفیق دے تو میں ٹنوں کے حساب سے منگوا کر ہر ذہین بچے کو سویابین کھلاؤں۔اول تو سارا سال کھانی چاہیے۔لیکن کم از کم چار مہینے امتحان سے پہلے وہ کھانا شروع کرے تو وہ بہت ساری پچھلی کمیاں دور کر سکتا ہے۔بات جس کی طرف توجہ دینی ضروری ہے یہ ہے کہ اگر ذہین بچوں میں غذائیت کی کمی ہو تو اسے پورا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔تاکہ ان کی استعدادوں اور صلاحیتوں کی پورے طور پر نشوونما ہو سکے۔ایسے بچوں کو ایسی دوائیں دینی چاہئیں جن سے غذائیت کی کمی پوری ہو سکے۔ان میں سے ایک سویا لیسی تھین بھی ہے۔ہر بچہ کو اس کے کیپسول کھلانا شروع کر دیں اور دعا بھی کریں۔پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ ان کے ذہنوں کو کس طرح تیز کرتا ہے۔اور حصول علم میں ان کے لئے کتنی آسانی اور سہولت پیدا ہوتی ہے۔

(دورہ مغرب ص298۔299)



حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا اجمالی تعارف



میرے بچپن کے دن

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک منفرد نسبت اور دہرا تعلق تھا جس کا ذکر حضورؒ نے اردو کلاس میں فرمایا۔ حضورؒ اس لطیف نکتے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کون سی ایسی نسبت ہے جو میرے سب بھائیوں میں سے کسی کو بھی نہیں صرف مجھے ہے۔ کوئی بتا سکتا ہو تو اس کو انعام ملے گا۔۔۔ حضورؒ نے فرمایا:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے مرزا مبارک احمد تھے۔

برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اسے بلایا

وہ سب سے چھوٹے بچے تھے اور مسیح موعودؑ کو ان سے بہت پیار تھا اور آٹھ برس کی عمر میں ان کو ایک ایسی بیماری ہوئی کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ یہ بچہ اب بچ نہیں سکتا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کسی نے پیغام بھجوایا (کسی بزرگ نے خلیفہ اول تھے یا کوئی اور) کہ تعبیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ (خوابیں بھی آ رہی تھیں قطعی طور پر، اور خوابوں میں ان کی شادی دکھائی گئی تھی اور پتہ نہیں تھا کہ کس سے) اگر کسی کی شادی دیکھی جائے اور پتہ نہ ہو کہ کس سے ہو رہی ہے تو اس کا مطلب ہے موت۔ پس بیماری بھی ایسی لگی کہ جس سے شفا ممکن نہیں نظر آ رہی تھی۔ خواب بھی ایسی آ گئی جس کے بعد وفات تھی۔ لیکن کسی نے لکھا کہ تعبیر کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اگر ایسے بچے کی واقعۃً شادی کروا دی جائے تو بعض دفعہ خطرے کا پہلو ٹل جاتا ہے۔ اب آٹھ سال اور کچھ مہینے کی عمر اور موت کا پتہ نہیں تھا کہ کب آ جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اتنا پیار تھا۔ آپ کا دل چاہتا تھا میں یہ بھی کر دیکھوں شاید اس طرح بچ جائے۔ حضور رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحن میں میری امی کھیل رہی تھیں۔ چھوٹی عمر تھی۔ آپ نے پوچھا یہ بچی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ سید عبدالستار شاہ صاحب کی بیٹی ہیں جو نیچے رہتے ہیں۔ میری امی کی امی بھی ساتھ تھیں۔ فرمایا: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھو کتنا

یقین تھا اپنے عاشقوں پر کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میری بات ٹال دیں۔آپ نے فرمایا:۔اس کی شادی میرے مبارک سے کردو۔انہوں نے کہا میں جاتی ہوں نیچے اور ڈاکٹر صاحب سے پوچھتی ہوں۔نیت یہ تھی کہ وہ نہیں بھی کہیں گے تو میں آ کے ہاں کہہ دوں گی۔لیکن چونکہ ولی وہ بنتے تھے اس لیے پوچھنے چلی گئیں۔وہ وہاں نہیں تھے کچھ دیر انتظار کیا اتنے میں وہ آ گئے ان سے پوچھا۔انہوں نے کہا سوال ہی نہیں انکار کا۔کردو بسم اللہ۔اس طرح انہوں نے اپنی طرف سے قربانی دی اور میرا رشتہ مسیح موعود علیہ السلام سے دُہرا بن گیا۔اسی ماں کے پیٹ سے میں پیدا ہوا جس کے پہلے خاوند بھی مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے تھے اور دوسرے خاوند بھی مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے ،تو قربانی دی۔اللہ نے رنگ کتنے لگائے پھر آپ کی قربانی کو۔یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے سلوک ہے۔یہ مخفی باتیں ہیں۔لوگوں کو پتہ نہیں لگتیں۔یہ میرا رشتہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ۔مصلح موعود کے بچوں میں سے کسی اور کا نہیں ہے۔ہوسکتا ہے تو دکھائیں؟ سب بھائیوں میں سے مَیں ہوں کہ جس کو مسیح موعود سے دوطرف سے نسبت ہے ایک پہلے بیٹے سے ان کی بھی میری ماں سے شادی ہوئی اور ایک دوسرے بیٹے سے جن کا میں بیٹا بنا اور اس طرح میری امی کو جو سعادت ملی اللہ نے اسے قبول فرمایا۔یہ سوال تھا۔جو آپ لوگوں کو نہیں آیا جس کا جواب آپ میں سے کوئی ایک بھی نہیں دے سکا۔لیکن اب سب دُنیا کو پتہ لگ جائے گا۔(اُردو کلاس نمبر 336۔الفضل 20 مارچ 1999ء)

حضرت مُصلح موعود نوّر اللہ مرقدہ کا نکاح حضرت سیّد سرور شاہ صاحب نے حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ کے ساتھ 7 فروری 1921ء کو پڑھا اور خطبہ نکاح میں فرمایا:

''میں بوڑھا ہوں۔میں چلا جاؤں گا مگر میرا ایمان ہے کہ جس طرح سے پہلے سیدہ سے خادم دین پیدا ہوئے اسی طرح اس سے بھی خادم دین ہی پیدا ہوں گے۔یہ مجھے یقین ہے۔جو لوگ زندہ ہوں گے وہ دیکھیں گے''۔(الفضل 14 فروری 1921)

ولادت:

18 ردسمبر 1928ء کو حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی ولادت باسعادت ہوئی۔آپ نے حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ جیسے جلیل القدر باپ کے زیر سایہ اور حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ جیسی عظیم ماں کی آغوش میں تربیت پائی۔حضورؒ کے بچپن کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں جو آپ نے خود اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائے۔

حضور رحمہ اللہ کا نام کس نے رکھا۔

فرمایا: میرا نام ظاہر بات ہے ابا جان نے ہی رکھا تھا اور اس کا مطلب ہے کہ پاک طاہر۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ اس لئے غالباً اسی کے نام پر رکھا تھا۔ (الفضل 30 نومبر 2001)

حضورؒ نے اپنی والدہ کی کون سی عادات اپنائیں

حضورؒ فرماتے ہیں: ان کو ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عشق تھا اور یہ مجھے بہت پسند آئی۔ بچپن سے دل پر اثر ہے اس بات کا اور جس طرح بچوں کو لوریاں دیتے ہیں اس طرح وہ نغمہ مجھے ان کا یاد ہے بہت کم موقع ملتا تھا ان کو بچوں کا خیال رکھنے کا۔ مگر مجھے وہ یاد ہے۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَا لِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَا لِہٖ

بڑے درد سے پڑھا کرتی تھیں۔ ایک تو یہ بات مجھے بہت پیاری لگتی تھی۔

دوسرا نماز کا بڑا شوق تھا۔ میں کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ وہ مؤذّن میرا ابھی تک زندہ ہے جرمنی میں۔ جس کو یہ حکم ملا ہوا تھا کہ مجھے جا کے اٹھاؤ صبح نماز پر اور میری نیند بڑی پکی ہوتی تھی۔ اب تو دوائیاں وغیرہ کھانی پڑتی ہیں بعض دفعہ۔ مگر بہت پکی نیند تھی اتنی کہ گرتے ہی سو جاتا تھا۔ وہ زمانہ ہی بڑے مزے کا تھا۔ اس وقت تکیے پہ سر رکھا اور پتہ نہیں کہاں گئے اور سوتے میں عجیب عجیب باتیں میں نے سوچی ہوتی تھیں۔ عطا محمد ان کا نام تھا جو مجھے نماز کے لئے جگانے آتے ہوتے تھے۔ ویسے تو ساری نمازوں پر سب بچوں کو بہت زور دیا کرتے تھے۔ مگر صبح کی نماز کی عادت جو ہے امی کی وجہ سے پڑی ہوئی ہے۔ انہوں عطا محمد کو کہا ہوا تھا کہ آ کر اس کو ہلایا کرو اور اچھی طرح جگایا کرو اور جب جاگ جائے تو اس کو (بیت الذکر) میں لے جاؤ۔ اگر نہ جاگے تو اٹھا کر لے جاؤ اور گرمیاں ہوں یا سردیاں ٹوٹی کے نیچے جا کر اس کا منہ رکھو اور جب پانی پڑے گا پھر آنکھ کھلے گی اور مجھے یہ یاد ہے بڑا لطیفہ ہے یہ بھی کہ وہ مجھے ٹانگ سے ہلایا کرتا تھا۔ میں کہتا کہ ٹانگ تو اُٹھ گئی ہے اب کیا کر رہے ہو۔ پھر وہ بازو ہلایا کرتا تھا پھر وہ دوسری ٹانگ ہلاتا تھا۔ پھر میں وہی جواب دیتا تھا یہ بھی ٹانگ اُٹھ گئی ہے بس۔ پھر بایاں بازو۔ میں نے کہا بس بھی کرو اب۔ تو پھر مجھے اٹھا کر لے جاتا تھا اور گرمیاں ہوں یا سردیاں ٹوٹی کے نیچے میرا منہ رکھ کے تو ایک دم ٹوٹی کھول دیتا

تھا۔ پھر ایک دم میں سارا اٹھ جایا کرتا تھا۔ دایاں بازو۔ بایاں بازو سب اکٹھے اٹھ جاتے تھے سارے۔ یہ بات مجھے یاد ہے جو بہت اچھی لگا کرتی تھی۔ (الفضل یکم جولائی 2000ء)

پاکیزہ لوری

حضور رحمہ اللہ کو یہ اشعار بہت پسند تھے۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ و اٰلِہٖ

ان اشعار کے بارے میں فرمایا: تم لوگوں کو بتادوں کہ میں نے سب سے پہلے یہ اشعار کب اور کس سے سنے۔ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔ میری امی کو یہ اشعار بہت پسند تھے اور اکثر تو ان کو وقت ہی نہیں ملا کرتا تھا بچوں کو پوچھنے کا۔ لیکن اگر کبھی وقت ملے اور میں چھوٹا ہوتا تھا ابھی۔ تو وہ مجھے یہ لوری دیا کرتی تھیں اور ہلکی آواز ان کی بڑی پیاری ہوا کرتی تھیں۔ یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ بہت میرے دل پہ اثر تھا۔ وہ ساتھ گاتی جاتی تھیں اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔ کبھی بھی میں نے ان کو اس لوری کو بغیر آنسوؤں کے پڑھتے نہیں دیکھا، مسلسل آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور یہ پڑھتی رہتی تھیں۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

میں سمجھتا ہوں یہی جو اُن کا جذبہ ہے یہی ان کی بخشش کے لیے اللہ چاہے تو کافی کرسکتا ہے۔ (الفضل 7 جون 1999)

بچپن میں چندہ کی عادت

اس زمانے کے لحاظ سے ایک ہفتے کا ایک آنہ ملا کرتا تھا تو مہینے میں چار آنے ملتے تھے تو ہم سے وہ ایک آنہ (ایک ہفتے کا) لے لیا کرتی تھیں کہ یہ فلاں چندہ میں ڈالا جائے گا۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس وجہ سے مجھے بھی بچپن سے ہی چندہ دینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان

ہے۔آپ بھی اپنے بچوں کو چندہ دینے کی عادت ڈالیں۔ان کو کچھ دیں اور ان سے پھر واپس لیں اور بتائیں کہ یہ اس مد میں ہم تمہاری طرف سے خرچ کریں گے۔(الفضل انٹرنیشنل 7 تا 13 فروری 2003)

قرآن کریم کا ترجمہ

فرمایا: قرآن کریم کا ترجمہ تو میں نے خود ہی پڑھا تھا۔کلاس میں تو ہم پڑھا کرتے تھے۔استاد بھی پڑھایا کرتا تھا مگر اصل ترجمہ میں نے خود ہی پڑھا تھا۔(الفضل 17 جون 2000ء)

رفقاء کی صحبت

بچپن میں اکثر (رفقا) کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا اور کئی ایسے (رفقاء) تھے جو خاموش رہا کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھنے سے دل میں نیکی ترقی کرتی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف دل کا رجحان بڑھتا تھا۔
(الفضل انٹرنیشنل 26 جون تا 2 جولائی 1998)

خدمت دین کا شوق

جب میں اطفال میں تھا تو جو بھی اطفال کا کام میرے سپرد ہوتا تھا۔میں کیا کرتا تھا اور ہم وقارِ عمل بھی کیا کرتے تھے اور میں اطفال میں دس بچوں کا سائق بھی بن گیا تھا۔جو اچھے شوق سے خدمت کرنے والے بچے ہوتے تھے نا ان کو سائق بنا دیا کرتے تھے تو میں بھی سائق بن گیا تھا۔(الفضل 16 مارچ 2000ء)

ابتدائی کلام

عجیب اتفاق ہے کہ آج کل میں یہی کام کر رہا ہوں کہ اپنی پُرانی نظمیں نکال کے تو ان کو ٹھیک کر رہا ہوں۔کچھ تو آج لکھنے کے لیے ٹھیک کر کے دے دی ہیں اس کا عنوان بھی عجیب سا ہے ''بدلا ہوا محبوب'' اس کا آخری شعر یہ ہی

جا کہ اب قرب سے تیرے مجھے دکھ ہوتا ہے
اے شب غم کے سویرے مجھے دکھ ہوتا ہے

تو کس حال میں آیا۔کتنا انتظار کروایا۔دیکھا بھالا صبح و شام یاد کیا اور اب آیا بھی ہے تو یہ حال کہ غیر کے بھیس میں لپٹا ہوا۔کیا خوب آیا ہے

نظر اسکی ہے، سب اندازِ نظر غیر کے ہیں

اس قسم کے شعر ہیں سارے زبانی یاد نہیں، یہ تو اتفاق سے آج ہی میں نے یہ نظم دہرائی ہے۔دوبارہ جب چھپے گا نا میرا کلام اس میں جو پُرانی نظمیں تھیں وہ بھی شامل ہو جائیں گی۔تو یہ اس زمانے کی نظم ہے

اور پرانی نظموں میں سے اور بھی ہیں بعض مزے مزے کی۔

یہ میری آنکھیں شعلے ہیں یا جلتے ہیں پروانے دو
یہ اشکِ ندامت پھوٹ پڑے یا پھوٹ گئے پیمانے دو
پہلے تو میری موجودگی میں تم اکتائے سے رہتے تھے
اب میرے بعد تمہارا دل گھبراتا ہے گھبرانے دو

یہ بھی پرانی نظموں میں سے ہے۔ بہت پرانی نظم ہے مجھے اتنا یاد ہے کہ غالباً ابھی کالج میں گیا تھا اس وقت میں نے کہی تھی اور اس وقت جو بیٹھے ہوئے تھے سارے۔ میری نظر اٹھی تو سارے رو رہے تھے بیچارے۔ تو بچپن سے ہی شوق تھا۔ (الفضل 22 جولائی 2002ء)

پسندیدہ مضمون

فرمایا: جو میری پسند کے Subjects تھے وہ سکول میں تھے ہی نہیں۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا مگر اپنی مرضی سے پڑھتا تھا۔ سکول کی پڑھائی میں نے اچھی نہیں کی ہوئی۔ میری اس مثال کو نہ پکڑ لینا۔ (الفضل 21 اپریل 2000ء)

فرمایا: میرا خیال ہے اگر میں غور کروں تو غالباً سائنس کے لیکچر مجھے پسند تھے حساب وغیرہ سے مجھے نفرت تھی۔ (الفضل 25 نومبر 2000ء)

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان رہا ہے مجھ پر کہ باوجود ان پڑھ ہونے کے ان علوم کی طرف بچپن ہی سے مجھے توجہ رہی اور ہمیشہ جب بھی کسی رسالے میں یا کسی کتاب میں ایسے علوم جو سائنس کی گہرائیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے جیسے کم علم آدمی کے لئے بظاہر ان کا سمجھنا ممکن نہیں تھا مگر اگر دلچسپی ہو تو سائنس کے علوم بہت گہرائی سے سمجھ آتے ہیں۔ پس ہمیشہ سے مجھے دلچسپی رہی اور اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان علوم کی گہرائی تک اترنے میں مَیں نے صرف کیا لیکن علم نہیں تھا کہ کیوں ایسا کر رہا ہوں۔ اب جب یہ کتاب (Revelation Rationality Knowledge and Truth) لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو میں حیران ہوا کو وہ ساری باتیں جو میں نے چالیس چالیس سال پہلے پڑھی ہوئی تھیں ان سب کی مجھے ضرورت تھی۔ پس ساری زندگی کے میرے علم کی جستجو کا یہ ماحصل ہے اور اس پہلو سے مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ جب بھی کسی متعلقہ حصے کو اس علم کے ماہر کو دکھایا گیا اس نے کبھی اس پہ ایسا اعتراض نہیں کیا کہ تم اس کو سمجھ نہیں سکے، اصل مراد کچھ اور تھی۔ (الفضل انٹرنیشنل 21 تا 27 نومبر 1997ء)

کتابیں تو بے شمار پسند تھیں۔سب سے پہلے تو بچپن میں کہانیوں کی کتابیں پڑھی تھیں اور پھر بڑے ہو کر سنجیدہ مذہبی کتابوں کا شوق شروع ہوا لیکن بچپن میں سب سے پہلے تو کہانیاں ہی پسند تھیں۔سب بچوں کو کہانیاں ہی پسند آتی ہیں۔ (الفضل 9 اگست 2001ء)

امی جان کی خواہش

میں تو کچھ بھی نہیں بننا چاہتا تھا۔میری امی کی خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں۔ہر وقت مجھے کہتی رہتی تھیں کہ ڈاکٹر بنو، پڑھائی کرو اور پڑھائی میں مَیں اتنا نکما تھا کہ ڈاکٹر بن ہی نہیں سکتا تھا۔مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس طرح ہومیو پیتھک ڈاکٹر بنا دیا۔سب دنیا کی خدمت کر رہا ہوں۔کتاب لکھی ہے لوگوں کو دوائیاں بھجواتے ہیں۔تو میری امی کی خواہش بھی پوری ہوگئی اور مجھے بھی خدمت کا موقع مل گیا۔اگر میں ڈاکٹر ہوتا تو جو موجودہ کام میرے سپرد ہے یہ مشکل ہوتا۔(الفضل 29 جنوری 2001ء)

معصومانہ شرارتیں

فرمایا: بہت شرارتیں کیا کرتا تھا اور شرارتوں کی سزا بھی ملا کرتی تھی، آپ ہی آپ قدرت کی طرف سے۔وہ جو میری شرارتیں تھیں نا، میں کوشش کرتا تھا کہ امی کو نہ پتہ چلیں۔ایک تو شرارت کی سزا ویسے مل جاتی تھی، اوپر سے پھر امی ماریں گی۔اس لئے میں اپنی شرارتوں کو چھپایا کرتا تھا۔مثلاً ہمارے ہاں نلکا لگانے کے لئے کنواں کھود رہے تھے۔کنواں ذرا تنگ تھا۔تو میں نے دیکھا اس میں مزدور نیچے اترتے ہیں رسی پکڑ کر ایک ٹانگ ادھر دیوار کو لگا لی اور ایک دوسری طرف لگا لی آہستہ آہستہ نیچے اتر گئے۔میں نے کہا میں بھی تماشا دیکھتا ہوں۔میں جو رسی پکڑ کے اترا، میری چھوٹی چھوٹی ٹانگیں تھیں، نہ ادھر دیوار کو لگیں اور نہ ادھر دیوار کو لگیں سیدھا رسی سے گھسٹ کر نیچے چلا گیا اور دونوں ہاتھوں کے چمڑے اتر گئے۔پتہ نہیں پھر میری آواز سن کر مزدوروں نے مجھے نکالا، کس طرح نکالا۔ہاتھوں کے اوپر اندر کی چمڑی بالکل ختم ہوگئی تھی۔کتنی تکلیف ہوتی ہے۔مگر میں نے امی کو پتہ نہیں لگنے دیا کیونکہ مجھے پتہ تھا ایک شرارت یہ کی ہے اس کی سزا تو مل ہی گئی، اوپر سے امی بھی ماریں گی۔اس لئے میں اپنی شرارتیں چھپایا کرتا تھا۔ہم بعض دفعہ درختوں کے اوپر پھل گرانے کے لئے پتھر مارتے تھے پیشتر اس کے کہ پتھر نیچے گرتا دوڑ کے سب سے پہلے پہنچا کرتے تھے اور سر کے اوپر روڑے پڑ جایا کرتے تھے۔کافی سزا اس کی بھی مل جایا کرتی تھی مگر بتاتے نہیں تھے کسی کو کہ اگر بتایا تو پھر مار پڑ جائے گی۔(الفضل 23 فروری 2000ء)

مشاغل

فرمایا: اپنی مرضی کی کہانیاں پڑھنی اور کھیل کود اور گھڑسواری اور کبڈی اور کبھی فٹبال اور سب سے زیادہ تو مجھے گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔ اور بچپن سے ہی گھڑسواری کا شوق اللہ نے دل میں ڈال دیا تھا۔ میں اچھی کرلیا کرتا تھا۔ (الفضل 16 مارچ 2000ء)

خط لکھنے کا شوق

خط کا مجھے بچپن سے شوق ہے بڑا مزا آتا ہے خط لکھنے کا۔ اب تو وقت نہیں رہا۔ مگر میں سال میں ایک دفعہ کسی کا جواب دیتا ہوں اپنے ہاتھ سے مگر وہ بھی بہت ہوجاتے ہیں۔ اچھے خط جو ملتے ہیں ان کو ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے لکھتا ہوں۔ میں کہتا ہوں ساری عمر رکھوا پنے پاس۔ اور جس سٹائل میں مجھے کوئی لکھے اسی سٹائل میں لکھتا ہوں۔ اس سٹائل کو تھوڑا سا اور آگے کر دیتا ہوں اور وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ آپ نے تو کمال کر دیا۔ میں کہتا ہوں میں نے نہیں کمال کیا۔ میں نے آپ کے خط کو اپنا لیا ہے۔ آپ نے جو مجھے لکھا کہ آپ کے دل میں کیا کھجلیاں تھیں۔ آپ کو اسی انداز میں لکھتا ہوں۔ یہ جتنے خط ہیں جواب کے وہ لکھنے والے کی شکل ہے اصل میں۔ اسی کی تصویر اتارتا ہوں۔ یہ مجھے شوق تھا بچپن سے، مجھے خط لکھنے کا بہت شوق تھا۔ ضروری نہیں کہ کسی آدمی کو لکھوں۔ میرے پاس اتنے خط تھے پڑے ہوئے اپنے لکھے ہوئے۔ کسی کے نام نہیں، خیالی۔ اے میرے پیارے دوست! السّلام علیکم۔ اس میں مزے مزے کی باتیں۔ کیا دیکھا، کیا سوچا اور بڑے اچھے اچھے خط بند کر کے میں رکھے جاتا ہوں۔ وہ سارے چوری ہو گئے۔ پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ لیکن ابھی بھی میرے پاس کافی خط پڑے ہوئے ہیں پُرانے۔ ہر ایک کا مشغلہ ہوتا ہے نا ایک۔ میرا مشغلہ خط لکھنا تھا اور اچھے خط اکٹھے کرنا۔ خط کا طریقہ ہی یہی ہے جو دل میں آئے ڈال دو۔ بہترین خط بن جاتا ہے۔ (الفضل 16 اکتوبر 1998ء)

شجر کاری

فرمایا: ہم جب چھوٹے ہوتے تھے ہم اپنی مرضی کا کوئی نہ کوئی درخت لگایا کرتے تھے، بچے اپنے درخت کو بڑھتا دیکھتے ہیں ان کو اچھا لگتا ہے وہ دیکھتے دیکھتے اونچا ہوجاتا ہے۔

(الفضل 16 اکتوبر 1998۔ اردو کلاس نمبر 292)

پسندیدہ کھیلیں

میں بہت کھیلا کرتا تھا۔ تمہیں کتنے سپورٹس گنواؤں گلّی ڈنڈا، گھڑسواری اور فٹ بال بھی، میرو ڈبہ اور

وہ جوسٹک کی فائٹ ہوا کرتی ہے جسے گتکا کہتے ہیں کوئی لاٹھی مارے تو ایک آدمی بعض دفعہ دو دو تین تین کا مقابلہ کرسکتا ہے اس کا مجھے بھی بڑا فن آتا تھا اور میں ایک ایک دو دو تین تین کو لگا لیا کرتا تھا کہ آؤ مارو اور سب کو بھگا دیتا تھا۔ تو گتکا ایک خاص کھیل ہے۔ وہ مجھے بہت اچھی آتی تھی۔ میں کافی سپورٹس کھیلا ہوا ہوں۔ خاص طور پر گھڑ سواری بھی مجھے پسند تھی۔ (الفضل 13 مئی 2000ء)

شکار

ہم پہلے غلیلوں سے شکار کیا کرتے تھے۔ پھر ایک گول چھرے والی بندوق پہلی دفعہ مجھے ملی۔ غالباً اُس وقت میں پانچویں میں پڑھتا تھا۔ اس سے بڑے جانور نہیں مارے جاتے تھے چھوٹے جانور (چڑیاں وغیرہ) ہم اس سے مارا کرتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ دوسری بندوقیں شروع ہوگئیں۔ گیارہ سال کی عمر میں تو مَیں ڈبل بیرل شارٹ گن سے مرغابیاں مارا کرتا تھا اور کافی بڑا شکار کھیلا کرتا تھا۔ (الفضل 29 جنوری 2001ء)

دعوۃ الی اللہ

فرمایا: پہلے دوست بناتا تھا۔ پھر دعوت الی اللہ کرتا تھا۔ کافی دوست ایسے بنائے ہوئے تھے کالج میں۔ اول تو اچھے لڑکے دوست بنا کرتے تھے۔ پھر دوستی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ بات کھل جایا کرتی تھی پھر دعوت الی اللہ شروع ہوجاتی تھی۔ بہت پیارے پیارے ایسے دوست تھے۔ (الفضل یکم جولائی 2000ء)

ایک سوال کے جواب کے دوران حضورِ انورؒ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اپنے تعلق اور نسبت کے متعلق ناظرین کو بتایا کہ بچپن میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لٹریچر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کے Defence میں پڑھا کرتا تھا تو میں خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرتا تھا کہ اے خدا! جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آقا اور مطاع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت کی حفاظت میں سینہ سپر ہوجاتے ہیں مجھے بھی یہ توفیق دے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا Defence اسی طرح کروں۔ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے میری دعاؤں کو قبول کیا اور میں جو بھی کہتا ہوں آپکی مدافعت اور Defence میں کہتا ہوں۔ (الفضل انٹرنیشنل 29 اگست تا 4 ستمبر 1997ء)

ہمارے بچپن کا واقعہ ہے کہ ہم کوہ مری میں تھے۔ وہاں ہم ایک چرچ میں مناظرے کے لیے گئے۔ ہمیں یقین تھا کہ ہم جیتیں گے۔ پادری صاحب سے بات ہوئی۔ کچھ دیر ہم ان سے پوچھتے رہے۔ انہوں نے وہی باتیں بیان کیں جو وہ عام طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق میں بیان کرتے ہیں ہم نے جب اس کا جواب دیا تو پادری فوراً چونکا اور بولا کیا تم احمدی ہو؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا پھر

احمدیوں سے ہمارا کوئی مناظرہ نہیں۔ (الفضل 32 دسمبر 1998ء)

اللہ کی خاطر بہادری

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابا جان اور سارے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے اور میں اپنے گھر کے صحن میں اکیلا سویا کرتا تھا اور بعض دفعہ سوتے ہوئے ڈر لگتا تھا کیونکہ کہانیاں بھی عجیب وغریب مشہور تھیں کہ ایک جن آیا کرتا ہے۔ کوئی نالے پراندے بیچنے والی عورت ہے جو چھت پر سے چھلانگ لگا کے آیا کرتی ہے۔ اس قسم کی کہانیاں پرانے زمانے سے چلی آ رہی تھیں اس گھر کے متعلق۔ تو ایک دفعہ اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ تو شرک ہے۔ اگر کوئی بلا، کوئی جن نقصان پہنچا سکتا ہے اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ بھی تو ایک شرک کی قسم ہے۔ تو میں کیوں ڈر رہا ہوں، مجھے کیوں نیند نہیں آ رہی اس لئے میں نے مقابلہ کرنا ہے اب اس کا اور اپنے آپ پہ سختی کر کے بھی مقابلہ کرنا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مجھے بہادری عطا ہو۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد پھر میں نے خوب نظر دوڑائی کہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے زیادہ ڈرنے والی جگہ ہے۔

ہمارے ہاں ایک چھوٹا سا کمرہ ہوا کرتا تھا اس کمرے کے متعلق بڑی روایتیں تھیں کہ بڑی بلائیں وہاں ہوتی ہیں اور خاص طور پر وہ چمنی کی جگہ جہاں ہوتی تھی جہاں وہ آگ جلائی جاتی ہے اس کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ یہ بڑی خطرناک جگہ ہے۔ تو میں رات کو اٹھا اور دروازے کھول کے اس کمرے کی چمنی میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اب جو بلا آنی ہے آ جائے اور میں اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ کوئی بلا مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک اللہ نہ چاہے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اتنا سکون ملا ہے آرام سے چلا گیا، بستر پر پڑتے ہی نیند آ گئی، کوڑی کی بھی پروہ نہیں رہی۔ (الفضل 23 فروری 1999ء)

سائیکل کی خرید

حضورؒ نے فرمایا: ایک مرتبہ الفضل میں بہت ہی مناسب قیمت والی سائیکلوں کا اشتہار شائع ہوا۔ میں نے دوکاندار سے اقساط طے کر لینے کے بعد جیسا کہ اخبار میں اشتہار تھا سائیکل خرید لی۔ جب حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ کو میری نئی سائیکل کی خبر ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ آپ خاص طور پر یہ جاننا چاہتے تھے کہیں دوکاندار نے مجھے سائیکل مفت تو نہیں دے دی کیونکہ آپ میرے اخراجات سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ میں اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ جب میں نے واضح کیا کہ یہ سائیکل اقساط پر اخبار میں اشتہار کے مطابق خرید کی گئی ہے تو پھر آپ کو تسلی ہوئی۔ یہ دراصل حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ کی محتاط طبیعت اور ہم بچوں کی عمدہ تربیت کے لئے تھا۔

(Centenary souvenir Khuddam-ul-Ahmadiyya U.K"The Tariq")

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرالعزیز کے کارنامے



حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرالعزیز کے بابرکت دور میں اس تیزی سے اللہ تعالیٰ کے افضال کی بارش ہوئی جس کا شمار ناممکن ہے۔ بہرحال مختصر جائزہ پیش کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے۔

1۔ طاہر فاؤنڈیشن کا قیام

ہمارے پیارے آقا نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سارے احباب جماعت کو دعاؤں کی عاجزانہ تحریک کی۔ اور اپنے فرائض کو اپنے پیش رو کے ہی انداز سے تندہی سے جاری رکھا۔ آپ نے 26 جولائی 2003، برطانیہ کے جلسہ سالانہ کے دوسرے دن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی جاری کردہ تحریکات اور غلبہ اسلام کے لئے آپؒ کے مختلف منصوبوں کا ذکر فرماتے ہوئے آپؒ کے خطبات تقاریر اور مجالس عرفان کی تدوین اور اشاعت کے کام کے لئے طاہر فاؤنڈیشن کے قیام کا اعلان فرمایا۔

2۔ مسجد بیت الفتوح کا افتتاح۔

3 اکتوبر 2003 بروز جمعۃ المبارک کل پانچ ایکڑ رقبہ میں سینتیس ہزار پانچ سو مربع میٹر تعمیری رقبہ پر مشتمل اکیسویں صدی کی جدید سہولیات سے آراستہ، اسلامی روایات کے تابع اسلامی تعمیر کا نادر نمونہ، اسلام کی صلح امن اور آشتی کی خوبصورت تعلیم کا حسین نمونہ پیش کرنے والی مغربی یورپ کی سب سے بڑی مسجد ''بیت الفتوح'' میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ کا آغاز کر کے اس کا افتتاح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمام کارکنان اور اس مسجد کے لئے مالی قربانیاں کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

3۔ ایم ٹی اے چینل 2 کا اجراء

16۔1 اپریل 2004ء بروز جمعۃ المبارک حضور انور نے اپنے خطبہ جمعہ میں دنیا کے ممالک میں اوقات کے فرق اور زبانوں کی مشکلات کی وجہ سے بہت سے ناظرین کی ایم ٹی اے سے محرومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایم ٹی اے کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں میں سے ایک فضل قرار دیا اور 22 اپریل 2004ء

جمعرات سے ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے چینل 2 شروع کرنے کی خوشخبری احباب جماعت کو سنائی۔

4۔نظام وصیت میں شمولیت کی تحریک۔

یکم اگست 2004ء کو اسلام آباد ٹلفورڈ سرے میں جماعت احمدیہ برطانیہ کے جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے وصیت کے بارے میں دو خواہشات کا اظہار فرمایا۔اوّل۔نظام وصیت میں شمولیت اختیار کرنے والوں کی تعداد بڑھے۔اور 2005ء تک جب اس نظام پر 100 سال پورے ہوجائیں۔تو 15000 پندرہ ہزار نئی وصایا ہوجائیں۔دوم۔2008ء میں جب نظام خلافت کے قیام پر 100 سو سال پورے ہوں تو دنیا کے ہر ملک میں جماعت کے چندہ دہندگان میں سے کم از کم 50 فیصد افراد ایسے ہوں جو نظام وصیت میں شامل ہو چکے ہوں۔اب تک اس نظام میں سب سے زیادہ پاکستان سے احمدی شامل ہوئے ہیں۔دوسرے نمبر پر جرمنی اور تیسرے نمبر پر انڈونیشیا ہے۔ 2011ء کے جلسہ سالانہ تک شاملین وصیت کی تعداد ایک لاکھ نو ہزار تک پہنچ چکی ہے۔الحمدللہ

5۔تحریک جدید کے دفتر پنجم کا اعلان۔

5 نومبر 2004ء بروز جمعۃ المبارک ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے پر معارف خطبہ جمعہ میں تحریک جدید کے نئے سال کا آغاز کرتے ہوئے نئے آنے والوں کے لئے ایک نئے دور ''دفتر پنجم'' کا آغاز فرمایا۔

6۔ایم ٹی اے العربیہ کا آغاز

23 مارچ 2007ء بروز جمعۃ المبارک حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بیت الفتوح اپنے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو یہ تاریخی نوید دی۔''اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی جماعت کو ایک نئے سیٹلائٹ کے ذریعے سے جو عرب دنیا کے لئے خاص ہے ایک نئے چینل ایم ٹی اے العربیہ کے آغاز کی توفیق دے رہا ہے۔جو 24 گھنٹے عربی پروگرام پیش کرے گا۔تاکہ عرب دنیا کی پیاسی روحیں، نیک فطرت اور سعید روحیں ان خزائن سے فیض یاب ہوسکیں جو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے تقسیم فرمائے ہیں۔خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اب یہ پیغام پہنچے۔اس لئے اب خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق پہنچے گا اور کوئی اس کو روکنے والا نہیں انشاءاللہ۔

7۔ خدیجہ مسجد برلن کا افتتاح۔

16 اکتوبر 2008ء براز جمعرات خدا تعالیٰ کے فضلوں کا خاص نظارہ دیکھنے والا وہ تاریخی اور عظیم

الشان دن ہے۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے 86 سال قبل حضرت مصلح موعودؓ کی جرمنی کے مشرقی حصہ برلن میں جماعت کی پہلی مسجد کی تعمیر کی خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے لجنہ اماءاللہ کی قربانیوں سے تعمیر ہونے والی ''مسجد خدیجہ برلن'' کا افتتاح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ 8۔ **خلافت خامسہ میں جماعت احمدیہ کی ترقیات**۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دور خلافت میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش، افضال الٰہی کے نظاروں الٰھی اور تائیدالٰہی کے نمونوں کی ایک جھلک درج ذیل ہے۔ 9۔ **نئے ممالک اور سعید روحیں**۔ نو مبائعین سے رابطے کمزور تھے۔ حضور انور نے خلافت جوبلی تک کم ازکم 10 فیصد نو مبائعین کو جماعت کا فعال حصہ بنانے کی تحریک فرمائی تھی۔ الحمدللہ! اس سلسلے میں بہت تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ سب سے زیادہ کام گھانا میں ہوا ہے۔ جہاں گزشتہ سات سال میں 7 لاکھ 67 ہزار رابطے بحال ہو چکے ہیں۔ دوسرے نمبر پر نائیجیریا ہے۔ جہاں ایک لاکھ 23 ہزار 95 رابطے زندہ ہوئے۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے رابطے زندہ ہو رہے ہیں۔ **10۔ مساجد کی تعمیر**۔ خدا تعالیٰ کے افضال کے نتیجہ میں صرف برطانیہ میں مسجد بیت الفتوح کے علاوہ مسجد دارالبرکات برمنگھم، بیت العافیت شیفیلڈ، مسجد ناصر ہارٹلے پول، بیت الکریم جامعہ احمدیہ، اور مسجد مہدی بریڈفورڈ کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اور افتتاح کئے گئے۔ جبکہ ڈیٹرائٹ امریکہ، سینٹ لوئیس، کولمبس، اوہائیو، مالی، بینن، اسپین، سیرالیون، لائبیریا، یوگانڈا، بورکینا فاسو، ہندوستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، گھانا، نائیجیریا، کیمرون، چاڈ، گنی اور صومالیہ وغیرہ میں مساجد بن رہی ہیں اور ان کی توسیع ہو رہی ہے۔ کیلگری کی مسجد بیت النور نارتھ امریکہ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کے بڑے وسیع علاقے اور دنیا میں احمدیت کا تعارف ہو رہا ہے۔ **11۔ مشن ہاؤسز میں اضافہ**۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے 2008ء تک 328 مشن ہاؤسز کا اضافہ ہوا ہے۔ اور جولائی 2011 تک 109 ممالک میں مشن ہاؤسز کی تعداد 2325 ہو چکی ہے اور اضافہ ہو رہا ہے۔ **12۔ تراجم قرآن کریم**۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بورکینا فاسو کی زبان مورے، بومنین، کرغز، تھائی، مالاگاسی زبانوں میں تراجم کروا کر شائع ہو چکے ہیں۔ اور کل تراجم کی تعداد 70 ہو گئی ہے۔ **13۔ تحریک وقف نو**۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی طرف سے جاری کردہ تحریک وقف نو میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایداللہ بنصر العزیز کے توجہ دلانے پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے تیزی سے واقفین نو کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اب تک تقریباً 44 ہزار واقفین نو رجسٹرڈ ہو چکے ہیں۔

14۔افریقہ میں خدمت خلق

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ہدایت پر احمدی انٹرنیشنل انجنیئر ز اینڈ آرکیٹیکٹس ایسوسی ایشن کوغریب ممالک میں بجلی مہیا کرنے، پینے کا صاف پانی مہیا کرنے اور عمارات کی تعمیراور ڈیزائن کے تین کام سپرد کئے گئے تھے۔ یہ شعبہ افریقی ممالک میں خاص طور پر غیر معمولی کام کررہا ہے۔سولرسسٹم گھانا میں 11، بورکینا فاسو میں 10، مالی میں 12،بینن میں 15،ٹوگو میں 5،اور کنیڈا کے انجنیئر ز نے گیمبیا کے 10 علاقوں میں سولرسسٹم لگائے ہیں۔**15۔ہومینٹی فرسٹ۔**اقوام متحدہ کے علاوہ بنگلہ دیش، ہیٹی،آئیوری کوسٹ، اور ناروے میں بھی ہومینٹی فرسٹ رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔الحمدللہ 2004ء میں جنوبی ایشیا کی سونامی طوفان میں 2005ء میں ہومینٹی فرسٹ کے تحت بے پناہ کام کئے گئے۔۔**16۔بیت النصر مسجد ناروے۔**خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی طویل جدوجہد کے بعد جماعت احمدیہ ناروے کوایک عظیم الشان، خوبصورت اور وسیع مسجد بنانے کی توفیق ملی۔جس کا افتتاح حضورانور نے 30 ستمبر 2011ءکوکیا۔یہ مسجد ناروے کی پہلی مسجد ہے۔اوراس میں 2250 نمازیوں کی گنجائش ہے۔اس کے ساتھ ذیلی تنظیموں کے مرکزی دفاتر،مشن ہاؤس،ہال اور لائبیریری بھی تعمیر کی گئی ہے۔اس سال جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پرحضورایدہ اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ رپورٹ کے مطابق نئے ممالک چلی اور بارباڈوس میں احمدیت کا نفوذ ہوا۔اس سال دنیا بھر میں پاکستان کے علاوہ نئی قائم ہونے والی جماعتوں کی تعداد 839 ہے۔اس کے علاوہ مختلف ملکوں، شہروں میں 1118 نئے مقامات پر پہلی بار احمدیت کا پودا لگا ہے۔اس سال 2059 نمائشوں کے ذریعہ 30لاکھ 41ہزار889۔افراد تک اسلام کا پیغام پہنچا۔اور5096 بک سٹالزاور 91 بک فیئرز میں شمولیت کے ذریعہ 21لاکھ 54 ہزار سے زائد افراد تک پیغام پہنچا۔مالی قربانیاں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی جانب سے بار بار اپنے خطبات میں احباب جماعت کوتوجہ دلانے پر مالی قربانیوں میں بہت تیزی آچکی ہے۔لازمی چندہ جات کے علاوہ زمینیں خریدنے،مساجد بنانے اور سینٹرزخریدنے کی طرف جماعتوں کی بہت توجہ ہوئی ہے۔ ہر جماعت کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا جارہا ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید بڑھاتا چلا جائے۔پس یہ خلافت کی عظیم برکتیں جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے ان گنت افضال کی موسلا دھار بارش جماعت احمدیہ پر برس

رہی ہے۔خلافت کے استحکام اور اسلام اور احمدیت کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کے عہد کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت خلیفہ وقت کی اطاعت اور دعاؤں کے ساتھ اپنے پیارے امام و آقا کی مدد کریں اور دنیا کے کونے کونے میں اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند کرنے کی کوششیں ہر دم جاری رکھیں۔اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز کو صحت والی لمبی عمر عنایت فرمائے اور ہمیں ان کے دور خلافت میں مزید ترقیات دیکھنے کی سعادت عطا فرمائے۔آمین۔



احمدیت سے متعلق مضامین

احمدیت۔میری نظر میں



احمدیت ایک شُعلہ جوالہ ہے۔بجھتی،سرد ہوتی ہوئی راکھ کے ڈھیر میں کچھ ننھی سی دم توڑتی ہوئی چنگاریاں گاہے گاہے جب ہوا کے اشتعال سے جھلملا اُٹھتی تھیں تو زندگی کی رمق کا ایک خوابیدہ سا احساس ہوتا تھا۔ورنہ سارا ماحول شدید افسردگی کے چنگل میں تھا۔چنگاریوں میں کیفیت شعلگی دم بدم معدومی کی طرف مائل تھی۔اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی چنگاریاں جلد ہی چند لمحات میں اُسی بجھتی ہوئی راکھ کا ایک جزو بن جائیں گے۔کچھ لوگ راکھ کے اس ڈھیر کے اردگرد کھڑے تھے۔بعض کے چہروں پر مسّرت اور شگفتگی کے آثار تھے ۔جب کوئی چنگاری دم توڑتے ہوئے ایک آخری چشمک کے ساتھ موت کی ہچکی لیتی تھی تو ان کے چہروں بشروں پر مسرت اور بہجت کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔انہی لوگوں میں ایک پادری بھی لمبی عبا پہنے کھڑا تھا جب کوئی چنگاری موت سے ہمکنار ہوتی وہ کھلکھلا کر ہنستا اور قہقہے لگانے شروع کر دیتا تھا۔یکا یک اس نے ایک فاتحانہ سے انداز میں اپنا بازو ہوا میں لہرایا اور ایک کڑک دار آواز سے حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے یوں سرمن دینا شروع کیا ’’اب میں اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روز

افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں اس ترقی کے نتیجہ میں صلیب کی چمکار آج ایک طرف لبنان پر ضوافگن ہے ۔تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کی چمکار سے جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے۔ یہ صورتِ حال پیش خیمہ ہے۔اس آنے والے انقلاب کا جب قاہرہ دمشق،اور تہران کے شہر خداوند یسوع مسیح کے خدام سے آباد نظر آئیں گے۔حتیٰ کہ صلیب کی چمکار صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی وہاں بھی پہنچے گی۔اس وقت خداوند یسوع مسیح اپنے شاگردوں کے ذریعہ مکہ کے شہر اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہوگا اور بالآخر وہاں اس حق وصداقت کی منادی کی جائے گی کہ ’’ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور یسوع مسیح کو جانیں جسے تو نے بھیجا ہے۔‘‘(بیروز لیکچرز ص 42)عبا پوش پادری کا یہ تعلیٰ آمیز دعویٰ سُن کر مسرور چہرے اور زیادہ مسرور ہو گئے۔پادری کے بلند بانگ دعوے کی صدائے بازگشت دیر تک فضا میں گونجتی رہی۔اس مجمع میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے چہروں پر افسردگی مسلط تھی۔وہ جب کسی چنگاری کی موت کا مشاہدہ کرتے تو ان کی پژمردگی اور بڑھ جاتی تھی۔پادری کی تعلّیاں سُن کر تو ان کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔اُن میں سے ایک نے پادری سے پوچھا۔’’آپ کا نام؟ پادری نے سینہ تان کر جواب دیا’’ڈاکٹر جان ہنری بیروز‘‘!

پھر ایک اُداس اور مغموم انسان نے مجمع کو اپنی طرف متوجہ کیا اس کی آواز میں درد اور سوز کی جھلک تھی۔اس کی آنکھوں کے کونے بھیگے ہوئے تھے۔اس نے ایک خوفزدگی اور سراسیمگی کی کیفیت کے ساتھ ایک بیاض جیب سے نکالی۔اور پُرسوز لَے میں ایک مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔مرثیے کے ابتدائی اشعار سُن کر ہی پادری اور اس کے ہمنواؤں کے قہقہے اور بلند ہو گئے اور افسردہ چہروں کی افسردگی اور بڑھ گئی اور مرثیہ پڑھا جاتا رہا۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی
پھر اِک باغ اُجڑا سرا سر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سُو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جڑ گئیں جس کی جل کر

چمن میں ہوا آچکی ہے خزاں کی
پھری ہے نظر دہر سے باغباں کی
صدا اور ہے بُلبُل نغمہ خواں کی
کوئی دم میں رحلت ہے اب گلستاں کی

لوگوں نے شاعرِ مغموم سے پوچھا، آپ کا نام؟ شاعر نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا'' میرا نام الطاف حسین حالی ہے'' ایک دردمند دل رکھنے والے نے کہا کہ مولانا مرثیہ تو مردوں کا پڑھا جاتا ہے۔ کیا آپ نے واقعی اسلام کو مُردہ سمجھ لیا ہے۔؟ فرمایا '' اس کا اندازہ راکھ کے اس ڈھیر کو دیکھ کر تم خود کر لو۔ میرے دل میں ایک تڑپ تھی جسے میں نے الفاظ کے قالب میں ڈھال کر آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔'' مایوسی کا یہ عالم تھا۔۔۔قنوطیت اسی طرح سارے ماحول پر پنجے گاڑے اُسے اُفسردہ کئے ہوئے تھی۔۔ یاسیت گزیدہ اور کمزور دل مسلمان اس طرح مرثیے پڑھ رہے تھے۔ اہل اسلام میں سے دردِ دل رکھنے والے ایک آس دلوں میں لئے کسی معجزہ کے انتظار میں آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ دُور از امکان عجمی روایات کی بنا پر داعی عیسائیت کو اسلام کا نجات دہندہ یقین کر کے قریباً 2000 دو ہزار سال قبل کے فوت شدہ ایک نبی کی دوبارہ آمد کے منتظر تھے۔ اور اس خیالِ خام کو دلوں میں لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہ اُمت مرحومہ کی اصلاح اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عظیم کام ایک اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول مکّرر سے وابستہ ہے۔ وہ نادان عقل سلیم سے اس قدر عاری تھے کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھتے تھی کہ ''ایک نبی دو مذاہب کا داعی نہیں ہوسکتا'' یہی قنوطیت زدہ ماحول تھا۔ کہ اُسی بجھتی ہوئی راکھ کی بے جان چنگاریوں میں سے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق یکا یک ایک شعلہ جوالہ بلند ہوا۔ جس کی تیز روشنی اور حرارت نے آناً فاناً آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی ۔ اور ماحول میں گرمی پیدا کر دی۔ وہ اسلام جسے راکھ کا بے جان ڈھیر سمجھ کر ابھی چند لمحے قبل پادری صاحب بغلیں بجا رہے تھے۔ اور یاسیت زدہ مسلمان نا اُمیدی کے بحرِ بے کراں میں غوطے کھا رہے تھے۔ اب مسیحائے دوراں کے دَم سے بصورت شعلہ جوالہ بلند ہو کر فضا میں روشنی بکھیر رہا تھا اور اسی روشنی کے اندر سے ایک نہایت پُرشوکت آواز آ رہی تھی۔

میں ہوں وہ نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

یہی وہ شعلہ جوالہ ہے جسے ہم احمدیت کا نام دیتے ہیں۔۔۔۔احمدیت۔۔۔۔جو قادیان کی گمنام

بستی سے بے سروسامانی کی حالت میں آج سے سوا سو سال قبل اُٹھی اور ایک قلیل اور غریب جماعت کی قربانیوں کے دوش پر سوار ہو کر آفاقِ عالم کو چھو چکی ہے۔ اور مذہبی دنیا میں ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اور خدا کے فضل سے ہم تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔



احمدیت نے دنیا کو کیا دیا؟

احمدیت نے دنیا کو کیا دیا؟ سوال یہ ہے کہ نیکی اور خوبی کے میدان میں وہ کون سی چیز ہے جو جماعت احمدیہ نے دنیا کو نہیں دی؟ کسی قوم یا جماعت کی دولت تو اس کے افراد ہوتے ہیں جن کے مجموعہ سے جماعت بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کردہ اس جماعت کو ایسے نابغہ روزگار افراد عطا فرمائے جن کی تعداد اپنی کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ جماعت احمدیہ کا ہر فرد ہر جگہ خدمت انسانیت کے جذبہ سے سرشار، اپنے اپنے ملک میں قوم اور انسانیت کی خدمت میں مصروف ہے۔ ہر ملک میں جماعت احمدیہ معاشرہ کی خدمت میں بھرپور طور پر شامل ہے۔ اس عمومی خدمت کے علاوہ جس کا اعتراف ہر جگہ پر کیا جاتا ہے، اس جماعت کی تاریخ گواہ ہے کہ جماعت کے خلفاء اور عمائدین نے اور ایسے افراد جماعت نے جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں امتیازی مقام عطا کیا، انہوں نے اپنی خدمات کو قوم و ملک اور انسانیت کے لئے ہمیشہ وقف رکھا۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ احمدیت نے دنیا کو کیا دیا؟ ہم کہتے ہیں کہ احمدیت کی تاریخ پر نظر کریں اور دیکھیں کہ کس طرح اس جماعت نے اپنے جگر کے گوشے دنیا کی خدمت کے لئے پیش کئے۔ خدمت کا کوئی میدان ہو، جماعت کے یہ سپوت مشرق و مغرب، ایشیا و یورپ و افریقہ میں ہر میدان میں ایک نمایاں شان رکھتے ہیں۔ احمدیت نے دنیا کو قرآن کے تراجم سو 100 سے زائد بڑی زبانوں میں کر کے دیئے، اسلام کے چہرے سے بدعات کی گرد اُتاری، صلیب کے تین خداؤں کے تصور کو پاش پاش کیا، وفات مسیح علیہ السلام کو قرآنی دلائل کی روشنی سے ثابت کیا، قتال اور جہاد کے متشدد نظریئے کی پر امن تفسیر بتائی، افریقہ کے ریگزاروں میں اسلام کی روشنی کو عام کیا، افریقہ میں دُکھی انسانیت کے مسائل کو حل کرنے کی شب و روز ہمت کی، صحت و تعلیم کے میدان میں ترقی دے کر جہالت کے اندھیروں کو صبح نور میں بدل دیا۔ جرمنی، برطانیہ یورپ اور کنیڈا میں سینکڑوں مساجد، اور درسگاہیں

بنا کر اسلام کے مثبت اور پُرامن تصور کو اُجاگر کیا، اور اس پر عمل کر کے تجربے سے ثابت کیا۔ افریقہ کی ترقی اور تعمیر میں شیخ عمری عبیدی صاحب کی خدمات، لسانیات کی دنیا میں حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب کی خدمات، پاکستان کی معاشی اور اقتصادی ترقی اور استحکام میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم ایم احمد) کی خدمات۔ اور ملک کے دفاع اور حفاظت کے باب میں لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک صاحب۔ لیفٹیننٹ جنرل عبد العلی ملک صاحب، جنرل افتخار جنجوعہ شہید، خلیفہ منیر الدین شہید، اور مجاہدین فرقان فورس کی خدمات کو کیا کوئی باضمیر انسان فراموش کر سکتا ہے؟ شدید مخالفت، طوفانِ بدتمیزی، کڑی پابندیوں کے باوجود، عالم اسلام کے بڑے بڑے بُرجوں، بڑے بڑے جُبہ پوش علمائے سُو اور احکامِ بالا کی ناکام مخالفتوں کے باوجود، احمدیت نے مکی دور سے مدنی دور کی طرف سنگلاخ راستوں سے کٹھن سفر طے کیا ہے۔ اور اپنی منزل مراد تک پہنچنے کے قریب تر ہے۔ سائنس کے میدان میں ڈاکٹر پروفیسر عبدالسلام صاحب نے جو کام کیا اور جو نام کمایا وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ارضِ پاکستان کے اس نامور سپوت نے نوبیل انعام حاصل کر کے پاکستان کا ہی نہیں سارے عالمِ اسلام کا سر فخر سے بلند کر دیا اور پھر انعام کی ساری رقم وطن عزیز اور سائنس کی ترویج میں وقف کر کے قربانی کی ایک روشن مثال قائم کی۔ اس احمدی سائنسدان نے مسلمانوں کو ایک حوصلہ اور عزم بخشا، اعتماد عطا کیا اور ترقی کا جذبہ دیا۔ وطن عزیز کے قیام اور استحکام کی خدمت، عالمگیر اُفق پر عدل و انصاف اور قانون کی خدمت اور سب سے بڑھ کر یہ متعدد اسلامی ملکوں کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنے میں، فلسطین اور کشمیر کی آزادی کے لئے شب و روز جدو جہد، باؤنڈری کمیشن میں خدمات، وزارتِ خارجہ، بطور نمائندہ اقوام متحدہ، بطور صدر عالمی عدالت انصاف، بطور جج خدمات، حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ کی خدمات دنیا کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جا چکی ہیں۔ کون صاحب علم ہے جو اس فرزندِ احمدیت کی ان ہمہ گیر، بے لوث اور امتیازی خدمات سے لاعلمی کی جُرات کر سکے۔ سوائے ان بے بصیرت ملاؤں کے جن کے بارہ میں پاکستان کی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس منیر کو یہ الفاظ کہنے پڑے تھے کہ ''چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔''

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت، فسادات پنجاب 1953 صفحہ 209 شائع کردہ حکومت پنجاب)

آج یزیدی طاقتیں جماعت احمدیہ پر دل ہی دل میں کڑھ کر دانت پیس رہی ہیں۔جنہوں نے پاکستان کو بالخصوص ،عالم اسلام کو بالعموم،اسلحہ بردار خدائی فوجدار دے کر اسلام کو یکسر بدنام کر دیا ہے۔شکم پُری کو مقدم رکھ کر ،دولت کے نشے میں اسلامی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر،سعودی مملکت نے (قطر،یمن،ترکی،ایران)،کو اچھوت قرار دے دیا ہے۔یہ اسلام نہیں قرونِ اولیٰ کے اہالیانِ مکہ والی انانیت اور تکبر ہے،جو جلد متکبرین کو پاش پاش کر دے گی۔اور اللہ ہمارے پیارے امن اور سلامتی والے دین اسلام کو جلد غالب کرے گا۔اے اللہ تو ایسا ہی کر۔آمین

عرفی ماندیش ز غو غائے رقیباں
آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را



زبان اردو اور جماعت احمدیہ

اردو ایک زندہ زبان ہے۔اردو زبان کی تاریخ،اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی خوبصورت اور شیریں زبان کا ملخص کسی شاعر نے خوبصورت اور جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔

گلریز و گلستاں ہے میری زبان اردو
صورت گر جناں ہے میری زبانِ اردو
آزاد کی حکایت اقبال کا فسانہ
غالب کی داستاں ہے میری زبانِ اردو

اردو زبان کی تاریخ میں آزاد،غالب اور اقبال بلا شبہ اُن ادباء و شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے کلام کے ذریعہ اردو زبان کو ایک نئی زندگی بخشی۔اہل لکھنؤ اور اہالیان دلّی کا اس زبان پر گرانقدر احسان ہے۔جنہوں نے ریختہ کو اپنے خون سے سینچا۔اور آج یہ جو شجر سایہ دار نظر آتا ہے۔تو ان دو بڑے شہروں کے ادیبوں کا کمال اور محنت ہے۔اس نوزائیدہ زبان نے مرور زمانہ کے کئی مشکل ادوار بھی دیکھے مگر اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا بھر پور ساتھ دیا۔یہاں تک کہ آخری دور مغلیہ میں اس زبان کو دربار شاہی تک رسائی مل گئی تھی۔سرسید نے بھی اس

کی کافی خدمت کی۔اور یوپی کے صوبے نے تو اسے خوب پروان چڑھایا۔پاکستان بننے کے بعد یہ پہلی بار کسی ملک کی قومی زبان ٹھہری۔مگر پھر بھی پاکستان کے دور دراز دیہی علاقوں تک اس زبان کی رسائی مشکلات کا شکار رہی۔اور لوگوں نے اپنی علاقائی زبانوں کو مقدم رکھا۔یہ قدرتی امر ہے۔پاکستان میں توخوب اسے ترویج وترقی ملی۔تعلیم اداروں اورنصاب تعلیم نے بھی اسے خوب پنپنے کا موقع فراہم کیا۔مگر دیارغیر میں بین الاقوامی طور پراس کے فروغ کے لئے ایک تنظیم نے بے بہا خدمات انجام دی ہیں۔جس کی مثال ساری دنیا کی تنظیموں میں تلاش بسیار کے بعد بھی ملنا ناممکن ہے۔میری مراد جماعت احمدیہ سے ہے جس نے ساری دنیا کے 200 سے زائد مختلف مما لک میں اس زبان میں بھی اور دیگر زبانوں میں کروڑوں قرآن مجید اور اسلامی کتب اور لٹریچر کروڑوں ہوٹلز، لائبریریوں کی زینت بنایا۔جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی معرکۃ الآراء تفاسیر اردو میں لکھیں۔اور ہزاروں خطبات اردو زبان میں دیئے۔اوراردو زبان کو چار چاند لگا دیئے۔اب ساری دنیا کے مما لک سے سینکڑوں ادبی اوراسلامی اردو زبان میں روزنامے ہفت روزے، ماہنامے، سہ ماہانہ اورسالانہ سوونیرز اورمجلہ جات شائع ہوتے ہیں جن کے ناموں کے تذکرے کے لئے یہ سطورنا کافی ہیں۔

جماعت کا ہر عالم جوکہ اگر پاک و ہند کا خواندہ ہے تو اردو زبان کا بھی بے شک عالم ہوتا ہے۔اردوزبان کا اسلامی لٹریچر ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے۔اوراسلام کی ترویج کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی کے لئے ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔آج کے زمانہ میں عالمی معیار کا اردو مسلم ٹی وی احمدیہ پر دیکھا اور سنا جاتا ہے جو کہ دنیا کے سب براعظموں میں بیک وقت اسلامی تعلیم فراہم کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ جماعت احمدیہ کے امام کا ہر جمعہ کا خطبہ اردو میں ہوتا ہے۔کسی بھی ملک کے اپنے 200 سے زائد مما لک میں سفارت خانے موجود نہیں۔ یہ اعزاز صرف جماعت احمدیہ ہی کو حاصل ہے کہ منظم طریقے سے دنیا کے اکثر مما لک میں اسلام کی تبلیغ اردو سے لے کر دنیا کی سب اہم زبانوں میں قرآن کریم ،احادیث ،فقہ کے تراجم پیش کرنے میں پیش پیش ہے۔بے شک اردوزبان کو پرورش کرنے کا سہرا آج سے سوسال قبل بہتوں کے سر رہا ہے مگر ایک صدی سے جماعت احمدیہ نے جو اس زبان کی خدمت کی ہے۔ وہ اظہر من الشّمس ہے۔اورآج اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس

لشکری زبان کا صرف اور صرف ایک ہی جرنیل ہے جس کے ذریعہ نہ صرف نئی زندگی حاصل ہوئی بلکہ اس زبان کو پڑھنے اور لکھنے والوں نے بھی ایک نئی زندگی پائی۔ اور وہ اس زمانہ کے مسیح موعود و مہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہیں۔ اردو زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آخری زمانے میں شیطان کو بکلی طور پر نا کام کرنے کے لئے اس لشکری زبان کا انتخاب کیا ہے۔ اور اپنے جری اللہ کو اس لشکری زبان کا جرنیل مقرر کر کے اس کے ہاتھ میں ذوالفقار کا کام کرنے والا قلم سونپ کر اسے سلطان القلم کے لقب سے نوازا۔ اور بالآخر اس موید من اللہ کے قلم سے اردو زبان میں وہ زندگی بخش کلام پیدا ہوا جس کے ذریعہ آج تک ایک جہاں اس سرچشمہ حیات تک رسائی حاصل کرتا چلا جارہا ہے۔ اور انہیں نئی زندگی حاصل ہو رہی ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اور تا قیامت آپ کے آنے والوں غلاموں کا یہی کام ہے کہ:

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امید وار

ان خزائن کا بیان ہونا ہی اس زبان کی وسعت، کمال اور اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اردو ایک عالمی زبان ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق اردو زبان 104 ملین سے زائد لوگوں کی زبان تسلیم کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی آمد حضرت رسول اکرم ﷺ کی نیابت میں ہے اس لئے آپ ایک عالمی نبی ہیں جن کی بعثت سے اس زبان کو ایک عالمی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ ہمارے امام ہمام حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خطبہ جمعہ دنیا کے کسی ملک سے نشر ہو تو وہ اردو زبان میں ہی نشر ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دنیا کی آٹھ بڑی زبانوں میں نشر ہوتا ہے۔ اور دنیا کے تمام برّاعظموں میں کروڑ ہا احمدی اسے سن کر مستفید ہوتے ہیں اس طرح اب ساری دنیا میں زبان اردو کی آبیاری بہتر رنگ میں یہ پاک جماعت کر رہی ہے۔ اس طرح آج سے اڑھائی سو سال پہلے حضرت خواجہ میر دردؒ نے پیشگوئی کے رنگ میں فرمائے تھے وہ اس جماعت کے ذریعے پورے ہو رہے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست



احمدیہ مسلم جماعت کا مالی نظام

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوتؒ شود پیدا
بہار رونق اندر روضہ مِلّت شود پیدا

آج جبکہ ابھی احمدیت کے قیام پر صرف سوا سو سال کا عرصہ گزرنے کو ہے۔ جبکہ ابھی یہ جماعت سَنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچی۔ تاریخِ احمدیت کے صفحات مجاہدینِ احمدیت کی ایمان افروز اور ولولہ انگیز قربانیوں سے مزیّن ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے براہِ راست آسمان سے وحی پا کر نُصرتِ اسلام کے لئے اپنی جیبیں یوں کھول دی ہیں کہ گویا اپنا سب کچھ محمدؐ اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار کر دیا ہے۔ قربانیوں کا یہ سلسلہ سوا سو سال سے نہ صرف جاری ہے بلکہ اپنی رفتار و مقدار سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ فرشتے مسلسل آسمان سے وحی لے کر اُتر رہے ہیں اور جماعت احمدیہ کے افراد اس کے نتیجہ میں متواتر لبیک لبیک کی صدائیں لگاتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں اور یہ سلسلہ ساری دنیا میں حقیقی اسلام کے مکمل روحانی غلبے تک جاری رہے گا۔ اس کیفیت کو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ کا نظام مرکب ہے دو باتوں سے یعنی۔ آسمانی وحی اور زمینی لبیک۔ اور جہاں آسمان سے قادرِ مطلق کی طرف سے وحی ہو رہی ہو اور زمین سے لبیک لبیک کی صداؤں سے اُس کی تعمیل کی جا رہی ہو تو جو حیرت انگیز نتائج نکل سکتے ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ وہ قوم جسے آسمان سے براہِ راست عشق و جنون کا سبق پڑھایا گیا ہو، ہوش و خرد کس طرح اس کا راستہ روک سکتے ہیں۔؟ عقل اور فرزانگی کس طرح اس کے دامن کو پکڑ کر کھینچ سکتی ہے۔ اور دنیوی ضروریات کس طرح خدمت دین کے بے اختیار جذبے اس کے دل سے نکال سکتی ہیں؟۔ عقل کے پاؤں میں مصلحت کی زنجیریں ڈالی جا سکتی ہیں۔ ہوش کے تلووں میں کانٹے چبھوئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جنون ان تمام حائلات اور روکوں کو پھاندتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اور عشق کی تو آنکھیں ہی نہیں ہوتیں جن سے وہ اُن روکوں کو دیکھ سکے۔۔! اشاعتِ اسلام کے لئے فدائیت و ایثار کا یہی وہ جذبہ تھا جو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ اپنی جماعت میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں: ''اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا، یہی ہماری موت ہے۔ جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے اور ضرور تھا کہ وہ اس مہم عظیم کو

روبراہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان کارخانہ جو ہر ایک پہلو سے مؤثر ہوا پنی طرف سے قائم کرتا۔سواس حکیم وقدیر نے اس عاجز کو اصلاحِ خلق کے لئے بھیج کر ایسا ہی کیا۔''(فتحِ اسلام روحانی خزائن ض جلد 3 ص 10)مسلمان من حیث القوم کئی صدیوں سے خوابِ غفلت میں سو رہے تھے اعتقادی لحاظ سے بھی اُن کے اندر بے شمار کمزوریاں تھیں لیکن عملی طور پر تو وہ ایک بے جان جسم کی مانند تھے۔تبلیغ واشاعت کا تو کہیں نام تک نہ تھا۔اور ہوتا بھی کس طرح جب کہ نہ کہیں مرکزیت اور نہ بیت المال کا وجود تھا۔ایسے حالات میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا۔تو آپ نے تبلیغِ اسلام کے لئے جماعت کو ولولہ انگیز الفاظ میں توجہ دلائی۔چنانچہ فرمایا:۔''یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیزوں سے محبت نہیں کر سکتے۔اور تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا تعالیٰ سے بھی۔صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو۔پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے۔اور اگر تم میں سے خدا سے محبت کر کے اس کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دی جائے گی کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے۔''(تبلیغِ رسالت جلد دہم)اس طرح آپؑ نے اپنی جماعت کو قربانیوں کے لئے تیار فرمایا۔اور آج ہم اللہ تعالیٰ کے احسان کا فخر سے ذکر کر سکتے ہیں۔کہ ساری دنیا میں محض خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے تبلیغ واشاعتِ اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرنیوالی ایک ہی جماعت ہے۔اس مادی دنیا کو کیا معلوم کہ الٰہی جماعتوں کے افراد جن کے قلوب نورِ ایمان سے منور ہوتے ہیں۔ان کے جذبہ قربانی کے اندر ایک ایسی ابراھیمیت کارفرما ہوتی ہے جس کے اثر سے حُبّ جاہ و مال کی نمرودیت اپنی تمام سوزش وحرکت یکسر کھودیتی ہے۔وہ لَن تَنَالُو االبِرَّ حَتیٰ تُنفِقُو مِمَّا تُحِبُّونَ۔کے راز سے آگاہ ہو کر دینِ حق کی خاطر اپنی قربانیوں کے معیار کو اتنی بلندی پر لے جاتے ہیں کہ اس بلندی کے ناپنے کے ظاہری آلات بے کار ہو جاتے ہیں۔اور مادی عقلیں جو عشق کے جنون سے ناآشنا ہوتی ہیں۔وہ محوِ تماشائے لبِ بام رہ جاتی ہیں۔اور ابراھیمیت کی برودت سے خواہشات وضروریات دنیوی اور نمرودیت کے شعلے سرد پڑ چکے ہوتے ہیں۔عشق ہمیشہ امکانات کی تحدید کو توڑتا رہا اور عقل کی راہ میں امکانات کا قانون ہمیشہ حائل رہا۔یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ عظام کے محیر العقول کارناموں کو تواریخ میں پڑھتے ہیں تو ہماری عقلیں جابجا ورطہ حیرت میں گُم ہو کر عالمِ امکانات پر غور کرنے لگ جاتی ہیں اور تاریخ بابانگِ دُہل اعلان کرتی ہے کہ اسباب کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے امکانات کے وجود قربانیوں کی ضربات سے فنا ہو جاتے

ہیں۔اب دیکھئے نا! عقل کا فتویٰ ہے کہ نہتے اور بے بس، فاقہ زدہ اور مفلوک الحال تین سو تیرہ آدمیوں کو گیارہ سو چُنیدہ شہسواروں اور علاقہ بھر کے آزمودہ کار اسلحہ پوشوں کے ہاتھوں جنگ میں کچلے جانے سے دنیا کی کوئی جنگی طاقت یا تدبیر نہیں بچا سکتی مگر معرکہ بدر کہتا ہے کہ قریشِ مکہ کے ان گیارہ سو شہبازوں کی گردنوں کو یوں دبوچا کہ تمام صنادید کُفر ستیزہ گاہِ بدر میں ڈھیر ہو گئے۔ عقل کو اس بات پر شدّت سے اصرار ہے کہ اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات سے جو کچھ بچ جائے اس میں سے کسی نیکی کے کام پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جنون اس نظریے کو سختی سے رَدّ کر کے کہتا ہے کہ دین کی ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اپنی اور بیوی بچوں کی ضروریات پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ تصّور کی آنکھ سے دیکھئے!۔ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے مالی قربانی کی تحریک ہوئی ہے۔ شمع محمدیؐ کے جاں نثار پروانے اپنے اموال حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں حاضر کر رہے ہیں۔ صدیق اکبر بھی اپنا مال لاتے ہیں۔ اور ڈھیر لگا دیتے ہیں حضرت رسولِ اکرم ﷺ دریافت فرماتے ہیں، ابوبکر۔ کچھ گھر میں چھوڑ آئے؟ عرض کیا ، میرے ماں باپ رسولِ خداؐ پر قربان، گھر میں تو صرف خدا کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دے کر خدا کو پا لینے کے سودے کو کوئی مہنگا کہہ سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ کی راہ میں انہی بے مثال اور مقبول قربانیوں نے ہی تو صدیقِ اکبر کو رسول اللہ کی اوّلین جانشینی اور خلافتِ اولیٰ کا مستحق بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم صحابہ کرامؓ کی عدیم المثال قربانیوں کے تذکرے پڑھتے ہیں تو بسا اوقات ہمارے عقلی پیمانے اس معیار کو ماپ ہی نہیں سکتے اور آج انہی صحابہؓ کرام کے نقشِ قدم پر چل کر جماعت احمدیہ جو قربانیاں کر رہی ہے ۔ مستقبل کا مورّخ اس عشق و جنون کی تاریخ لکھتے وقت جا بجا قلم بدنداں ہوگا۔ سو اگر میں یہ عرض کروں کہ ہمارے مالی نظام کا تار و پود عشق و جنون سے مرتب ہے تو اس میں مبالغے کا کوئی شائبہ نہیں، لیکن یہ سوال رہ جاتا ہے کہ یہ عشق و جنون آیا کہاں سے؟۔ اس کا منبع کہاں ہے؟ اس کا سرچشمہ کون سا ہے؟۔ اس ولولے کا خالق کون ہے؟ ۔ وہ کون سی قوت ہے جو اس قدر بلند معیار کی قربانیوں کے پسِ پردہ کارفرما ہے؟ آج کے مادی زمانہ میں جبکہ دنیا سیم و زر کی پرستش کر رہی ہے اور پیسہ قاضی الحاجات بن کر مادیّت زدہ قلوب پر حکمرانی کر رہا ہے۔ ایک چھوٹی سی جماعت۔ جماعت احمدیہ۔۔ کس طرح اپنے بچوں کے منہ سے نوالے چھین کر دینِ حق کے لئے قربان کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ مخلِصینِ جماعت کی جیبوں میں پڑے ہوئے کرنسی نوٹ مرکز کے خزانے میں پہنچنے کے لئے انگڑائیاں کیوں لیتے رہتے ہیں شاید مہنگائی کے اس ہوشربا دور میں بھی ایک احمدی خود کو مبتلائے صبر و فاقہ

کر کے جماعتی چندوں کی ادائیگی کے لئے بے قرار کیوں رہتا ہے۔؟اس جذبے۔۔اس ولولے۔۔اس عشق اوراس جنون کامحرک کیا ہے؟ یہ سارے سوالات اپنا جواب پا جاتے ہیں جب ہم عرشِ عظیم سے حضرت جبرائیل کو یہ مژدہ لے کراترتے ہوئے دیکھتے ہیں اور سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو یہ مژدہ اپنی جماعت کوسناتے ہوئے دیکھتے ہیں۔کہ

ینصُرُکَ رِجالٌ نوحی علیھم من السماءِ۔۔یہ اس زمانے کی پیشگوئی ہے جب احمدیت ابھی قدرت کی کوکھ سے جنم لے رہی تھی ۔ جب اس کے اب واجداد اس کا نام بھی تجویز نہیں کر پائے تھے۔جب دو چار مہمانوں کے لئےلنگر خانہ میں آٹے دال کا انتظام بھی نہ تھا۔جب قادیان کی بستی کوساکنینِ بستی کےسواکوئی نہ جانتا تھا

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

اورآسمان کے فرازوں میں لوحِ محفوظ پر یہ خوش خبری لکھی جارہی تھی کہ اے مسیحِ موعودؑ! تو دینِ محمد ﷺ کی خدمت کے لئے اس یقین کے ساتھ کمر بستہ ہوجا کہ ہم آسمان سے لکھوکھہا افراد کے قلوب پروحی کریں گے۔اوروہ دینِ اسلام کی اشاعت کے لئے تیری نصرت اس شان کے ساتھ کریں گے۔کہ صفحہ ہستی پراپنی مثال آپ بن جائیں گے۔اوراُن کی قربانیاں اسلام کے دورِاوّل کی یادوں اورمثالوں کو آنکھوں کے سامنے لے آئیں گی۔اوران کی دیوانگی فرزانوں کا منہ چڑائے گی۔



احمدیہ مسلم جماعت کا حیرت انگیز طوعی نظام

جب ہم دنیاوی حکومتوں کے مالی نظام پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ مختلف قسم کے ٹیکسوں اورسرکاری واجبات کی وصولی کے لئے ہرحکومت نے بھاری بھرکم انتظامات کررکھے ہوتے ہیں۔ان انتظامات کی پُشت پرحکومت کی قوتِ حاکمانہ کئی جہات سے کارفرما ہوتی ہے۔پولیس،عدالت اورفوج تک سے مدد لےکرٹیکسوں کی وصولی کی جاتی ہے۔جبروتشدّد کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ادھر سے ہڑتالوں،اور نافرمانیوں کی شورشیں اُٹھتی ہیں۔جائیدادوں کی ضبطیوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے چنانچہ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں۔جوسرکاری ٹیکسز کی چوری یا عدم ادائیگی کے باعث قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کررہے ہیں گویا کہ احکام کی زبردست قوتِ تحصیل کے باوجود یہ افسوسناک

صورتِ حال ہر زمانہ اور ہر ملک میں قائم رہی ہے۔حکومت کے تنخواہ دار محصّلین اور کارِندے اور ان کی پشت پناہ حکومت کی مشینری سو فیصد وصولی میں ناکام رہتی ہے۔حالانکہ ٹیکس وصول کرنے والا محکمہ بھی ہر سال لاکھوں روپیہ اپنے کارکنان کی تنخواہوں پر خرچ کرتا ہے۔لیکن اس کے مقابلے میں ہماری جماعت کا مالی نظام طوعی اور اعزازی ہے۔ خلیفہ وقت اور نظامِ کی اطاعت کرتے ہوئے ساری دنیا میں احمدی جماعتوں کے قابل احترام سیکٹریان مال ایک پیسہ بھی معاوضہ لئے بغیر لاکھوں روپیہ وصول کر کے مرکزِ سلسلہ بھجوانے کے علاوہ مقامی طور پر اپنے کھاتے اور ریکارڈ مکمل رکھتے ہیں۔بڑی بڑی جماعتوں میں سینکڑوں چندہ دہندگان کا انفرادی اور مکمل حساب رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔آغاز سال میں تشخیص بجٹ سے وصولی تک سب احباب سے دور ونزدیک تک مسلسل رابطے میں رہنا، وصولی کرنا، وصول شدہ رقوم ،مرکز کو ترسیل کرنا، مرکز سے آمدہ جواب طلبیوں کی وضاحت کرنا، یہ بھی رضا کارانہ کام ہے جو ہمارے سیکٹریان مال بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔اس سب کے باوجود اپنے اعزازی عہدہ پر ناز اور فخر بھی کرتے ہیں۔کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ قادر وتوانا ہستی جس نے فرمایا ہے کہ مَن يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡراً يَرَه۔(وہ انہیں ضرور اس کا اجر دے گا) یہی حال ہمارے چندہ دہندگان بھائیوں کا ہے۔آج کے دور میں جبکہ مہنگائی نے ہوش وحواس مختل کر رکھے ہیں ہمارے احمدی بہن بھائیوں کا اشاعت اسلام کے لئے مختلف مدّات میں فراخدلی سے اور استقلال سے چندے دینا اُن کے خلوص اور پختگی ایمان کی عکاسی کرتا ہے۔حالانکہ جہاں تک خانگی اور دنیوی ضروریات کا تعلق ہے یہ ضروریات انہیں بھی اسی طرح لاحق ہیں جس طرح غیر احمدیوں یا غیر مسلموں کو۔لیکن سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کے قلوب میں خدمتِ دین کا جوجذبہ اپنی ولولہ انگیز تحریرات کے ذریعہ سے پیدا فرمایا ہے اور پھر يَنۡصُرُكَ رِجَالُ نُوحِی اِلَيۡهِمۡ مِنَ السَّمَاءِ کے خدائی وعدہ نے جو تحریک دائمی طور پر چلا رکھی ہے یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ ایک سچا احمدی اپنی ضروریات کو نظرانداز کر کے باقاعدگی کے ساتھ چندہ دیتا ہے پھر یہ نہیں کہ چندہ دے کر وہ کوئی احسان جتاتا ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ عجز کے ساتھ اسے اپنے لئے عقبیٰ کا سامان سمجھتا ہے کیونکہ اس کے آقا کی یہی تعلیم ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔’’اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دے کر یا کسی اور رنگ میں کوئی خدمت بجا لا کر خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادہ پر کوئی احسان کرتے ہو، بلکہ اُس کا احسان ہے کہ تمہیں اس خدمت کے لئے بلاتا ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب

کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلو تہی کرو تو وہ ایک اور قوم پیدا کر دے گا کہ اس کی خدمت بجا لائے گی ۔تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے ۔پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو کہ ہم خدمتِ مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں ۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرہ بھی محتاج نہیں ہاں تم پر یہ اس کا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقع دیتا ہے۔''(تبلیغِ رسالت جلد دہم)اور اس کا عملی مظاہرہ ہم اس صورت میں دیکھتے ہیں کہ جب کسی مخلص احمدی بھائی کے ذمّہ بعض مجبوریوں کے باعث کوئی جماعتی چندہ بقایا ہو جاتا ہے تو وہ مقامی مجلس عاملہ کے توسط سے امارت ملک یا نظارت مال میں درخواست بھجوا کر بڑے ہی عجز و الحاح سے مہلت طلب کرتا ہے ۔اسی طرح جب کسی جماعت کا چندہ لیٹ ہو جاتا ہے اور امارت یا نظارت کی طرف سے باز پُرس کی جاتی ہے تو سیکٹریان مال بھی خدا کے فضل سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفہ وقت کے ان فرمودات کو ملحوظ رکھتے ہوئے عجز و انکسار سے جواب دیتے ہیں ۔اور اس طرح مرکز کے دل میں ان کے لئے محبت و احترام کا جذبہ بڑھ جاتا ہے ۔اور اس طرح قربانی اور محبت بھرا یہ طوعی نظام خدا کے فضل سے اتنی کامیابی سے چل رہا ہے کہ کوئی جبری نظامِ تحصیل اس طوعی نظام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔الحمد للہ۔



ایک پیشگوئی ۔اور جماعت احمدیہ کی مالی ترقی

سیّدنا حضرت مسیح موعودعیہ السلام نے''الوصیت'' میں پیشگوئی فرمائی ہے۔کہ:۔''یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دُور اَز قیاس باتیں ہیں بلکہ یہ اُس قادر کا ارادہ ہے۔جو زمین وآسمان کا بادشاہ ہے مجھے اس بات کا غم نہیں ، کہ یہ اموال کیونکر جمع ہونگے ۔اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے ، بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد یہ مال کئے جائیں گے وہ کثرتِ مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھائیں اور دُنیا سے پیار نہ کریں۔''(الوصیت)

یہ پیشگوئی اُس زمانہ کی ہے جبکہ ابھی جماعت کی تعداد بھی کم تھی اور لنگر خانہ تک کے لئے رقم کا مہیا ہونا مشکل تھا۔اتنا مشکل کہ ایک موقع پر حضورؑ کو حضرت اُم المومنین کا کوئی زیور فروخت کر کے مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنا پڑا۔لیکن اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان وعدے اندر اندر ہی اپنا کام کرتے رہے۔اور

جماعت خدا کے فضل سے ترقی کی منازل طے کرتی چلی گئی۔ جماعت سینکڑوں قسم کے طوفانوں میں سے گزرتی ہوئی اپنی تعداد کے اعتبار سے بھی اور قربانی کے لحاظ سے بھی بڑھتی چلی گئی۔۔!۔مخالفتوں کے بے شمار سیلاب اُٹھے۔لیکن اُن کے نتائج نے ہمیشہ احمدیت کا ساتھ دیا۔اور آج محض خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے جماعت احمدیہ نے ایک طرف دنیا کے کونے کونے میں اپنے مشن دوصد چار ممالک میں قائم کر دیئے ہیں۔قرآن کریم کے تراجم ستر سے زائد زبانوں میں مکمل ہو چکے ہیں۔جرمنی، برطانیہ اور یورپ اور کنیڈا، امریکہ میں سینکڑوں مساجد کی تکمیل ہو چکی ہے۔تو دوسری طرف اپنے بجٹ کو لاکھوں بڑھا کر اربوں کھربوں تک لے گئی ہے۔ جماعت احمدیہ یقینِ محکم کے ساتھ، اور اپنے راہنماؤں کی بشارتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اپنے مقرر کردہ اہداف کو روز بروز حاصل کرنے کی طرف بڑی تیزی سے رواں دواں ہے۔سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ مجھے وہ بہت عظمت دے گا اور میری جماعت کو دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔ اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی۔اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا۔اور پھولے گا۔یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جائے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہونگی اور ابتلا آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اُٹھا دے گا۔اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا۔سواے سننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو۔اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا۔'' (تذکرہ 597)



جماعت احمدیہ کے مخالفین (علماء) کو مشورہ

بسا اوقات ہم یہ سوچ کر تعجب و تاسّف کرتے ہیں کہ احمدیت کی گزشتہ سوا سو سالہ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات آئے کہ علمائے زمانہ نے اپنی تمام کوششوں، طاقتوں سے اور اپنی ساری قابلیتوں کو اجتماعی طور پر اس اَمر پر صرف کر دیا کہ وہ احمدیت کو کلیۃً نیست و نابود کر دیں۔!

احمدیت کی مخالفت کرنے والے یہ علماء کوئی معمولی پوزیشن کے لوگ نہ تھے۔وہ پہاڑوں جیسی قامت اور دیو پیکر شخصیّتوں کے مالک تھے۔کچھ برِّ صغیر پاک و ہند میں شہرت عظیم رکھنے والے اور عامة

المسلمین کے نزدیک پرستش کی حدتک قابلِ تعظیم گردانے جاتے تھے۔بعض علماء نے اپنے ساتھ ’’فاتح قادیان‘‘ کالقب چسپاں کرلیا تھا۔ ہرسٹیج پروہ احمدیت کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ پھینکنے کے دعوے کرتے تھے ۔اورفی الواقع وہ اپنی ان خوہشوں اور مطمح نظر کو پورا کرنے کے لئے اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ صرف کرکےاور یہ حسرت اپنے دلوں میں ساتھ لے گئے کہ آئندہ کا مورّخ انہیں ’’فاتح قادیان‘‘ کے نام سے موسوم کرے۔ ہمارے ان مخالف علماء میں سے بے شمار ایسے تھے جن کی شعلہ بیانی اور طاقتِ لسانی میں تلوار کی کاٹ تھی ۔سیلاب کی سی روانی طوفان کی سی تیزی اورعلمیت مسلّمہ تھی ۔وہ خود بھی تبحر علمی کے مدعی تھے ۔اُن کی زبانیں احمدیت کے خلاف انگارے اُگلتی تھیں اور سامعین ،ان مولانا ،مولوی صاحب، علامہ گرامی قدر اور شاہ صاحب کے مونہوں سے اُگلے ہوئے انگارے اپنے دامنوں میں سمیٹ کر، ہر مقام پر احمدیت کے خلاف آگ بڑھکانے، جماعت احمدیہ کے بے گناہ افراد کا قافیہ حیات تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے ۔اوراس غرض کے لئے اسلامی تعلیمات اور حضور ﷺ کے فرمودات کو پسِ پُشت ڈال کر،احمدیت کے خلاف غیر انسانی اورغیر شرعی کارستانیوں کو ہمیشہ کارِثواب سمجھا گیا۔لیکن یہ واضح ترین حقیقت ہے کہ ہمارے ان نادان مخالفین کی ان پُرجوش مخالفتوں کے باوجود احمدیت نے ترقیات کی منازل طے کیں ۔یہ ہمارا تبصرہ نہیں ۔بلکہ ہمارے ایک بہت بڑے مخالف مولانا عبدالرحیم اشرف مدیر المنبر لائل پور کا اعتراف ہے جن کے قلم اور زبان نے ہمیشہ احمدیت کے خلاف اپنی صلاحیتوں کووقف رکھا۔وہ اپنی اخبار میں لکھتے ہیں۔

’’ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی ۔مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا اُن میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باﷲ، دیانت،خلوص،علم اوراثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے ۔سیّد نذیر حسین دہلوی،مولانا انور شاہ دیوبندی،مولانا قاضی سلیمان منصور پوری،مولانا محمد حسین بٹالوی،مولانا عبدالجبار غزنوی،مولانا ثناء اﷲ امرتسری اور دوسرے اکابر۔۔ہم اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کوششوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔‘‘(المنبر لائل پور 23فروری 1956ء)

یہ تو ستاون سال پہلے کا تبصرہ ہے۔مگر اس کے بعد جو جماعت احمدیہ کے خلاف جوحکومتی سطح پر عظیم طوفانِ بدتمیزی اُٹھے۔ پاکستان میں اس جماعت کو بے دست و پا کرنے کے لئے غیر مسلم قرار دے کر

فراعینِ وقت نے آرڈیننسوں سے مکروہ پابندیاں لگا کر جماعت کو معدوم کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔مگر اُس خیر الماکرین خدا نے اس جماعت کو نئی زندگی سے نوازا۔ دُشمنان احمدیت آج بھی انگشتِ بدنداں ہیں کہ جماعت کیسے سُرعت سے آج دوصد ممالک میں پھیل چکی ہے۔اور ستر 70 سے زائد دنیا کی بڑی زبانوں میں قرآن اور دیگر اسلامی لٹریچر کا ترجمہ پیش کرکے اسلام کو پھیلا رہی ہے۔گزشتہ ایک صد پچیس سال سے احمدیت کی شدید ترین مخالفت اور احمدیت کی تیز رفتار ترقی کا عمل جاری ہے۔کاش! کوئی اہلِ خرد اس پر غور کرے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔؟ ایک چھوٹی سی جماعت اتنے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اتنی تیز ترقی کناں کیوں ہے؟۔اور احمدیت میں داخل ہونے والے حق پرست یہ جانتے ہوئے بھی کہ احمدیت کو قبول کرنا خارزاروں میں سے پا برہنہ گزرنے کے مترادف ہے۔وہ جانتے ہیں کہ قبول احمدیت کے بعد انہیں خونی رشتہ داروں، اور خون کے پیاسوں دونوں کی طرف سے عمر بھر اذیّت ناک عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا لیکن وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر احمدیت کو اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ قبولِ احمدیت کے نتیجے میں بے شمار محرومیاں، کفر کے فتاویٰ، نفرت کی آندھیاں، اور عدُوّانِ احمدیت کی لگائی ہوئی آگ اُن کی منتظر ہے۔اس علم کے باوجود وہ بے خطر اس دریائے احمدیت میں چھلانگ لگا دیتے ہیں اور عقل محوِ تماشائے لبِ بام رہ جاتی ہے۔جماعت احمدیہ کے خلاف روزِ اوّل سے ہی مقامی سطح پر، اضلاع کی سطح پر، ملکی سطح پر، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور اب بین الاقوامی سطح پر بھی کفر کے فتاویٰ کی بوچھاڑ رہتی ہے۔اس قدر شدید مخالفت کی بنا پر تو عقلاً جماعت احمدیہ کی ترقی صفر ہو جانی چاہیے تھی لیکن ہے کوئی دانش مند جو اس امر پر سنجیدگی سے غور کرے کہ وہ خدا جو باطل کی سرپرستی نہیں کیا کرتا۔اس جماعت کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھے ہوئے کیوں ہے۔؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر دل و جان سے ایمان لانے والی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عشق میں مخمور، اور ساری دنیا کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی غلامی میں لانے کا عزم رکھنے اور اس غرض کے لئے جنون کے ساتھ کام کرنے والی جماعت حق پر ہے! خدارا سوچیئے کہ آخر خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بارشیں تواتر اور تسلسل کے ساتھ اس جماعت پر کیوں برس رہی ہیں۔؟ بخدا ہم نے بیسیوں مرتبہ اپنی غمزدہ تنہائیوں میں اس امر پر غور کیا ہے کہ آخر ہمارا قصور کیا ہے۔؟ کیا ہمارا جُرم سوائے اس کے بھی کچھ ہے کہ ہم توحیدِ باری اور رسالت محمدیؐ پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتے ہیں۔؟ کیا آفاقِ عالم میں عظمتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پرچم گاڑنے کا عزم واقعی کفر ہے؟ کیا دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں

قرآن کریم کے تراجم کی اشاعت فی الواقع ایک جُرم ہے۔؟ کیا اپنے اَموال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے دنیا کے ہر برّاعظم کے ہر شہر میں تبلیغ، اسلام کے لئے مشن کھولنا اور کفرستانوں میں مساجد تعمیر کر کے اذانوں کی صداؤں سے کفر کے دل میں لرزہ پیدا کرنا واقعی نا قابلِ معافی جُرم ہے۔؟ اے علماء اسلام! کبھی آپ بھی برائے خدا غور کیجئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اسلام کے مقدس نام پر ہمارے ساتھ غیر اسلامی سلوک روا رکھے ہوئے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ بھی محض سماعی علم، غیر متحقق روایاتِ پارینہ سے متاثر ہو کر لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ آپ اپنے اذہان سے تعصب، عداوت، کدُورت سے خالی ہو کر احمدیت کے متعلق ذاتی علم حاصل کیجئے۔

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

پھر عجیب بات ہے کہ ہمارے مخالف علماء کا کردار ہمیشہ منفی اور سلبی رہا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کے اندر جذبہ دین کی اشاعت پیدا ہو، تا ان کی تمام درسی تنظیمیں طلباء کو تبلیغِ اسلام پر لگاتیں اپنے مما لک کے اندر بھی اور غیر مما لک میں بھی قرآنی تعلیمات، اسلام کی حقانیت، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بیان کرتے، ان مما لک کو ابدی صداقتوں سے روشناس کرواتے لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ ہمارے وسیع تر نظام تبلیغ کو دیکھ کر بھی ان کے اندر خدمتِ دین کے جذبے نے انگڑائی نہ لی۔ اور علماء و فضلاء کی وہ اسناد جنہیں تبلیغ اسلام سے صیقل کر کے لکھو کھہا غیر مسلموں کی سعید روحوں کو اپنے عمل پیہم کی مقناطیسیت کے ساتھ دائرہ اسلام کی طرف کھینچا جا سکتا تھا۔ اور ان کی روحانی تشنگی کو اس روحانی چشمے سے سیراب کیا جا سکتا تھا۔ وہ بدستور پیاسی ہیں اور سینکڑوں سالوں سے ان کی تشنگی آبِ زلالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منتظر ہے۔ مگر ان دینی مدرسوں سے علم و فضل کی اسناد لے کر نکلنے والے ہزاروں نوجوان تشدد اور نفرت کی تعلیم اور دجالی اور سیاسی ہتھکنڈوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ خود کُش بمبار بن کر اپنے ہی مسلم بھائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ سعودی اور انگریزی پالیسی کو اپناتے ہوئے ننگِ انسانیت کاروائیوں کا سبب بنے۔ امام بارگاہوں، مساجد اور عبادت گاہوں میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ اسلام کو ایک خونخوار مذہب کی تصویر بنا دیا۔ اسلامی اقوال کو عملی طور پر اپنی سفلی سوچ سے اس کی ایسی بھیانک تصویر بنائی کہ الامان والحفیظ۔ نام نہاد جہادی تنظیموں سے مال مفاد کی خاطر، غیر شرعی فتاویٰ کو مدّنظر رکھ کر سارے عالم میں اپنی اور اسلام کی جگ ہنسائی کا

سبب بنے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اے علمائے اسلام کہلانے والے بھائیو! خدارا کبھی اس نہج پر بھی سوچئے کہ آپ کی منفی سوچ نے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔؟ آپ کے اس منفی کردار نے، سلبی لائحہ عمل نے اپنی قوتِ عمل کو بھی ضائع کیا۔ اور ہماری جماعت کی انرجی کو ضائع کیا۔ ہماری وہ قوتیں، صلاحیتیں جو ہم نے آپ کے بے جا حملوں کے دفاع پر خرچ کیں۔ اگر ہم انہیں تبلیغ اسلام پر خرچ کرتے تو ہم نے اس سے بھی زیادہ سفر طے کرلیا ہوتا۔ اور کروڑوں مزید افراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں جھکے ہوتے۔ لیکن آپ نے ہر موقع، مقام پر جماعت احمدیہ کی ٹانگ کو پکڑ کر کھینچنے کو دونوں جہان میں سُرخروئی کا باعث سمجھ لیا۔ کوئی خدا کا بندہ، کوئی دردمند دل، کوئی اسلام کا حقیقی عاشق آپ سے یہ نہ کہہ سکا کہ جماعت احمدیہ کو تبلیغ اسلام سے روکنے والو! خود بھی تو اسلام کی کوئی خدمت کر کے دکھلاؤ!۔ کئی علامہ، لیڈر، جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو غیرت بھی دلائی لیکن آپ کی غیرت طویل خوابِ خرگوش میں مدہوش رہی۔ اُس زمانہ میں جب جمیعت احرار احمدیت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا عزم لے کر اُٹھے تھے۔ تو اس وقت مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر ''زمیندار'' لاہور نے امرتسر کے ایک بھرے جلسے میں کہا تھا کہ: ''کوئی ان احرار سے پوچھے، بھلے مانسو! تم نے مسلمانو کا کیا سنوارا ہے۔؟ کوئی اسلامی خدمت تم نے سرانجام دی ہے۔؟ کیا بھولے سے بھی تم نے تبلیغ اسلام کی۔؟ کان کھول کر سُن لو، تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود (اس وقت کے امام جماعت) کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے، مرزا محمود کے پاس قرآن ہے، قرآن کا علم ہے، تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے تم میں سے ہے کوئی جو قرآن کے سادہ حروف بھی پڑھ سکے۔ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا، تم خود کچھ نہیں جانتے۔ لوگوں کو کیا بتاؤ گے۔؟ مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے، مرزا محمود کے پاس ایک ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارہ پر اس کے پاؤں نچھاور کرنے کو تیار ہے تمہارے پاس کیا ہے۔؟ گالیاں اور بدزبانی! تف ہے تمہاری غداری پر، مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں مختلف علوم کے ماہر ہیں، دنیا کے ہر ملک میں اُس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے۔۔''

(ایک خوفناک سازش ص 195۔196)

ہم بصد خلوص اپنے مخالف علماء کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ خدا کے لئے، رسول کے لئے، قرآن کے لئے، اسلامی صداقتوں کے لئے، اپنے حجروں سے باہر نکلئے اور اسلام کی

کوئی ٹھوس خدمت کر کے دکھایئے خدارا سابقہ سوا سو سالہ تجربہ سے سبق سیکھیئے کہ احمدیت کا پودا خود خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اُسے اُکھاڑنے پر آپ کبھی قادر نہ ہو سکیں گے۔ جس نے بھی کوشش کی اُس نے منہ کی کھائی۔ آپ بھی قرآن پاک کے ارشاد وَلتکُن منکُم اُمَّۃُ یَّدعُونَ اِلی الخیر پر عمل کرتے ہوئے سارے عالم میں تبلیغ شروع کریں۔ لیکن جیسا کہ ہمارا تجربہ ہے تبلیغ کا کام ایک مضبوط مرکز کا متقاضی ہے۔

ایک ایسے مرکز کا جو مسلمانوں میں اتحاد اور نظم وضبط قائم کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک امام کا متقاضی ہے جس کے ایک اشارے سے ساری دنیا کے مسلمان اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور ایک اشارے سے بیٹھ جائیں۔ اور ایک اشارے پر اپنے اموال کو دین کے لئے قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ دنیا میں آج تک کسی بھی جماعت نے بغیر ایک واجب الاطاعت امام کے ترقی نہیں کی اور نہ کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نصوصِ صریحہ کے ذریعہ سے بھی اور لطیف پیرایہ میں بھی جا بجا ایک جماعت اور ایک امام کی اہمیت اہل اسلام پر واضح کی ہے۔ لیکن افسوس آپ یہ تعلیمات بھلا کر متفرق ہو گئے۔ اور تشتّت وافتراق کا شکار ہو گئے۔ آپ کو ایک امام کی متابعت میں پنجوقتہ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ ہر ہفتہ کے بعد جمعہ کی نماز سال کے بعد نماز عید اور سال کے بعد برموقع حج خطبہ امام سننے کا کہا گیا۔ یہ احکامات اس لئے تھے کہ آپ ایک امام کی قیادت میں جمع ہونا سیکھ لیں۔ اتحاد اور اجتماعیت کا سبق یاد کر لیں لیکن آپ نے ان احکامات کی حکمتوں کو نظر انداز کر دیا۔ جب ایک امام کی ضرورت ہی نظر انداز ہو گئی جو آپ کی اجتماعیت کی ضامن تھی۔ تو آپ کا حشر وہی ہوا جو احکام خداوندی سے سرتابی کے بعد ہونا چاہیے تھا۔ خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک رسّی لٹکائی اور فرمایا کہ اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کمندِ آسمانی کو اپنی گردنوں میں ڈال لو۔ اس طرح کہ تمہاری گردنیں اسی ایک کمند کے حلقے میں آ جائیں یعنی خلافت کا بابرکت آسمانی نظام آپ کو دیا گیا جسے ڈھال بنا کر آپ ہر قسم کے حملوں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ لیکن آپ کی گردنوں نے کبر و غرور کی وجہ سے اس کمندِ آسمانی سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ اور اس کے مقابلہ میں اپنی پیری مریدی، مشیخیت اور سجادہ نشینی، کے خود غرضانہ شوق وانہماک کو اس نظامِ آسمانی پر ترجیح دی۔ فروعی اختلاف، خود تراشیدہ عقائد، ظاہری رکھ رکھاؤ، اَنا پرستی، کبر و غرور نے آپ کو اور آپ کی ساری اُمت کو ذلیل کر کے اسلام کے تشخص کو تباہ کر دیا ہے۔ ہر مکتبہ فکر مسلمان کی تعریف مختلف کرتا

ہے۔قرآن وحدیث سے فرار ہے۔قول وعمل میں تضاد ہے۔ ہم پھر علماء کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔کہ جماعت احمدیہ جنون وعشق کے جذبات کے ساتھ ساری دنیا میں اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے کوشاں ہے۔تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ عقل وخرد کبھی بھی جنون وعشق کو شکست نہیں دے سکی۔آپ نے ہر رنگ میں ہماری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا۔حکومتوں کا بھی اشیر باد حاصل کیا۔بے شمار شہادتوں کے غم بھی دیئے۔ہمارے دیوانوں پر فرعونی و یزیدی مظالم کی بھر مار بھی کر کے دیکھ لی مگر ہم ثابت قدم رہے اور تم اپنے کئے پر نادم وشرمندہ بھی نہ ہو سکے۔ہم کامیاب وکامران ٹھہرے اور آپ ناکام ونامراد۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ نُصرتِ خداوندی ہماری پُشتیبان ہے۔آپ کے اپنے علماء ہمارے معترف ٹھہرے۔ملاحظہ ہو:۔

ہماری جماعت کی کے ایک شدید مخالف مولانا عبدالرحیم اشرفؔ نے (المنبر 2 مارچ 1956ء) میں لکھا تھا؛۔

''قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جو ہر موجود ہیں ان میں اوّلین اہمیت اس جدوجہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں سید المرسلین کی سیرتِ طیبہ پیش کرتے ہیں۔اُن ممالک میں مساجد بنواتے ہیں اور جہاں کہیں ہو اسلام کو امن وسلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔۔''

'قادیانی تنظیم کا تیسرا پہلو وہ تبلیغی نظام ہے جس نے اس جماعت کو بین الاقوامی جماعت بنا دیا ہے۔اس سلسلہ میں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ بھارت،کشمیر،انڈونیشیا،اسرائیل، جرمنی،ہالینڈ،سوئٹزرلینڈ،امریکہ،برطانیہ،دمشق،نائیجیریا،افریقی علاقے اور پاکستان کی تمام قادیانی جماعتیں محمود احمد صاحب کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کرتی ہیں اور ان کے بعض دوسرے ممالک کی جماعتوں اور افراد کے کروڑوں روپیوں کی جائیدادیں صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام وقف کر رکھی ہیں۔''(المنبر 2 مارچ 1956ء) خدا کرے کہ علمائے اسلام کو یہ توفیق ملے کہ وہ تخریبی،منفی،اور سلبی طریق کار کو چھوڑ کر اسلام کا تعمیری کام کریں۔اور ساری دنیا میں ایک ہی رسول ہو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ایک ہی مذہب ہو اسلام۔آمین۔



تربیتی مضامین

ہمارا خدا

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

مذہب خدا کے پانے کے راستے کا نام ہے۔اسلام اس صداقت کا علمبردار ہے۔کہ ابتدائے آفرینش سے نسل انسانی کے سامنے اللہ تعالیٰ کے پانے کی راہیں کشادہ رہی ہیں اور ہمیشہ کشادہ رہیں گی۔اگر یہ راہ بند ہوجائے تو ظاہر ہے کہ انسانی تخلیق کا مدعا اپنے کمال تک نہیں پہنچتا۔باقی ادیان کے پیرو ایک محدود زمانے تک اس راستے کو کھلا قرار دیتے ہیں۔اوراس کے بعد بند ٹھہراتے ہیں۔حقیقی اسلام ان مذاہب کے ابتدا سچا ہونے کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پانے کا راستہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔خدا کے پانے سے یہی مراد ہے۔کہ انسان اس کا مقرب بن جائے۔اور انسان کی ساری قوتیں اور استعدادیں اس کے منشاء کو پورا کرنے والی ہوں۔ایسا انسان خدا تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔اور محبت کے تمام آثار اس کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔بلا شبہ یہ بلند مقام اور بہت مشکلات برداشت کرنے اور زبردست مجاہدات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔جو سعادت مند لوگ اس راہ پر گامزن ہوتے ہیں اور جن خوش نصیب انسانوں کو منزل محبوب تک سعادت نصیب نہیں ہوتی۔وہ اس کے راستہ میں ہر قربانی خندہ پیشانی سے پیش کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ بھی اپنی خاص قدرتیں ظاہر فرماتا ہے۔ان کے دلوں کو یقین اور ایمان کی متاع سے اس طرح بھرپور کردیتا ہے۔کہ حوادث کے طوفانوں میں وہ چٹانوں سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوتے ہیں۔یہ سب کچھ اسی ایمان کا نتیجہ ہوتا ہے۔جوان روحانی انسانوں کو حاصل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے نیک اور پاک بندوں کے لئے اس سے زیادہ جوش مارتی ہے۔جتنا کہ ایک ماں کی محبت اپنے بچے کے لئے موجزن ہوتی ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جس زندہ خدا کی طرف انسانوں کو بلایا ہے۔اور ہمارے سید و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس معبود برحق کی طرف دعوت دی ہے وہ ہمیشہ ہی اہل حق کی تائید فرماتا ہے اور ان کی تائید نصرت کے لئے غیر معمولی معجزات ظاہر کرتا ہے۔علاوہ ازیں وہ اپنے محبت بھرے پیغام

اور اپنی تازہ وحی سے انہیں لافانی زندگی عطا فرماتا ہے۔اور اپنے مکالمہ سے نوازتا ہے۔خدا تعالیٰ کی یہ وحی درحقیقت محبت الٰہی ہی کا ایک بین اور واضح نشان ہوتی ہے۔ایسے باخدا انسان اسلام کے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔اور جب تک یہ زمین وآسمان قائم ہیں پیدا ہوتے رہیں گے۔اسلام کو مکالمہ الٰہیہ کے لحاظ سے جو خصوصیت حاصل ہے۔وہ کسی اور دین میں پائی نہیں جاتی۔قرآنی دعوت کا یہ طرہ امتیاز کسی اور دین کے پیروکاروں کو حاصل نہیں اب مرورزمانہ سے جب مسلمان شمع ہدایت سے دور ہوگئے ان کا بیشتر حصہ پھر اس نورانی امتیاز سے محروم نظر آتا ہے اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسلمانوں کے علماء لیڈر اور سب باتیں کرتے ہیں۔لیکن خدا کی زندہ وحی اور اس کے تازہ مکالمہ کا ذکر کوئی نہیں کرتا۔تحریک احمدیت جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہے۔اس اساس پر قائم ہوئی ہے کہ ہمارا خدا آج بھی بولتا ہے۔جس طرح وہ پہلے بولتا تھا۔آج بھی سنتا ہے جس طرح وہ پہلے سنتا تھا۔ایسے زندہ خدا کی طرف دعوت دینا اسلام کا امتیازی خاصہ ہے۔اور یہ نظریہ آج سوائے احمدیت کے اور کسی جگہ پر نظر نہیں آتا۔

درحقیقت اس میدان میں سوائے جماعت احمدیہ کے اور کوئی جماعت کھڑی نہیں ہوسکتی۔احمدیت جس خدا کی طرف انسانوں کو بلاتی ہے۔وہ حی و قیوم خدا ہے۔جو آج بھی اپنے پیارے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے کیا ہی پاکیزہ طریق پر اسلام اور احمدیت کے اس امتیازی خاصہ کو بیان فرمایا ہے۔حضور تحریر فرماتے ہیں:''جب سے خدا نے زمین اور آسمان کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو۔ بلکہ وہ ان کے لئے بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے اور اب بھی دکھلائے گا۔وہ خدا نہایت ہی وفادار خدا ہے اور وفاداروں کے لئے اس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن ان پر دانت پیستا ہے۔مگر وہ جو انکا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے ان کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کو فتح بخشتا ہے۔کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس خدا کا دامن نہ چھوڑے۔ہم اس پر ایمان لائے ہم نے اس کو شناخت کیا تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا۔اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔نہ آسمان میں نہ زمین میں۔جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا''(کشتی نوح صفحہ 19)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کو ایک زمانے نے پرکھا اور آزمایا اور پھر الہامی پیشگوئیوں کو ایک زمانہ تقریباً ایک صد تیس سال سے پورے ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔اور نیک فطرت انسان تو خود نوحی الیھم من السماء کے تجربات سے گزر کر اس پاکیزہ کارواں میں مسلسل شامل ہو رہے ہیں۔خدا تعالی کی الہامی پیشگوئیاں اور وعدے اظہر من الشّمس ہیں۔مثلاً ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' ہو۔یا پیشگوئی مصلح موعودؓ ہو یا '' آہ نادر شاہ کہاں گیا'' ہو یا '' زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار'' کے الفاظ۔اور ان کے علاوہ سینکڑوں خدائے عظیم و برتر کے سچے وعدے جو مسلسل ایفاء کے اعلی مقام تک پہنچے۔اور پہنچ رہے ہیں۔اور خلفائے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کو وہ خدائے عظیم و برتر اپنی راہنمائی سے مسلسل نوازتا آرہا ہے نیز لکھوکھہا پیرو کاروں کے کشوف و رویاء کے تجربات خدا تعالیٰ کا اپنے نیک بندوں سے ہمکلام ہونے کا بین ثبوت ہیں۔اللہ تعالی کے ہم کلام ہونے کے اعتماد پر ہم نے بہت بڑے بڑے احمدی مبلغین، پارسا، اولیاء اور نور یقین سے پُر مردان مجاہد دیکھے جو اس نور سے ہم کلامی کا شرف پا کر بے خطر اس میدان عمل میں کود کر کامیابیوں سے ہم کنار ہوئے۔میں کتنے ان بے شمار خوش نصیبوں کا نام لوں جو کہ ناممکن ہے۔اور یہ قرطاس اس ذکر کے لئے ناکافی ہیں۔الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود بھی الہام الٰہی سے خوب زندگی بھر محظوظ ہوئے اور اپنے پیرو کاروں کو بھی اس راہ سے خوب راہ شناس کرواگئے۔جو کہ اب آسمانی خلافت کی راہنمائی میں یہ کارواں صالحین قرآنی تعلیم کو اس طاغوتی دور کی تاریکی کو نور خدا اور نور مصطفوی سے منور کرنے کی کامیاب کوشش میں شب و روز مصروف عمل ہے۔اور زندہ خدا اور زندہ رسول کا تصور پیش کر کے دقیانوسی، مشرکانہ اور صلیبی نظریات کا قلع قمع کرنے میں مشغول ہے۔اس وقت مسلمانوں کے فرقوں میں کوئی دوسرا فرقہ اس بنیاد پر قائم نہیں ہے کہ کسی کو اس بات کا دعوی ہو کہ خدا تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتا ہے بلکہ وہ لوگ تو یہ تصور لئے بیٹھے ہیں۔کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔پس زندہ خدا واحد و یگانہ خدا ساری کائنات کا پیدا کرنے والا خدا وہی خدا ہے جسے احمدیت پیش کرتی ہے۔جو ہمیشہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان سے پیار اور محبت کی باتیں کرتا رہا ہے۔اور کرتا رہے گا۔



بیعت کرنا کیوں ضروری ہے؟



کئی لوگوں کی طرف سے سوال کیا جاتا ہے کہ بیعت کیوں ضروری ہے۔جبکہ جماعت احمدیہ کا کلمہ بھی وہی ہے، جو عام مسلمانوں کا ہے،نماز بھی،قبلہ بھی،اورقرآن بھی وہی ہے تو پھر اس کے عقائد کو درست ماننے کے بعد اس میں داخل ہونے کے لئے بیعت کیوں ضروری ہے؟۔یادرکھنا چاہیے کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کی وہ تبلیغی جماعت ہے جو تبلیغ اسلام کو اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے۔جس طرح ہر جماعت کا کوئی نظام ہوتا ہے اسی طرح اس جماعت کا بھی ایک محکم نظام ہے۔اوراس جماعت کا ہر فرد زنجیر کے اُس حلقہ کی حیثیت رکھتا ہے جو اپنی ذات میں بھی قائم و محکم ہے۔اور دوسرے حلقوں کے ساتھ بھی مربوط ہے۔پس جس طرح کوئی حلقہ زنجیر سے علیٰحدہ ہوکر زنجیر کا جزو شمار نہیں ہوسکتا بعینہٖ اسی طرح وہ شخص جو جماعت احمدیہ کی صداقت کا تو قائل ہے لیکن بیعت کر کے اس جماعت میں داخل نہیں ہوجاتا وہ یقیناً اپنے وجود کو ایک عظیم خطرہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ اس شخص کا یہ سطحی ایمان (یعنی صداقت احمدیت کے قائل ہونے کا دعویٰ) کسی وقت اسے ایسی ٹھوکر لگا دے کہ وہ اس ظاہری اور سطحی ایمان سے بھی محروم ہوجائے۔رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی خطرہ کے پیش نظر یہ پُرحکمت ارشاد فرمایا ہے۔کہ ”سَدِّدُوا وقاربُوا فَاِنَّمَا یُصیبُ الذئبُ مِن غَنَمِ الشَّاردۃَ۔“یعنی اپنے نظام جماعت اس رنگ میں اپناؤ کہ ایک فرد اور دوسرے فرد کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہے۔کیونکہ جو شخص ایک نظام کو سچا سمجھ کر پھر اس میں داخل یا مدغم ہوکر اپنی حفاظت نہیں کرتا ۔اُس کے لئے ہر وقت خطرہ درپیش ہے کہ اسے کوئی بہکا نہ لے جائے۔جیسے کہ وہ بکری جو اپنے ریوڑ سے علیٰحدہ ہوتی ہے اس کے لئے یہ حقیقی خطرہ ہر وقت موجود ہے۔کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَاعتصموا بحبل اللہ جمیعاً وَلا تفرقوا“۔کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو (نظام جماعت کو) تم سب کے سب بلا استثناء اس مضبوطی سے تھامو کہ تفرقہ نظر ہی نہ آئے۔پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔”یَدُ اللہ علی جماعۃِ“یعنی اللہ تعالیٰ (برکت) کا ہاتھ ان لوگوں پر ہے جو اپنے آپ کو ایک نظام جماعت

میں منسلک کرتے ہیں۔اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔کہ۔''مَن شَذَّ شُذَّ فِي النارِ''۔یعنی جو نظام جماعت سے علیٰحدہ ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈالتا ہے۔پس بیعت کرنا اس لئے ضروری ہے کہ تا انسان لفظاً و معناً اُس جماعت میں داخل ہو جائے جس کی صداقت کے قائل ہونے کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔اور تا وہ حقیقی معنوں میں اس زنجیر کا ایک حلقہ بن جائے۔جس زنجیر کو وہ اللہ تعالیٰ کی رسی سمجھتا ہے۔پھر بیعت کرنا اس لئے بھی ضروری ہے تا وہ گمراہ ہونے اور آگ میں پڑنے کے اس خطرہ سے بچ جائے۔جس کا جماعت سے علیٰحدہ رہنے کی صورت میں مذکورہ احادیث نبویہ ؐ میں ذکر ہے۔اب میں بیعت کی تاریخی حیثیت و اہمیت کو بیان کرتا ہوں۔کیا یہ تاریخی حقیقت کسی مسلمان سے مخفی ہے کہ جب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو سب مسلمانوں نے من حیث الجماعت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بیعت کر کے خلیفہ منتخب کیا۔اور پھر اُن کی وفات پر یہی عمل انتخاب اور بیعت کا دوبارہ حضرت عمر ؓ پر دوہرایا۔بعدازاں اسی طرح حضرت عثمان ؓ و علی کرم اللہ وجہ سے ایسا ہی کیا۔اور ان کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ان کے بدست بیعت بھی کی اور اس کو ضروری سمجھا گیا۔پس یہ کہنا کہ جماعت احمدیہ کا کلمہ، نماز، قبلہ، قرآن بھی وہی ہے تو پھر بیعت کیوں ضروری ہے۔یہ صرف نفس کا دھوکہ ہے۔اور کسی مومن کو اس دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے ورنہ یہ بتایا جائے کہ جب خلفائے راشدین کوئی نئی چیز نہ لائے تھے تو پھر ان کی بیعت کرنا کیوں ضروری سمجھا گیا تھا پس امام وقت کی بیعت کرنا نہ صرف تاریخی لحاظ سے ضروری ہوتا ہے بلکہ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ تجدید عہد ہو۔اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔چنانچہ جب حضرت علی ؓ نے امیر معاویہ ؓ کو اپنی بیعت کے لئے پیغام بھیجا تو تحریر فرمایا۔''اَنَّهُ بایعنی القومُ الذین بایعُو ابابکر و عمر و عثمان علیٰ ما بایَعُوهُم علیه۔۔۔۔۔۔وانهم اُناسُ اذا اجیمعوا علیٰ رجُلٍ وسمّو هُ اِماماً کانَ ذالكَ للهِ رِضاً''(نہج البلاغہ مشہدی) کہ اے معاویہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے۔جنہوں نے ابوبکر، عمر فاروق، عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی بیعت کی۔اور یہ لوگ اس پایہ کے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کی بیعت کر کے اسے اپنا امام تسلیم کر لیں تو ان کا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا موجب ہوتا ہے۔''پس معلوم ہوا کہ حضرت علی ؓ بھی امام وقت کی بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ان کے اس مکتوب سے بیعت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''مَن لم یعرف امامَ زمانه فقدمات میتة الجاهلیة''۔جو شخص اپنے زمانے کے امام کو تسلیم نہیں کرتا وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔اور امام وقت کو

تسلیم کرنا مستلزم ہے۔اس بات کو کہ اس کی بیعت کرکے اس کی اطاعت کے جُوئے کو اپنی گردن میں ڈالا جائے اس طرح پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ ارشاد بھی پورا ہو جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔''الامام جنة یقاتلُ من ورائه''یعنی جہاد کے لئے ضروری ہے کہ مجاہدین کسی امام کے تابع ہوں اوراس کو اپنی ڈھال بنائیں۔پس جو شخص بیعت کرکے جماعت میں شامل نہیں ہوتا اس کی ڈھال کون ہے؟۔اس طرح واضح ہوگیا کہ امام وقت یا خلیفہ وقت کی بیعت کرنا عقلی،شرعی اور تاریخی لحاظ سے ثابت ہے اور بالخصوص امام مہدی علیہ السلام کی بیعت تو اس لئے بھی ضروری ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بالخصوص مہدی کی بیعت کو لازمی قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔وَاذارَایتُمُوہُ فبا یعوہُ ولو حبواً علی الثلج فانه خلیفة اللّٰہ المهدی(مسلم)یعنی اگر تم کو مہدی علیہ السلام کا زمانہ ملے تو تم اس کی ضرور بیعت کرو اگرچہ تمہیں برف پر گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔کیونکہ وہ مہدی زمین پر اللہ تعالیٰ کا جانشین ہے۔پس اس حدیث کے ہوتے ہوئے پھر کونسا مسلمان امام مہدی کی بیعت سے انکار کرسکتا ہے۔بیعت کی اہمیت واضح کرنے کے بعد اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب بیعت کرنی ضروری ہے۔تو کیا بیعت صرف دستی ہی ہوسکتی ہے یا تحریری بھی ہوسکتی ہے۔؟تو جاننا چاہیے کہ اسلامی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت ہر سہ طریق سے ہوسکتی ہے۔جو شخص خلیفہ وقت سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تو وہ خود حاضر ہوکر بیعت کرے اگر زیادہ فاصلے پر ہے تو تحریری بیعت بھی کرسکتا ہے اور کسی شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر بھی بھیج سکتا ہے۔

اب بالآخر اس زمانہ کے امام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک اور روح پرور الفاظ میں بیعت کی ضرورت و اہمیت کو درج کیا جاتا ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔''بیعت اگر دل سے نہیں تو کوئی نتیجہ اس کا نہیں۔میری بیعت سے خدا دل کا اقرار چاہتا ہے۔پس جو سچے دل سے مجھے قبول کرتا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے۔غفور رحیم خدا اس کے گناہوں کو ضرور بخش دیتا ہے۔اور وہ ایسا ہو جاتا ہے۔جیسے ماں کے پیٹ سے نکلا ہے تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔(روحانی خزائن جلد سوم ص 262)پھر حضورؑ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں۔''یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے۔تا ایسے متقیوں کا ایسا گروہ دنیا پر اپنا ٹھیک اثر ڈالے۔اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت وعظمت ونتائج خیر کا موجب ہو۔اور وہ ببرکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک ومقدس خدمات میں جلد کام

آسکیں اور ایک کاہل و بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ اُن نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و نا اتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگایا ہے۔'' (روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 561)

پھر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی اسی کتاب کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''مگر کس مدّعا کے لئے بیعت ہے یعنی حقیقی تقویٰ اختیار کرنا اور سچا مسلمان بننے کے لئے کوشش کرنا اس مدّعا کو خوب یاد رکھے اور اس وہم میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کہ اگر تقویٰ اور سچا مسلمان بننا پہلے ہی شرط ہے تو بعد اس کے بیعت کی کیا حاجت ہے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیے کہ بیعت اس غرض سے ہے کہ تا وہ تقویٰ کہ جو اوّل حالت میں تکلف اور تصنع سے اختیار کی جاتی ہے دوسرا رنگ پکڑے اور برکت توجہ صادقین و جذبہ کاملین طبیعت میں داخل ہو جائے۔ اور اس کا جزو بن جائے اور وہ مشکوٰتی نور دل میں پیدا ہو جائے۔ کہ جو عبودیت اور ربوبیت کے باہم تعلق شدید سے پیدا ہوتا ہے جس کو متصوفین دوسرے لفظوں میں رُوح قدس بھی کہتے ہیں جس کے پیدا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کی نافرمانی ایسی بالطبع بُری معلوم ہوتی ہے۔ جیسی وہ خود خدا تعالیٰ کی نظر میں بُری و مکروہ ہے اور نہ صرف خلق اللہ سے انقطاع میسّر آتا ہے بلکہ بجز خالق و مالک حقیقی ہر یک موجود کو کالعدم سمجھ کر فنا نظری کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ سو اس نور کے پیدا ہونے کے لئے ابتدائی اتقاء جس کی طالب صادق اپنے ساتھ لاتا ہے۔ شرط ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی علّت غائی بیان کرنے میں فرمایا۔ ہے۔ **ھُدیً للمتقین** یہ نہیں فرمایا **ھُدیً للفاسقین** یا **ھُدیً للکافرین**۔ ابتدائی تقویٰ جس کے حصول سے متقی کا لفظ انسان پر صادق آ سکتا ہے۔ وہ ایک فطرتی حصہ ہے کہ جو سعیدوں کو خِلقت میں رکھا گیا ہے۔ اور ربوبیت اولیٰ اس کی مربی اور وجود بخش ہے جس سے متقی کا پہلا تولد ہے مگر وہ اندرونی نور جو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے وہ عبودیت خالصہ تامہ اور ربوبیت کاملہ مستجمعہ کے پُورے جوڑ و اتصال سے بطرز **ثُم انشاناہ خلقاً آخر** کے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ربوبیت ثانیہ جس سے متقی تولد ثانی پاتا ہے۔ اور ملکوتی مقام پر پہنچتا ہے اور اس کے بعد ربوبیت ثالثہ کا درجہ ہے جو خلق جدید سے موسوم ہے جس سے متقی ملکوتی مقام تک پہنچتا ہے اور تولد ثالث پاتا ہے۔ فتدبر

(روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 558 تا 560)



الصلوۃ عماد الدین۔نماز دین کا ستون ہے

ہمارے امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''سوتم نمازوں کو سنوارو اور خدا تعالیٰ کے احکام کو اس کے فرمودہ کے بموجب کرو،اس کے نواہی سے بچے رہو،اس کے ذکر اور یاد میں لگے رہو۔دعا کا سلسلہ ہر وقت جاری رکھو اپنی نماز میں جہاں جہاں رکوع و سجود کا موقع ہے دعا کرو اور غفلت کی نماز کو ترک کردو رسمی نماز کے کچھ ثمرات مترتب نہیں لاتی اور نہ وہ قبولیت کے لائق ہے۔نماز وہی ہے کہ کھڑے ہونے سے سلام پھیرنے کے وقت تک پورے خشوع خضوع اور حضور قلب سے ادا کی جاوے اور عاجزی اور فروتنی اور انکساری اور گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح سے کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو۔اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو ہو کہ وہی تم کو دیکھ رہا ہے۔اس طرح کمال ادب اور محبت اور خوف سے بھری ہوئی نماز ادا کرو'' (ملفوظات جلد سوم ص177۔176)

ہمارے پیارے امام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے اکثر خطبات تقاریر اور ارشادات میں ہمیں اپنی عبادتوں کے معیار بلند کرنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔عبادت کا حکم اتنا اہم ہے کہ خدا فرماتا ہے۔وما خلقت الجن والا نس الا لیعبد ون کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس غرض کے لئے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔یعنی مجھے ہی اپنا معبود بنائیں۔ہمارے باقی سارے کام عبادت کے گرد ہی گھومنے کے لئے ہیں۔اور وہ عبادت کو قائم کرنے کے لئے اور اس کے نوکروں چاکروں کی طرح ہیں۔یعنی ہمارے سبھی دنیا کے کام دین کے کام کے خادم ہیں۔یہی معنے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے ہیں اسلام میں پانچ عبادات مقرر ہیں اول کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اپنی زندگیوں میں اس طرح ڈھالنا کہ ہمارے ہر کام میں اللہ ہی ہمارا الہ ہو یعنی وہی ہمارا حقیقی معبود،محبوب اور مقصود ہو اور جو بھی کام کرتے ہیں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق پر آپ کی پیروی میں اور آپ کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق کرتے ہیں یعنی ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔کلمہ کے معنے کی طرف غور کرو لا الہ الا اللہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں۔الہ ایک عربی لفظ ہے اور اس کے معنے معبود اور محبوب اور اصل مقصود کے ہیں اس کے معنے یہ ہیں کہ جب تک خدا کو مقدم نہ کیا جاوے جب تک خدا کو مقصود نہ ٹھہرایا جاوے انسان کو نجات حاصل نہیں ہوسکتی جب

کوئی شخص سچے طور پر کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے تو بجز خدا کے اور کوئی اس کا پیارا نہیں رہتا بجز خدا کے کوئی اس کا معبود نہیں رہتا اور بجز خدا کے کوئی اس کا مطلوب نہیں رہتا یہ کلمہ شریف ایک اللہ کے سوا تمام الٰہوں کی نفی کرتا ہے (مرزا غلام احمد قادیانی صفحہ 988۔987)

''میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی ﷺ کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے'' (حقیقۃ الوحی ص 65۔64) اسی کلمہ کا تقاضا ہے کہ قرآن کریم سے بہت پیار کیا جائے اس کی تلاوت باقاعدہ کی جائے اور اس کی دل وجان سے پیروی کی جائے۔ اسلام کے ارکان پانچ ہیں۔ اور یہ پانچوں ہی ضروری عبادات ہیں جن کو بجالائے بغیر کوئی شخص حقیقی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ پہلی عبادت تو کلمہ کی حقیقت سمجھ کر سارے نفسانی بتوں کو لا کے گرز سے توڑ کر خدا کے سوا سب کی نفی کرنا اور ہر بات میں خدا کو مقدم کرنا اور محمد ﷺ کے قدموں پر قدم رکھنا، پانچوں وقت نمازیں شرائط کے مطابق ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، مال پاس ہو تو زکوٰۃ دینا، اور زندگی میں ایک بار خدا کے گھر کا حج کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اسلام کو غالب کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے اور ہم جو احمدی ہیں ہم اسی عہد کے ساتھ آپ کی جماعت میں داخل ہوئے ہیں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ اور اس راہ میں جو بہت مشکل اور کٹھن راہ ہے ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور اس راہ میں جو بھی قربانی ہم سے طلب کی جائے گی اسے پیش کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔ خواہ وہ جان کی ہو، مال کی ہو، وقت کی ہو، عزت کی ہو یا خود اپنے آپ کو یا اولاد کو وقف کرنے کی صورت میں ہو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قلم اور زبان کی روحانی جنگ میں ہم کس طرح غالب آئیں گے اور وہ کون سے ہتھیار ہیں جن کو استعمال کر کے یہ عظیم جنگ جیتنی ہے۔ کیا وہ توپیں تلوار دوسرے جنگی ہتھیار ہیں یا خود کش حملے ہیں نہیں ان میں سے کوئی بھی نہیں وہ کوئی دوسری قسم کے ہتھیار ہیں جن کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کو مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا بچی لیس ہونا پڑے گا جن کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدنظر رکھنا اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہے۔ نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوق الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو بچو'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 303۔) ''انسان کی خدا ترسی کا اندازہ کرنے کے لئے اسے التزام نماز کو دیکھنا کافی ہے۔ کہ کس قدر ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو شخص پورے پورے اہتمام سے نماز ادا کرتا

ہے اور خوف اور بیماری اور فتنہ کی حالتیں اس کو نماز سے روک نہیں سکتیں وہ بے شک خدا تعالی پر ایک سچا ایمان رکھتا ہے مگر یہ ایمان غریبوں کو دیا گیا۔ دولت مند اس نعمت کو پانے والے بہت ہی تھوڑے ہیں'' (ازالہ اوہام ص 440) ''روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور روح پر ہے۔ نماز سے ایک سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اس واسطے وہ افضل ہے روزے سے کشف پیدا ہوتا ہے'' (ملفوظات جلد ہفتم صفحہ 379) ''صلوۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے'' (ملفوظات جلد چہارم ص 256)

پس نماز سب سے ضروری عبادت ہے جو لوگ اپنی زندگی کا مقصد عبادت نہیں بلکہ دنیاوی چیزوں کا حصول سمجھتے ہیں اور پھر ان کی زندگی بظاہر خوشحال ہو جاتی ہے وہ نمازوں میں غافل ہو جاتے ہیں ان کو نماز میں رقت حاصل نہیں ہوتی نہ نماز میں کوئی مزا آتا ہے ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ سمجھتے تو وہ یہی ہیں کہ ہمیں ایمان حاصل ہے۔ لیکن جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ سچے ایمان کی نعمت سے محروم ہیں۔ اس لئے ہم سب کو ہمیشہ نماز کے آئینہ میں بار بار اپنا چہرہ دیکھتے رہنا چاہیے۔ مومن تو خدا کے نزدیک وہ ہیں جو **ھم علی صلوا تھم یحافظون** کے مصداق ہیں یعنی پورے فکر اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ کوئی نماز کام میں رہ نہ جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''اللہ تعالی خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اگر تم صالح ہو تو وہ اپنی طرف جھکنے والوں کے واسطے غفور ہے''۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 450) نیز فرمایا۔ ''اللہ تعالی فرماتا ہے کہ جو ہمارے راہ میں مجاہدہ کرے گا ہم اس کو اپنی راہ دکھلا دیں گے اور ادھر یہ دعا ہے۔ **اھد نا الصراط المستقیم**۔ سو انسان کو چاہیے کہ اس کو مدنظر رکھ کر نماز میں بالحاح دعا کرے اور تمنا رکھے کہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جاوے جو ترقی اور بصیرت حاصل کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس جہاں سے بے بصیرت اور اندھا اٹھایا جاوے'' (رپورٹ جلسہ سالانہ 1897 ص 39۔38۔ الفضل لندن 30 ستمبر 2010)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کے متواتر ارشادات کی تعمیل میں نظام جماعت اور ذیلی تنظیموں کا فرض ہے کہ وہ مستقل طور پر جائزہ لیتے رہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا تو نہیں جو فکر سے باقاعدہ نمازیں نہ پڑھتا ہو کیا ہم اپنی ہر میٹنگ میں اور اجلاس میں اس کا جائزہ لیتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو فوراً اس پر عمل شروع کر دینا چاہیے۔ خدا نے نمازوں میں غفلت برتنے والوں پر لعنت بھیجی

ہے۔ یہ بہت ہی فکر والی بات ہے۔ نمازوں کو فکر سے باقاعدگی سے سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر نہ پڑھنا غفلت میں شمار ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فویل للمصلین الذین ھم عن صلواتھم ساھون** (ماعون) یعنی ان نمازیوں پر ویل یعنی برائی حسرت افسوس اور ہلاکت ہے۔ جو اپنی نمازوں میں غافل رہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں پھر کورے کے کورے ہی رہتے ہیں کوئی اثر روحانیت کا اور خشوع خضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ وہ (ایسی) نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے ایسی نمازوں کے لئے ویل آیا ہے۔۔۔۔ اس لئے نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھے''

(ملفوظات جلد دوم ص 346)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں ''نماز میں غفلت کئی طرح سے ہوتی ہے۔ نمبر 1 بعض لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں، رسمی طور پر مسلمان کہلاتے ہیں مگر کبھی ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ نماز کا پڑھنا مسلمان کے واسطے فرض ہے اور جب تک وہ اپنے عین کاروبار کے درمیان وقت نماز آنے پر تمام دنیاوی خیالات کو بالائے طاق رکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتا تب تک اس میں اسلامی نشان نہیں پایا جاتا۔۔۔۔

نمبر 2 وہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں مگر کبھی کبھی جس دن کپڑے بدلے یا صبح کے وقت جب ہاتھ منہ دھویا اور نماز بھی اتفاق سے پڑھ لی۔ یا چند ایسے دوستوں میں قابو آ گئے جو نماز پڑھتے ہیں۔ وہاں ان کے درمیان مجبوراً پڑھ لی۔ یہ لوگ بھی غفلت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ نمبر 3 پھر کچھ ایسے لوگ ہیں جو پڑھتے تو ہیں مگر بسبب تکبر کے یا بسبب سستی کے، اپنے گھروں میں پڑھ لیتے ہیں ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ جب نماز کا وقت آیا تو اسی جگہ جلدی جلدی نماز پڑھ لی گویا ایک رسم ہے۔ جس کو ادا کرتے ہیں۔ یا ایک عادت ہے جس کو پورا کرتے ہیں۔ مسجد میں جانا اور جماعت کو پانا ان کے نزدیک ایک بے فائدہ امر ہے۔ یہ لوگ بھی غافلین میں شامل ہیں۔ اکثر آج کل کے دنیوی رنگ میں بڑے لوگوں میں اگر کسی کو نماز کی عادت ہے (تو ایسی ہے) نمبر 4۔ بعض لوگ مسجد میں بھی جا کر نماز پڑھتے ہیں مگر بے دلی کے ساتھ۔ ان میں ''تعدیل ارکان کا خیال نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف پوری توجہ سے نہیں جھکتے۔ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں۔ اور نماز کے اندر وساوس کو اور غیر خیالات کو بلاتے ہیں'' (حقائق الفرقان جلد 4 ص 480) پس ہمیں ذاتی طور پر اور جماعتی طور پر بھی اس امر کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کیا

ہم نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر اور جماعت کے ساتھ ،فکر کے ساتھ پڑھتے ہیں یا نہیں ۔ ورنہ وہ ان غفلت برتنے والوں میں شمار ہوں گے ۔۔۔۔ دیکھیں جن کی بابت قرآن میں لکھا ہے کہ موت کے بعد جب سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا تو بوجہ غافل ہونے کے ان کا دامن نمازوں سے خالی ہوگا اور وہ کہیں گے ہائے افسوس اور حسرت ہم پر، کہ ہم کیوں اس طرح کی نمازیں پڑھتے رہے ۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے معیار عبادات بلند کرنے کی توفیق دے ۔آمین



داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کی تشریح

شعائر اسلام کی حفاظت

آج کل چند نوجوان صرف ٹھوڑی پر تھوڑے سے بال رکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں ۔ کہ داڑھی رکھ لی ہے ۔آپ کا اس داڑھی کے متعلق کیا خیال ہے؟ ۔بعض بزرگان سلسلہ کی آراء مندرجہ ذیل ہیں : ۔

1 ۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی تحریر فرماتے ہیں : ۔'' داڑھی کا رکھنا آنحضرت ﷺ کی سنت اسلامیہ ہے ۔اگر داڑھی جو داڑھوں کا مفہوم اپنے اندر رکھتی ہے ۔ آنحضرت ﷺ کی سنت کے رُو سے مسنون شکل کے لگ بھگ ہے تو ٹھیک ہے ورنہ صرف ٹھوڑی پر محدود بالوں سے محدود جگہ پر نمونہ دکھانا کہ ٹھوڑی کے بال سنت نبویہ کے مطابق سمجھے جائیں یہ عقل اور فطرت سے تو تسلیم نہیں ہاں نفس کا طبع زاد فعل باعث دلچسپی سمجھنا امر دیگر ہے ۔ والسلام خاکسار غلام رسول'' ۔

2 ۔حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری فرماتے ہیں : ۔''مکرم برادرم راجیکی صاحب نے جو لکھا ہے صحیح ہے ۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی داڑھی مبارک کا عملی نمونہ مسنون طریق تھی اور ہے ۔والسلام دعا گو محمد ابراھیم بقاپوری'' ۔

3 ۔حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہ جہان پوری نے فرمایا : ۔''میرا خیال ہے یہ نہایت معقول بات ہے'' ۔

4 ۔ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری فرماتے ہیں : ۔'' آنحضرت ﷺ نے

اعفوا الحی کا حکم دیا ہے کہ مناسب حد تک داڑھی کو بڑھایا جائے۔عربی زبان کی رو سے **اللحیہ** اُن بالوں کو کہتے ہیں جو ٹھوڑی اور رخساروں پر ہوتے ہیں **شعر الخدین والذقن** (المنجد) گویا شرعی اور لغوی طور پر داڑھی وہی ہے جو سارے چہرہ پر ہو۔اس لئے محض ٹھوڑی پر چند بال رکھ لینا شرعی حکم کی تعمیل قرار نہیں پا سکتا۔خاکسار ابو العطاء جالندھری''۔

5۔محترم جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس فرماتے ہیں:۔آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔**علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین**۔کہ اے مومنو! تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اختیار کرو۔اور میرے بعد میرے بعد خلفائے راشدین کی کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہونگے ان کے طریق پر چلو۔اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا اور آپ کے بعد دو خلیفے ہوئے اس لئے مومنوں کو انہیں کی اقتداء کرنی چاہیے۔اور مسنون شعار داڑھی کے متعلق وہی ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء سے ثابت ہے۔''۔خاکسار جلال الدین شمس''

6۔محترم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری فرماتے ہیں:۔میری رائے میں ایسی داڑھی اسلامی داڑھی نہیں۔اسلامی داڑھی وہ ہے جس پر گلوں پر بھی بال ہوں ایسی داڑھی کو نئے فیشن کی داڑھی تو کہا جا سکتا ہے مگر اس سے داڑھی کا اسلامی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ایسی داڑھی کو اسلامی داڑھی سمجھنا یا قرار دینا جو سنت نبوی سے یا سنت خلفاء سے تطابق نہ رکھتی ہو ہرگز درست نہیں۔حضرت امام جماعت احمدیہ ایسی داڑھی کو مخنث داڑھی قرار دیتے ہیں۔ایسی داڑھی احمدیوں کے مناسب حال نہیں۔کیونکہ یہ تبلیغی جماعت ہے۔اور ایسی داڑھی تبلیغ میں ممد ہونے کی بجائے روک ہے۔محمد نذیر لائلپوری''

7۔محترم ملک سیف الرحمن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:''جواباً تحریر ہے۔اصل اور صحیح داڑھی تو وہی ہے جس کی تشریح آنحضرت ﷺ کے اپنے طرز عمل اور آپ کے اقوال سے ثابت ہے۔اور جس کا عملی نمونہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے عمل کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔باقی صرف ٹھوڑی پر بال رکھ لینا اصل داڑھی نہیں۔زیادہ سے زیادہ داڑھی رکھنے کی کوشش ہے۔بشرطیکہ جو کمی ہے اس کی اصلاح کرنے کی نیت ہو اور اس کے لئے دل کو آمادہ کرنے میں انسان کوشاں ہو بہرحال اگر یہ کیفیت ہو تو یہ داڑھی منڈانے سے بہتر ہے۔سیف الرحمن''

(ماہنامہ الفرقان اپریل 1961) ❁❁❁

پردہ عصمتوں کا محافظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ ہم احمدی ایک پاکیزہ زندگی گزار رہے ہیں۔ جس کی پاکیزگی خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور خلفائے وقت کے تربیتی خطبات کی مرہون منت ہے۔ لیکن جب ہم دوسرے معاشروں پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ کہ آج کی عورت نے مغربی تہذیب کے زیر اثر بے پردگی کو اختیار کر لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب بھی شیطان کو موقع ملتا ہے وہ انسانی جذبات کو مغلوب کر لیتا ہے نہ عورت نفسانی جذبات سے پاک ہے اور نہ مرد۔ پھر دونوں کو آزادانہ میل ملاقات اور نظر بازی کا موقع دینا ان کو اپنے ہاتھوں سے گڑھے میں ڈالنا ہے۔ عام طور پر پردہ کو عورت کی ترقی کی راہ میں حائل سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے عورت کا اصل دائرہ کار تو اس کا گھر ہے بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت اس کا اصل کام ہے اور اسی کام کی صلاحیتیں اس کے اندر رکھی گئی ہیں۔ بے پردہ پھرنے والی عورت کی نسبت پردہ میں رہ کر عورت باہر کے امور زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک عورت نے پوچھا۔ کہ مردوں کو تو اللہ تعالیٰ نے دین کے کام کرنے کے بہت سے مواقع فراہم کر دیئے ہیں۔ لیکن ہم عورتوں کو گھریلو زندگی کی وجہ سے یہ مواقع میسّر نہیں۔ ہم کیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر کا کام کاج کرتی ہے اور اپنے بچوں کی تربیت اور پرورش خود کر رہی ہے اس کو جہاد جتنا ثواب ملے گا۔

(مصباح ستمبر 1980 ص15)

گویا اسلام نے عورت کو جہاد جیسا مقام بخش کر اس کے جذبہ کی قدر کی ہے۔ لیکن اگر اس نے باہر جانا ہے تو پردہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ پردہ کے بارہ میں بہت سخت تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضورؒ نے نہ صرف پاکستان بلکہ یورپ، امریکہ اور افریقہ کے دوروں کے دوران وہاں بسنے والے احمدیوں بالخصوص پردہ کے بارہ میں تلقین فرمائی۔ ایک بار 1980ء میں حضورؒ نے نہایت جلال سے فرمایا:۔ ’’بعض خواتین ایسی بھی ہیں جو یہاں کے ماحول میں پردہ کی کماحقہ پابندی کو ضروری نہیں سمجھتیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اگر وہ سمجھتی ہیں کہ اس ملک میں رہ کر وہ پردہ نہیں کر سکتیں تو پھر انہیں انہی نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا جن سے یہاں کی عورتیں دوچار ہیں۔ اگر انہوں نے بے پردگی پر اصرار کیا پھر وہ وقت بھی آئے گا کہ انہیں یہاں کے طریق کے مطابق شادی سے پہلے بچے جننے

پڑیں گے۔انہیں نظر آنا چاہیے کہ یہاں کے تمدن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک آگ دہک رہی ہے۔ یہ لوگ پریشان ہیں کہ ہم کدھر جارہے ہیں اور ہمارا کیا انجام ہونے والا ہے۔ یہ لوگ بے اطمینانی کا شکار ہیں۔سکون اور اطمینان ان کے لئے مفقود ہو چکا ہے انکے نقش قدم پر چلنے والوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔ میں ایسی خواتین سے جو یہاں پردہ کو ضروری نہیں سمجھتیں، پوچھتا ہوں کہ انہوں نے پردہ کو ترک کرکے اسلام کی کیا خدمت کی ہے۔؟ کچھ بھی نہیں! آج بعض کہتی ہیں کہ ہمیں یہاں پردہ نہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ پھر کہیں گی ننگ دھڑنگ سمندر میں نہانے اور ریت پر لیٹنے کی اجازت دی جائے۔پھر کہیں گی شادی سے پہلے بچے جننے کی اجازت دی جائے میں کہوں گا کہ پھر تمہیں دوزخ میں جانے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیے۔کسی احمدی خاتون کو بے پردہ دیکھ کر سخت شرم آتی ہے۔امریکہ کی احمدی خواتین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔وہ احمدی ہونے سے پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔لیکن احمدی ہونے کے بعد انہوں نے پردہ شروع کر دیا۔(حیات ناصر ص888)

لجنہ اماءاللہ کے قیام پر پچاس سال پورے ہونے کی تقریب پر سالانہ مرکزی اجتماع پر فرمایا:۔

''میں سوچ رہا ہوں اور دعائیں کر رہا ہوں۔ جو خاندان اسلامی احکام کی پابندی نہیں کرتے خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا انکو جماعت سے خارج کر دیا جائے۔لیکن اس کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ ہماری پہلی کوشش تو سنبھالنے کی ہونی چاہیے۔ اصلاح کرنے کی ہونی چاہیے۔کسی کے ساتھ ہماری کوئی دشمنی ہے اور نہ کسی کے خلاف کوئی غصہ ہے۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ برقعہ پہنو کیونکہ قرآن کریم نے برقعہ پہننے کا حکم نہیں دیا لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ پردہ کرو تم جو زینت اپنے باپ اور خسر کے سامنے ظاہر کر سکتی ہو وہ غیر مرد کے سامنے ظاہر نہ کرو۔کون سی جوان عورت ہے جو بے حیائی سے اپنے باپ اور خسر کے سامنے بیٹھ جاتی ہے''۔حضورؒ نے مزید فرمایا۔''اگر تم نے اپنی عزت اور عصمت کی ویسی ہی حفاظت کرنی ہے جو خدا کی نگاہ میں اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی نگاہ میں اور اس کے بندوں کی نگاہ میں ہے تو پھر تمہیں قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنا پڑے گا۔اگر تم نے کتے کتیوں کی طرح زندگی گزارنی ہے تو تمہاری مرضی۔لیکن اگر تم نے اس دنیا میں انسان بنکر رہنا ہے تو پھر تمہیں حضرت محمد ﷺ کے قدموں کے ساتھ چمٹ کر زندگی گزارنی پڑے گی''۔(المصابیح ص154) حضورؒ نے بے پردہ عورتوں کو انذاری الفاظ میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔وہ اپنے آپ کو ٹھیک کر لیں قبل اس کے کہ خدا کا قہر نازل ہو۔میں چاہوں گا کہ خدا کا قہر ان پر اس حال میں نہ نازل ہو کہ وہ جماعت کے ممبر

ہوں۔اس سے پہلے پہلے میں ان کا جماعت سے اخراج کر دوں گا۔میں قرآن کریم کا نمائندہ ہوں اس کی تعلیم پھیلانا چاہتا ہوں۔ میں مرنا پسند کروں گا لیکن قرآن کے خلاف کام کرنا پسند نہیں کروں گا۔کسیعورت کے کام میں پردہ نے کبھی خلل نہیں ڈالا۔ پردہ سے عورتوں کے کسی کام میں خلل نہیں پڑتا ۔ہاں اگر وہ بیہودگیوں میں مبتلا ہوں تو پردہ سے ان کی بیہودگیوں میں خلل ضرور پڑتا ہوگا۔حماقت سے کوئی کام لینا ہوتو اس کا کوئی علاج نہیں۔خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرو اگر تم ناشکری کروگی تو دکھ اٹھاؤ گی۔اور تمہاری نسلیں تم پر لعنت بھیجیں گی۔کیونکہ ان کے گناہوں کی تم ذمہ دار ہوگی اوران کے گناہوں میں تم شامل ہوگی۔چند عارضی اور لاحاصل سہولتوں کی خاطر اپنی نسلوں سے لعنت لینے کی کوشش مت کرو۔(دورہ مغرب ص:238) خلیفہء وقت کی بار بار کی یاددہانی اور تنبیہ کے باوجود دوسروں کی نقلیں کرنے لگ جاتی ہیں۔کوئی کہتی ہے کہ ہم نے پردہ نہیں کرنا،کوئی کہتی ہے کہ پردہ دل کا ہوتا ہے،کوئی کہتی ہے کہ پردہ میں ضروری نہیں کہ چہرہ ڈھانپا جائے۔ یہ سارے نفس کے بہانے ہیں۔حضورؒ نے ان عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔''اگر تم نے پردہ نہیں کرنا تو پھر تم کیوں ہمارے اندر رہ کر جماعت کو بدنام کر رہی ہو۔اگر تم نے اسلامی احکام پر عمل نہیں کرنا تو جاؤ اپنے گھر بیٹھو۔اور جس ہلاکت کی طرف دنیا جارہی ہے اسی کی طرف تم بھی اپنے بچوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو خدا کو تمہاری ضرورت نہیں ۔تمہیں خدا کی ضرورت ہے۔(المصابیح ص 155) حضورؒ پردہ کی اسقدر پابندی فرماتے تھے کہ آپ نے اپنی ازدواج مطہرات کو بھی پردہ کا بہت پابند رکھا۔آپ کی حرم دوم حضرت محترمہ سیدہ آپا طاہرہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ:۔''آپ کو پردہ کا انتہائی خیال تھا۔اوراس ذمہ داری کا احساس مجھ میں پیدا فرماتے تھے۔کہ جماعت کی عورتوں کے لئے تم نے نمونہ بننا ہے۔چنانچہ شادی سے پہلے پردہ تو میں کرتی تھی لیکن وہ اتنا مکمل نہ تھا جتنا کہ حضورؒ کے نزدیک ہونا چاہیے تھا۔چنانچہ شادی کے بعد میں پہلی دفعہ جب امی کی طرف گئی تو واپسی پر حضورؒ ساتھ تھے۔فرمانے لگے تمہاری عینک کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو گھر ہے۔کہنے لگے اچھا تو پھر دونوں نقاب گرالو۔پھر فرمانے لگے کہ منصورہ بیگم صاحبہ نوراللہ مرقدہا پردہ کی خاطر دستانے پہنا کرتی تھیں۔ مجھ سے فرمایا کہ حمید (میرے بھائی) سے کہو کہ تمہارے لئے دستانے لے آئے۔انہیں پردہ کا اتنا خیال تھا۔(حضرت مرزا ناصر احمد ص83 تا85)



تاریخی مضامین

مسجد فضل لندن کی تعمیر

خلافت احمدیہ کی برکات کا ایک شیریں ثمر

پس منظر۔



حضرت حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے جب انگلستان میں اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے مبلغین بھیجنے کی خواہش ظاہر فرمائی تو حضرت مولوی محمد الدین صاحبؓ بی اے اور حضرت چوہدری فتح محمد سیالؓ نے سب سے پہلے اپنے نام پیش کئے۔ جن میں سے حضرت چوہدری فتح محمد سیالؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔اس طرح حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ 25/ جولائی 1913ء میں انگلستان تشریف لائے۔ چند دن قیام کے بعد آپ 11/اگست 1913ء کو ووکنگ میں خواجہ کمال الدین صاحب کے پاس پہنچے۔ چونکہ خواجہ کمال الدین صاحب کھلے عام احمدیت اور اسلام کی تبلیغ کے حق میں نہ تھے۔ لہٰذا حضرت چوہدری صاحب اکیلے ہی لنڈن کے مختلف مقامات پر جا کر تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ مارچ 1914ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفہ منتخب ہوئے تو خواجہ کمال الدین صاحب نے خلیفۂ وقت کی بیعت سے انکار کر دیا۔تب حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب، مئی 1914ء میں ووکنگ سے لنڈن تشریف لے آئے۔اور یہاں آ کر آپ نے اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔آپ کی تبلیغ سے 12 نومسلم انگریزوں نے اسلام اور احمدیت قبول کی۔

1915ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت قاضی عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی کو بھی تبلیغ کے فریضہ کے لئے روانہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔آپ کی تشریف آوری کے چار ماہ بعد حضرت چوہدری فتح

محمد سیال صاحب واپس ہندوستان تشریف لے گئے۔اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ نے اپریل 1917ء سے جنوری 1920ء تک انگلستان میں قیام فرمایا اس کے بعد آپ کو امریکہ جانے کا حکم صادر ہؤا۔اگست 1919ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے دوبارہ حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کو مولوی عبدالرحیم نیّر صاحب ؓ کے ساتھ انگلستان بھیجنے کا ارشاد فرمایا۔

چوہدری فتح محمد سیال صاحب ؓ اور مولوی عبدالرحیم نیّر صاحب کو لنڈن میں کی مسجد تعمیر کیلئے جگہ تلاش کر کے خریدنے کی تلقین فرمائی۔اس کے لئے باقاعدہ چندہ کی وصولی کی تحریک بھی شروع کر دی گئی۔لہٰذا حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب ؓ نے بہت کوشش اور تگ ودو کے بعد پٹنی میں ایک قطعہ بمع مکان کے 2,223£ کے عوض ایک یہودی سے خریدا۔جس کی اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں دے دی گئی۔چنانچہ خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے اس غرض کے لئے قادیان میں شوریٰ بلائی جہاں پر پاس کیا گیا کہ خلیفۃ المسیح بنفّس نفیس جا کر مسجد کا سنگ بنیاد رکھیں۔اس غرض کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھ ان مندرجہ ذیل احباب کو افتتاح کے موقع پر حاضر ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔

چوہدری فتح محمد سیال صاحب ؓ،خان ذوالفقار علی خان صاحب ؓ،حافظ روشن علی صاحب ؓ،مولوی عبد الرحمٰن مصری صاحب ؓ،مولوی عبدالرحیم درد صاحب ؓ،ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ؓ،شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب ؓ،بھائی شیخ عبدالرحمن صاحب ؓ،چوہدری علی محمد صاحب ؓ،میاں رحم دین صاحب ؓ باورچی۔ان کے علاوہ صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب ؓ،چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ اور چوہدری محمد شریف صاحب ؓ وکیل نے اپنے طور پر اس قافلہ میں شامل ہونے کی سعادت پائی۔لطف کی بات ہے کہ جن احباب کو حضور انور نے اپنے ساتھ لے جانے کا حکم فرمایا ان کیلئے باقاعدہ سبز پگڑیاں،کالے کوٹ اور پاجامے بھی مہیا کئے گئے تا کہ مسجد کی بنیاد رکھتے وقت اپنا قومی لباس پہن کر حصہ لیں۔

حضور بمع قافلہ مصر سے ہوتے ہوئے اٹلی،سوئٹزرلینڈ اور فرانس کے راستہ انگلستان میں 22/اگست 1924ء کو پہنچے۔اس بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے اپنی ایک رویاء میں دیکھا تھا کہ آپ ؓ سمندر کے کنارے ایک مقام پر اترے ہیں ایک لکڑی کے کُندے پر پاؤں رکھ کر ایک کامیاب جرنیل کی طرح چاروں طرف نظر دوڑا رہے ہیں۔کہ آواز آئی ہے ''ولیم دی کنکرر'' اسی طرح حضور ؓ کی روحانی فتح اس دورہ انگلستان کے ساتھ مقدر تھی۔جو اس مسجد کی بنیاد کی صورت میں ظہور میں آئی۔مسجد کی بنیادی

اینٹ رکھنے سے قبل جب انگلستان میں اس پہلی مسجد کے لئے جماعت سے چندہ وصول کرنے کی تحریک شروع ہوئی تو جس جوش وخروش اور جذبہ واخلاص سے احمدی مرد، عورتوں اور بچے بچیوں نے چندہ جات دینے کے وعدہ جات کے ساتھ ادائیگی شروع کی اس کے بارہ میں حضورؓ نے ایک خطبہ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

''اس غریب جماعت سے اس قدر چندہ کی وصولی تائیدالٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اس چندہ کے ساتھ شامل ہے۔ ان دنوں میں قادیان کے لوگوں کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل تھا اس کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جنہوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ مرد، عورت اور بچے سب ایک خاص نشہ محبت میں چُور نظر آتے تھے۔ کئی عورتوں نے اپنے زیور اتار دیئے۔ اور بہتوں نے ایک دفعہ چندہ دیکر پھر دوبارہ جوش آنے پر اپنے بچوں کی طرف سے چندہ دینا شروع کیا۔ پھر بھی جوش کو دبتا نہ دیکھ کر اپنے وفات یافتہ رشتہ داروں کے نام سے چندہ دیا۔۔۔ کیونکہ جوش کا یہ حال تھا کہ ایک بچہّ نے جو ایک غریب اور محنتی آدمی کا بیٹا ہے۔ مجھے ساڑھے تیرہ روپے بھیجے کہ مجھے جو پیسے خرچ کے لئے ملتے تھے ان کو میں جمع کرتا رہتا تھا۔ وہ سب کے سب اس چندہ کے لئے دیتا ہوں۔ نہ معلوم کن امنگوں کے ماتحت اس بچہ نے وہ پیسے جمع کئے ہونگے۔ لیکن اس کے مذہبی جوش نے خدا کی راہ میں ان پیسوں کے ساتھ ان امنگوں کو بھی قربان کردیا۔ مدرسہ احمدیہ کے غریب طالب علموں نے جو ایک سو سے بھی کم ہیں اور اکثر ان میں سے وظیفہ خوار ہیں۔ 350 روپیہ لکھوایا۔ ان کی مالی حالت کو مدنظر رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کئی ماہ کے لئے اپنی اشد ضروریات کے پورا کرنے سے محرومی اختیار کرلی۔۔۔۔۔۔ بڑی تعداد ایسے آدمیوں کی تھی جنہوں نے اپنی ماہوار آمدنیوں سے زیادہ چندہ لکھوایا۔ جن میں سے ایک معقول تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے تین تین چار چار گنا چندہ لکھوایا۔۔۔۔ ایک صاحب نے جو بوجہ غربت زیادہ رقم چندہ میں داخل نہیں کرسکتے تھے۔ نہایت حسرت سے مجھے لکھا کہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں میری دکان کو نیلام کرکے چندہ میں دیدیا جائے۔۔۔۔۔۔ لوگوں نے بجائے آہستہ آہستہ ادا کرنے کے زیورات وغیرہ فروخت کرکے اپنے وعدے ادا کردیئے۔۔۔۔''

(''مسجد کی تحریک'' 7 تا 11 جنوری 1920ء بحوالہ تاریخ مسجد فضل مرتبہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،دسمبر 1927ء)

مسجد فضل کے سنگ بنیاد کی مبارک تقریب

''19 /اکتوبر 1924ء تک مسجد لنڈن کیلئے ایک لاکھ روپیہ مختلف صورتوں سے اکٹھا کیا گیا جس کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس مسجد کی بنیادی اینٹ رکھنے کیلئے ساؤتھ فیلڈ میں تشریف لائے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی جبکہ موسم والوں کی پیشگوئی تھی کہ دھوپ نکلے گی۔اس بارہ میں حضورؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بارش اس لئے ہو رہی ہے کہ جن لوگوں میں اخلاص ہوگا وہی تشریف لائیں گے۔مہمانوں کی سہولت کیلئے ایک خیمہ نصب کیا گیا۔مزے کی بات یہ ہے کہ اس مبارک تقریب کے انتظامات اور مہمانوں کو ہر وقت اطلاع دینے میں بھی تاخیر ہوگئی مگر اس کے برعکس مہمانوں کی تعداد امید سے بڑھ کر رہی۔ مہمانوں میں مختلف حکومتوں کے نمائندے اور سفیر تھے۔جن میں انگریز، جاپانی، جرمن، سربین، ایتھوپین، مصری، اٹالین، امریکن، انڈینز اور افریقن شامل تھے۔ نیز تمام مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔انگلستان کے پرائم منسٹر ریمزے میکڈونلڈ جو خود تو نہیں آسکے مگر انہوں نے اپنے پیغام میں اس مبارک تقریب میں وقت پر شامل نہ ہو سکنے کی معذرت کی۔

ابتدائی کاروائی

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (رضی اللہ تعالیٰ۔ناقل) تین بجے خیمہ میں داخل ہوئے اور نیرّ صاحب نے اعلان کیا جس سے تمام مہمان تعظیماً کھڑے ہوگئے۔اور حضور نے پھر تمام مہمانوں سے مصافحہ فرمایا۔ پھر مولانا عبدالرحیم درد صاحب جو کہ اس وقت کے امام مسجد لنڈن تھے نے تمام حاضرین کا خیر مقدم کیا اور اعلان کیا کہ تمام حاضرین 3:35 بجے بیت فضل کے سنگ بنیاد رکھنے کے مقام پر پہنچ جائیں۔حضرت مصلح موعود(ناقل) نے محراب کی جگہ پر مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے سے قبل حافظ روشن علی صاحب کو تلاوت قرآن کریم پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔اس طرح حافظ صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت میں واللیل اذ یغشیٰ۔اور سبح اسم ربک الاعلیٰ کی تلاوت کی۔ اس کے بعد حضور انور نے انگلش میں ایڈریس پڑھا''۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس ایمان افروز تقریر اور اس تقریب کے بارہ میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب لکھتے ہیں۔۔۔حضرت نے جس وقت اس تقریر کو شروع کیا تو مجمع کی عجیب حالت تھی اور جماعت کے لوگوں پر ایک کیفیت طاری تھی وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ جو وادی غیر ذی زرع میں تھی۔اور جس میں کوئی خدا کا نام لینے والا نہ تھا۔جو اگرچہ غیر ذی زرع تو نہیں مگر اپنی مادہ ترقی

میں مست اور مگن ہونے کی وجہ سے روحانی طور پر غیر ذی زرع ہے۔غرض ایک کیفیت ذوق کے ساتھ اخلاق اور تقویٰ کے ساتھ اس مسجد کی بنیاد حضرت نے رکھی۔‘‘

(بحوالہ تاریخ مسجد فضل لندن مرتبہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیلؓ اسسٹنٹ سرجن دسمبر 1927ء صفحہ نمبر 31)

مسجد کی تعمیر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہندوستان واپس تشریف لے جانے کے بعد 29ستمبر 1923ء بوقت گیارہ بجے دن مسجد کی بنیادوں کی کھدائی شروع ہوئی۔اس وقت اخبارات کے نمائندے بھی حاضر تھے انہوں نے اس موقع پر شمولیت پر خوشی کا اظہار کیا اور فوٹوز بھی لئے۔چونکہ اس وقت کے امام مسجد حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحبؓ تھے،ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ان کے زیر نگرانی مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔اس کا ٹھیکہ مسٹر زرونی اینڈ سنز کو دیا گیا۔اس موقع پر جن خوش نصیب احباب نے حصہ لیا ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔مکرم شیخ یعقوب علی عرفانیؓ،مکرم سید وزارت حسین صاحب،مکرم شیخ ظفرحق خان صاحب،مکرم ملک محمد اسماعیل صاحب،مکرم خان عبدالرحیم خان خالد صاحب،مکرم جبریل مارٹن صاحب،مکرم شرف الدین صاحب،مکرم عزیز الدین صاحب،محترمہ امتہ السلام صاحبہ،مسٹر ہنری ہنٹن صاحب،مکرم عبدالعزیز صاحب پسر عبداللہ مالک ہوٹل لندن،مکرم مسٹر کندن لعل صاحب،مکرم ملک غلام فرید صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحبؓ۔(بحوالہ تاریخ مسجد فضل لندن مرتبہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیلؓ اسسٹنٹ سرجن دسمبر 1927ء)مسجد لندن کی تعمیر کا سلسلہ 1926ء تک جاری رہا۔مسجد کی تعمیر اور اختتام کے بارہ میں کئی اور اخبارات کے علاوہ ٹائمز آف لنڈن کی اشاعت میں یوں بیان کیا گیا:

’’لنڈن کی اس پہلی مسجد کی تعمیر کیلئے بنیادیں کھودی جانے کا کام شروع کیا گیا جو احمدی مسلمان ساؤتھ فیلڈ میں تعمیر کرنے لگے ہیں۔یہ ایک مکان کے ملحقہ باغیچہ میں بنی تجویز ہوئی ہے۔جو کہ عرصہ سے احمدیوں کے قبضہ وملکیت میں ہے۔اور جہاں وہ مدت سے نمازیں پڑھ رہے ہیں۔اس مسجد کا سنگ بنیاد پچھلے موسم خزاں میں ہز ہائی نس دی حضرت خلیفۃ المسیح (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا۔مولانا اے آر درد(مولانا عبدالرحیم درد صاحب) کی قیادت میں جو کہ احمدیہ مشن کے انچارج ہیں۔ہندوستانی احمدیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اکٹھی ہوئی۔مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے عربی

زبان میں ان آیات کی تلاوت کی۔ جو تعمیر کعبہ کے وقت پڑھی گئی تھی۔ بعدازاں سلسلہ احمدیہ کے ممبروں نے وہ دعائیں پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے کھدائی کا کام شروع کیا جو مسجد مدینہ کی تعمیر کے وقت پیغامبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور آپ کے صحابہ (کرامؓ) نے پڑھیں تھیں۔ جماعت احمدیہ کے مرکز میں اطلاع دینے کے ماسوا ہندوستان، امریکہ، سیریا اور فلسطین وغیرہ تمام ان ممالک میں جہاں اس سلسلہ کے افراد ہیں نے کام شروع کرنے سے پہلے ہی برقی پیغامات ارسال کردیئے تھے جس میں اس وقت کی اطلاع دی گئی تھی جس وقت کہ لندن میں تعمیر مسجد کا کام شروع کیا جانا تھا، تاکہ شرق اور غرب، شمال جنوب سے چہار اطراف سے ایک ہی وقت میں ایک ہی مقصد کیلئے ایک خدا کے لئے دعائیں کی جائیں۔'' (ٹائمز آف لنڈن۔ 29رستمبر 1926ء) مسجد کا تیار ہونا تھا کہ افتتاح کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحبؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں اس کے افتتاح کیلئے درخواست کی۔ حضورؓ کی طرف سے خط آیا کہ افتتاح شاہ حجاز کے صاحبزادے شاہ فیصل سے کرایا جائے تو بہتر ہے۔ وہ اس لئے کہ شاہ فیصل صدیوں سے شاہی خاندان کے فرد ہیں جو کعبہ کے متولی ہیں۔ اس بارہ حضور رضی اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ شاہ فیصل سے لنڈن میں مسجد کا افتتاح کروائیں۔ لہٰذا 28راپریل 1926ء کو شاہ فیصل کو اس کی دعوت دی گئی۔ 23رمئی 1926ء کو شاہ موصوف کے پرائیوٹ سیکرٹری کی طرف سے خط آیا کہ امیر زید کی خدمت میں درخواست کی جائے۔ بہرحال بار بار کی درخواست کے باوجود کوئی معقول جواب نہ مل سکا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ شاہ حجاز کے ایک انگریز دوست نے شاہ حجاز کو اس بات کیلئے رضامند کروایا۔ بالآخر شاہ نجد والئی مکہ نے حامی بھر لی کہ ان کا بیٹا بیت الفضل لندن کے افتتاح کیلئے حاضر ہوگا۔ بلکہ ایک تار کے ذریعہ حضرت مولانا درد صاحب کو اطلاع کردی گئی کہ: ''ہم آپ کی درخواست قبول کرتے ہیں اور ہمارا بیٹا فیصل ستمبر کے پہلے ہفتہ میں جدّہ سے روانہ ہوگا۔'' اس کے بعد شاہ فیصل کی آمد پر حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جبکہ شاہ فیصل لندن کے ایک ہوٹل میں رہائش پذیر تھے تو اس دوران ان سے کئی بار ملنے کی کوشش کی گئی مگر ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر نہ ملنے دیا گیا۔ بلآخر ہوا وہی جس کا مولانا درد صاحب کو ڈر تھا۔ 29رستمبر 1926ء کو ان کی طرف سے ایک خط موصول ہؤا جس کا لب لباب یہ تھا کہ ان کی تو بڑی خواہش تھی کہ وہ اس مبارک موقع پر حاضر ہوں مگر ہندوستان کے مسلمانوں نے اس معاملہ میں مشکلات پیدا کررکھی ہیں۔ جو زبانی بیان نہیں کی جاسکتیں۔ لہٰذا ہز ہائی نس امیر فیصل ابن سعود اس استقبالیہ دعوت میں شامل نہ ہوسکیں

گے ۔اس اطلاع پر مولانا عبدالرحیم درد صاحبؒ اور آپ کے ساتھ کارکنان کو اس سے بہت دکھ ہوا جنہوں نے کئی ماہ اس لئے صرف کئے کہ شاہ فیصل صاحب تشریف لائیں گے اور اس کا افتتاح کریں گے جس کی خاطر وہ اتنا لمبا سفر طے کر کے انگلستان پہنچے ہیں۔جبکہ اس سے قبل شاہ فیصل کے والد صاحب نے خوشی سے رضامندی کا برملا اظہار کیا تھا۔اسی دوران شیخ عبد القادر صاحب سابق وزیر پنجاب اور پریذیڈینٹ پنجاب لیجسٹو کونسل صاحب کا خط محترم درد صاحب کی خدمت میں ملا کہ ''چونکہ میں لندن آیا ہوا ہوں میں بھی مسجد کے افتتاح میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔''اس پر محترم درد صاحب نے شیخ عبد القادر صاحب کو فون کیا کہ وہ ضرور اور جلد تشریف لائیں ۔جب شیخ صاحب مسجد میں تشریف لائے تو محترم درد صاحب نے سارا واقعہ بیان کیا کہ کس طرح شاہ فیصل مسجد کے افتتاح کے لئے راضی تھے مگر اب انہوں نے نہ جانے کن وجوہات کی وجہ سے معذرت کر دی ہے۔اس پر شیخ صاحب نے ہر طرح سے کوشش کی شاہ فیصل اس مسجد کا افتتاح کریں اور شیخ صاحب نے شاہ فیصل کے والد صاحب کو بھی تار دیا کہ وہ احمدی جماعت کو ذاتی طور پر جانتے ہیں مگر بے سود۔شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب کو کار میں بٹھا کر ہائڈ پارک جہاں شاہ فیصل صاحب ٹھہرے ہوئے تھے ملنے گئے مگر وہاں پر بھی کامیابی نہ ہوسکی۔بالآخر مولانا عبدالرحیم درد صاحب اور دوستوں نے فیصلہ کیا کہ مزید انتظار بے سود ہے ۔شیخ عبدالقادر صاحب کو ہی اس نیک مقصد کیلئے تیار کیا جائے۔شیخ صاحب کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی کہ وہ اس مبارک تقریب میں نہ صرف حصہ لیں بلکہ انگلستان میں بننے والی پہلی مسجد کا افتتاح بھی کریں۔

افتتاح

3/اکتوبر 1926ء بروز اتوار دن کے تین بجے دوپہر مسجد کا باقاعدہ افتتاح عمل میں لایا گیا۔ہزارہا لوگ جمع تھے۔سڑکوں پر بھی تِل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ہر مذہب اور ہر ملک کے لوگ اس مبارک تقریب میں شامل تھے۔مسجد کو جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا اور مہمانوں کیلئے کھانے کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔احاطہ کے اندر ہزار سے زائد لوگ موجود تھے اور اس طرح باہر سڑکوں پر بھی لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔اور نظم ونسق کے لئے حکومت کی طرف سے پولیس تعینات کی گئی ۔اس مبارک تقریب میں حصہ لینے والوں میں لارڈز،مہاراجہ،ممبران پارلیمنٹ، اخباروں کے نمائندے ،ملکوں کے سفیر،مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کے لوگ اس میں شامل تھے۔ جب مسجد کا افتتاح شروع ہوا تو محترم عبدالرحیم درد صاحب مشنری انچارج انگلستان شیخ عبدالقادر صاحب کو ساتھ لیکر مسجد میں داخل ہوئے اور درد صاحب نے قرآن کریم کی

تلاوت کی جس سے سامعین پر اس کا بہت اثر ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جب مولانا درد صاحب تلاوت فرما رہے تھے کہ ایسا لگتا تھا جیسے اسی موقع کیلئے یہ آیات الٰہی نازل ہوئی ہیں۔ اس کے بعد درد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ اس پیغام میں حضور انورؓ نے سب سے پہلے شیخ عبدالقادر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے تمام حاضرین کا جو اس تقریب میں شامل تھے۔ آپؓ نے اپنے پیغام میں فرمایا:

''۔۔۔ یہ مادری یادگار رہے۔ یہ خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتی ہے۔ اس خدا کی طرف جس نے ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی پرورش کر رہا ہے۔ اور جس کی طرف ہمارے باپ دادے لوٹ کر جائیں گے۔ وہ اکیلا خدا ہے آسمان میں بھی اور زمین میں بھی۔ اوپر بلندیوں میں بھی اور نیچے پاتال میں بھی اس کی بادشاہت ہے۔ سب محبت کرنے والوں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ سب محسنوں سے زیادہ محسن۔ جس کا رحم تو رحم ہے ہی۔ لیکن جس کی سزا بھی محبت سے پُر اور شفقت سے لبریز ہوتی ہے۔ ہماری روح اس کے فضلوں کو دیکھ کر اس کے آستانہ پر گرتی ہے۔ اور کہتا ہے اے قدوس! تیری بڑائی ہو تیرا نام انسانوں کے دلوں میں بھی اسی طرح بلند ہو جس طرح تیری وسیع قدرت کے مناظر میں بلند ہے۔۔۔ ہم لوگوں کا مقصد اس مرکز توحید میں بیٹھ کر محبت اور اخلاص کے ساتھ واحد خدا کی پرستش کا رائج کرنا اور اسکی محبت کو قائم کرنا ہوگا۔ ہم مذاہب سے منافرت اور تباغض کو دور کر کے تحقیق کی سچی روح کو پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اخلاق کی دوستی اور ظلم کے مٹانے کی سعی کریں گے۔ آقا اور نوکر، گورے اور کالے۔ مشرق اور مغرب کے درمیان تعلقات اخلاص اور حقیقی مساوات جس میں جائز فوقیتوں کا تسلیم کرنا شامل ہوگا۔ ہمارا مقصد ہوگا۔ اور ہم اس موقع پر مسیحی دنیا سے بھی التجا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کو تعصّب کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ بلکہ اس کے عیب نکالنے کی بجائے اس کی خوبیوں کی جستجو کرے۔ کیونکہ سچائی دوسرے کے عیوب نکالنے پر ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنی فوقیت ثابت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔۔۔ اے خدا ! تیرا جلال دنیا میں ظاہر ہو اور یہ مسجد تیرے نام کو بلند کرنے اور تیرے بندوں کے دلوں میں محبت و اخلاص پیدا کرنے کا بڑا مرکز ہو۔ آمین۔ وآخر دعونا ان الحمد اللہ رب العالمین۔ مرزا محمود احمد۔ امام جماعت احمدیہ۔''

اس کے بعد محترم مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے مسجد کی چاندی کی چابی خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب کے ہاتھ میں تھمادی اور انہوں نے قفل کھولتے وقت بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔ ''اے خدائے

واحد و رحمٰن کے نام پر مَیں اس عبادت گاہ کا افتتاح کرتا ہوں‘‘

آپ نے اس بات کا افسوس کیا کہ ابن سعود والئی کعبہ تشریف لے آتے تو اس کا افتتاح کرتے تو بہتر تھا اور آپ نے اس کا برملا اظہار کیا کہ ان کا افتتاح پر تشریف نہ لانا دوسرے فرقوں کی مخالفت کا خوف مانع ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جب مَیں اس ملک میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو میرے دل میں مسجد کی افادیت کا خیال آتا رہا ہے کہ جو مسلمان بغرض تعلیم و سیاحت انگلستان تشریف لاتے ہیں ان کی تسکین کیلئے ایک مسجد ہونی چاہئے۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میرا خواب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور ان کی جماعت کی کوششوں سے میری خواہش پوری ہوئی اور یہ بھی عین ممکن ہے اسلام کے دوسرے فرقے اس فرقے پر خوش نہیں ہیں جن کی وجہ سے شہزادہ فیصل اس سعادت سے محروم رہے ہیں۔ آپ نے تمام مہمانوں اور ان کی حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کیا۔

(بحوالہ تاریخ مسجد فضل لندن مرتبہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ اسسٹنٹ سرجن دسمبر 1927ء)

خان بہادر صاحب کی تقریر کے بعد اور معززین کی بھی تقاریر ہوئیں۔ بعد اس کے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز کی امامت مولوی عبدالرحیم درد صاحب نے کی جس میں شیخ عبدالقادر صاحب کے علاوہ بہت سے مہمانوں نے شرکت کی۔ تقریباً 100 کے قریب لوگوں نے شرکت کی۔ اس دوران ایک انگریز ہمسایہ نمازیوں کو دیکھ کر رہ نہ سکا اور اپنے بوٹ اتار کر صفوں میں جا داخل ہو گیا۔ اس نے بعد میں بتایا کہ مَیں ایک صف میں کھڑا تھا اور آنکھیں بند کر کے دعا کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اکیلا کھڑا ہوں باقی سجدے میں تھے۔ مَیں شرمندہ سا ہو گیا مگر خیر دُعا تو ہو گئی مَیں خوش بھی تھا۔ جہاں تک شاہ فیصل کی غیر موجودگی کا تعلق ہے ان کے متعلق تقریباً سبھی لوگ گِلا کر رہے تھے کہ وہ اتنی دور سے انگلستان تو آ گئے مگر یہاں اس مبارک تقریب میں بھلا کیوں شرکت نہ کی۔ اور بعض لوگوں کا یہ بھی تأثر تھا کہ اچھا ہوا شاہ فیصل صاحب تشریف نہیں لائے۔ اگر آ جاتے تو لوگوں کی توجہ بجائے مسجد کے ان کی طرف ہی رہتی۔ جہاں تک لوگوں کی تعداد کا تعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جمِ غفیر تھا اور ہر ملت کے لوگ اس میں خوشی خوشی شریک تھے۔ اخباروں کے نمائندے، فوٹو گرافرز اور مصوّر ہر زاویہ سے مسجد فضل کی تصویر لے رہے تھے۔ انگلش اخبار ڈیلی ایکسپریس مورخہ 24ر ستمبر 1926ء نے مسجد فضل کے بارہ ایسے سرخی لگائی:

لنڈن میں مؤذن کی اذان۔

'' مؤذن کی آواز یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بہت جلد سنی جائے گی۔

لنڈن کی عمارات میں ایک مزید اضافہ ساؤتھ فیلڈ کی مسجد ہے۔اس کی بنیاد فرقہ احمدیہ نے ڈالی ہے۔ یہ عمارت جو جزائر برطانیہ میں اپنی قسم کی ایک عمارت ہے۔175 آدمیوں کیلئے گنجائش رکھتی ہے۔مسجد ایک سفید عمارت ہے جس پر سیمنٹ کی لپائی کی ہوئی ہے۔اس میں ایک گنبد اور چار منارے ہیں۔مناروں سے مومنین کو اذان دی جائے گی ۔اس میں اور ایشیائی مسجدوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں لمبی اور تنگ کھڑکیاں رکھی گئی ہیں۔دروازہ پر خاص قسم کے سیمنٹ کا بنایا ہوا ایک کتبہ ہے۔جس پر کلمہ لکھا گیا ہے۔اس کو ایک انگریز نقاش نے ایک بڑی کی ہوئی تصویر سے کندہ ہے۔امیر فیصل (جبکہ وہ دباؤ میں آکر تشریف نہ لا سکے) مسجد کا افتتاح 3/اکتوبر کو کریں گے۔مسجد کے ایک کارکن نے کل ڈیلی ایکسپریس کے ایک خاص نمائندہ کو کہا کہ اس ملک میں اسلام کی کافی تبلیغ ہوئی ہے اسی لئے مسلموں کی تعداد خاص بڑھ گئی ہے۔''

(حوالہ تاریخ مسجد فضل لندن مرتبہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ اسسٹنٹ سرجن، صفحہ 85۔دسمبر 1927ء)

اس مندرجہ بالا خبر کے علاوہ انگلستان میں ہر چھپنے والے اخبار نے اپنے اپنے طور پر مسجد کے افتتاح اور اس پر سرخیاں لگائیں اور اس بیت الفضل کی خوب تشہیر کی۔بیت الفضل لندن میں امامت اور مشنری انچارج کی خدمات سرانجام دینے والوں کی پوری تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

نام	دورانیہ
(1) حضرت چوہدری فتح محمد سیالؓ	1913ء سے 1916ء
(2) حضرت چوہدری فتح محمد سیالؓ	1916ء سے 1921ء
(3) حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحبؓ	1916ء سے 1917ء
(4) حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ	1917ء سے 1921ء
(5) مکرم مبارک علی صاحب	1920ء سے 1923ء
(6) حضرت عبدالرحیم نیّر صاحبؓ	1923ء سے 1924ء
(7) حضرت عبدالرحیم درد صاحبؓ	1924ء سے 1928ء
(8) حضرت خان فرزند علی صاحبؓ	1928ء سے 1933ء
(9) مکرم محمد یار عارف صاحب	1934ء سے 1935ء

(10) حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحبؓ	1935ء سے 1946ء
(11) مکرم چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب	1946ء سے 1950ء
(12) مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب	1950ء سے 1955ء
(13) مکرم مولود احمد خان صاحب	1955ء سے 1962ء
(14) مکرم چوہدری رحمت خان صاحب	1962ء سے 1964ء
(15) مکرم بشیر احمد رفیق خان صاحب	1964ء سے 1970ء
(16) مکرم بشیر احمد رفیق خان صاحب	1970ء سے 1979ء
(17) چوہدری شریف احمد باجوہ صاحب	1970ء سے 1971ء
(18) مکرم شیخ مبارک احمد صاحب	1979ء سے 1983ء
(19) مکرم عطاء المجیب راشد صاحب	1983ء سے تاحال

اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا مبلغین و مشنری انچارج صاحبان کی خدمات اور قربانیوں کو قبول فرمائے اوران سب کو اجر عظیم سے نوازے۔ نیز ان کی نسلوں کو بھی اپنے بزرگوں کی سنت کو پورا کرتے ہوئے بڑھ چڑھ کر خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین۔ جنوری 1920ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپیل برائے چندہ مسجد لندن کی۔ پہلے دن 6000 چھ ہزار روپے وصول ہوئے۔ جبکہ 95000 پچانوے ہزار روپے کے وعدہ جات ہوئے جس میں سے 83000 تراسی ہزار کے وعدے احمدی خواتین کی طرف سے تھے۔ 19 اکتوبر 1924ء کو شام چار بجے حضرت مصلح موعودؓ نے سنگ بنیاد رکھا جس میں دوصد مہمان شریک ہوئے، حضرت مولانا درد صاحب کی قیادت میں 15 خدام اور دو خواتین نے کھدائی میں حصہ لیا۔ بیت الفضل کے آرکیٹیکٹ کا نام مسٹر اولیفینٹ تھا۔ تعمیر مس تھومس مینسن اینڈ سنز نے کی۔ 28 ستمبر 1925ء صبح گیارہ بجے تعمیر کا کام شروع ہوا۔ تعمیر کا کام دس ماہ میں مکمل ہوا جس پر 4000 ہزار پونڈ لاگت آئی۔ تین اکتوبر 1926ء کو دوپہر تین بجے مکرم خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب نے چھ صد مہمانوں کی موجودگی میں افتتاح کیا۔ بیت الفضل کے لئے پہلا قالین خان بہادر سیٹھ احمد اللہ دین صاحب نے ایک صد پونڈ میں خرید کر دیا۔ بیت الفضل کے پہلے امام مولانا عبدالرحیم درد صاحب مقرر ہوئے۔ پہلی اذان مکرم ملک غلام فرید صاحب نے دی۔ پہلی نماز عصر تھی جو بیت الفضل میں ادا کی گئی۔

(ازصد سالہ جوبلی مجلہ برطانیہ)

مسجد فضل کی ایک سب سے بڑی خوش بختی یہ ہے کہ یہاں پر خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام خلفاء(سوائے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ ،حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ ،حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ اورحضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کواس مبارک مسجد میں خطبہ جمعہ اورنمازوں کے علاوہ مختلف اوقات میں جماعت کوخطاب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور ہورہی ہے۔جماعت احمدیہ عالمی کی روحانی تربیت خلفاء احمدیت کی روح پرور ہدایات سے ممکن ہوئی اور ہوہی ہے۔

بیت الفضل کی پرحکمت بنیاد نے ثابت کردیا ہے کہ یہ خدائی منشاء کے مطابق تھی اوراس کا بابرکت آغاز تائیدایزدی سے اسلام اوراحمدیت کی ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔خلفائے احمدیت کے ساری دنیا کے دورہ جات اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ کے منصوبے کا مرکز ٹھہری۔اور خلیفہ وقت کی ہجرت نے تواس کواور چار چاند لگا دیئے۔جب خدائی تقدیر کے تحت خلیفہ وقت کی ہجرت ہوئی۔تو یہی مسجداس کے پاک وجود کا مسکن ٹھہری۔اس مسجد کی تقلید میں ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں مساجد عطا کیں۔اورترقیات کے اتنے دروازے اس برق رفتاری سے کھلے کہ غیر بھی حیران و ششدر رہ گئے۔برطانیہ اور جرمنی کے علاوہ سارے مغربی ممالک اور دیگر براعظموں کے ممالک میں سینکڑوں مساجد اورمشن ہاوسز کی تیاریوں نے دشمنوں کوورطہ حیرت میں ڈالدیا۔جوکام تیل کی دولت سے مالا مال اسلام کے ٹھیکیدار ممالک نہ کرسکے۔ وہ اس چھوٹی سی جماعت نے کردکھایا۔ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔بیت الفتوح جواس وقت مغربی یورپ کی سب سے بڑی اورخوبصورت مسجد ہے۔جس میں (اس کے چار ہالوں سمیت) دس ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔جوایک کروڑ برطانوی پونڈ سے تیار ہوئی۔وہ بھی ایک حسین شاہکار ہے۔برطانیہ میں 35 سے زیادہ خوبصورت مساجداورمشن ہاؤسز کی تعمیر،ڈیر پارک روڈ کی عظیم عمارت، جس میں ہومینٹی فرسٹ اوراشاعت کادفتر ہے،برطانیہ کی جامعۃ المبشرین کی عمارت کولیئروڈ میں، اورالٹن کے قریب ہی نیا135 ایکڑ رقبہ اورکالج برائے جامعہ احمدیہ،اسلام آباد ٹلفورڈ کی 33۔ ایکڑ زاورحدیقۃ المہدی کی 208 ایکڑز زمین جو اہم دینی ضرورت کے پیش نظر خریدی گئیں۔جہاں ہرسال شمع خلافت کے لاکھوں عشاق جلسہ سالانہ پرتجدید عہد کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ بھی مسجد فضل کے بیش قیمت اثمار ہی ہیں۔مسجد فضل کے قیام نے مغربی دنیامیں میں اسلام

کے تعارف کے لئے ایک مستقر فراہم کیا ہے۔ جسے خلافت کی برکات نے ایک اہم دینی مرکز کی حیثیت دے دی ہے۔ اور آج حضرت امام مہدی علیہ السلام کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کی ممد اور معاون کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے اکابرین کو اس مسجد میں آنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ جن میں وزیر اعظم ماریشس، صدر ایوب خان، شیخ محمد عبداللہ، صدر ٹب مین آف لائبیریا، شاہ فیصل، قائداعظم، علامہ اقبال، محمد علی کلے، اور ان کے علاوہ بہت سے نام ہیں جن کا ذکر خوف طوالت سے نہیں کر رہا۔ تاریخ عالم اس مسجد کے عالمی کردار کو کبھی نہیں بھلا سکے گی کہ جس نے چاروانگ عالم میں اسلام کا تعارف کرایا۔ اور عیسائیت کے گڑھ میں مضبوط قلعے تعمیر کئے۔ قرآن کریم کے مختلف سو سے زیادہ زبانوں میں تراجم، ایم ٹی اے کے شب و روز پروگراموں کے ذریعہ تین چینلز سے جو اسلام کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں۔ پاکستان کی تحریک آزادی میں بھی اس مسجد نے نا قابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ جب قائداعظم کو ہندوستان کو واپسی کے لئے امام مسجد فضل لندن نے قائل کیا۔ اور وہ بادل نخواستہ ملک واپس گئے اور پاکستان کو آزادی سے ہمکنار کیا۔ یہ بھی اس مسجد کی برکات میں سے ایک عظیم برکت ہے۔ پھر انتخاب خلافت خامسہ کا پر کیف نظارہ کل عالم نے اسی مسجد فضل سے ایم ٹی اے کے ذریعہ دیکھا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز کی سنہری اور پر حکمت ہدایات اور روحانی مائدہ کی تقسیم کا مرکز یہی مسجد فضل ہے۔ جہاں ہمہ وقت ساری دنیا سے خلافت کے پروانوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ پیاسے پروانے اپنی تشنگی مٹانے کے لئے محو پرواز رہتے ہیں۔ بیشک ای میل، موبائیل، فیکس اور سائینسی ترقی کا زمانہ ہے مگر روحانی فیوض کے حصول کے لئے چشم خود سے نظارہ محبوب امام کی اہمیت مومنین کے ذوق کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ سو اس کی مشق اور تجربے کا بھی مرکز یہی مسجد فضل ہے۔ مسجد فضل اسم با مسمی اور خدائے رحیم کے بے شمار افضال کا مرکز ہے۔

آخر میں خاکسار کی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو خلافت کے سائے میں ایسے مزید عظیم الشان مراکز کی تعمیر کی توفیق دیتا چلا جائے جو دنیا کے شرق و غرب شمال و جنوب میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے اعلیٰ مرکز ثابت ہوں۔ آمین ۔



روزنامہ الفضل کے سوسال مکمل ہونے پر مبارک باد

یہ شجر سایہ دار جو دعاؤں سے بویا گیا، چند بزرگ ہستیوں کی قربانی اور نیک ارادے سے لگا۔لاکھوں بدخواہ آج تک اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔حضرت مصلح موعودؓ کے دست شفقت سے پروان چڑھا۔اور روحانیت کا بہتا ہوا دریا بن گیا۔مسلسل روحانی فیضان تشنگانِ حق کو ایک صدی سے شب و روز پہنچا رہا ہے۔یہ ایسا ساز اور ایسی قرنا تھی کہ جس کی لَے پر یہ قافلہ مہدیؑ توحید کے ساتھ پیش قدمی کرتا رہا۔اطاعت کی حبل کے سنگ قربانیاں پیش کرتا ہوا کنارِ زمین تک پہنچ گیا۔خلافت کے ذریعہ جو نور آسمان سے اُترا اور الفضل نے اسے محفوظ کیا۔صداقت وھدایت اور قرآن کی عظمت کا درس دیتا رہا۔شہادتوں، قربانیوں، اور باطل کے معرکے، خوشیوں کی کہانیاں، غم کی خبریں سب اس میں محفوظ ہیں۔رب العٰلمین اس کا نگہبان اور خلافت اس کی زراع ہے۔اگر میں اس گلشن کی تاریخی کاوشوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کروں، مدیرانِ الفضل کا تذکرہ بھی طویل ہے، کارکنان الفضل کی کاوشیں بھی ایک طویل تاریخ ہیں۔اس شمع پر آنے والے طوفانوں کا ذکر کروں تو بھی وہ ایک لامتناہی داستان ہے۔اس کے لئے خلفاء کرام کی مسلسل اشیر باد اور دعاؤں کا ذکر کروں تو بھی یہ ایک لمبی فہرست ہے۔اس کی پرنٹنگ کے مراحل کے مسلسل مسائل اور ان سے نمٹنا اور اس کا ان نامساعد حالات میں زندہ رہنا اور احمدیت کی اطلاعاتی دنیا کو مسلسل زندہ رکھنا ایک طویل معجزاتی کہانی ہے۔کسی بھی بات کو شروع کروں تو اس کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔لہٰذا مختصراً عرض ہے۔خلافتِ اولیٰ کی زیر راہنمائی الفضل جو وسط جون 1913 سے حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک ہاتھوں کا لگایا ہوا شجر پھلدار ہے۔حضرت مصلح موعودؓ نے 18 جون 1913ء کو اسے جاری کیا۔اور خود اس کے مدیر بنے۔اور حضرت سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ (اُمّ ناصر) نے اپنے زیورات پیش کر کے الفضل کی مالی مشکلات کو دور کرنے میں مدد کی۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے خطبات، اور خطابات کے علاوہ مندرجہ ذیل موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔سیرۃ النبی ﷺ، الاسلام، تصدیق المسیح، امر بالمعروف، مذاکرات، عالمِ اسلامی، ممالک غیر میں تبلیغ اسلامی، الاخبار والآراء، تادیب النساء کے مستقل عنوان کے تحت علمی، تاریخی، تبلیغی اور تربیتی مضامین شائع ہوتے تھے۔1914ء میں جس طرح اس نے منکرین خلافت کی گوشمالی کی۔اور خلافت حَقّہ کے تصور کو اُجاگر کیا۔اور الوصیت میں درج حضرت مسیح موعودؑ کی فرمودہ قدرت ثانیہ کو اُجاگر کیا۔اس طرح منکرین خلافت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

اور جوق در جوق لوگ بیعت خلافت میں شامل ہوتے گئے۔الفضل جو کہ خلافتِ احمدیہ کے دست و بازو بن کرابھرا۔اور مسلسل سارے پاک وہند میں بلکہ ساری دنیا میں حکمت ونور کی شمع جلاتا رہا۔اس زمانے میں جب کہ آج کل کی یہ جدید سہولیات ناپید تھیں۔فون، ٹی وی، ای میل، تار، ریڈیو، کا تصور تک نہ تھا۔بلکہ دوردراز دیہات اور ساری دنیا کے پسماندہ علاقوں میں یہ مسلسل ڈاک کے ذریعہ احمدیت کی ضیا افشانی کرتا رہا۔عرب ہو، افریقہ، روس، بخارا، فجی، ماریشس، امریکہ، آسٹریلیا ہو، جزائر ہوں کہ یورپ۔سب مبلغین اور عام احمدیوں کو بھی اس کا انتظار رہتا ہے۔خلیفہءوقت کی آواز کا ترجمان رہا۔ خلیفہءوقت کی صحت اور خطبات وخطابات کی تفصیل،فوتید گی و پیدائش کی اطلاعات،مبلغین کی مساعی کی رپورٹس،اورمربیان کی آمدوروانگی اسی کے ذریعے ہوتی تھی۔اگرسن واراس کی بیش قیمت کاوشوں کا ذکر کیا جائے تو بھی وقت چاہیے۔22۔1921 میں ملکانہ راجپوتوں کے علاقہ میں تحریک شدھی کو ناکامیاب کرنے میں الفضل کا بہت ہی اہم کردار رہا۔1922ء میں مشاورت کے نظام کا قیام، 1924ء میں حضرت مصلح موعودؓ کا سفر یورپ اور مسجد فضل کا سنگ بنیاداور 1926ء میں افتتاح مسجد فضل لندن، 1927ء میں رنگیلا رسول کے مقدمے کی تفصیلات اوراسلام دشمن مصنف کا توڑ، 1931ء میں کشمیر کمیٹی کے توسط سے اہل کشمیر کے حقوق کا مطالبہ، 1934ء میں فتنہ احرار کی موشگافیاں، 1939ء میں خلافت جوبلی کا جلسہ ہو، 1940 میں مجلس انصاراللہ کا قیام ہو، 1944ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام،نہرو رپورٹ ہو یا قیام پاکستان یا مسلم لیگ کا الیکشن، 1947ء میں تقسیم ہند ہو یا باؤنڈری کمیشن کا مقدمہ، 1953ء میں فسادات پنجاب ہوں یا تحریک ختم نبوت کی ناکامی اور منیر انکوئری رپورٹ، 1965ء میں حضرت مصلح موعودؓ کی وفات کی خبر ہو یا خلافت ثالثہ کا انتخاب، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ممالک بیرون کے سات سفروں کی مفصل رپورٹ۔1973 کا پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریاں، یا1974ء کے حکومت کے دانستہ فسادات اوراحمدیوں کو غیرمسلم قرار دینے کی سازش، جون 1982ء میں حضرت مرزا ناصر احمد کی وفات اور خلافت رابع کا انتخاب ہو۔اور پھران کا سفر یورپ، 1984ء کا قادیانی آرڈیننس ہو یا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہجرت برطانیہ، یا پاکستان میں احمدیوں پراسلام کے نام پر ظلم،مقدمات کی تفصیل ہو یا قیدوبند کی صعوبتیں۔اور پھرحضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ہو یا خلافت خامسہ کا انتخاب۔اور پھرساری دنیا میں مساجد کی تعمیر اورتبلیغی سرگرمیوں کی رپورٹ۔الفضل ہرلمحہ بڑی مستعدی اور باقاعدگی سے سب مدیروں پراور باقی عملہ پرصدہا مقدمات کے باوجوداور بار بار بندش کے

باوجودسورج جیسی باقاعدگی سے خلافت کے دست وبازو کا کردارادا کرتا چلا جارہا ہے۔اس کے ساتھ خلیفہ وقت کی دعائیں اورکُل عالم کے احمدیوں کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔تائیدایزدی سے یہ شمع طوفان بد تمیزی کے ہچکولوں میں بھی روشن ہے بلکہ اب روشن تر ہے۔یہ ایک ایسا سورج نصف النہار ہے۔جس نے خلافت کے سائے میں چشمہ ہدایت کا کردارادا کیا۔مینارِنور کی طرح چاردانگ عالم کوامام مہدی کا پیغام تسلسل سے پہنچایا۔اوراسی سے ایم ٹی اے اور باقی ذرائع نشریات جماعت کی تربیت ہوئی۔اوروہ اسی کے ظلی وسائل کا مقام پا چکے ہیں۔۔قرآنی انوار کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، دینی مسائل کا روشن جبل الطُور،فقہی مسائل کا روشن مینار،خلافت کا دست و بازو،مومن کا آئینہ،مدینۃ العلم تعلیم وتربیت کاضمیمہ، خداتعالیٰ کی طرف سے ارمغان سماوی ہے۔خدااس فضل کو ہمیشہ رواں دواں رکھےاورہم سب کواورآپ کو اس کی خلافت کی راہنمائی میں حفاظت کرنے کی توفیق دیتا جائے۔آمین۔ایک بارپھراپنے رب العٰلمین سے سب سابق وحاضر مدیران اورکارکنانِ الفضل کے لئے دعا گو ہوں۔اوردلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔یہ حقیقت واضح ہے کہ الفضل کی سو سالہ کاوش کے پس پردہ اصل قوت متحرکہ نظام خلافت ہے۔الفضل ایک چراغ ہے،ایک شجرہ طیبہ ہے۔

مجھے یاد ہے جب ہم ابھی پرائمری میں پڑھتے تھے۔تو ہمارے گھرالفضل مسلسل آتا تھا۔ابوجان خوب اس کو پڑھتے اوربچوں کوسناتے۔خصوصاًنماز کے بعد درس بھی دیا کرتے۔ اورپھر ہر جمعہ میں اپنے امام صاحب سے ساری جماعت کے افرادخطبات سنتے۔اور جمعہ کی نماز کے بعد جب مسجد میں بیٹھتے تواپنی سمجھ کے مطابق باہم سوال وجواب کرکےاپنےعلم میں اضافہ کیا کرتے تھے۔

ہماری بڑی بہن تو اس اخبارکوخوب چھانتی۔بعض اوقات جب ڈاک دیر سے آتی تو وہ بڑی بے چینی سے انتظارکرتی۔الفضل میں تحریر شدہ احکامات الٰہی اورفرمودات حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی روشنی میں ہماری تربیت ہوئی۔فقہی مسائل ،دینی مسائل ،حقوق العباد،اورحقوق العباد کے متعلق مجھے الفضل ہی کے مطالعہ سے پتہ چلا۔ہمارے قریبی سکول چک چارٹی ڈی اے میں ڈاکخانہ تھا۔ہمارے ایک احمدی بزرگ چوہدری عطا اللہ خاں صاحب وہاں ہیڈ ماسٹر تھے۔اورڈاکخانے کے انچارج بھی۔ جب وہ گاؤں واپس شام کوآتے توسب ڈاک ان کے پاس ہوتی تھی۔وہ بھی اس کا مطالعہ کرتے اورغیر احمدی اساتذہ بھی اسے پڑھتے۔



افغانستان کے حکمران اور انکی تباہی کے اصل محرکات

1929ء میں افغانستان کی حکومت میں اچانک ایک ایسا انقلاب آیا جس کے نتیجے میں اس وقت کے والی افغانستان امیر امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا وہ شخص جو اس انقلاب کے ذریعہ بچہ سقہ کہلانے والا ایک ڈاکو تھا۔ اسکے نتیجے میں امیر امان اللہ خان ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہوگیا۔ بچہ سقہ کا اصل نام حبیب اللہ تھا اور اس کا والد کابل افغانستان کے شاہی محل میں ماشکی تھا یہ بچہ سقہ ماشکی کا بیٹا کے نام سے مشہور ہوگیا۔ وہ اس وقت کے شاہی خاندان یعنی امیر امان اللہ خان والی افغانستان کا تختہ الٹنے کے قابل کیونکر ہوا۔ اسکی تفصیل اور اس قوم کی تباہی کے محرکات یہ ہیں۔ بچہ سقہ بڑا ہو کر افغان فوج میں بطور سپاہی ملازم ہو گیا اس دوران ایک بار جب وہ رخصت لیکر اپنے گاؤں جا رہا تھا ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا۔ بچہ سقہ کے پاس اسوقت سرکاری بندوق تھی اس نے فائر کر کے ڈاکو کو قتل کر دیا دوسرے ڈاکو بھاگ گئے۔ جب یہ خبر حکومت کے علم میں آئی تو اس نے بچہ سقہ کی غیر حاضری میں ہی اس کے جرم کی بناء پر کورٹ مارشل کر دیا کہ وہ سرکاری بندوق اپنے ساتھ کیوں لے گیا ۔ بچہ سقہ اس ڈر سے کہ اگر وہ واپس اپنی ڈیوٹی پر گیا تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ بجائے واپس جانے کے پہاڑوں میں چھپ گیا پھر رہزنوں کیساتھ ملکر رہزنی شروع دی اس کے نتیجے میں ملک کے تمام لٹیرے اور رہزن اس کے گرد جمع ہو گئے ان سب نے اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا ۔اس طرح اس نے تین ساڑھے تین سو کی نفری جمع کر لی۔ پھر حکومت بھی اس سے ڈرنے لگی۔ امیر امان اللہ خان والی افغانستان کی اسلامی اصلاحات کے خلاف افغانستان کے ملاؤں اور سجادہ نشینوں نے کھلم کھلا بغاوت شروع کر دی تو انہیں کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو امیر امان اللہ خان کو تخت سے اتارنے میں ان کی مدد کر سکے۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب بچہ سقہ پر پڑی اور انہوں نے قبائل میں جا جا کر اسکی تعریفیں شروع کر دیں اور یوں کہنا شروع کر دیا کہ بادشاہ کی غیر اسلامی اصلاحات کا قلع قمع کرنے اور یوں ایک کافر بادشاہ کیخلاف صف آرا ہونے کی صرف بچہ سقہ ہی اہلیت رکھتا ہے۔ امیر اللہ خان ان ڈاکوؤں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ چنانچہ وہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس طرح پر امیر امان اللہ خان کے ملک چھوڑنے کے بعد بچہ سقہ عملاً افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔ نادر شاہ خان جو فرانس میں اپنی جلاوطنی گزار رہا تھا ایسے واپس بلایا گیا اور حکومت اس کے سپرد کر دی گئی پھر نادر شاہ خان اور بچہ سقہ

کے درمیان جنگ ہوئی اس میں نادر خان نے فتح پائی اور بچہ سقہ مارا گیا علاوہ ازیں اس افغانستان کے بادشاہ کے متعلق چودھویں صدی کے مجدد اور امام مہدی احمد علیہ السلام کی جو خدا کے ولی تھے ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے 1905 میں ایک رؤیا دکھلائی گئی اور یہ ان کی پیشگوئی تھی بذریعہ وحی کہ ''آہ نادرشاہ کہاں گیا'' واقعہ یوں ہوا کہ 1929 میں افغانستان کی حکومت میں اچانک ایک ایسا انقلاب آیا جس کے نتیجے میں اس وقت کے والی امیر امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ کرر کھ دیا گیا وہ شخص جو اس انقلاب کا ذریعہ بنا وہ بچہ سقہ کہلانے والا ایک ڈاکو تھا اس کے نتیجے میں امیر اللہ خان ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہو گیا اس کے بعد انقلابی حکومت نے شاہی خاندان کے ایک جلاوطن شخص نادر شاہ خان کو فرانس سے بلوا کر تخت حکومت اس کے سپرد کر دیا۔ بادشاہ بن جانے کے بعد نادر شاہ خان نے اپنا خاندانی اور ملکی لقب ''خان'' ترک کر کے ''شاہ'' کا لقب اختیار کر لیا اور ''نادر شاہ'' کہلانے لگا اس طرح وہ آسمانی پیشنگوئی کے مطابق اس پر الم ڈرامے کا کردار بن گیا۔ جو چند سال بعد سرزمین افغانستان کے اندر کھیلا جانے والا تھا۔ اس کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ نادر شاہ کو تخت نشین ہوئے ابھی چار سال ہی گزرے تھے کہ 8 نومبر 1933 کو عبدالخالق نامی ایک شخص نے اسے عین دن کے وقت مجمع عام میں قتل کر دیا۔ نادر شاہ اس چار سال کے عرصہ میں عوام کے اندر اتنا مقبول اور دنیا میں اتنی شہرت پا چکا تھا کہ اس کی یوں اچانک موت کے ساتھ ہی نہ صرف افغانستان کے اندر صف ماتم بچھ گئی۔ بلکہ تمام دنیا میں بالفعل یہ صدا بلند ہوئی کہ ''آہ نادر شاہ کہاں گیا''۔

مزید برآں مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی تین امور پر مشتمل تھی جو یہ خبر دے رہی تھی۔ **اول** تو یہ کہ کوئی شخص نادر شاہ نامی آنے والے زمانہ میں کسی قطعہء زمین پر ظہور کرے گا یہ شخص اپنی اعلیٰ قابلیتوں اور قوائے خداداد کے باعث پبلک میں اس قدر محبوب اور مطلوب ہو گا کہ عندالضرورت لوگ پکار اٹھیں گے کہ اس وقت نادر شاہ کی ضرورت ہے۔ ''آہ نادر شاہ کہاں گیا'' کیونکہ اس ضرورت کو وہی پورا کر سکتا تھا۔ **دوم**۔ وہ عین اس وقت پبلک میں سے جدا ہو گا اور یہ اچانک جدا ہو گا جبکہ ہنوز اس کی خدمات جلیلہ کی ضرورت باقی ہو گی تب لوگ بصورت حسرت کہیں گے کہ ''آہ نادر شاہ کہاں گیا'' یہ ہر سہ امور اس طرح پورے ہوئے کہ امیر امان اللہ خان نے خود محمد نادر شاہ کو سفارت فرانس پر روانہ کر دیا اس کی غیر حاضری میں بغاوت رونما ہوئی اور امیر امان اللہ خان تخت و تاج چھوڑ کر افغانستان سے نکل گیا اس طرح تخت و تاج اور ملک حبیب اللہ بچہ سقہ کے ہاتھ میں چلا گیا تو قدرت نے موقع دیا اور محمد نادر شاہ خان کو

فرانس سے بلوایا گیا اللہ تعالیٰ نے غیب سے سب یہ سامان کر دیئے کہ محمد نادر شاہ پھر افغانستان کا بادشاہ بن گیا اور بچہ سقہ اور اس کے ساتھی چوروں کو گولیوں سے ہلاک کر کے پھانسی پر لٹکا دیا ماشکی کے بیٹے سقہ بچہ نے کابل میں اس قدر ظلم وستم کیا اور دست تعدی دراز کیا کہ لوگوں کی عزت و مال اور جان سب خطرے میں پڑ گئیے اور ہزار ہا نفوس ہلاک ہوئے، دولت اور جائیدادیں سب لوٹ لیں یہاں تک کہ وہ لوگ محمد نادر شاہ کی غیر حاضری از کابل کو سختی سے محسوس کرنے لگے اور چلا اٹھے کہ ''آہ نادر شاہ کہاں گیا'' محمد نادر شاہ نے افغانستان کی تباہ شدہ سلطنت اور عزت کو بحال کیا بلکہ پہلے سے زیادہ خوبصورت رفیع الشان عمارات، بازار، پل اور سڑکیں بنائیں اور افواج کو بھی مسلح کیا ان تین چار سالوں میں افغانستان نے بہت ترقی کی افغانان کابل ابھی اس نظارے میں محو تھے کہ ایک عبدالخالق نامی شخص نے حضرت محمد نادر شاہ کو ارک شاہی میں آٹھ نومبر 1933 کو بوقت تقریب تقسیم انعامات میں پستول سے فائر کر کے شہید کر دیا اس طرح یہ بہادر جرنیل بےنظیر وقیمتی وجود وجلیل القدر ہستی افغانستان کی سرپرستی سے محروم ہو گیا جس سے ہر افغان باشندہ دردِ دل سے پکار اٹھا ''آہ نادر شاہ کہاں گیا''

اس وقت کے مشہور اخبار مدینہ 13 نومبر 1933 میں یوں خبر شائع کی۔ ہندوستان کے ہوش وحواس پر یہ برقی خبر بجلی کی طرح گری کہ 8 نومبر 3 بجے اعلیٰ حضرت نادر شاہ نمازی بادشاہ افغانستان کو کسی غدار وطن نے شہید کر دیا اور تمام مسلمان غم وغصہ کی تصویر بن گئے۔ ان تینوں صورتوں میں حضرت مرزا امام مہدی علیہ السلام کی پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہوئی اور وقت کے امام کو خدا تعالیٰ نے تیرہ مارچ 1907 کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ ریاست کابل میں قریب 85 ہزار آدمی مریں گے (تذکرہ صفحہ 701) اور یہ خبر اخبار الفضل مؤرخہ 19 نومبر 1918ء قبل از وقوع شائع بھی کرادی تھی۔

شاہ کابل کی ریاست میں مریں گے عنقریب
آدمی اس کی رعایا میں سے پچاسی ہزار

خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو اپنا عملی رنگ اس طرح دیکر پورا کیا کہ سرزمین افغانستان میں بغاوت پر بغاوت نمودار ہوئی اور آخر کار یہ انقلاب ''بچہ سقہ'' واقع ہوا۔ جس کی نذر ہزار ہا نفوس ہو گئے۔ قارئین آپ نے ان واقعات پر نظر دوڑا کر دیکھ لیا ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کو کس طرح عملی رنگ میں پورا کیا اور بغیر اس قسم کے واقعات کے، کس طرح ریاست کابل میں

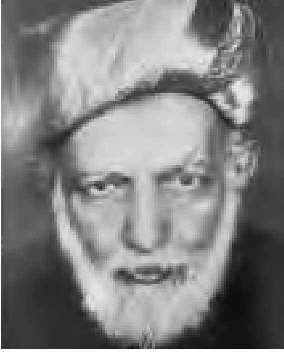
قریب 85 ہزار کے آدمی مر سکتے تھے روز نامہ انقلاب لاہور نے ایک لاکھ سے زائد نفوس ہلاک ہونیکی خبر دی۔ ماشکی کا بیٹا سقہ بچہ تو محض خاندان امیر عبدالرحمان خان کے مٹانے کی غرض سے ایک غضب کا فرشتہ تھا جو پیدا ہوا اور کام کر کے فنا ہو گیا۔ اس کے بعد کئی بادشاہ وحکمران آئے جو اپنی موت مرتے گئے آج تک کوئی ایسی حکومت اس سرزمین پر مکمل طور پر کامیابی سے چل نہ سکی۔ اس کی یہی وجہ تھی جو انہوں نے وقت کے امام کو نہیں پہچانا ان کی پیشگوئیوں کو صدق دل سے قبول نہ کیا اوران پر عمل کرنے سے محروم رہے۔ وقت کے امام نے تو حضرت شہزادہ سید عبدالطیف کی شہادت کے موقع پر فرمادیا تھا کہ ''صاحبزادہ مولوی عبدالطیف مرحوم کا اس بے رحمی سے مارا جانا اگرچہ ایسا امر ہے کہ اس کے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ (ما رئینا ظلماً غیظ من ھذا) ترجمہ اس سے سخت ظلم ہم نے کہیں نہیں دیکھا لیکن اس خون میں بہت برکات ہیں کہ بعد میں ظاہر ہوں گے اور کابل کی سرزمین دیکھ لے گی یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا یہ خون کبھی ضائع نہیں جائے گا پہلے اس سے غریب عبدالرحمان میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہے گا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا ایسے معصوم شخص کو کمال بے دردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کیا۔ اے کابل کی سرزمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت ظلم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت سرزمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 72)

یہ شہادت شنبہ 17 ماہ ربیع الثانی 1321 ہجری بمطابق 14 جولائی 1903 اور عصر کا وقت تھا۔ چونکہ اس پر پتھروں سے بارش کی گئی جسطرح حضرت امام حسینؓ پر تیروں سے۔ اس واسطے آپ کا سن شہادت بھی حسین افغانیاں 1321ھ اور فخر اُمت 1321ھ سے نکلتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے جن دو بکروں کی شہادت کی خبر، بذریعہ وحی احمد علیہ السلام تھے شاتان تذبحان میں دی تھی وہ دوسرا شات بھی مظلوم مارا گیا اس طرح یہ دونوں شہداء داعی امن وصلح اور بے آزار انسان تھے اس کے باعث سخت خطرناک طور پر شہر میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور شہادت کے دوسرے دن 15 جولائی کو اہل کابل پر عذاب مسلط کر دیا جس سے ہزاروں افراد لقمہ اجل بنے اور یہ عذاب جو آج تک چلا آ رہا ہے جسکو وہاں کے حکمران اور غیر ملکی بڑی بڑی طاقتیں بھی سنبھال نہ سکیں اور ناکام رہیں۔ اس کا صرف ایک ہی حل نظر آتا ہے کہ یہ لوگ اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کریں اور صدق دل سے امام وقت اور اس کی جماعت کو قبول کر لیں۔

پیش گوئی کا انجام جب ہویدا ہو گا
قدرت حق کا عجب اک تماشہ ہو گا
جھوٹ اور سچ میں جو ہے فرق وہ پیدا ہوگا
کوئی پا جائے گا عزت کوئی رسوا ہو گا



حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب مرحوم



تاریخِ احمدیت کے ایک درخشندہ باب کا قابلِ رشک عنوان بن کر وہ عظیم المرتبت انسان 20 دسمبر 1962ء کی شام کو بہشتی مقبرہ قادیان کی مقدس سرزمین میں سما گیا ہے۔ جسے دنیائے احمدیت حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے نام سے جانتی تھی۔ اور جانتی رہے گی۔ کاروانِ احمدیت الٰہی نوشتوں کے مطابق منزل بمنزل بڑھتا رہے گا۔ قومیں اور نسلیں احمدیت کے دامن سے وابستہ ہوتی چلی جائیں گی بڑے بڑے تاجر اور کروڑ پتی سیٹھ احمدیت کی خدمت اور غلامی کا دَم بھرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن وہ حیرت انگیز قربانی اور بے مثال خدمت جو اس جیالے مومن نے کی وہ ایک لاثانی شاہکار بن کر اُفقِ احمدیت پر زندہ و تاباں رہے گی۔ مؤرخین احمدیت اس باب کو مرتّب کرتے وقت انگشتِ بدنداں، عالمِ امکاں کو اپنے تصوّر میں لائیں گے۔ اور ایک دوسرے سے پوچھ کر اس عُقدہ کو حل کرنے کی کوشش کریں گے کہ متواتر چھیالیس سال تک تعلیمِ احمدیت کے روحانی خزائن لٹانے والا یہ کوئی فردِ واحد تھا کہ کوئی ادارہ۔؟ عالمِ امکان اس کا جواب نفی میں دے گا۔ اور حقیقت پکارے گی کہ ''میں یہاں موجود ہوں'' اور اگر تصدیق چاہتے ہو تو ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے پرانے احمدی خاندانوں کی لائبریریاں دیکھ لو۔ ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی کتاب موجود ہوگی جو شہادت دے گی کہ میں ۔۔ ''کارڈ پر مفت بھجوائی گئی تھی''۔! کہاں پیدا ہوتے ہیں روز روز ایسے لوگ ،جو اپنی مادی فرزانگی کو روحانی دیوانگی کی قربان گاہ میں سرِ دار اُلٹا لٹکا کر زندگی بھر روحانی گہوارے میں سانس لیں۔!۔ وہ ایک دیوانہ تھا اور اُن دو مطلوب دیوانوں میں سے ایک تھا جن کی تلاش میں خلافتِ

ثانیہ کے سالار نے فرمایا تھا۔

عاقل کا یہاں پر کام نہیں وہ لاکھوں بھی بے فائدہ ہیں
مقصود مرا پورا ہو اگر مِل جائیں مجھے دیوانے دو

اور حقیقت یہی ہے کہ تاریخِ عالم نے آج تک جن بڑے بڑے انقلابات کو ترتیب دیا ہے وہ سب دیوانوں کے ذریعہ ہی رُونما ہوئے ہیں۔ ورنہ فرزانگی تو اندیشہ ہائے سود وزیاں کے سلاسل سے ہی آزاد نہیں ہو پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء مرسلین جنہوں نے دریاؤں کے تیز دھاروں کے رُخ موڑ دیئے۔ اپنے اپنے وقت میں ساحر اور مجانین کے ناموں سے یاد کئے جاتے رہے ہیں یہ اس لئے کہ انہوں نے جو انقلابات برپا کئے تھے وہ عقلِ انسانی کی گرفت سے بالاتر تھے۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب 1915 میں خلافت ثانیہ کے ابتدائی ایام میں احمدیت میں داخل ہوئے۔ اور اپنی آخری سانس تک عہدِ بیعت کو اس طرح نبھایا۔ جیسا کہ اس کا حق تھا۔ ایک مستقل لگن اور دُھن کے ساتھ آپ نے احمدیت کی خدمت یوں کی کہ:۔ **انَّ صلاتی و نُسکی و محیای و مماتی للہ ربّ العٰلمین**۔ اُن پر صادق آیا۔ اس دوران میں آپ کو بعض دفعہ مالی ابتلاء بھی پیش آئے۔ مگر یہ ابتلاء تبلیغ واشاعت کے کام میں رخنہ نہ ڈال سکے۔ حضرت مصلح موعودؓ کو اس ابتلاء کا علم ہوا تو آپ نے تحریر فرمایا کہ ’’ایک دوست نے لکھا ہے کہ آپ کی مالی حالت بہت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ آپ بہت زیادہ چندہ دیتے رہے ہیں فی الحال آپ بقایوں اور اگلا چندہ دینے کا خیال چھوڑ دیں تو یہ بات پسندیدہ ہوگی‘‘ (اردو ادب کا احمدیہ دبستان ص 183) یہ کتنا بڑا سرٹیفکیٹ ہے جو آپ کو ملا اور یقیناً یہ اپنی قسم کا واحد سرٹیفکیٹ ہے جو خلافتِ ثانیہ کی بارگاہ سے جاری ہوا۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے قربانی کے ہر میدان میں نہایت قابلِ رشک نمونہ پیش فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ایک موقع پر فرمایا: ’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ مجھے چالیس مومن مل جائیں تو میں ساری دنیا پر اسلام غالب کرسکتا ہوں ان چالیس مومنین میں سے ایک نمونہ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب ہیں‘‘ (البدر 7 فروری 1963ء) اس نوٹ میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی بے مثال قربانی کا جائزہ لینا مقصود نہیں اور نہ ہی ممکن ہے کیونکہ اس مردِ مجاہد کی سوانح کے لئے تو ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے۔ پس ہمیں اُن کی قربانیوں سے ترغیب حاصل کرنی چاہیے۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے اپنی ساری قوتوں کو

احمدیت کی ترقی واشاعت پر لگادیا تھا۔اوردیوانہ وار کام کر کے احمدیت کا لٹریچر دنیا کے کونوں تک پہنچادیا تھا۔آپ نے اکیلے اتنا بڑا کام کیا اور ہزاروں گم گشتگان راہ ہدایت نے راستی کی راہ پائی یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جوسودوزیاں کی حدودوقیود سے بے نیاز ہوکر ناممکنات کی دیواروں کو پھلانگ کر ہر قسم کی سندِ خوشنودی پاتے ہیں۔



ادبی مضامین

تاریخ بزم شعروسخن برطانیہ

ہماری جماعت میں شعروادب سے دلچسپی ہمیشہ ہی سے رہی ہے۔1960 سے محترم بشیر احمد رفیق مرحوم ادبی محفلوں کا انتظام وانصرام کرتے رہے۔جس میں پاکستان سے آنے والے اور مقامی لندن میں مقیم شعراء بڑے شوق ذوق لیتے رہے۔اوراس طرح ادب پروموٹ ہوتا تھا۔ان مشاعروں کی مرکزی شخصیت بخش لائلپوری ہوا کرتے تھے۔لندن میں بھی بہت سے ادیب وشعراء پیدا ہوئے۔جو کہ شاعری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان مشاعروں کی رونق میں سب سے پرانے،الیاس دہلوی آدم چغتائی،ادریس چغتائی،محمد افضل ترکی ہیں۔اور پھر بشیر احمد رفیق مرحوم۔مشتاق بٹ صاحب۔مرغوب صدیقی صاحب۔،جگن ناتھ سرشار، اقبال مرزا،اطہرناز، زاہر داری،نسیم سیفی ،ناظم غوری، عقیل دانش، ایوب اولیا،سوہن راہی،عبیداللہ علیم،سلیم کوثر،ہدایت اللہ ہیوبش،عبدالغفارعزم،سرمد بخاری،فضل حسین لنگاہی،ارشدلطیف، ریاست رضوی شامل ہوتے رہے۔

پھر 1995 سے ہمارے شاعروادیب مبارک صدیقی، نے اس شجر کی آبیاری کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا۔جس میں ان کو بہت بڑے بڑے مشاعرے کروانے کا اعزاز حاصل ہے۔خاکسارکو مبارک صدیقی صاحب نے 1909 سے یہ عظیم فریضہ کی ادائیگی کی ذمہ داری سے نوازا۔۔جوحتی المقدورنبھا رہاہوں۔اب تک چالیس سے زائد مشاعرے کرواچکاہوں جن کا ریکارڈ موجود ہے۔جن کی فلمز یوٹیوب پر ہیں۔اورکاروائی اخباروں میں باقاعدہ شائع ہوتی ہے۔الحمدللہ،آپ سب کا تعاون اور پیارشامل ہے اور یہ کارواں رواں دواں ہے۔آئندہ بھی میری دعاہے کہ یوں ہی یہ کاروانِ ادب چلتارہے۔آمین۔



مرزا غالب کے ساتھ شام

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا



آج ہم جس عظیم شاعر کا ذکر کر رہے ہیں اس کا نام مرزا اسداللہ خان غالب تھا۔ 27 دسمبر 1796ء کو پیدا ہوئے فروری 1869ء کو وفات پائی۔ کہنے کو تو ایک شاعر تھے مگر اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ آج چار سو سال بعد بھی ان کا نام جب لب پہ آتا ہے تو شاعری کا ایک عظیم اور منفرد انداز اذہان میں گھومنے لگتا ہے۔ غالب کے زمانے میں غالب کی وہ عزت افزائی اور اہمیت تو نہ تھی جس کے وہ حقدار تھے۔

جب مرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کروانا چاہوں گا۔ کہ وہ گرمی نشاط تصور سے کس طرح نغمہ سنج ہوئے۔

دیوان غالب کی پہلی غزل جو کہ قدیم زمانے سے جو اپنی ساکھ اور وضاحت میں یکتا غزل ہے۔ جس کا پہلے شعر ہے۔

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اس شعر میں غالب نے بہ یک وقت نقشِ فریادی کہہ کر دو متضاد خصوصیات پر اپنے خاص شاعرانہ انداز کا اظہار کیا ہے۔ نقش اس کائنات کے سکون کو ظاہر کرتا ہے اور فریادی ہونا اس سکون کے فعال ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن پوری کائنات کو نقش کہہ کر اس پر ایک ایسا سکون مسلط کر دیا ہے کہ جس کو ہم نہایت آسانی سے حیرت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تحریر کی شوخی خالق کائنات یا مصور کائنات کے مقصدِ تخلیق پر بھرپوی رروشنی ڈالتی ہے۔ یعنی ہزار فانی ہونے کے باوجود یہ

کائنات اپنے اندر ایک ایسا عظیم مقصد رکھتی ہے۔جس کا باعث اس کا ہر ذرّہ فریادی بنا ہوا ہے ۔اور پکار پکار کر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ کائنات دراصل ناپائیدار ہونے کے باوصف بے شمار معانی سے لبریز ہے۔اور اسی شعر سے اس کا پہلو نکلتا ہے۔ غالب کی شاعری صرف حیات انسانی پر ہی مبنی نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کے مظاہر انسانی اور کائنات کے رشتے اس میں مضمر ہیں۔ غالب نے حقائق اور مظاہر کے بحرِ بیکراں میں غواصی کی ہے۔غواصی کے عمل میں فن کے جواہر پارے سمندر کی تہوں سے چن کر پیش کئے ہیں۔ان کا شعر ملاحظہ کریں۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشہ کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

ایک جگہ حضرتِ غالب فرماتے ہیں۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

فنی درو بست، معنی آفرینی اور ندرتِ خیال سے غالب کی شاعرانہ فطرت کو خاص مناسبت تھی۔
غالب نے کائنات کو جلوہ ءگاہِ حقیقت مانا ہے۔فطرت اور مظاہرِ عالم کو انسانی فکر و عمل کے لئے تحریک جانا ہے۔اس عالم کو ایک ایسا نگارخانہ تصور کیا ہے کہ جس کے مشاہدے کے لئے انسانی آ گہی، فکر و نظر اور منصبِ خیال کو بہت دخل حاصل ہے۔

موجہ گل سے چراغاں ہے گزر گاہِ خیال
ہے تصور میں ز بست جلوہ نما موجِ شراب

آخر میں یہ شعر پڑھ کر بات ختم کروں گا۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا



ترقی پسند تحریک مصنّفین سے وابستہ چند تخلیق کارواں کا ذکر



1۔مخدوم محی الدین:(پیدائش 4فروری 1908ءوفات اگست 1969ء)

مخدوم محی الدین: نے 1936ءمیں عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔حیدرآباددکن میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیادرکھی۔اسی شہر میں آسودہ ءخاک ہیں۔مخدوم محی الدین کی شاعری میں ترقی پسندانہ شعور کی انقلابی حرارت آتش فشاں پہاڑ سے نکلنے والے لاوے کی مانند ہے۔جوظالمانہ،غیر منصفانہ اور غاصبانہ استحصالی نظام کوبھسم کرنے کے لئے ہمہ وقت دہک رہاہے۔جذبات کاایک سیلِ رواں ہے۔ جوشقاوت آمیزناانصافیوں کوخس وخاشاک کی طرح بہالے جانے پرقادرہے۔

جانے والے سپاہی سے پوچھو
وہ کہاں جا رہا ہے
کون دُکھیا ہے جو گا رہی ہے
بھوکے بچوں کو بہلا رہی ہے
لاش جلنے کی بُو آ رہی ہے

جانے والے سپاہی سے پوچھو
کوہِ غم اور گراں اور گراں اور گراں

غم زدہ تیشے کو چمکاؤ کہ کچھ رات کٹے
رات بھر دیدہ نم ناک میں لہراتے رہے
سان کی طرح آپ آتے رہے جاتے رہے

2۔فیض احمد فیض: (پیدائش 13 فروری 1911ءوفات 20 نومبر 1984ء)



فیض احمد فیض نے پاکستان میں ترقی پسند تحریک کے لئے بہت سخت جدوجہد کے لئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ان کی شاعری میں ترقی پسند اندازِ فکر ایک توازن اور اعتدال کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اس میں کہیں بھی انتہا پسندی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ان کی شاعری میں ترقی پسند سوچ اور غزل کی پُرسوز لے اس قدر پُرتاثیر لے میں ہم آہنگ ہوگئی ہے کہ قاری کو ایک مانوس فضا محسوس ہوتی ہے۔اس کی تصانیف نقش فریادی (1943) دستِ صبا (1952) زندان نامہ (1956)، دست تہہ سنگ (1965) سر وادی سینا (1971)، شامِ شہرِ یاراں (1979)، مرے دل مرے مسافر (1981) نسخہ ہائے وفا (کلیات) 1984ء، قارئینِ ادب میں بہت مقبول ہوئیں۔فیض احمد فیض کو حکومتِ پاکستان کی جانب سے 1960ء میں نشانِ امتیاز عطا کیا گیا اس کے علاوہ انہیں نگار ایوارڈ اور لینن امن انعام سے بھی نوازا گیا۔فیض احمد فیض کی شاعری میں ترقی پسند اسلوب، سیاسی، سماجی، اور معاشرتی زندگی کے مسائل کو نہایت دردمندی اور خلوص کے ساتھ پیرایہ اظہار عطا کیا گیا ہے:۔

ہر اِک اولی الامر کو صدا دو
کہ اپنی فرد سنبھالے
اُٹھے گا جب جمع سر فروشاں
پڑیں گے دار و رسن کے لالے
کوئی نہ ہوگا کہ بچالے
جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی
یہیں عذاب و ثواب ہوگا
یہیں سے اُٹھے گا شورِ محشر
یہیں پہ روزِ حساب ہوگا

3۔اسرار الحق مجاز: (پیدائش 1911ءوفات 5 دسمبر 1955ء)



اسرار الحق مجاز کا تعلق ایک ممتاز علمی گھرانے سے تھا۔ان کے جدِامجد مضطر خیر آبادی اپنے عہد کے نامور شاعر تھے۔ردالی بارہ بنکی اُتر پردیش سے جنم لینے والے اس

تخلیق کار نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ ان کی بہن کی شادی عظیم شاعر جاں نثار اختر سے ہوئی۔ اسرار الحق مجاز کی شاعری میں ترقی پسند تحریک کے انقلابی لہجے، سرمایہ دارانہ نظام سے شدید نفرت، فسطائی جبر اور استحصال کے خلاف مزاحمت اور انسانیت کو درپیش مسائل کے بارے میں حُریتِ فکر کی للکار قابل توجہ ہے:

پھر وہ ٹوٹا اک ستارہ پھر وہ چھوٹی پُھل جھڑی
جانے کس کی گود میں آئی یہ موتی کی لڑی
ہُوک سی سینے میں اُٹھی، چوٹ سی دل پر پڑی
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں
بڑھ کے اس اندر سبھا کا ساز و سامان پھونک دوں
اس کا گلشن پھونک دوں، اس کا شبستاں پھونک دوں
تختِ سلطاں کیا، میں سارا قصرِ سلطاں پھونک دوں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

4۔احسان الحق احسان دانش: (پیدائش 1914ء وفات 22 مارچ 1982ء)



مزدور شاعر کی حیثیت سے احسان دانش:

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اِک دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچہ قاتل کے سوا
باعثِ رشک ہے تنہاروی رہرو عشق
ہم سفر کوئی نہیں دوری منزل کے سوا
ہم نے دنیا کی ہر اک شہ سے اُٹھایا دل کو
لیکن اس شوخ کے ہنگامہ محفل کے سوا
جج منصف ہو جہاں دارورسن ہو شاہد
بے گناہ کون ہے اس شہر میں قاتل کے سوا
جانے کس رنگ سے آئی ہے گلستاں میں بہار

کوئی نغمہ ہی نہیں شور سلاسل کے سوا

احسان دانش کو بہت مقبولیت ملی۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں 1978ء میں حکومت پاکستان نے تمغہء امتیاز عطا کیا۔ احسان دانش خود بھی مزدور تھے۔ اس لئے ان کی شاعری میں جو مزدوروں کے لئےلفظی مرقع نگاری کی گئی ہے وہ ان کے ترقی پسندانہ شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ زندگی کی بھول بھلیوں اور سرابوں میں حقائق کی جستجو اور راحت کی منزل کی تلاش ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ احسان دانش نے یہ کٹھن مرحلہ بڑے کرب سے گزارا۔ احسان دانش کی شاعری میں سماجی زندگی کے مسائل کا حقیقی احساس وادراک قابلِ توجہ ہے۔ ایک ہسپتال کے جنرل وارڈ میں بےبس ولاچار غریب مریض جس جان لیوا کرب سے گزرتے ہیں ان کے احوال حد درجہ لرزہ خیز اور اعصاب شکن ہیں۔ دوائیں باسی، خراب پوشش، نہ تازہ کھانا، نہ صاف پانی نہ خون میں زندگی کی گرمی، نہ سانس میں جان فزاروانی۔ نہ کوئی آثارتن درستی نہ کوئی خدمت گزاراُن کا۔ وہ نوجوان خود پسندلڑکے، ابھی جوتعلیم پارہے تھے۔ غریب فاقہ کشوں کی جانوں کوتجربوں میں گنوارہے تھے۔

5۔علی سردار جعفری: (پیدائش 29 نومبر 1913ء وفات یکم اگست 2000ء)



علی سردار جعفری نے 1933ء میں علیگڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا لیکن 1936ء میں ان کے ترقی پسند خیالات کے باعث یونیورسٹی سے فارغ کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے دہلی کالج سے گریجوایشن کی اور لکھنؤ یونیورسٹی سے پوسٹ گریجوایشن کی۔ اور دوسری عالمی جنگ کے دوران جنگ کے خلاف نظمیں لکھنے پر انہیں حکومت نے زندان میں ڈال دیا۔ ترقی پسند تحریک کے ادبی مجلّے ''نیا ادب'' کی ادارت کی ذمہ داریاں انہوں نے (1939 تا 1949) بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیں۔ علی سردار جعفری کی شاعری میں زندگی اور سماج کے متعدد اہم مسائل کے بارے میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ان کی شاعری میں ترقی پسندانہ شعور پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔

6۔جاں نثار اختر:۔(پیدائش 14 فروری 1914ء وفات 19 اگست 1976ء)



جاں نثار اختر ترقی پسند تحریک کے سرگرم رُکن تھے۔ اُن کے والد مضطر خیرآبادی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ 1930ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں

داخلہ لیا۔ایم اے کی ڈگری لی۔ان کی شاعری میں دردوغم کی کیفیت قاری کو بہت متاثر کرتی ہے۔

اشعار مرے یوں تو زمانے کے لئے ہیں
کچھ شعر فقط اُن کو سنانے کے لئے ہیں
ان دُھواں دھار اندھیروں سے گزرنے کے لئے
خونِ دل سے کوئی مشعل توجلانی ہوگی
عشق کے رفتہ وسر گشتہ جنوں کو اے دوست
زندگی کی ادا آج سکھانی ہوگی

7۔معین احسن جذبی:۔(پیدائش 21۔اگست 1912ء۔وفات 13 فروری 2005ء)



علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1940ء میں ایم اے کیا۔اس کے بعد 1956ء میں ''مولانا حالی حیات اورادبی خدمات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کراسی جامعہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ان کے شعری مجموعے ''فروزاں:: ''سُخن مختصر'' اور گدازِ شب'' ترقی پسند شعور کے مظہر ہیں ۔ان کی شاعری کے کلیات ساہتیہ اکیڈمی دہلی کے زیرِ اہتمام 2006ء میں شائع ہوئی ۔معین احسن جذبی کی شاعری کی انفرادیت اورمرگ طلب قنوطیت قاری کواداس کرجاتی ہے۔ان کی شاعری متضادنوعیت کی ہے:

جب کشتی ثابت و سالم تھی،ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی میں ساحل کی تمنا کون کرے
ہم دہر کے اس ویرانے میں جو کچھ بھی نظارا کرتے ہیں
اشکوں کی زباں میں کہتے ہیں،آہوں میں اشارہ کرتے ہیں
اے موج تلاطم ان کو بھی دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفان کا نظارا کرتے ہیں

8۔شبیر حسن خان جوش ملیح آبادی۔پیدائش 5دسمبر 1898ءوفات 22فروری 1982ء)



جوش ملیح آبادی کی شاعری میں پائی جانے والی انانیت اور انفرادیت کا کرشمہ دامنِ دل کھینچتا ہے۔وہ ترقی پسندانہ سوچ کوانقلاب کی سمت لے جاتے

ہیں۔ان کے دبنگ لہجے کی بنا پر انہیں شاعرِ انقلاب بھی کہا جاتا ہے۔ان کی علمی، ادبی اور قومی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان کی طرف سے انہیں 2013ء میں ہلالِ امتیاز عطا کیا گیا۔ جوش کی تصانیف کی تعداد 28 عدد ہے۔ ان میں شعلہ و شبنم، جنون و حکمت، فکر و نشاط، سنبل و سلاسل، حرف و حکایت، اور سرود وخروش کو بہت پذیرائی ملی۔ جوش کی خودنوشت ''یادوں کی برات'' 1966ء میں شائع ہوئی۔ یہ خودنوشت اپنے اسلوب، موضوع اور مواد کے لحاظ سے ایک منفرد تجربہ ہے۔ جوش کی شاعری میں حق گوئی اور بے باکی اپنی پوری تابانی کے ساتھ موجود ہے۔

لایا ہوں بزم و رزم کی ارض تضاد سے
قدم انساں کا راہِ دہر میں پتھرا ہی جاتا ہے
ہوائیں زور کتنا ہی لگائیں آندھیاں بن کر
مگر جو گھر کے آتا ہے بادل چھا ہی جاتا ہے
یہ طبلِ جنگ و ساز شبستان ترے لئے
چلے کتنا ہی بچ کے ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے

9۔عبدالحئی ساحرلدھیانوی۔۔(پیدائش 8 مارچ 1921ء وفات 25 اکتوبر 1980ء)



ساحرلدھیانوی نے اپنی شاعری میں معاشرے کے مفلوک الحال، پس ماندہ اور استحصال کے پاٹوں میں پسنے والی، بے بس و لاچار انسانیت کے مصائب کو موضوع بنایا ہے۔

آج سے اے مزدور کسانو! میرے راگ تمہارے ہیں
فاقہ کش انسانو! میرے جوگ تمہارے ہیں
جب تک تم بھوکے ننگے ہو یہ شعلے خاموش نہ ہونگے
جب تک بے آرام ہو تم یہ نغمے راحت کوش نہ ہوں گے

10۔احمد ندیم قاسمی:(پیدائش 20 نومبر 1916ء وفات 10 جولائی 2006ء)

ترقی پسند تحریک کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں برداشت کر کے احمد ندیم قاسمی نے اپنے نظریاتی

ادیب ہونے کا ثبوت دیا۔ وہ انجمن ترقی پسند مصنفین کے سیکرٹری کے منصب پر فائز رہے اور انہیں 1950ء میں اور 1970ء میں پابندِ سلاسل کیا گیا۔حکومت پاکستان نے انہیں 1968ء پرائڈ آف پرفارمنس عطا کیا۔احمد ندیم قاسمی کی شاعری میں کٹھن حالات میں حوصلے اور امید کا دامن تھام کر سُوئے منزل رواں دواں رہنے کا عزم ملتا ہے استحصال اور طبقاتی منافرت کے خلاف ان کا لہجہ خلوص اور دردمندی کا مظہر ہے۔



جب بھوک سے پھٹ جاتا ہے مفلس کا کلیجہ کہتا ہے
خدا نے مجھے کیوں دہر میں بھیجا
بھولا سا یہ بچہ یہ بہشتوں کا کھلونا
کیوں اس کے مقدر میں ہے دن رات کا رونا
یا بھوک مٹانے کا سجھا کوئی طریقہ
یا چین سے مرنے کا بتا کوئی سلیقہ
سنتا ہوں افلاس کی پُر درد کراہیں
احساس کی قندیل سے جلتی ہیں نگاہیں

ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء جب پھولوں سے لہو ٹپکتے دیکھتے ہیں تو شدتِ کرب سے اُن کی آنکھیں جل اُٹھتی ہیں۔خاک چاٹ کر بھی نشہ، ہنر میں رہنے والے ان تخلیق کاروں نے ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز رہتے ہوئے پرورشِ لوح وقلم کا ساتھ دیا۔انہوں نے پنجاب کی دیہاتی زندگی کے مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ان کے افسانوں میں دیہی معاشرت اور سماج میں پائی جانے والی ناانصافی کے بارے میں دردمندی، خلوص اور کرب نمایاں ہے۔انسانیت کا وقار اور سربلندی انہیں دل و جان سے عزیز ہے۔ان کے مشہور افسانوں میں چوپال، سناٹا، کپاس کا پھول، آبلے، طلوع و غروب، سیلاب وگرداب، آنچل، گھر سے گھر تک، نیلا پتھر، بزم حیات اور آس پاس شامل ہیں۔ان کی ادارت میں شائع ہونے والے رجحان ساز ادبی مجلّے ''فنون'' نے ترقی پسند ادب کے فروغ میں اہم کردار کیا۔ان کی عظیم شخصیت ان کے اسلوب میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ان کے اسلوب میں ندرت، تنوع، جدت، اور تازگی کے عناصر قاری کو مسحور کر دیتے ہیں۔اقتضائے وقت کے مطابق انہوں نے جبر کا ہر انداز مسترد کرتے ہوئے حق وصداقت کا علم بلند رکھا۔لفظ کی حُرمت کو انہوں نے ہمیشہ ملحوظ

رکھا۔قلم کا احترام ہمیشہ اُن کا نصب العین رہا۔انہوں نے تمام عمر ظلم اور نا انصافی کے خلاف جدو جہد کی ۔ان کے اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ ہر زیرک تخلیق کار کو ظلم پہ لعنت بھیجنا اور مظلوم کی حمایت کرنا اپنا شعار بنانا چاہیے۔انسانیت، وطن اور اہلِ وطن کے ساتھ گہری قلبی وابستگی اور والہانہ محبت ان کے ترقی پسند شعور کا اہم ترین پہلو ہے۔

قرۃ العین حیدر: (پیدائش 20 جنوری 1928ء وفات 21 اگست 2007ء)



قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری کا اہم پہلو اُن کی فنی مہارت، تخلیقی ریاضت اور انسان دوستی ہے۔ 1947ء میں ہجرت کے موقع پر ٹوٹ جانے والے صدیوں کے رشتے اور ہمسایوں سے دائمی جدائی کا کرب اُن کے افسانوں میں نمایاں ہے۔قرۃ العین حیدر کو جذبات نگاری میں کمال حاصل ہے۔ترقی پسند افسانہ نگاروں میں تانیثیت کے حوالے سے قرۃ العین حیدر کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ان کا ناول آگ کا دریا ہجرت کے موضوع پر بہت اہم ہے ۔ترک سکونت اور نقل وطن کے مسائل کو ہجرت تسلیم کرنے میں انہیں تامّل ہے۔

12۔خدیجہ مستور۔(پیدائش 11 دسمبر 1927ء وفات 25 جولائی 1982ء)



خدیجہ مستور نے ترقی پسند تحریک سے گہرے اثرات قبول کئے۔ ان کے دو ناول ہیں۔آنگن، زمین، جو اُن کے ترقی پسند شعور کے آئینہ دار ہیں۔ان کے افسانوی مجموعوں میں بوچھاڑ، کھیل اور چند روز اور شامل ہیں۔

13۔ہاجرہ مسرور۔(پیدائش 17 جنوری 1930ء وفات 25 ستمبر 1912ء)



ہاجرہ مسرور نے ترقی پسند افسانے کو معیار اور وقار کی رفعت سے آشنا کیا ان کے افسانوی مجموعے چاند کے دوسری طرف، تیسری منزل، اندھیرے اُجالے، چوری چھپے، اور ہائے اللہ قارئین ادب میں بہت مقبول ہوئے۔ان کے افسانوں کی کلیات ''اب افسانے میرے'' شائع ہو چکی ہے۔ہاجرہ مسرور کی علمی، ادبی، اور قومی خدمات پر حکومت پاکستان کی طرف سے 1995ء میں انہیں حسنِ کارکردگی کا صدارتی ایوارڈ ملا۔



قتیل شفائی

خوبصورت نغمات کا شاعر۔ شاعری سچ بولتی ہے، بھید میرے کھولتی ہے۔



قتیل شفائی دسمبر 1919 کو ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔اصل نام اورنگ زیب تھا۔شفا قتیل کے اُستاد تھے۔اوراسی نسبت سے انہوں نے تخلص قتیل شفائی رکھا۔والد کا نام فیروز خاں تھا۔قتیل شفائی کے والدین اکوڑہ خٹک سے آ کر ہری پور میں آباد ہوئے تھے۔قتیل شفائی کے والد کاروباری شخصیت تھے۔اُن کی وفات کے وقت قتیل شفائی کی عمر صرف 16 سال تھی۔کئی رشتہ داروں نے کاروبار کو چلانے میں قتیل شفائی کو بہت مالی نقصان پہنچایا۔راولپنڈی میں بھی قتیل شفائی کے والد کی جائیداد تھی۔اس لئے قتیل شفائی نے ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی سے حاصل کی۔قتیل شفائی نے اسکول سے ہی شاعری شروع کردی تھی۔انہیں قدرت نے ترنم اور موزونیت کی صفت سے خوب خوب نوازا تھا۔1939ء میں ہری پور کا پہلا مشاعرہ کرانے کا اعزاز بھی قتیل شفائی کو حاصل ہے۔

اس مشاعرے میں لاہور سے قمر جلال آبادی،نفیس خلیلی، اور اختر شیرانی بھی تشریف لائے تھے،شروع میں قتیل شفائی نے ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں سروس کی پھرانہیں برانچ منیجر بنا کر بھجوادیا۔لاہور سے ''ادب لطیف'' کے ایڈیٹر چوہدری نذیر احمد نے انہیں پرچے میں نائب ایڈیٹر کے عہدے کی پیشکش کی۔قتیل شفائی چونکہ خود لاہور کے ادبی ماحول سے خود بہت متاثر تھے۔اس لئے فوراً یہ پیشکش قبول کر لی۔''ادبِ لطیف'' میں قتیل شفائی کے علاوہ فکر تونسوی بطور نائب ایڈیٹر کام کر رہے تھے۔1946ء کا زمانہ تھا۔لاہور شہر میں روز ہی کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں ادبی محفل ہوا کرتی تھی اب قتیل شفائی شاعر اور نغمہ نگار کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکے تھے۔گارڈن کالج راولپنڈی میں ایک مشاعرے کے بعد امان اللہ خاں نیازی اور محبوب اختر نے بمبئی میں فلم کمپنی ''خیالستان'' کے لئے گیت لکھنے کے لئے کہا تنخواہ پانچ صد روپے ماہانہ طے ہوئی۔اور یوں قتیل شفائی لاہور سے بمبئی آ گئے لیکن کچھ عرصہ بعد تقسیم ہند کے فسادات شروع ہو گئے۔اس لئے فلم کمپنی بمبئی سے لاہور شفٹ ہوگئی۔کمپنی کا دفتر میکلوڈ روڈ قائم کر دیا گیا۔انہی دنوں ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کے باہر کرپان لہرائی اور کہا کہ پاکستان نہیں بننے دیں گے۔فلم کمپنی کے ڈسٹری بیوٹرز کیونکہ سکھ تھے۔اس لئے فسادات کی وجہ سے فلم کمپنی کا کام ٹھپ ہو گیا۔قیام

پاکستان کے بعد جس طرح متروکہ املاک کی لوٹ مار ہوئی اس کا قتیل شفائی کے ذہن پر بہت منفی اثر پڑا۔انہی وجوہات کی بنا پر وہ ترقی پسند تحریک میں شامل ہو گئے۔قتیل شفائی نے تقریباً تین ہزار فلمی گیت لکھے۔فلمی شاعری میں بھی قتیل شفائی نے اعلیٰ ادبی معیار قائم رکھا۔یہی وجہ تھی کہ انڈیا میں جب فلمی دنیا کی شاعری پر ساحرلدھیانوی کا راج تھا تو بھی انڈیا کی فلموں کے لئے قتیل شفائی سے فلمی گیت لکھوائے جاتے اور پسند بھی کئے جاتے۔پاکستان میں بننے والی پہلی فلم ''تیری یاد'' کے گیت بھی قتیل شفائی نے لکھے۔1994ء میں حکومت پاکستان نے قتیل شفائی کو تمغہ حسن کارکردگی دیا۔شعری مجموعہ ''مطربہ'' پر آدم جی ایوارڈ ملا۔''چھتنار'' پیراہن'' پر اباسین آرٹ'' کونسل نے دو ایوارڈ دیئے۔انڈیا میں ایک یونیورسٹی کے پروفیسر نے ''قتیل شفائی اوران کے ادبی کارنامے'' کےعنوان سے ڈاکٹریٹ کیا۔مہاراشٹر بچوں کے لئے فلمی اور ادبی حلقوں میں قتیل شفائی بہت مقبول تھے۔شعری مجموعے ''رنگولی'' کی بھارتی شاعرہ رشمی بھاشا تو قتیل شفائی کو اپنا استاد اور گرو مانتی ہے۔قتیل شفائی کے چودہ شعری مجموعے شائع ہوئے۔اُن میں سے ''گفتگو، پیراہن، جلترنگ، چھتنار، گجر،اور ہریالی بہت مشہور ہوئے۔قتیل شفائی گیارہ جولائی 2001ء کو ہمیشہ کے لئے اپنے مداحوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔قتیل شفائی کی شاعری میں سے منتخب اشعار پیش ہیں۔

وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے
میں تجھ بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے
یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی سے کسی کو مگر جدا نہ کرے
وہ خدا ہے کسی ٹوٹے ہوئے دل میں ہوگا
مسجد میں اُسے ڈھونڈ نہ کلیساؤں میں
ہم کو آپس میں محبت نہیں کرنے دیتے
اِک یہی عیب ہی اس شہر کے خداؤں میں
میں کُھلے در کے کسی گھر کا ہوں ساماں پیارے

تو دبے پاؤں کبھی آ کے چرا لے مجھ کو
اب تو راہ نہ بھولو گے تم اب تو ہم سے آن ملو
دیکھو ہم نے پلک پلک پر سو سو دیپ جلائے ہیں
ترک اُلفت کسی قسم بھی کوئی ہوتی ہے قسمت
تو کبھی یاد تو کر بھولنے والے مجھ کو
اب تو راہ نہ بھولو گے تم اب تو ہم سے آن ملو
دیکھو ہم نے پلک پلک پر سو سو دیپ جلائے ہیں
ہائے قتیل اس تنہائی میں کیا سوجھی ہے موسم کو
جس دن سے وہ پاس نہیں اس دن سے بادل چھائے ہیں
خود نمائی تو نہیں شیوہ اربابِ وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں
زندگی اپنی گنہگار محبت ہی سہی
کوئی ایسا ہے جو پہلا اُسے پتھر مارے
رسم اتنا نہ بڑھا اس بُت کافر سے قتیلؔ
مار ڈالیں گے تجھے مل کے یہ مسلماں سارے
پکڑا ہی گیا ہوں تو مجھے دار پہ کھینچو
سچا ہوں مگر اپنی وکالت نہیں کرتا
دنیا میں اس سا منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا
کیا عشق تھا جو باعثِ رُسوائی بن گیا

یارو تمام شہر تماشائی بن گیا
بن مانگے مل گئے مجھے راتوں کے رت جگے
میں جب سے ایک چاند کا شیدائی بن گیا
یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھائے مجھے
کہ سنگ تجھ پہ گرے اور زخم آئے مجھے
وہ میرا دوست ہے سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے شرم آئے مجھے



طنز ومزاح

یہ مونچھیں

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ مونچھ مرد کی زینت اور داڑھی اس کی عزت تھی ۔مونچھ اور داڑھی کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔لیکن زمانے کو یہ یکجائی نہ بھائی اور زمانے کی رفتار نے ان کولب ورخسار سے مٹا کر ہی دم لیا۔مونچھ راجپوتوں کی آن اور مغلوں کی شان تھی ۔ ہندوستانیوں کی عظمت اور عزت اس سے تھی ۔داڑھی کا لازمی احترام اور مُنڈوَانا حرام خیال کیا جاتا تھا۔کلنک کا ٹیکہ لگنے اور ناک کٹنے سے بچنے کی طرح سفید داڑھی کے مالک اسکو کالک لگنے سے بچاتے اوراس پر جان چھڑکتے تھے اچھے کے ساتھ برے بھی ہوتے ہیں۔اکثر خانہ خراب کالا خضاب لگاتے اور ناہنجار بدکار داڑھی کی عظمت کی آڑ میں شکار کھیلتے اور وقار کھوتے ۔ چونکہ اس وقت موضوع مونچھ ہے توجہ اس طرف پھیرتے ہیں۔مختلف ادوار میں انواع واقسام کی مونچھیں عام وجود میں آئیں۔اور مفقود ہو گئیں۔سب کا ذکر کرنا کوزہ میں دریا بند کرنا ہے۔قصہ مختصر جس طرح دوآدمی ایک جیسے نہیں ہوتے اسی طرح دومونچھیں کبھی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ ہر مرد کی مونچھ بلاکسی موازنہ کے ایک نمونہ ہوتی ۔ اور ہر مرد بلاکسی فرق وامتیاز کے اپنی مونچھ پر ناز کرتا ہے۔کیاامیر کیافقیر ہرایک اپنی اپنی مونچھ

پر مست تھا۔ ہر ملک ، ہر مذہب ، ہر قوم ، ہر فرقہ میں مردوں کے چہروں پر مونچھیں پائی گئی ہیں کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ کم ۔ بانکے ، ترچھے ، رنگیلے ، چھبیلے ، موٹے ، دُبلے ، چھوٹے ، بڑے ، جوان ، بوڑھے ، غرضیکہ ہر مرد کے چہرے پر مونچھ کی ہی پوچھ تھی ۔ مونچھ کی موٹی موٹی اقسام یہ تھیں ۔ بل دار مونچھ ، کس دار مونچھ ، پیچ دار مونچھ ، تاؤ دار مونچھ ، خمدار مونچھ ، کمان دار مونچھ ، تلوار مونچھ ، کٹار والی مونچھیں ۔ دوسری مونچھیں ۔ مثلاً راجاؤں والی ، نوابوں والی مونچھ ، منتری والی مونچھ ، سنتری والی مونچھ ، زمیندار مونچھ ، تھانیدار والی مونچھ ، چوکیدار والی مونچھ ، جمعدار والی مونچھیں ۔ ان کے علاوہ اور قسمیں بھی ہیں ۔ گھنی چھتری ، چھوٹی مونچھ ، بڑی مونچھ ، نیچی مونچھ ، اُلٹی مونچھ ، سیدھی مونچھ ، گھنی مونچھ ، چھٹی مونچھ ، آدھی پونی مونچھ ، غرض کہ جیومیٹری کے تمام زاویوں اور حساب کے تمام قواعد کی رو سے انواع و اقسام کی مونچھیں مختلف وضع قطع سے مرد کے چہرے کی زیبائش و نمائش بنی ہیں ۔ مونچھوں والی علاقائی اقسام بھی ہیں مثلاً پنجابی مونچھ ، سندھی مونچھ ، بلوچی مونچھ ، رامپوری مونچھ ، الوری مونچھ ، اجمیری مونچھ ، جودھپوری مونچھ ، اور پشاوری مونچھ وغیرہ ۔

شعراء مونچھ کو مَسیں بھیگنا اور سبزہ اُگنے سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ اس لئے ہم بھی بطور فصاحت و وضاحت مونچھ کو سبزہ زار اور مرغزار سے تشبیہ دے کر مونچھ کی تشبیہ بیان کرتے ہیں ۔ پہلی قسم ہے چل چلاؤ والی مونچھ ، بڑی چوڑی مونچھیں ، بغیر قینچی کے کام ، اور بغیر لگام کے بیل کی طرح مونڈھے چڑھتی ہیں ۔ یہ مونچھیں خودرو ہوتی ہیں ۔ اور چہرے کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ برسات آئی ہوئی ہے ۔ اور ہریالی چھائی ہوئی ہے ۔ دوسری قسم ہے رکھ رکھاؤ والی مونچھ ۔ جس طرح مالی ڈالی کی کانٹ چھانٹ کرتا ہے ۔ اسی طرح مونچھ کی تراش خراش ہوتی ہے ۔ چہرے کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ سجی دھجی کیاری ہے ۔ تیسری قسم ہے دیکھ دکھاؤ والی مونچھ ۔ اُسترے کے کمال سے مختلف اشکال بنتی بگڑتی رہتی ہیں ۔ چہرہ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آراستہ پیراستہ ایک گلدستہ ہے ۔ جس طرح مصوّر کا بُرش پردہ پر طرح طرح کے پھول بناتا ہے اسی طرح حجام کا اُسترا چہروں پر طرح طرح کے گل کھلاتا ہے ۔ حجام کے کمال کو دیکھ کر آئینہ میں اپنا جمال دیکھ کر دھوکہ ہوتا ہے ۔ چوتھی قسم کی مونچھ کچ کچاؤ والی اونچی نیچی مونچھ ، جسکو دیکھ کر گھڑی کی سوئیوں کا گمان ہوتا ہے ۔ اونچی مونچھیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تین بج کر 15 منٹ ہیں ۔ اور نیچی مونچھ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ساڑھے تین بج گئے ہیں ۔ مونچھ انسان اور حیوان میں بلاشُبہ رُعب

ودبدبہ کی علامت ہے۔شیر کو دیکھئے وہ مونچھ کی ہی وجہ سے جنگل کا بادشاہ ہے۔ پاکستان میں عبدالرب نشتر اور گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان کی مونچھیں مشہور تھیں۔اسی طرح سلطان ٹیپو کی مونچھ سے انگریز بھی آخری وقت تک خوف زدہ رہا۔

مونچھ ہی کی بدولت بابر نے سارے ہندوستان پر ببر شیر کی طرح حکومت کی۔اسی کی بدولت سب کو زیروزبر کر ڈالا۔مونچھ ہی کی وجہ سے جہانگیر کو شہرت وحکومت نصیب ہوئی۔اس کے علاوہ مونچھوں سے پرانے زمانے کا وکٹوریہ کراس اور امتیازی مرتبہ حاصل ہوتا تھا۔سنا ہے سکندر بھی پورس کی مونچھوں سے مرعوب ومغلوب ہوگیا تھا۔دہلی میں نادر شاہ کے قتل کو کون نہیں جانتا۔جو مونچھ پر تاؤ دینے کا باعث ہوا۔مونچھ کا مان سب سے زیادہ راجپوتوں میں تھااوران کی آن بان مونچھوں سے تھی۔راجپوت اپنے راج کی طرح مونچھ کی لاج کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ ہر راجپوت کی عزت وشجاعت مونچھ ہی سے تھی راجپوت جب کسی مہم کا آغاز کرتے تو برہنہ تلوار پر ہاتھ رکھ کراور مونچھ کوتاؤ دے کر عہد کرتے تو اَجل سے قبل نہ ٹل پاتے۔یوں جانئے کہ جس راجپوت کی مونچھ تاؤ دار ہوتی وہ گویا علمبردار ہوتا۔

غرضیکہ تاریخ میں راجپوتوں کا دور مونچھوں کا سنہری زمانہ تھا۔عہد گزشتہ میں بڑے بڑے گوپے بھی مونچھ رکھتے تھے۔دوسری جنگ عظیم میں مسولینی،نوجو،ہٹلر اور سٹالن،میدان کارزار میں خم ٹھونک کر جم گئے تھے۔مسولینی اور نوجو کی مونچھیں نہ تھیں۔وہ بری طرح ہارے اور مارے گئے۔ہٹلر کی آدھی مونچھیں تھیں۔یورپ کے کئی ممالک ہٹلر کے پہلے وار پر ہی ہار مان گئے تھے۔تمام یورپ میں ہٹلر کا دوردورہ تھا مگر جلد ہی ہٹلر کے قدم اکھڑ گئے۔اور وہ اپنی تاریخی مونچھ سمیت نیست و نابود ہوگیا۔کاش مسولینی اورنوجو تاریخ کا مطالعہ کر لیتے۔اور مونچھ کا تقاضہ جان لیتے۔کاش ہٹلر بھی تاریخ پڑھ لیتا اور آدھی مونچھ کی تھیوری جان لیتا۔تو جنگ کا منظر اور ہی ہوتا۔لیکن خیر۔ اسٹالن میدان کارزار میں مانند دیوار کھڑا رہا اسکی لمبی چوڑی مونچھیں آڑے وقت کام آئیں۔اور جلد ہی اسٹالن نے جنگ کا نقشہ بدل ڈالا۔مونچھوں میں جاذبیت بھی ہے۔مونچھوں میں خاص رومانیت بھی ہے۔جس طرح عورت ہمہ صفت کا تصور بغیر گیسوئے پیچدار ہیچ ہے۔اسی طرح بغیر مونچھ کے مرد کا تخیل بالکل خارج ازعقل ہے۔مرد کے مونچھ نہ ہونا دراصل عورت کی نقل ہے۔پرانے زمانے میں

عورتیں الفت و پیار کے گانے گاتیں کہ ''مونچھ پیا کی دیکھ جیا ڈول گیا رے''۔ بالم پردیسی جیسی مونچھوں والے مرد سے ہر عورت بلا حیل و محبت کرتی ہے اور جان چھڑکتی ہے۔ مونچھ وجیہ شکل ہونے کی دلیل تھی۔ عورت کی عصمت کی طرح مونچھ کی بھی بہت قدر تھی۔ لیکن پھر آپ پوچھیں گے کہ عورت بغیر مونچھ والے مرد سے کیوں محبت کرتی ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''دل لگا پونچھ سے تو مونچھ کیا چیز ہے''۔ مگر مونچھ کا اقتدار زیادہ دیر تک نہ رہا حسن کی زیبائش اور آرائش کا زمانہ شروع ہوا مونچھ والے آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ اور بہت جلد عورت کی فرمائش پر مونچھ غائب ہونے لگی۔ مونچھ کیا غائب ہوئی چہرے کا نور دل کا سرور کافور ہو گیا۔ اب نہ پہلی سی الفت ہے نہ اگلی سی محبت۔ اگر محبت ہے بھی تو پہلے سا جوش و خروش فراموش ہو چکا ہے۔ پرانے عاشقوں کے قصے اور واقعات افسانے بن کر رہ گئے ہیں۔



دھوتی

دھوتی ہمارے کلچر اور ایگریکلچر کا جاذبِ نظر سنگم ہی نہیں سرمایہ بھی ہے۔ دیکھا جائے تو اس کا وجود ہی ''دھوتی'' کا مرہون منت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انسان کا ابتدائی اور اولین رابطہ درخت سے ہوا۔ جس کے پھلوں پر اس نے گزر اوقات کی ستر پوشی کا احساس دامن گیر ہوا تو اس نے درخت کے پتوں، شاخوں اور شال کو اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر دائرہ نما پیراہن کی بنیاد رکھی۔ جس کے بارہ میں میر تقی میر نے ''پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے'' میں بلیغ ارشاد کیا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ جب انسان شعوری سطح پر بالغ نظر ہوا تو اسے لامحالہ نہ صرف اپنے بے ہنگم لباس پر ندامت ہوئی بلکہ کسی غیر موزوں انسانی لباس کا شدت سے احساس بھی ہوا۔ جس پر اس نے اپنے گرد و نواح پھیلے ہوئے قدیم کرم فرماء درختوں کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ جس پر شجرِ شہتوت نے ڈھارس بندھوائی۔ اور اس کے خوشہ چین ریشم کے کیڑوں نے خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ریشم کے دھاگوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے۔ اور یوں ریشم کا دھاگہ بڑے کروفر سے انسان کے ابتدائی لباس کو بہتر اور ارتقائی صورت ''دھوتی'' کو منصۂ شہود پر لے آیا جسے آج بھی صدیوں پرانے حوالے سے عوام میں تہبند (لک دی) کے نام نامی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انسان اپنے زعم میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں

رہتا ہے۔اس نے اپنوں پر سبقت لے جانے اور غیروں پر برتری جتانے کی خاطر پاجامہ، پھر چوڑی دار پاجامہ، پھر شلوار۔ پتلون اور رنگ رنگ کے تنگ وشوخ وشنگ لباسوں میں اپنی امان ڈھونڈنا شروع کر دی اور یوں اس کے چنگل میں پھنس کر دھوتی کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا اپنا شعار بنالیا۔جس سے دھوتی کا داخلہ بڑے بڑے کلبوں بڑے بڑے ہوٹلوں، یونیورسٹیوں، حتیٰ کہ اسمبلیوں تک میں ممنوع قرار دے دیا گیا۔ایک مخصوص طبقے نے تو اسے گنواروں کی پوشاک ثابت کرنے کا عزم کرلیا۔ بلکہ اب تک ''دھوتی'' عرف ''لاچا'' کو ماجھے ساجھے کا لباس ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔لیکن ان منفی حربوں سے نہ دھوتی دل برداشتہ ہوئی اور نہ اس کے زمین دوز عوامی راستے ہی ختم کئے جا سکے ہیں۔ چنانچہ آج بھی عوامی سطح بھاری آبادی کی اکثریت دھوتی پر دل وجان سے فریفتہ ہے بلکہ اکثر خواص بھی سرکاری ونیم سرکاری اور نجی فرائض انجام دینے کے بعد جوں ہی اپنی اقامت گاہوں میں آتے ہیں۔تو سب سے پہلے تنگ پوشاکوں کو بے پرواہی بلکہ بے دردی سے ادھر اُدھر پھینک کر دھوتی کے جلو ہی میں سُکھ کا سانس لیتے ہیں۔ دھوتی کی عظمت کا میں ہی معترف نہیں اس کے پرستاروں میں کئی نامور شخصیات اور صفِ اول کے قائدین بھی شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبال کی مثال سامنے ہے۔جنہوں نے یورپ کی زمستانی ہواؤں میں نہ تو آدابِ سحر خیزی سے کنارہ کشی اختیار کی۔اور نہ دھوتی کو ترک کیا۔اوراس قومی لباس کے فروغ کے لئے کمر بستہ رہے۔یوں اگر دھوتی کو کمر بستہ کا اعزازی نام بھی دے دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ہر لحاظ سے موزوں ہے۔اوراس طرح علامہ اقبال کی روح کے بھی شاداں وفرحاں ہونے کا امکان ہے۔جنہوں نے یورپ سے واپسی پر تادم واپسی اس سے پیمانِ وفا باندھا اور گھر کی چاردیواری کے اندر چارپائی پر دراز ہوکر پڑھتے رہے۔سرنگوں ہوکر غوروفکر کرتے رہے۔شعرخوانی یا شعرگوئی کے لئے آلتی پالتی مار کر بیٹھنے اوراورسیاسی گتھیوں کو سلجھاتے رہے اور سیاسی شعبدہ بازوں کے بہکانے سے بچتے رہے دھوتی ان کی راہ میں کبھی مخل یا مزاحم نہیں ہوئی۔انہوں نے نہ صرف انگریزی لباس کا کھلم کھلا بائیکاٹ کرکے دھوتی کو اوڑھنا بچھونا بنایا۔ جب سیاسی مذاکرات کے لئے انگلستان گئے تو فرنگی آقاؤں کو ان کی دھوتی کے آگے سرنگوں ہوکر بکنگھم پیلس کے قواعد وضوابط میں ترمیم کرنا پڑی اور مہاتما جی کی پیروی میں اوران کی اشیر باد حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے لوگ دھوتی پوش ہوگئے۔ بلاشبہ دھوتی ان کے ناقابل فراموش احسان کے مترادف ہے اور شاید۔

قیس سا پھر نہ اُٹھا کوئی بنی عامر میں

اس طرح اس انداز کا دھوتی کا کوئی اور فدا کار پیدا نہ ہوا۔ اصل میں یہ دونوں دھوتی پوش وہ تھے جو اپنی اپنی قوم کے لئے بیش بہا قربانیوں سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور طبعاً SIMPLE LIVING AND HIGH LIVING کے شائق تھے۔ جن کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ امپورٹڈ قیمتی لباس کے مقابلہ میں دھوتی جیسے لباس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ دھوتی میں بناوٹ اور تصنع کا شائبہ تک نہیں۔ یہ معمولی سے معمولی شخص کی دسترس میں ہے اس کا اکلوتا فیض کیا یہی کم ہے کہ درزی کے منہ مانگے داموں اور پھیروں سے بچاتی ہے۔ دھوتی باندھ کر انسان کا جسم دو حصوں میں منقسم نہیں ہوتا۔ ورنہ شلوار، پاجامہ، پتلون تو ٹخنوں سے لے کر کولہوں تک انسانی شخصیت کو دو علیحدہ خانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں جبکہ دھوتی کے گھیراؤ اور پھیلاؤ میں یکسانیت ہے۔ حشرات الارض کا کوئی نمائندہ کسی دھوتی کے اندر گھس جائے تو دھوتی جھاڑتے ہی نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر جرات رندانہ کر کے پتلون، شلوار یا پاجامے میں گھس جائے تو پھر تگنی کا ناچ نچاتا ہے دھوتی حفظانِ صحت کے عام اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اور روشنی کا انصرام کرنے میں یکتا ہے اور اس کا ریموٹ کنٹرول سراسر دھوتی پوش کے ہاتھوں میں ہے۔ جب چاہا کھسکا لیا آگے پیچھے سرکا لیا یا اوپر چڑھا لیا۔ دھوتی استری سے بے نیاز ہوتی ہے اس کی معمولی شکنیں چارپائی پر لوٹ پوٹ ہونے سے ہی دور ہو جاتی ہیں۔ دھوتی وہ لباس ہے۔ ''یہ دو جامہ ہے کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا'' آنکھیں بند کر کے جس طرف سے بھی باندھ لیا جائے دھوتی پوش نشانہ تضحیک نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ پتلون، پاجامہ یا شلوار کو الٹا پہننے سے ہوتا ہے۔ ہمارے روزمرہ کے معمولات میں دنگہ فساد کے واقعات اور فلموں میں لڑائی مار کٹائی کے خوفناک مناظر دھوتی پوشوں کے دم قدم سے ہی قائم و دائم ہیں۔ بڑھکیں مارنے، بکرے بلانے میں انہی کا ہراول دستہ دکھائی دیتا ہے۔ آتشیں اسلحہ کے بے دریغ استعمال میں یہی طبقہ پیش پیش ہوتا ہے۔ تھانوں اور عدالتوں میں ایسے دھوتی پوشوں کو دیکھ کر اکثریت کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ میلوں ٹھیلوں کی رونق دوبالا کرنے میں تہبند یا تہمد کے پجاری ہی تو ہیں جو بڑے اہتمام اور شان دلربائی سے لڈیاں مارتے بھنگڑے، بولیاں سناتے، گالڑ نچاتے اور ماہیے کے سریلے بول الاپتے ہیں۔ اگر یہ طبقہ نہ ہو تو عوامی میلے ہی پروانہ رخصتی لے جائیں۔ دھوتی کی ڈب سگریٹ کے لئے موزوں ترین جگہ ہے۔ ویسے یہ ڈب عمرو عیاری زنبیل نہ سہی ''گنوں کی تھیلی'' ضرور ہے۔ چھوٹے موٹے ہتھیار از قسم پستول، خنجر، چاقو اور نوٹوں کے بنڈلوں کے بنڈل کے لئے ڈب سے زیادہ اور کوئی محفوظ ترین جگہ نہیں۔ بسوں کے اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں، بلکہ بسوں کے اندر اور مساجد کی دیواروں پر

لکھا ہوتا ہے کہ ''جیب کتروں سے ہشیار رہیں'' لیکن ڈب کتروں سے ہوشیار رہنے کی آج تک کسی نے تلقین نہیں کی ۔بعض من چلے ڈب میں کبوتر، بٹیر وغیرہ قیمتاً ، عاریتاً یا کھسکا کر چُرا کر بڑے تفاخر سے لاتے دیکھے گئے ہیں۔ وہ حضرات جو دھوتی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں اور اس پر معتوبِ شاہی کی مہر ثبت کرانے کے درپے ہیں ان کے محاسبہ کے لئے دھوتی پوشوں کو ٹھوس قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اور دھوتی کی ساکھ کے لئے اظہارِ تکریم کی فضا تیار کرنے اور نئے سرے سے اس کی اہمیت جتانے اور اس کی حیثیت کا تعین کرنا ضروری ہے کیونکہ دھوتی ثقافت کی جان ہی نہیں تہذیبی عوامل کی پہچان بھی ہے ۔جس کے بغیر یوسف بے کارواں کی صورت پیدا ہوسکتی ہے ۔دھوتی کے بہی خواہ برصغیر ہی میں نہیں، برما، انڈونیشیا، ملائشیا اور عرب ممالک میں بھی پھیلے ہوئے ہیں ۔دھوتی کے کامختار اور پرستار اسے عالمی لباسوں میں شامل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں ورنہ دھوتی کا مستقبل مشکوک رہ جائے گا ۔دیکھیں کون سر پھرا دھوتی کا پرچم بنا کر سر بکف اور کفن بر دوش نکلتا ہے۔ ❁❁❁

کاش ہم دُمدار ہوتے؟

صاحبو! کبھی آپ نے خود میں کوئی کمی محسوس کی ہے؟ کوئی ایسی چیز جو ہر ''حیوان'' کے پاس ہے مگر اشرف المخلوقات اس سے محروم ہے۔ اگر کمی محسوس کی ہے تو شکر کریں کہ آپ کے حواسِ خمسہ صحیح کام کر رہے ہیں۔ اور اگر نہیں تو فکر کریں کہ اس عظیم محرومی کا آپ کو احساس تک ہونے نہیں ۔۔۔۔۔۔ وائے افسوس! ذرا سوچیں تو وہ کیا چیز ہے۔؟ وہ ہے ''دُم'' تمام چرند پرند اس نعمت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک ستارے نے بھی دُم لگا لی۔ تو آخر انسان نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ وہ اس عظیم نعمت سے کیوں محروم ہے۔ بس اسی احساس سے ہمیں احساسِ کمتری ہونے لگتا ہے۔ دل ڈوبنے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگتا ہے۔ کہ آخر ہم اس معاملے میں دنیا میں جانوروں سے پیچھے کیوں رہ گئے ۔۔۔۔؟ حالانکہ بہت سے معاملات میں ہم نے تو انہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ مثلاً جب کسی درندے کو بھوک لگتی ہے تو وہ کسی غیر جنس کو مار کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ ورنہ چہل قدمی اور قیلولہ فرماتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کے اندر شکم سیری کے ساتھ ہی اپنے ہم جنسوں کی نسل کشی کی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔ (خواہ نسل کشی معاشی ذہنی یا جسمانی ہی کیوں نہ ہو) اسی طرح حیوانات تو ایک دوسرے کی حدود کا خیال رکھتے ہیں۔ کوئی شیر کسی دوسرے شیر کے علاقے میں مداخلت کا حق (مذہب، قوم اور ملک کے احساس برتری کے زعم میں) ناجائز

سمجھتا ہے۔(یعنی پاکستانی قوم کو) یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس دوڑ میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ جانوروں کی طرح رشتوں کی پہچان معدوم ہوگئی ہے، اول خویش کی بیماری ہر جانور سے بڑھ کر ہے، جانوروں کی طرح مذہب سے بیگانگی اور شکم پُری کے چکر میں انسان رہتا ہے۔ کسی چیز کی کمی پڑ جائے تو یہی انسان چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتا ہے۔ صبر وقناعت نام کو نہیں۔ نظم ضبط نعرے کی حد تک تو ہے مگر کہیں بھی لائن میں لگنا پڑ جائے تو موت پڑنے لگتی ہے۔ ناجائز طریقے سے اپنی باری کو مقدم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے کتے ہڈی کے لئے لڑتے ہیں اسی طرح رزق حرام کے لئے انسان کوشاں رہتا ہے، اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے ناجائز طریقوں سے دولت کمانے کے لئے سرگرداں رہتا ہے۔ جس طرح جانور حب الوطنی کے جذبے سے عاری ہوتے ہیں یہی حال اب حضرتِ انسان کا بھی ہے۔ جس طرح جانور بے پیر بے مرشد ہوتے ہیں اس سے بدتر حال اس کا ہے۔ انسان بلکہ کئی منفرد اعزازات کے حامل ہی ہیں۔ مثلاً ہماری اسمبلیوں کے گھوڑے سب سے زیادہ بولی لگانے والے خریداروں کے ہاتھوں دن رات تخصیص کے بغیر وقتاً فوقتاً فروخت ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بندہ خواہ مخواہ نقالی میں ہی بدنام ہے۔ نقالی میں تو ہم اس کے بھی استاد ہیں۔ یقین نہ آئے تو ٹی وی کا کوئی بھی چینل آپ دیکھ لیں مغرب کی نقل میں بے ہنگم اچھل کود کرنے والی نوجوان نسل میں کہیں بھی مشرق اور اسلامی رنگ کی جھلک تک نظر نہیں آئے گی، اور نوجوان نسل ہی کو کیوں موردِ الزام ٹھہرائیں سربراہانِ مملکت سے لیکر عام آدمی تک ہر شخص نقالی کے مختلف کمالات دکھا رہا ہے کہ مغربی اقوام نے بھی کچھ میدانوں میں ان کا ساتھ دیا ہے مثلاً مغربی ساحلوں پر ہی دیکھ لیں اگر حیوانوں میں کپڑے پہننے اور دیگر تکلفات کا فیشن نہیں تو انسان بھی ان سے پیچھے نظر نہیں آتا بلکہ۔۔۔! غرض حیوانوں میں انسانیت اور انسانوں میں حیوانیت کچھ اس طرح نظر آتی ہے کہ اگر آج ڈارون زندہ ہوتا تو اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوتا کہ کون کس کا جد امجد ہے۔ گویا کہ یہ ثابت ہوا کہ سوائے دُم کے حیوانیت کے ہر میدان میں انسان سب حیوانوں کو ہرا کر وکٹری اسٹینڈ پر سب سے اونچا کھڑا ہے۔۔۔! دُم کے حوالہ سے زیادہ حیرت ہمیں ''روشن خیال'' لوگوں پر ہے جو ترقی اور جدت کی جہت اپنانے میں دیر نہیں کرتے۔ تو پھر آخر ابھی تک دُم فیشن میں کیوں نہیں آئی۔ کچھ جینیٹک انجیئرنگ کے ماہرین کو ہی انسان کے ڈی این اے میں کچھ ردّ و بدل کر کے دُمدار انسان تخلیق کرنا چاہیے تھے اس سے فائدہ ہی ہوتا۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا کہ انسانیت کے حوالے سے انسان سے جو خواہ مخواہ کی توقعات وابستہ کر لی گئی ہیں ان سے پرہیز کر لیا جاتا۔

کیونکہ دُم کی عدم موجودگی کے باوجود اسکی جبلت تو وہی ہے کہ ایک خواہ مخواہ کی منافقت ہی کرنی پڑتی ہے بلکہ بعض انسانوں کی عامیانہ اور شوقیانہ، باغیانہ حرکتوں پر ہمیں تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ صف انسان میں شامل ہونے کے لئے انہوں نے دُم جھڑوادی ہے۔(اسی لئے ذرا ذرا سی باتوں پر بھڑک بھی اُٹھتے ہیں کہ گویا کسی نے ان کی دُم پر پاؤں رکھ دیا) اسی طرح بعض انسان کم از کم پندرہ سال تک نلکی میں رکھے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سیدھے ہونے کے لئے بارہ سال کم ہیں۔ اور بغیر دُم کی انسانی لومڑیوں سے تو آپ کا واسطہ پڑتا ہی رہتا ہوگا۔ جو ہماری سیاست میں بڑی بہتات سے ہیں۔ اور عوام کا بھیڑوں کی طرح آنکھیں بند کر کے ان سیاہ سی راہنماؤں کے پیچھے لگ جانے کا مشاہدہ بھی پچھلے 65 سالوں سے ہر الیکشن میں ہو رہا ہے۔ دیکھیں بات کہاں سے وہیں پہنچ گئی۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی دُم کے فوائد کی۔ تو مشرقی ساسوں کے لئے تو دُم (بہو) کی ایک نعمت ہوتی۔ کیونکہ بیچاریوں کو حسرت ہی رہتی ہے کہ بہو کی چوٹی مروڑ دیں (بہو کے بال جواب کٹے ہوتے ہیں) تو چلیں چوٹی نہ سہی دُم ہی سہی'' کچھ مروڑ کے دل کے ارمان تو نکالے جاتے اوزون کی تہیں سلامت ہوتیں۔ کیونکہ دُم کو اپنے قریبی رشتہ دار بندر کی طرح ذرائع آمدورفت استعمال کرنے کیلئے درخت زیادہ سے زیادہ لگائے جاتے۔ جس سے ماحولیاتی آلودگی کا مسئلہ ہی نہ ہوتا طالب علموں کو بھی آسانی ہی ہوتی جب چاہا جوتے جھاڑ لیتے۔ کبھی سیٹ جھاڑ لیتے اور پوائنٹ سے لٹک کر جھولا جھولتے ہوئے گھر پہنچ جاتے۔ کاسمیٹک اور جیولری بنانے والوں کو بھی ایک نیا میدان ہاتھ آجاتا اور کچھ نہیں تو لوگوں کو ایک نیا روزگار ہی میسر آتا۔ پولیس کے بارُعب افراد مونچھوں کی طرح دُم کو بھی اور لمبی بنانے کے نت نئے جتن کرتے۔ اور جرائم کی شرح بھی کم ہو جاتی کیونکہ بس دُم پکڑتے دیر ہوتی اور مجرم قابو میں۔۔۔! کاش کہ ہم دُمدار (انسان)۔۔ ہوتے۔۔۔ کاش! کاش!



عورت کا جغرافیہ

وجودِ زَن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دَرُوں

تمہید۔ دراصل عورت کی تمہید باندھنا گویا موت کو دعوت دینا ہے۔ آ بیل مجھے مار۔ ویسے اب تمہید

کی چنداں ضرورت بھی نہیں رہی جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے۔ عورت مجسم ایک اشتہار بنتی جا رہی ہے، اور کوئی مسخرا کہے ''کہ نہیں'' ہے مگر ''نہیں'' اور ایسے نہیں جیسے تلوں میں تیل ہوا کرتا تھا۔ بلکہ ایسے ہے جیسے کلنک کا ٹیکہ۔ روزمرّہ کے مشاہدات سے واضح ہو گیا ہے کہ عورت بحر منجمد شمالی سے لے کر بحر منجمد جنوبی تک۔ ہر طول بلد سے ہر عرض بلد پر واقع ہے، اور اس طرح واقع ہے کہ باید و شاید! ماہرین تاریخ کی پیشگوئی ہے کہ اگر یہی رفتار رہی تو کچھ عرصہ بعد دنیا میں عورتیں ہی ہونگی۔ مرد کا شمار آثار قدیمہ کے عجائبات میں ہوگا۔۔۔ رہے نام اللہ کا۔ اور یہ ایک زریں دور ہوگا۔ کیونکہ نہ رہے گا بانس نہ بجے کی بانسری۔

محل وقوع۔ مردوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا محل وقوع حضرت آدم کے قریب ہے۔ اور عورتوں کا محل وقوع مائی حوّا سے وابستہ ہے۔ لیکن یہ ایک طرح کی غلط فہمی ہے۔ جو مردوں نے عورتوں کو احتیاطاً ڈال رکھی ہے۔ تا کہ عورتیں اپنے آپ کو کمزور تصور کرتی رہیں! ''عورت'' مرد کی سرد جنگ سے ہر گھر میدان کارزار بنا رہتا ہے کیونکہ عورت کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہے۔ اس تشویشناک نعروں سے ثابت ہو گیا عورت ہی دراصل ''مرد ہے۔ مرد تو محض عورت ہے۔ کافی عرصہ قبل یہ رو چلی تھی کہ فلاں مرد عورت بن گیا ہے۔ اور فلاں عورت مرد۔ مگر آج کل بھی یہ اکاّ دُکاّ واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

حدود اربعہ۔ مردوں نے ہر چند زور لگایا کہ عورت کا حدود اربعہ بھی ہو۔ لیکن اس میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ **آب و ہوا**۔ عورت کی آب و ہوا کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مشاہدات یہ بتلاتے ہیں ''اوائل عمر میں آب و ہوا سرد خشک ہوتی ہے بگولے چلتے ہیں اور آندھیاں بکثرت آتی ہیں''۔ درمیانی عمر میں گرم مرطوب ہو جاتی ہے۔ طوفان آتے ہیں۔ بعض اوقات اولے پڑتے ہیں جس کے بعد بعض غیرت مند سر منڈوا لیتے ہیں اکثر بجلیاں کڑکتی ہیں اور بار بار گرتی ہیں۔ کئی بار سرد لہر آتی ہے جس کے باعث مردوں کے دانت کڑکڑانے لگتے ہیں۔ **پیداوار**۔ کچھ لوگ تو خاوند کو بھی عورت کی پیداوار سمجھتے ہیں دلیل یہ ہے کہ اگر عورت نہ ہو تو خاوند کیسے ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آجکل مرد ہوتا تو ہے لیکن برائے نام سا۔ اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے ہاں بچے ہوتے ہیں اور خوب ہوتے ہیں۔ **طبعی حالات**۔ شادی سے قبل والدین کے لئے ایک دردِ سر بنی رہتی ہے شادی ہونے کے بعد خاوند کا ایسا بخیہ ادھیڑتی ہے کہ غیر شادی شدہ شادی کا خیال ترک کر دیتے ہیں۔ **تقسیم**۔ عورتوں کی کئی قسمیں ہیں۔ بلکہ ہر عورت بذات خود ایک نئی قسم ہے۔ اور ہمارا تجزیہ یہ بتلاتا ہے کہ ایک ہی عورت کے اندر کئی کئی عورتیں بیک وقت پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس کی تین اقسام ہیں۔ اول۔ اس قسم کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے پیچھے خاوند دُم چھلا بنا رہتا ہے۔ یہ

اس قدر ''میک اپ'' کرتی ہیں کہ ان کی اصل شخصیت ناپید ہو جاتی ہے۔اس فن میں ان کو اس اس قدر کمال حاصل ہوتا ہے کہ بڑے بڑے ماہرین یہ بھی معلوم نہیں کر پاتے کہ اس چہرے کے پیچھے کس کا چہرہ ہے۔انکی پہچان یہ ہے۔''انداز زنانہ چال مردانہ۔گفتگو خاوندانہ،شانِ قلندرانہ،اگر خاوند کبھی کنایتاً برقعے کا ذکر چھیڑ بیٹھے تو ازالہ حیثیت عُرفی کا مقدمہ کرنے پر تل جاتی ہیں'' دوسری عورتوں کو نفرت سے دیکھنا اپنا فرض منصبی سمجھتی ہیں۔**نیم پوش**۔یہ خاتون اور برقعہ پوش کے بیچوں بیچ ایک مخلوق پیدا ہوئی ہے اور مشرق ومغرب کے امتزاج کی نسبت سے اسے ''پیوندی عورت'' کہا جاتا ہے۔یہ ایک ایسا نرالا برقعہ پہنتی ہیں کہ ہر چند کوئی کہے کہ ''ہے'' مگر ''نہیں'' ہے۔پھر درزیوں کے ہاں ان کی کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے زیادہ تر انگریزی اسکولوں کالجوں میں پائی جاتی ہیں۔گھر میں بیٹھنا ان کی شان کے خلاف ہے۔برقع سیاہ پہنتی ہیں۔مگر باریک تاکہ اندر سے کپڑوں کے رنگ یا ڈیزائن نظر آئیں۔اکثر تو جینز پہنتی ہیں۔عورت آزادی کے نام پر،محرومی کے نام پر، مظلومیت کے بہانے،حقوق نسواں کے بہانے،آج کل اکثر ممالک میں مردوں کو لتاڑ کر زیادہ حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔مغرب میں تو مرد بھیگی بلی بن کر رہ گیا ہے۔کسی بھی مقدمے میں قصور بھلے عورت کا ہی ہو مگر فیصلہ پھر بھی عورت کے حق میں ہی ہوتا ہے۔



رانجھے کی تلاش

ایک سیدھے سادے کسان نے تو قصہ ہیر رانجھا کو اپنے بیٹے پر یوں واضح کیا تھا کہ بیٹا اکبرِ اعظم سے کچھ پہلے صوبہ پنجاب میں واقع گاؤں تخت ہزارے کے رانجھوں کے ایک لڑکے دھیدو نے جھنگ شہر کے سیالوں کی لڑکی ہیر سے عشق کیا تھا،اور کھیڑوں کے ایک لڑکے سیدو سے ہیر کی شادی ہو جانے کے بعد اسے اسکے سسرال سے اغوا کر لایا تھا قصہ شعراء کے ڈھائے چڑھ گیا پھر انہوں نے اسے کچھ کا کچھ بنا دیا۔پنجابی زبان کے عظیم شاعر وارث شاہ نے تو رانجھے کو انسانی جسم اور ہیر کو اس کی روح قرار دے کر قصہ ہیر رانجھا کے نام سے ایک لازوال شاعرانہ تمثیل کردی۔جس میں حکمت ودانش کے خزانوں کے علاوہ اس وقت کے پنجاب کی زندگی کی مثال کی عکاسی کردی پہلے ہیر کے حسن کے بیان کی ایک جھلکی دیکھئے۔

کیہ ہیر دی کرے تعریف شاعر متھے چمکدا حسن مہتاب دا سی
خونی چونڈیاں رات جوں چند دوالے سُرخ رنگ شہاب دا سی

نین نرگسی مرگ مموڑے دے گلھاں ٹھکیاں پُھل گلاب دا جی
بھواں وانگ کمان لاہور دِسن کوئی حُسن نہ انت حساب دا جی
سُرمہ نیناں دی دھار وچ پھب رہیا چڑھیا ہند تے کٹک پنجاب دا جی
سیاں نال جھولاردی آوندی اے پر جھولدا جیویں عقاب دا جی
کُھلی وچ ترنجناں لٹکدی اے فیل مست جوں پھرے نواب دا جی
چہرے سوہنے تے خط وخال سوہن خوشخط جیویں حرف کتاب دا جی
جیہڑے دیکھنے دے مشتاق آہے وڈا وعدہ تنہاندا باب دا جی
چلو لیلۃ القدر کی کرو زیارت وارث شاہ اے کم ثواب دا جی

اور پھر حکمت ودانش کے صرف چند موتی:۔

آکھ رانجھیا بھاکیہ بنی تیرے دیس اپنا چھڈ سدھار ناہیں
ویرا انبڑی جایا جا ناہیں سانوں نال فراق دے مار ناہیں
ایہہ باندیاں اسیں غلام تیریکوئی ہوروچار وچار ناہیں
بخش ایہ گناہ توں بھابھیاں نوں کون جمیا جو گنہگار ناہیں
بھائیاں باج نہ مجلساں ہوندیاں نیں اتھے بھائیاں باجھ وہار ناہیں
بھائی مرن تے پوندیاں بھج باہیں بھائیاں باجھ بھرے پردار ناہیں
لکھ اوٹ ہے کول وسیندیاں دی بھایاں گیاں جیڈی کوئی ہار ناہیں
بھائی ڈھاوندے بھائی اسار دینی بھائیاں باجھ بیلی کوئی یار ناہیں
طالع منداں دیاں لکھ خوشامداں نے تے غریب دا کوئی غم خوار ناہیں
ایکل باہیاں نوں لوکی مار دینی باہاں والیاں کوئی سار ناہیں
باہاں والیاں دی لوک کرن منت باجھ باہاندے کجھ سنسار ناہیں
وارث شاہ میاں باجھ بھایاندے سانوں جیونا درکار ناہیں

وارث شاہ سے پہلے دمودر نامی شاعر نے بھی اس قصہ کو لکھا ہے لیکن جو بات وارث شاہ نے اس میں پیدا کی وہ اس سے نہ ہو سکی تھی۔ وارث شاہ کے بعد بھی بہت سے شعراء نے اس قصے کو نظم کیا لیکن کہاں بات ماسٹر مدن جیسی!۔ بہر حال دمودر اور وارث شاہ سے قبل ہی شاہ حسین نے قصہ ہیر رانجھا میں روحانیت

داخل کردی تھی اور ہیر رانجھے کے عشق کو عشقِ حقیقی کا رنگ دے دیا تھا۔

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپو رانجھا ہوئی
آکھو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی

اور آج تک شعراء خصوصاً پنجابی شعراء اس تلمیح اور تمثیل سے اپنی شاعری کو سجاتے ہیں۔

رانجھا اُتر پہاڑوں آیا
تے چرخے دی کوک سُن کے
ندیوں پار رانجھن دا تھانا
کیتا قول ضروری جانا
مینوں سجدے کرن توں نہ روکو
تے رانجھا مینوں رب لگدا



نئی دریافت

دنیا میں آج جتنی تحقیق کی آڑ میں کھوج، ٹوہ اور جستجو ہو رہی ہے۔ اتنی شاید ہی کسی دور میں ہوئی ہو مگر اس کے باوجود مادے کی چوتھی قسم دریافت نہیں کر پائے۔ جی ہاں! ابھی تک وہ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مادے کی تین اقسام ہیں۔ ٹھوس، مائع، گیس حالانکہ اس کی چوتھی قسم بھی ہے۔ جسے ''صنفِ نازک بھی کہا جاتا ہے۔ جس کے آنسو مائع ہیں۔ جس کی شخصیت ٹھوس اور جو اس سے ٹکرا جائے وہ گیس بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ یہ دریافت اتنی اعلیٰ ہے کہ اس کے بارے میں بڑے بڑے دانشور اپنے مقالات تشنہ پاتے ہیں، اور بعض لوگ ان دریافتوں پر ٹھٹھک رہے ہیں۔ ان کی سوچوں تک میں ''میں نہ مانوں'' تک کی تیوریاں حائل ہیں۔ جبکہ صنفِ نازک کسی مقام سے بھی گزر جائیں نہ وہ تھکتی ہیں اور نہ وہ ٹھٹھکتی ہیں۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ وہ بھٹکتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور راہِ حیات گزر جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ سحر، جادو ٹونے پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ہی ان چکروں میں پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تیز رفتار زمانے میں ان کے پاس اتنی فرصت کہاں۔ مگر عورت کی باتوں میں وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بولا ہے کہ اکثر خواتین مردوں پر چڑھی رہتی ہیں کہ بہت سوں کے مکانات،

فلیٹس اوپر کی منزل پر بنے ہوتے ہیں۔(جہاں وہ بہت خوش رہتی ہیں)عورت کا جادو اکثر مرد کی زبان پر بھی اتر جاتا ہے۔جب ہی تو خاندانی جھگڑوں میں بڑی بوڑھیاں اپنے نافرمان بیٹوں کی سرزنش کرتے ہوئے اکثر کہتی ہیں۔''ارے یہ تو نہیں بول رہا یہ وہ ڈائن بول رہی ہے جس کی زبان تیرے منہ میں آ گئی ہے۔کم بخت نے جادو کر دیا ہے۔جو وہ کہتی ہے وہی تو کرتا ہے۔تیری عقل کو تو کا گا لے گیا کہ اسی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اسی کے کانوں سے سنتا ہے۔(کرلوگل)عورت ایسی طاقت ہے کہ جسے دیکھ کر گھگھی بھی بندھ جاتی ہے۔(جب وہ بغیر میک اپ کے سر جھاڑ اور منہ پھاڑ سامنے آ جائے)اور دیکھ کر دوسرا جامد بھی ہو جاتا ہے۔جب وہ تیس چالیس سنگھار کر کے آ جائے۔جی ہاں بالوں کے سٹائل،میک اپ کے سٹائل،ملبوسات کی قیامتیں،ڈریس ڈیزائن کے نام پر کمر پر کھڑکیاں اور دروازوں جیسے پھاٹک کسی کسائی ڈوریاں،زیوارات کی بہتات اتنی کہ ناف تک پر بڑا سا گلوبند کسا ہوا۔ساڑھی کی دائیں جانب جہاں جسم اور ساڑھی کا رشتہ ٹوٹ رہا ہو وہاں جھومر جیسا زیور اٹکا ہوا۔اتنے سارے لوازمات جب ایک ساتھ مل کر دھاوا بول دیں،فرد تو کیا انجمن کی انجمنیں پاگل ہو سکتی ہیں اور ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ کر سکتی ہیں کہ جب کچھ سمجھ میں نہ آئے اور کوئی کچھ کرنے کے قابل بھی نہ رہے۔تو ایسے میں ہوتا یہی ہے کہ :۔ جیا گائے تارارارارم۔یوں تو دنیا میں خوبصورت پھول خوبصورت اشیاء ہیں مگر ان سب پر عورت کی خوبصورتی ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی بدصورت لڑائیاں اسی خوبصورتی کی وجہ سے بھی ہوئیں،شہنشاہوں نے راج پاٹ چھوڑ دیئے شاعر پاگل ہو گئے فلم سازوں نے اپنی گھریلو لائف تباہ کر لی۔کہ خوبصورتی ہمیشہ ہیروئن کی طرح نشہ دیتی ہے،اور تباہ کر دیتی ہے گھریلو عورتوں نے بہتیرا سمجھایا کہ خوبصورت عورت اگر بدمزاج ہو تو وہ بہت بدصورت ہوتی ہے مگر مردوں کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی اور انہوں نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ خدا جب حسن دیتا ہے''نزاکت آ ہی جاتی ہے''۔یہ نزاکت بدمزاجی کے خول میں ہو یا غرور کے کیپسول میں اسے کوئی نظر انداز نہیں کرتا۔اس دکھ بھرے حقائق کو دیکھتے ہوئے ہم ایک نئی دریافت کرنا چاہ رہے ہیں۔مؤرخ اور اہلِ دل نوٹ کر لیں کہ عورت کے لفظی اور معنوی معنی''کنوئیں'' کے ہیں۔یہ کنواں ٹھنڈا اور میٹھا بھی ہوتا ہے اور اندھا بھی کہ جب عورت ماں ہوتی ہے تو اپنی ممتا سے تسکین پہنچاتی ہے اور جب وہ بیوی ہوتی ہے تو اس کی محبت،اس کی وفاداریاں کنوئیں جیسی گہری ہوتی ہیں اور جب کوئی مرد ان تین رشتوں کے علاوہ اس کو سمجھنا چاہے مکر و فریب کے جال ڈال کر اسے شیشے

میں اتارنا چاہےتو وہ یہ سمجھ لے کہ وہ کسی اندھے کنوئیں میں تو گر سکتا ہے مگر اس کی پیاس نہیں بجھ سکتی کہ ’’عورت‘‘ تمام خوبصورتیوں اور تمام بدصورتیوں سے ماوریٰ ہے کہ اس کا مقام بہت بلند ہے نہ اسے گرنا چاہیے اور نہ ہی کسی کو گرانا چاہیے کہ وہ ہر گھر کا ایک مضبوط ستون ہے۔ جی ہاں۔



’’اہلیہ زبان‘‘

میں جن دنوں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اُردو کے ماسٹر نے مجھ سے سوال کیا کہ ’’بتاؤ وہ کیا چیز ہے جو ہمیشہ چلتی رہتی ہے اور خراب نہیں ہوتی‘‘ میں نے ریل گاڑی سے لے کر رسٹ واچ تک ہر چیز پر غور کیا جو ہمیشہ چلتی رہتی ہیں۔ لیکن صحیح جواب مجھے نہ ملا۔ کیونکہ یہ سب چیزیں خراب ہو جاتی ہیں۔ اب جبکہ میں جوان ہو کے بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھے اس سوال کا جواب مل گیا ہے لیکن اب ماسٹر صاحب کے ملنے کی دیر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ ماسٹر صاحب مجھے نہ ملیں اور یہ بھی اک تکلیف دہ بات ہے۔ کہ جواب مل گیا ہے اور ماسٹر صاحب نہیں مل رہے۔ بہر حال آپ کو اگر ماسٹر جی ملیں تو یہ جواب انہیں پہنچا دینا۔ جو چیز ہمیشہ چلتی رہتی ہیں اور خراب نہیں ہوتی وہ عورت کی زبان ہے۔ ممکن ہے میرا یہ جواب سن کر شاید عورتیں ناراض ہو جائیں۔ اور میرے خلاف ان کی زبانیں چلنی شروع ہو جائیں لیکن اس میں قصور میرا نہیں سچائی کا ہے۔ اور سچائی کو جھٹلانا ناممکن ہے۔ ایسے بھی اس میں خواتین کی تضحیک کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ یہ تو تعریف کی بات ہے۔ کہ عورتیں خدا کی دی ہوئی نعمت ’’زبان‘‘ کا کتنا صحیح استعمال کرتی ہیں۔ اللہ میاں نے زبان چلانے کے لئے ہی دی ہے۔ صرف ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھانے کے لئے نہیں دی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ پرانے زمانے کی ساری عورتیں بڑی کم سخن ہوتی تھیں۔ لیکن موجودہ زمانہ میں وہ چرب زبان عورتوں میں گھری رہتی ہیں۔ ہمارے ملک کی عورتیں شاید زبان اس لئے زیادہ چلاتی ہیں کہ وہ کم چلتی ہیں پردہ کی وجہ سے وہ سارا سارا دن گھر میں بیٹھنے پر مجبور ہیں۔ وہ چلتی ہیں تو سونے کے کمرے سے باورچی خانے تک۔ یا پندرہ بیس دن بعد کہیں سودا سلف کے لئے بس پر چلے گئیں۔ مگر یہ چلنا بھی کیا چلنا ہوا کہ وہ نہیں چل رہی ہیں اور بس چل رہی ہیں۔ اب رہی زندگی تو وہ ’’چل چلاؤ‘‘ کا دوسرا نام

ہے۔لہٰذا گھر میں بیٹھی عورتیں چلتی نہیں بلکہ ان کی زبان چلتی رہتی ہے۔ یہ ایک قانون فطرت ہے کہ کچھ نہ کچھ چلے۔ چاہے عورت کی زبان چلے یا مرد کی جوتی۔صبح ہوتے ہی جب زندگی چلنے لگتی ہے تو عورت کی زبان بھی چلنے لگتی ہے۔ ’’ارے ابھی دودھ والا نہیں آیا اور منے ذرا بھاگ ڈبل روٹی اور مکھن تو لیتے آنا‘‘ اری لڑکی سکول کا وقت ہو گیا ہے ابھی تیری کنگھی چوٹی ختم نہیں ہوئی۔اس کے بعد آپ دفتر چلے جاتے ہیں بچے اسکول چلے جاتے ہیں۔ بیویاں پریشان کہ اب کیا دیواروں سے باتیں کریں۔وہ جھٹ اسٹول اُٹھا ہمسائی کی دیوار کے پاس لگا اس پر کھڑی ہو کر بی ہمسائی سے باتیں کرنے لگ جاتی ہے۔بی ہمسائی بھی آخر عورت ذات ٹھہری۔وہ بھی جیسے موقع کی منتظر ہے دونوں کی زبانیں چلنی شروع ہو جاتی ہیں کہ فلاں کا بیاہ ہوا کہ نہیں ہوا۔زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔عمر کی بیوی کی عمر بڑی کم ہے۔وہ بڑا جھوٹ بولتی ہے۔جب ادھر سے فارغ ہوئی تو فون کی گھنٹی بجائی اور سہیلیوں سے خبرنامے کی تلاش میں لگی زبان چلانے۔ یہ سلسلہ شام تک بلکہ سونے تک چلتا رہتا ہے بلکہ بیبیوں کی زبان تو سونے میں بھی چلتی رہتی ہے۔اس زبان کو روکنا یا ’’سوئچ آف‘‘ کرنا بہت مشکل ہے اس سوئچ آف کرنے پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔گراموفون کے موجد تھامس ایڈیسن سے کسی عورت نے دس منٹ باتیں کرنے کے بعد پوچھا۔کہ کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے سب سے پہلے بولنے والی مشین ایجاد کی۔ایڈیسن نے جواب دیا’’ خاتون بولنے والی مشین تو سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے آدم کی پسلی سے پیدا کی۔ میں نے تو وہ بولنے والی مشین ایجاد کی ہے جو جب چاہو بند کی جا سکتی ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ عورت کی زبان ایک بار رُکی تھی۔اس دن کے سب سے بڑے آبشار ’’نیاگرا‘‘ کی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔وہ واقعہ یوں ہے ایک شادی شدہ جوڑا نیاگرا آبشار دیکھنے گیا اسے دیکھ کے بیوی آدھ گھنٹہ خاموش اور مبہوت رہی۔ پھر اس کے بعد اس عورت نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ اس آبشار میں کتنی طاقت ہوگی اتنی کہ ایک عورت کی زبان بند کر دے۔ مجھے عورت کی زبان چلنے پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ میں تو اسے دنیا کی زندگی سمجھتا ہوں اگر عورت بولنا بند کر دے تو یہ دنیا گونگی ہو جائے۔دنیا قبرستان بن جائے۔عورت کی زبان ضرور چلے مگر عورت کسی کو زبان دے کر کبھی نہ مُکرے۔یہی میرا مدعا ہے۔باقی تو مذاق ہی تھا۔



کُھلا آسمان

خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی پیدائش کے بعد اس کے لئے سائبان کے طور پر آسمان اور بچھونے کے طور پر زمین بنائی۔ جیسا کہ قرآن میں ذکر ہے اور آسمان کے شعراء نے بھی بہت سے استعارے اشعار استعمال کئے ہیں۔ بہت پیار کرنے کے اور اس کے ثبوت کے لئے آسمان سے تارے توڑنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ کہیں شہرت کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کہا جاتا ہے جب کسی کا پیارا وجود منوں مٹی تلے دب جائے تو دعا کی جاتی ہے آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے غرض جب تک دنیا ہے آسمان اور اس کی خوبصورتیاں قائم ہیں، اور ان خوبصورتیوں میں چمکتا ہوا سورج گہرے ہلکے یا سرمئی چمکتے بادل یا ٹمٹماتے ستارے اور ان کے درمیان گھٹتا بڑھتا چاند اپنی رونق سے زمین پر بسنے والوں پر گرمی، سردی میں روشنی بکھیرتا ہے۔ قرآن میں کہے گئے الفاظ ہیں کہ قیامت (روز جزا) کو آسمان بھی دھواں دھواں ہو جائے گا۔ آسمان انسانوں کے لئے راحت وسکون کا باعث ہے۔ اسی لئے تو وہ اپنی عقل سے اس پر کمندیں ڈالتا ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے آسمان کی خوبصورت شے چاند پر قدم جمار ہا ہے۔ جو آسمان کی ملکیت تھا۔ اب انسان اس کو اپنی مرضی سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے۔ بہر حال آسمان تو آسمان ہے کبھی کھلے آسمان کی وسعتوں کو دیکھنے کا موقع ملے تو دیکھو۔ اس کا پُر شفقت سایہ اپنے پرائے، امیر غریب، چھوٹے بڑے، نیک اور بد سب کے لئے کھلا آسمان ہے مگر ہمیں اپنی مصروف زندگی میں کب کھلے آسمان تلے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا ہے۔ روزی کے چکر میں اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے جائز و ناجائز، ہر طور، ہر ذریعہ اور ہر طریقہ استعمال کرنے یا سوچنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اس مصروفیت میں چلتے اے۔ سی گرمیوں کی گرمی دور کرنے کے لئے اور ہیٹر سردیوں کی ٹھنڈک سے محفوظ کرنے کے لئے ہیں۔ کھلے آسمان پر روشنی بکھیرتے چاند گھروں میں اور بالکل بند گھر والوں کے لئے بیکار ہے۔ جو آسمان کی بلندیوں تک تعمیر ہوتے جاتے ہیں۔ چاند کی جگہ روشنی کے بلب اور قیمتی فانوس ان گھروں میں روشنی بکھیر رہے ہیں۔ آسمان سے چھن چھن کر آنے والی ٹھنڈی روشنی کو انسانوں نے دروازوں اور کھڑکیوں پر قیمتی پردے اور جھالریں لگا کر روک دیا ہے۔ مبادا ہمارے دل آسمان کی وسعتوں کی طرح وسیع ہونے پائیں۔ وہ دور گزر گیا جب آسمان بچوں کے لئے اور بڑوں کے لئے خوشی اور سکون کا باعث ہوتا تھا۔ روزی کما کر اور تھک ہار کر انسان گھر آتا تھا۔ تو رات کھلے

آسمان تلے آرام کرتا تھا موسم کے لحاظ سے گرمیوں میں دُھلے ہوئے اور چمکتے صحن میں کھلے آسمان تلے بستر بچھتے تھے۔اُجلی اور شفاف چادریں ذہنوں کو بھی اجلا کر دیتی تھیں۔اتنے اچھے ماحول میں انسان بستر پر دراز ہوکر اپنی پریشانیوں کو ستاروں سے Share کرتا تھا۔اوررات تارے گنتے گزرجاتی تو بھی تھکاوٹ نہ ہوتی تھی۔چاندکی کرنیں ٹھنڈک پہنچاتی تھیں۔بچوں کو چاندکی کہانی سنائی جاتی ہر بچہ ماں باپ کے پہلو میں لیٹا چاند پر اپنے تصور کے مطابق ایک شبیہ بنالیتا۔کسی کو بوڑھی اماں چاند میں چرخا کاتتی نظر آتی تو کسی جوان کو اپنا آئیڈیل چاند سے جھانکتا نظر آتا۔اور بچے جگ مگ کرتے تارے دیکھتے۔پلکیں بوجھل ہوتیں تو نیندکی دیوی آجاتی۔پریوں کی شہزادی بھی تو چاند تاروں کے دیس سے آتی اور بچوں کے خوابوں میں رنگ بھرتی۔ستاروں میں ایک ستارہ ڈھونڈنے کے لئے بچے اپنی نظریں تیز سے تیز کرتے۔وہ قطبی ستارہ ہوتا جس کا آج کے کسی بچے کو پتہ ہی نہیں۔کتابوں میں تو شاید پتہ ہومگر آسمان پر تلاش نہیں کیا۔کہکشاں کی ڈرائنگ بنالیتے ہیں مگرکبھی اس کی ٹھنڈک محسوس نہیں کی۔اب نہ پریاں ہیں اور نہ ہی کہکشاں کا راستہ۔

اب کیا دور آیا ہے عید کی خوشیاں سمیٹنے سے قبل ہم چاندرات بازاروں اور شاپنگ سنٹروں،ہجوم کے دھکوں میں مناتے ہیں۔کبھی چھت کی بلندی پر چڑھ کر کھلے آسمان پر پہلے دن کا چاند ہلال ڈھونڈھ ہی لیتے تھے۔وہ جب قمر اور بدر بن کر چمکتا ہے تو ہم اپنی نظریں اوپر نہیں اُٹھاتے۔پہلے تو عید کا چاند دیکھنے کے لئے چھتوں پر رونق ہوتی تھی۔چھوٹے بڑے سب کی نظریں آسمان کی وسعتوں میں چاند کو ڈھونڈتے۔وہ دیکھو! سامنے نہیں،ذرا دائیں طرف،اس بلڈنگ کی اوٹ میں،اس پلازے کے پیچھے،غرض ایک دوسرے کو بتاتے،جس کو پہلے نظر آجاتا خوشی سے دیوانہ ہوجاتا،کئی چاند کے بہانے اپنے چاند دوسروں کی چھتوں پر تلاش کرتے،ادیب اس کی تلاش میں چاند کے چہرے پر پڑے نقاب کو اُلٹاتے اور اس کی خوبصورتی کو الفاظ میں بیان کرتے،اور مصور رنگوں میں اور شعراء اپنے اشعار کے قافیوں میں رنگ بھرتے تھے۔اب انسان کو فرصت نہیں اس لئے ٹی وی کا بٹن دبا کر رویت ہلال کمیٹیوں کے اعلانات سے تین تین عیدیں مناتا ہے۔نہ یہ رُت اور نہ یہ کھلے آسمان کے مزے،نہ بچوں کی خوشیاں نہ بڑوں کی کوششیں۔بس کھلے آسمان تلے،بند کمروں،بند دروازوں،بند دلوں،اور بند سوچوں میں دنیا ترقی کرتے کرتے آسمان کی بلندیوں تک پہنچ رہی ہے۔دل و دماغ بھی بند ہورہے ہیں۔نہ سوچوں میں،نہ دلوں میں،آسمان جیسی وسعتیں،نہ وہ رُتیں اور ان کے وسیع مزے،کھلا آسمان آج بھی دھرتی کے باسیوں کے لئے کھلا ہے،اور رہے گا جب تک خدا کُن کہہ کر اسے دھواں دھواں نہ کردے۔ ❁❁❁

واہ۔واہ.....کیا میاں کیا بیوی

یہ ہمارے ملک کا عام رواج ہے کہ جب کوئی لڑکا بی اے پاس کر لیتا ہے تو اس کی ماں اس کیلئے بیوی ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ہم نے بی اے پاس کیا تو ہماری والدہ نے بھی ہمارے لئے ایک چاندسی دلہن اور اپنے لئے بہشتی حور کی سی بہو ڈھونڈنے میں مصروف ہوگئی۔لیکن ہم بڑے مخمصے میں گرفتار تھے۔کہ آیا ہم شادی کریں یا نہ کریں۔اس مخمصے کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے گھر کے دونوں طرف والے گھروں میں دو بڑے مثالی شادی شدہ جوڑے رہا کرتے تھے۔ ہمارے دائیں پڑوس میں جو میاں بیوی رہتے تھے۔ان میں بیوی کی حالت بہت قابل رحم تھی۔میاں بڑا ہی ظالم تھا۔شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا تھا جس دن وہ اپنی بیوی کو مار مار کر اس کا بھرکس نہ نکالتا ہو۔اور بائیں پڑوس میں جو میاں بیوی رہتے تھے ان میں شوہر کی حالت بہر حال عبرت ناک تھی بیوی بڑی قدآور اور بھاری بھرکم عورت تھی اور میاں پستہ قد،نہایت دبلا پتلا مقنچو۔شاید ہی کوئی رات ایسی ہوتی جس رات اس کی ظالم بیوی اپنے مسکین شوہر کو مار مار کر اَدھ موا نہ کر دیتی۔ان دونوں پڑوسی جوڑوں کی مار دھاڑ سے بھرپور زندگیوں کو دیکھ دیکھ کر ہمیں شادی کے نام سے ہول سا آنے لگا۔ہم اکثر یہ سوچا کرتے کہ:۔کہ ہمیں ایسی بیوی چاہیے جو نہ خود پٹے اور نہ ہمیں پیٹے۔ ہمارے دوستوں کا خیال تھا کہ ہم ساری زندگی کنوارے ہی رہ جائیں گے۔ کیونکہ ازل سے اب تک دنیا میں ایسی بیوی نہیں آئی جو مرد سے پٹنے سے بچ گئی ہو۔ یا مرد کو سچ مچ پیٹنے یا پٹنے کے خیال سے باز رہی ہو۔انہی دنوں ہم نے محسوس کیا کہ ہمارے رشتہ داروں میں ایک خوبصورت اور نیک سیرت لڑکی ہم میں دلچسپی لینے لگی ہے۔معتبر ذرائع سے جب ہمیں پتہ چلا کہ وہ لڑکی ہم سے شادی خانہ آبادی پر بھی آمادہ ہے۔تو ایک دن موقع پا کر تنہائی میں ہم نے اس دوشیزہ سے پوچھا۔''اگر شادی کے بعد ہم کبھی کبھار آپ کو پیٹ لیا کریں تو آپ ہم سے نفرت تو نہیں کرنے لگیں گی۔'' ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس دوشیزہ نے اپنی جوتی اتار کر ہمارے حوالے کی اور کہا''یہ لیجیئے میری جوتی میرا سر،شادی کے بعد کا انتظار کیجیئے۔لیجیئے ابھی سے پیٹنا شروع کر دیجیئے۔''یہ جواب سن کر بہت افسوس ہوا کیونکہ ہم ایسی بیوی قطعاً نہیں چاہتے۔ جو ہم سے پٹا کرے اور بس پھر ہم نے اس لڑکی کو اپنے دل سے ایسے نکال دیا جس طرح روسیوں نے خروشیف کو راتوں رات وزارت عظمیٰ سے نکال باہر کیا تھا۔پھر کچھ دن گزرے ہمارے پڑوس کی پھر ایک لڑکی ہم میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ وہ لڑکی بڑی لمبی تڑنگی،ہاتھ پاؤں کی بڑی

مضبوط اور نہایت ''ہاتھ چھُٹ'' واقع ہوئی تھی۔لیکن وہ ہم میں دلچسپی لینے لگی تھی اس لئے ایک دن بہت ڈرتے ڈرتے ہم نے اس سے پوچھا۔''کیا آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟ لڑکی نے بغیر کسی شرم و حیا سے جواب دیا۔''جب ایک نہ ایک دن شادی کرنی ہے تو چلئے آپ ہی سے کرلوں گی۔''

اس بے تکلف دوشیزہ سے حسب معمول دوسرا سوال پوچھا۔''اگر شادی کے بعد کبھی کبھار ہم آپ کو پیٹ لیا کریں تو آپ ہم سے نفرت تو نہیں کریں گی؟ اس دوشیزہ نے ناک بھنویں چڑھا کر کہا:۔واہ! آپ مجھے کیسے پیٹ سکتے ہیں۔کوئی ذرا مجھے چھو کر تو دیکھ لے۔'' یہ جواب سن کر ہم ایک دم نروس سے ہو گئے اور بوکھلا کر پوچھا۔''تو گویا آپ ہمیں پیٹا کریں گی؟''۔دوشیزہ نے غضبناک ہو کر کہا''ہاں اگر آپ نے ذرا سی بھی بدتمیزی کی تو پھر۔۔۔۔۔'' کمبخت نے شادی کا بھی انتظار نہ کیا ہماری پیٹھ میں ایک ایسا زوردار مُکا مارا کہ شادی کا خیال فوراً ہی دل سے نکل گیا۔اس مُکے کی وجہ سے ہم تین دن صبح سویرے گھنٹہ بھر کھانستے رہے۔اس کے بعد ہمیں ہماری والدہ، سارے رشتہ دار اور دوست سمجھاتے رہے کہ: یہ پٹنے اور پیٹنے کی شرائط کو چھوڑو، دنیا میں کوئی ایسے میاں بیوی نہیں جو ایک دوسرے کو پیٹتے نہ ہوں۔لیکن ہم نہ مانے، آخر دنیا کے پانچ ارب انسانوں میں یقیناً ایسے میاں بیوی ضرور ہونگے جن میں کبھی لڑائی ہی نہ ہوئی ہو۔اتفاق سے انہی دنوں ہمیں ایک ایئر لائن میں ملازمت ملی جس کی وجہ سے ساری دنیا دیکھنے کا موقع ملا۔چنانچہ تلاش بسیار کے بعد اپنے ہی ملک میں ایک ایسے میاں بیوی کا پتہ چلا جو پنجاب کے ایک گاؤں میں بڑے پیار اور امن وسکون سے رہ رہے تھے۔میاں کا نام چودھری اللہ دتہ اور مسماۃ مائی فتاں کا نام بے بے فاطمہ تھا۔وہ ایسے میاں بیوی ہیں۔جن کی شادی کو ساٹھ برس گزر چکے لیکن گاؤں اور محلے کا ہر ایک شخص گواہ ہے کہ دونوں میں ایک دن یا ایک رات یا کبھی بھی ذرا سا جھگڑا یا چوں چراں تک ہوئی ہو۔یہ خبر سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور ہم نے یہ راز معلوم کرنے کے لئے فوراً اس گاؤں کی راہ لی اور دونوں سے اس محبت کا راز جاننا چاہا۔مگر ان دونوں کی طرف سے جواب نہ پا کر پتہ چلا کہ دونوں میاں بیوی خوش قسمتی سے بہرے ہیں۔



محبت کا جغرافیہ

دنیا میں اب تک جو مشہور لڑائیاں ہوئی ہیں۔ان میں سے چند لڑائیاں ہمیں یاد ہیں۔سکندر اعظم اور راجہ پورس کی لڑائی، غازی صلاح الدین ایوبی اور رچرڈ شیر دل کی لڑائی، فرانس اور برطانیہ، روس اور جرمنی

کی لڑائی، چین اور جاپان کی لڑائی، پہلی اور دوسری عالمی لڑائی، لیکن دنیا میں میاں بیوی کی لڑائی جتنی مشہور ہے۔ 1914ء کی لڑائی بھی اتنی مشہور نہیں، کیونکہ یہ لڑائی ازل سے جاری ہے۔ شاید ابد تک جاری رہے گی اور کیا تعجب کہ جس وقت یہ سطور لکھ رہا ہوں دنیا کے لاکھوں کروڑوں گھروں میں خاوندوں اور بیویوں کے درمیان تُوتُو میں میں، لات گھونسہ، اُٹھا پٹخ ہو رہی ہے۔ دنیا میں آج تک نہ پہلے کبھی کوئی ایسے میاں بیوی گزرے ہیں اور نہ آئندہ ایسے گزریں گے۔ جن کے درمیان کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ بار گالی گلوچ مار کٹائی نہ ہوئی نہ ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے سارے میاں بیوی آپس میں پیار سے نہیں رہتے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہاں میاں بیوی کی لڑائی بھی عجیب لڑائی ہوتی ہے۔ دل میں تو پیار مگر اوپر سے مار۔ میاں بیوی گویا ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے ملتے ہیں، اور ملنے کے لئے لڑتے ہیں۔ اسی لئے تو تجربہ کار میاں بیوی کہتے ہیں۔ میاں بیوی کی لڑائی سے آپس میں محبت اور زیادہ بڑھتی ہے۔ اس کا تو آپ میں سے ہر میاں اور ہر بیوی کو ذاتی طور پر بھی تجربہ ہوگا۔ کہ لڑائی کے بعد پیار کیسے بڑھتا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ میاں بیوی کی لڑائی بھی اچھا خاصا ''کرکٹ میچ'' ہوتی ہے۔ جو بالعموم ہار جیت کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ لڑائی اور صلح کے بعد میاں بیوی سے پوچھیئے کہ بھئی لڑائی کس بات پر ہوئی تھی۔ اور صلح کیسے ہوئی۔ تو دونوں کو اپنے حافظوں پر زور دینا پڑتا ہے۔ میاں بیوی کی لڑائی میں تکلیف بالعموم میاں کو ہوتی ہے۔ بیوی مزے میں رہتی ہے۔ ہاں البتہ وہ بیویاں مستثنیٰ ہیں۔ جن کے میکے انڈیا میں رہ گئے۔ ایسی بے چاری بیویوں کی شوہر سے لڑائی ہو تو تکلیف بیوی کو ہوتی ہے۔ اور میاں مزے میں رہتا ہے۔ یعنی بیوی نے سالن میں مرچیں زیادہ ڈال دیں۔ تو بس پھر شوہر کے مرچیں لگ گئیں اور اس نے بیوی کو مار مار کر کوفتہ بنا دیا۔ اب بے چاری بیوی ویزہ سسٹم کو کوسنے لگ جاتی ہے۔ کھانا نہیں پکاتی روتی ہے اور دل کو جلاتی ہے۔ ادھر بیوی دُکھ سہتی ہے۔ ادھر میاں بڑے ٹھاٹھ سے ہوٹل میں فرائی انڈے کھاتا ہے۔ لیکن جو بیویاں مہاجرہ نہیں ہیں ان سے اگر شوہروں کی لڑائی ہو جائے۔ تو بیویوں کا کچھ نہیں بگڑتا۔ البتہ شوہر کا حلیہ ضرور بگڑ جاتا ہے۔ لڑائی ہوتے ہی بیوی سب سے پہلے بُرقعہ سنبھالتی ہے، اور حسب استطاعت کسی سواری میں سوار ہو کر میکے پہنچ جاتی ہے۔ میکہ گویا میاں بیوی کی لڑائی میں ایک پناہگاہ کا کام دیتا ہے۔ اس لئے جن بیویوں کے میکے بفضل تعالیٰ موجود اور بھرے بھرائے ہیں وہ اپنے شوہروں سے بالکل نہیں ڈرتیں۔ اور لڑائی کیلئے ہر وقت ایسے تیار رہتی ہیں جیسے کسی ملک کی فوج تیار رہتی ہے۔ ادھر شوہر نے بیوی پر غصہ اُتارا اُدھر بیوی نے فوراً بُرقعہ لیا اِدھر شوہر نے مارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ادھر بیوی نے گھر سے باہر قدم

بڑھایا۔ جیسے بیوی میکے پہنچی ماں باپ نے بیٹی کو یقین دلایا پرواہ نہ کر بیٹی ہم موجود ہیں اس تسلی کے بعد خاطر خواہ تواضع شروع ہوگئی ۔بہنیں بستر لگا رہی ہیں۔ بھائی فروٹ لا رہے ہیں۔ باپ بیٹی کے لئے ساڑھی خریدنے گئے ہیں۔ ماں باورچی خانے میں سویاں پکا رہی ہے۔کوئی بیوی کو ذرا سا کام بھی کرنے نہیں دیتا۔جس بیوی کو سسرال میں سر کھجانے کی فرصت نہ تھی۔ وہ میکے میں اگر کوئی کام کرتی ہے تو صرف یہ کہ ماں کے سر سے جوئیں نکال نکال کر مار رہی ہے۔ دن بھر اور رات بھر سونا یا بہن بھائی کے ساتھ کیرم کھیلنا لیکن اس کے باوجود بیوی کا دھیان دروازے پر لگا ہے کہ شاید وہ دروازہ کھٹکھٹائیں ادھر میاں صاحب بیوی کے چلے جانے کے بعد پچھتا رہے ہیں کہ ''لا حولہ ولا قوۃ'' میں بھی عجیب سوڈا واٹر واقع ہوا ہوں۔خواہ مخواہ ابل پڑا۔ ہوٹل میں کھاتے کھاتے شوہر اپنی دوائیاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں ۔گھر کی دُرگت بنی ہوئی ہے گھر میں کئی روز سے جھاڑو نہیں پھری۔ پھر گھر کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔اور گھر میں وقت کاٹنا مشکل ہو گیا ہے۔ ویسے زبان سے دونوں یہی کہیں گے کہ میاں: اجی میری جوتی کو غرض پڑی ہے ۔ جو اسے منا لاؤں۔ شرع نے تو چار شادیوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ بیوی:۔توبہ کرو۔ خالہ جان۔ وہ لینے آئیں تب بھی نہ جاؤں دونوں ظاہری اکڑوں دکھاتے ہیں مگر اندرونی طور پر چاہتے ہیں کہ شوہر کی مونچھ اور بیوی کی ناک دونوں اونچی رہیں اور صلح ہو جائے اور اسی قسم کی صلح کا بالعموم یہ طریقہ نکالا جاتا ہے کہ بیوی یا شوہر دونوں جوجھٹ پٹ بیمار پڑ جاتے ہیں اور اطلاعات بھجوائی جاتی ہیں کہ حالت بڑی خراب ہے۔بس آخری بار صورت دکھا جائیں۔ حالانکہ دونوں کو نزلہ زکام کے سوائے کوئی بیماری نہیں ہوتی۔صورت دیکھنے کے بعد'' حالت میرس''۔راز اگرچہ فاش ہوتا ہے لیکن دونوں زبان پر نہیں لاتے۔ کیونکہ دونوں کا دل ایک دوسرے سے ملنے کے لئے بے تاب ہوتا ہے۔ بیوی ناک سڑسڑ کرتی ہوئی بُرقعہ اوڑھے اور میاں جھینپتے ہوئے بیوی کے لئے بے بی ٹیکسی لاتے ہیں۔اس کے بعد اگلی لڑائی تک دونوں میاں بیوی نے ایسی گاڑھی چھنتی ہے کہ جیسے ابھی ابھی شادی ہوئی ہو۔ اور وہ ہنی مون منا رہے ہوں چاہے ان کی شادی کو پچاس برس کیوں نہ گزر گئے ہوں آج ہم نے میاں بیوی کی لڑائی کو اس لئے موضوع بنایا ہے کہ جب بیویاں اپنے شوہروں سے اور جو شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ رہتے رہتے بیزار سے ہو گئے اور بیویاں اپنے میکے یا رشتہ داروں کے گھر چلی جائیں کیونکہ محبت کا بھی ایک جغرافیہ ہوتا ہے۔ پر محبت میں فاصلے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ محبت ہی فاصلے کا دوسرا نام ہے۔



دُھواں

زمین پر کھڑے ہو کر سر اوپر اٹھائیں تو نظر آتا ہے نیلا شفاف آسمان، چمکتا سورج، چاند، ستارے اور ادھر اُدھر تیرتے بادلوں کے ٹکڑے۔ جو ہوا کے دوش پر سفر کرتے ہیں۔ یہ کائنات ہے اوپر جائیں تو آسمان اور زمین کے درمیان خلا میں تیرتا آسمان، جب نظر نیچی کریں تو کتنا خوبصورت نظارہ ہے۔ گھر میں رہتے ہوئے یا منزلوں پر کھڑے ہو کر زمین کو دیکھیں تو یہ حسین نظارہ آپ کو کبھی نظر نہیں آتا۔ جو آپ اوپر سے سر جھکا کر دیکھتے ہیں۔ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے ہوئے بادل، سفید سرمئی اور کالے بادل جو ادھر اُدھر اٹھکیلیاں کر رہے ہیں۔ جب سورج کی شعائیں کہیں شگاف دیکھ کر باہر آنا چاہیں تو یہ بادل ایسے چمکتے ہیں کہ اس رنگ سے بہتر کوئی اور رنگ نظر نہیں آتا۔ چمکتی ہوئی چاندنی جو آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں اور بادلوں کی یہ کیفیت، دل چاہتا ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلا کر جتنا یہ خوبصورت اور نرم چمکتا دُھواں اکھٹا کر سکیں کر لیں۔ بچوں کی طرح یہ دُھواں اور یہ نرم گالے اکھٹے کریں اور جمع کر کے اس سے پیارا سا گھر بنا لیں۔ نرم نرم گدیوں کی طرح اس پر اچھلیں، کودیں اور قہقہے لگائیں۔ تصور میں ماضی کے وہ دن جب مائیں رُوئی کو دھنکوا کر منگاتی اور رضائیاں بھرتی تھیں اور بچے اس روئی کو ہاتھوں میں سمیٹ کر گولے بناتے یا اس پر جان بوجھ کر اُچھلتے کودتے اس دُھواں دار اور نرم نرم تصورات سے ذرا پلٹیں تو یہ احساس ہوا کہ خدا تعالیٰ نے بھی تو ایسے ہی دُھواں کے متعلق اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ قیامت کو آسمان اور پہاڑ سب دُھواں دُھواں ہو جائیں گے بالکل ایسے ہی سنہری۔ سرمئی اور سفید دھوئیں کی طرح اور اس پر چمکتی شعائیں ہر انسان کے اپنے اعمال ہونگے۔ وہی نیک اعمال جو خدا کو پسند ہونگے۔ بلکہ جن اعمال پر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی شعائیں پڑیں گی وہی چمکیں گے۔ آج کے اس افراتفری کے دور میں جو دُھواں ہے ہر ایک کے اردگرد ہے۔ وہ لالچ، ہوس، خودغرضی اور آگے بڑھنے کا دُھواں ہے۔ اس دُھوئیں میں اب شامل ہو گیا ہے۔ بم کا دُھواں اور اس دُھوئیں میں انسانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جسموں کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ ختم ہو رہے ہیں بچوں کے قہقہے، پیار بھری باتیں، آگے بڑھنے کی کوشش، ترقی کرنے کے حوصلے اور ہمتیں، ہم انہیں روندر ہے ہیں۔ ہر طرف ان لڑائیوں کے دُھوئیں میں چیخ و پکار، آہیں، سسکیاں اور حسرت بھرے ارمان اس دھوئیں کے گرداب کا شکار ہو رہے ہیں کہیں آگ کا دُھواں، بم کا دُھواں، بھڑکتی ہوئی آگیں، یہ کیسی آگ ہے جو ایک دوسرے کے جذبات، احساس،

پیار، محبتیں، خلوص سب ہی کو ختم کر رہی ہیں۔ نہ تو وہ بچوں کی کلکاریاں کسی کو بُرے ارادوں سے روک پا رہی ہیں۔ کسی کو بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھنے کا خیال نہیں۔ کسی کو کسی کے بڑھاپے کے سہارے پر ترس نہیں آرہا۔ نہ کسی کی لاٹھی تھامنے کا خیال ہے۔ یہ آگ اور دُھواں پھیلانے کے لئے اپنی جانوں کو بھی اسی ہی آگ کا جز و بلا خوف بنا رہا ہے صرف منفی تربیت کے باعث سب کچھ کر گزر رہے ہیں۔ یہ کالے ناگوں کی طرح پھنکارتے بادلوں کا دُھواں جو ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ خدا رحم کرے ان کالے دھوئیں کو پھیلانے والوں پر، اور ہدایت دے۔



سیاسی مضامین

پاکستان کیا ہے؟

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھے خلقِ خدا غائبانہ کیا

جہاں علمائے سُو نے اپنی انتہائی متکبرانہ کردار سے یزیدی قوم کو اسلام کے نام پر کفر پڑھایا ہو۔ جس ملاں نے پاکستان کی مخالفت عبادت سمجھ کر کی ہو۔ اور اسلام کا درس اپنی گندی زبان سے سور اور بندر کی طرح دیا ہو۔ وہ عالم جس نے اپنی مسجد اور مدرسہ کسی غریب کی زمین پر قبضہ کر کے بنایا ہو۔ اور ہر روز اغلام بازی اس کا شیوا ہو۔ جو عورتوں کو دم درُود کر کے ان کے جن نکالنے کے بہانے ان سے ریپ میں ملوث ہوں۔ شراب خور علمائے سُو طاہر اشرفی جیسے سانڈ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبران ہوں۔ عبدالقوی مولوی جیسے قندیل بلوچ کے عاشق جس قوم کے امام ہوں۔ حج اسکینڈل کا مولوی ڈیل کے ذریعے بری ہو جائے۔ ہمارے مادرِ وطن میں لاکھوں نیم ملاں اپنی روزی کے چکر میں ایمان فروش موجود ہیں جن کا نہ کوئی عمل احسن ہے اور نہ کوئی قول۔ مردِ مومن نے جہادِ افغانستان کے لئے سعودی عرب اور امریکہ کی اشیر باد پر ہر باریش بدکردار کو عالم بنا دیا۔ جس طرح اس کا والد اکبر علی ایک رجمنٹ میں امام تھا۔ ضیاع الحق نے آتے ہی سب آئمہ افواج کو نائب صوبیدار کا رینک دیا۔ جو سول تھے اُن سب کو جہادی بنا کر ترجیح دی۔ افغانستان کو اپنا دشمن بنایا اور کشمیر میں جہادی تنظیمیں بھیج کر انڈیا کی چھ لاکھ فوج کو کشمیر میں متعین کرنے پر مجبور کیا۔ خود تو عذاب النار کا شکار ہوا۔ مگر ساری قوم کو علمائے سُو کے رحم و کرم پر

جلتی آگ میں دھکیل گیا۔اب اس متفرق علمائے سُو نے اپنی اپنی برانڈ کا اسلام پیش کر کے۔من گھڑت فتاویٰ دیئے۔ایمان فروشی،ضمیر فروشی کے بعد خوب جنت فروشی کی۔

اسلحہ بردوش یہ علمائے سُو نے قوم کی ایسی غلط تربیت کی کہ آج ہمارے ملک کا معاشرہ کسی عجیب قسم کے جنگجو اور متشدد اسلام کا داعی ہے۔ہم نیک عمل سے عاری مگر توہین رسالت پر مر مٹنے کو تیار ہیں۔ان علمائے سُو نے گندی تربیت،غلط تفاسیر و ترجمہ قرآن کر کے قوم کو یہود و ہنود کے راستے سے بھی بدتر راستے پر ڈال دیا ہے۔ہر عالم کا اسلام دوسرے سے مختلف ہے۔کوئی سعودی برانڈ ہے تو کوئی ایرانی برانڈ،کوئی دیوبندی برانڈ ہے تو کوئی بریلوی،احراری،بخاری،قادری،نقشبندی،بلکہ اتنے برانڈ ہیں جن کے ذکر سے مضمون طوالت کا شکار ہو جائے گا۔جب ہم لوگ اصل اسلام سے نابلد ہیں۔بلکہ اُسوہ حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناواقف ہیں۔رحمۃ للعٰلمین کی زندگی کو اُجاگر نہیں کیا جاتا۔صرف اسلام آباد میں 492 مساجد ہیں جن میں سے 233 ناجائز قبضہ کر کے بنائی گئی ہیں۔جن میں بتایا جاتا ہے عوام کو۔گیارہویں جائز ہے۔ماتم جائز ہے۔میلاد جائز ہے۔داڑھی کتنی ہو۔شلوار کی حدود کیا ہیں۔اور کون کون کافر ہے۔سنی کافر،شیعہ کافر،اہل حدیث کافر،بریلوی،دیوبندی کافر،احمدی کافر۔ایک دوسرے کو سبھی کافر کہتے ہیں۔ہم لوگ تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر وارد ہی نہیں کرتے تو بہتری کیسے آئے گی۔نہ برداشت ہے۔نہ صلہ رحمی ہے،نہ حقوق العباد کا پتہ ہے۔نہ حقوق اللہ کا۔شکم پُری کے لئے ہر جائز و ناجائز رستہ ہم اختیار کرتے ہیں۔ملاوٹ،حرام،رشوت،دھوکہ دہی،جعل سازی،جھوٹ،فریب،چوری،ڈاکہ،قتل،زنا،شراب،بے انصافی،کا ہم ہر ایک شاہکار ہیں۔ہمارے لیڈر،ہمارے آئمہ،ہمارے جج،ہمارے تاجر، ہمارے وکیل،نوّے فیصد بے ایمان ہیں۔محکمے سارے کرپٹ ہو چکے ہیں۔اگر کرپشن کی فہرستیں بناؤں تو ایک کتاب درکار ہے۔قوم کا سارے کا سارا جسم کینسر زدہ ہے۔کافر کو ہم برداشت نہیں کرتے۔مسلمان ہم کسی کو رہنے نہیں دیتے۔انسانیت ہم میں ہے نہیں جانور ہم دوسروں کو کہتے ہیں۔ذرا حساب لگائیں کہ کون سا طبقہ یا کونسا شخص ملک میں امین یا صادق ہے۔کوئی ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ہماری سوسائٹی اس کو شریف انسان یا آدمی نہیں جانتی جس کے پاس پجارو،اچھی کوٹھی،کار،فیکٹری،اسلحہ اور مال نہ ہو۔جس کی پولیس تک اور حکومت تک اپروچ نہ ہو اس کو انسان ہی نہیں مانتی۔اچھے انسان بننے کے معیار بدل گئے ہیں۔علمائے سُو نے یہ معیار خوب اپنائے ہیں۔اُن کی مرضی کے بغیر چڑیا پر نہیں مار سکتی۔ورنہ مشعال خان کی طرح وہ ماردی جاتی ہے۔اب اس مادرِ وطن کا کیا

ہوگا۔آپ انصاف مانگ رہے ہیں عدالتوں سے جو کہ کوفی ہیں۔ جو عبداللہ شریح کے جیسے ہیں ۔جو چاندی کے سکے لے کر انصاف فروخت کر دیتے ہیں۔ملک کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔اور یہ ملک کسی عذاب اور انقلاب کا منتظر ہے۔ہم لوگ خدا پر یقین نہیں رکھتے۔ ہمارا ایٹم بم پر ایمان ہے یا سعودیہ پر یا امریکہ پر۔ساری قوم اپنی چالاکیوں پر مطمئن رہتی ہے۔عدل و انصاف کی بیخ کنی کر دی گئی ہے ۔امیر ڈیلی بیسز پر امیر تر ہو رہا ہے۔غریب سے غریب تر۔ملک کو ہر کوئی لوٹ کر کھا رہا ہے۔قوم نے آج تک جو لیڈر دیئے ان کا نام سُن کر ساری قوم کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔یحییٰ خان، بھٹو، ضیا ع الحق، نواز شریف، مشرف، شجاعت حسین، پرویز الٰہی، شہباز شریف، زرداری، فضل الرحمٰن، سمیع الحق، الطاف حسین، عمران خان، اسفند یار ولی، عبدالعزیز برقع پوش، یہ سچ ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ تو قیام پاکستان کے شدید مخالف تھے۔اب کیوں پاکستان میں آئے۔؟ انہوں نے جواب دیا۔میں نے پاکستان کو ایک بازاری عورت سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔یہ بھی ایک نیکی ہے۔مودودی نے کہا تھا کہ یہ پاکستان جہلا کا اَنبوہِ کثیر ہے جس کے ایک ہزار میں سے 999 کافر ہیں ۔اب تک ستر سال کی کارکردگی سے تو اِن مخالفین پاکستان کی بات ساری قوم نے اپنے عمل سے سچ کر کے دکھا دی ہے۔انا للہ و انا الیہ راجعون



اقتدار کے یزید

اقتدار کے بھوکے ظالم یزید بن حضرت معاویہؓ کو کون نہیں جانتا۔آج کل کے پاکستانی حکمرانوں کا کردار صد فی صد یزید سے ملتا جلتا ہے۔نعرہ اسلام کا لگاتے ہیں اور کام سارے شریعت کے خلاف کرتے ہیں۔علمائے سُو بھی حکمرانوں کے ساتھ رہ کر قاضی عبداللہ شریح (مفتی) کا کردار ادا کر رہے ہیں ۔1۔ پاکستان میں سود علی الاعلان کھایا جا رہا ہے۔2۔شراب بن رہی ہے اور پی جا رہی ہے۔مسلمانوں کی اکثریت گھروں کے علاوہ پارلیمنٹ لاجز میں بھی جا رہی ہے۔3۔زنا کا دھندہ اسقدر ترقی کر چکا ہے کہ ہر پوش علاقے میں چکلے اور فزیوتھراپسٹ کے نام پر دھندے چل رہے ہیں۔اور پولیس ماہانہ رقم لے کر اس کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔4۔ ہر چیز میں ملاوٹ کی شرح دو سو فی صد تک بڑھ چکی ہے۔حتیٰ کہ قیمتی ادویہ میں بھی ہو رہی ہے۔5۔عدل کا فقدان ہے۔ہر قسم کا عدل برائے فروخت ہے جو کہ ہر پیسے والے کو

ہی ملتا ہے۔6۔اقرباء پروری کی لعنت نے معاشرے میں جڑ پکڑلی ہے۔7۔ ہر دوسری مسجد ناجائز قبضے سے تعمیر ہوئی ہے۔حتیٰ کہ اسلام آباد میں تین صد مساجد ناجائز مقبوضہ اراضی پر تعمیر ہیں۔8۔ ہر داڑھی والا امام مسجد نہیں۔ بلکہ اس کے پاس درس نظامی کی بھی سند نہیں۔اگر کوئی درسِ نظامی سند والا انچارج مدرسہ ہے تو اس نے اپنے نائبین اَن پڑھ ملاں رکھے ہوئے ہیں جو ہر قسم کی ناجائز آمد کا وسیلہ ہیں،نکاح،طلاق،خلع،دم،درود،پیرومرشد،تعویز گنڈہ وغیرہ وغیرہ۔9۔عام آدمی کی صحت وتعلیم کی ذمہ دار حکومت نہیں۔حکومتی ہسپتال،دوائیوں اور ڈاکٹروں سے خالی ہیں۔غرباء بے یارو مددگار مر رہے ہیں۔10۔ مدرسوں اور کالجوں کو سب تنظیموں نے اور جمیعت طلباء کی مدد سے دارالفساد بنا دیا گیا ہے۔انتظامیہ کی کوئی نہیں چلتی،نقل کروائی جاتی ہے،جعلی ڈگری سرعام فروخت ہوتی ہے۔11۔کوئی بھی اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں دیتا ہر کوئی اپنے حقوق چھیننے کے درپے ہے۔کوئی بھی حکومتی ملازم اپنی ڈیوٹی بروقت اور پوری نہیں دیتا۔بلکہ بالائی آمد پر نظر رکھتا ہے۔12۔کسی کو بھی حب الوطنی کا شعور تک نہیں۔ہر کوئی اس ملک کو کھا رہا ہے۔انجانے میں بہت سے طلباء غیر ملکی ایجنسیوں کے لئے کام کر رہے ہیں۔مثلاً را،موساد،سی آئی اے۔وغیرہ وغیرہ۔13۔علمائے سُو نے اس طرف توجہ دینے کی بجائے کفر سازی،اور تشدد کی راہ اپنالی ہے۔ہر نیم ملاں یا مسجد کا امام ہے یا مدرسے کا مالک ہے۔یا کسی دہشت گرد تنظیم کا سرکردہ بنا ہوا ہے۔یا عشر زکوٰۃ کا ممبر اور چیئرمین ہے یا طالبان کا نمائندہ اور RAW کا جاسوس ہے۔کیونکہ آمدن کا یہی راستہ ہے۔14۔قوم کنفیوز ہو چکی ہے۔واضح راستہ نظر نہیں آتا۔نوجوان پریشان ہیں کہ کیا کیا جائے۔کوئی راہنمائی نہیں ملتی۔نہ اسلام کی تشریح صحیح مل رہی ہے۔اور نہ وطن کے لوگ اپنے قول اور کردار سے کوئی راہنمائی دینے کے قابل ہیں۔ ہر فرقہ اپنی توصیف میں مگن ہے اور دوسرے کو کافر گردان رہا ہے۔اقلیتیں خائف ہیں اور ملک سے بھاگ رہی ہیں۔ یہاں اکثریت کے زعم میں علمائے سُو جوش میں ہیں۔مگر بھارتی مسلمان بھیگی بلی بنے ہوئے ہیں۔دینی جماعتیں کسی تقویٰ پر قائم نہیں بلکہ دہشت گرد کو شہید کہتی ہیں اور فوجی کو ظالم۔گڈ طالبان (Good Taliban)اور بیڈ طالبان(Bad Taliban) کی الگ بحث ہے۔ہمارے علماء ایک حسین لڑکی کی آفر سے ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔علماء کونسل کے ممبران کوئی باکردار لوگ نہیں۔سیاسی لیڈر بھی اچھا کردار نہیں رکھتے۔عوام جائے تو کس طرف جائے۔70 سال میں علمائے دین اس قوم کی اچھی تربیت کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔بلکہ ساری قوم کو تشدد سکھا کر مائٹ از رائٹ کی طرف جھکا دیا گیا ہے۔قائداعظم کے ارشادات کا

مذاق اُڑایا جاتا ہے۔اور اُن پر عمل روک دیا گیا ہے۔ پاکستان کے ازلی دشمن سے دوستی بڑھا کر پاک وطن کی تذلیل کی جارہی ہے۔انڈیا نے پاک وطن کی بربادی کے لئے افغان حکومت کو ہم خیال کیا ہوا ہے اور ہمارے دینی علماء بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ یا اپنی شکم پری مقدم ہے یا اپنی طرز کا عقیدہ۔نہ ملک کی عزت کی فکر ہے۔نہ دنیا کی کوئی شرم۔علمائے سُو کو جو ڈالر دیتا ہے اُسی کو وہ سلام کرتے ہیں۔امریکہ ہو،سعودیہ ہو،عرب ہو، ہندو ہو۔صحافی، عالم،سیاستدان، بیوروکریٹ، پاک وطن کے دشمن ہیں۔ باپ بڑا نہ بھیا سب سے بڑا روپیہ



کیا دونمبری ہمارا قومی شعار ہے؟

نمبر 1 سے ہٹ کر، جھوٹ، فریب، بے ایمانی سے کام لینا، وعدہ ایفا نہ کرنا، کرپشن کرنا دونمبری کہلاتا ہے۔ پاکستان جب سے وجود میں آیا ہے۔علمائے سُو نے اپنے کردار اور علم سے اس دونمبری کو عوام الناس کے دلوں میں خوب بٹھایا ہے۔بعض دینی جماعتوں کا عقیدہ ہے کہ مجبوری میں جھوٹ جائز ہے۔مثلاً بعض انبیاء نے بھی کذب بیانی سے کام لیا۔جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ وغیرہ۔اب ہمارے ملک کی تاریخ دیکھیئے کہ کیسے کیسے لوگوں نے کذب بیانی سے کیا کیا گل کھلائے۔ سیاسی کیا مذہبی لیڈروں نے کذبِ صریح سے کام لیا۔سوائے معدودے چند کے۔علمائے کرام سرِ فہرست ہیں۔افسوس جو کہ نہیں ہونے چاہئے تھے۔سارے مخالفین قیام پاکستان کے علماء نے قسمیں کھائی تھیں کہ پاکستان نہیں بنے گا۔اگر بن بھی گیا تو ہم اس (پلیدستان۔ بقول بخاری) میں نہیں جائیں گے۔مودودی صاحب اور عطاء اللہ شاہ بخاری اس کذب بیانی میں سرِ فہرست ہیں۔سب کے نام نہ لکھنے کی وجہ طوالت مضمون ہے۔اپ سیاسی لیڈروں کا لیڈر سُنئے۔عوام نے تو الاٹمنٹ کلچر میں وہ زمین و آسمان کے کلابے ملائے کہ الامان۔کہ ہندو اور سکھوں کی سب جائیدادوں پر دونمبری سے قابض ہو گئے۔ پھر لیڈران نے بھی اس ہنر میں کمال کر دکھایا۔کشمیر کی جنگ 1948ء ہو یا 1965ء کی۔قوم کو اندھیرے میں رکھا۔جنگ کے حالات سے ساری قوم کو بے خبر رکھا۔معاہدہ تاشقند کو اُچھال کر شہرت کی بلندی تک پہنچنے والا کون تھا۔1971ء میں مشرقی پاکستان کے بارے میں دونمبری کس قدر کی گئی۔جس میں فوجی،سول لیڈر سب شامل تھے۔حتیٰ کہ مادرِ وطن کو دولخت کر دیا گیا۔تاریخ کی بدترین شکست ساری قوم کا نصیب بنی۔اسلامی کانفرنس کی آڑ

میں دو نمبری کر کے عالم اسلام کا لیڈر بننے کی نا کام کوشش کس نے کی تھی؟۔ پھر دو نمبری سے اپنے محسنوں کو اس نے نکمی پارلیمنٹ کے ذریعے غیر مسلم قرار دلوایا جو کہ ایک ڈھونگ تھا۔ اور اپنے سب دوستوں کو انتقام کا نشانہ بھی بنایا۔ یہی دو نمبری تھی ۔ دو نمبری پھر اُن سے بھی ہوئی جو دو نمبری کے ماسٹر تھے۔ اُنہیں نذر صلیب کیا گیا۔ یہ جوڈیشنل قتل بھی دو نمبری کی ایک مثال تھا۔ پھر دو نمبری ایک نام نہاد مردِ مومن نے بھی کی ۔سعودیہ اور امریکہ کی اشیر باد سے جہاد کا ڈھونگ رچایا گیا۔ جنت لینے کی بجائے جہنم کا راستہ ہموار کیا۔ عوام سے بھی اور خدا اور رسول سے بھی دو نمبری کی گئی ۔ پھر جنت کو مزید قریب کرنے کے لئے علمائے سُو سے مل کر ایک کلمہ گو فرقے پر اذان اور کلمہ گوئی پر پابندی لگا دی گئی ۔ یہ بھی دو نمبری ہی تو تھی ۔ پھر خدا کی غیرت جوش میں آئی تو اسے واصل نارِ جہنم کر دیا گیا۔ زمین نے نہ آسمان نے اُسے قبول کیا۔ پھر بے نظیر کے آنے کے بعد اسے معطل کرنے کے لئے اہل اقتدار نے آئی جے آئی بنا کر پھر دو نمبری کی۔ شریف فیملی کو لایا گیا۔ جو کہ دو نمبری کے اونچے کھلاڑی تھے ۔فوج کو جب ان کی ادا پسند نہ آئی تو دو نمبری سے پھر اسی عورت کو لایا گیا، جس کی حکومت کبھی نا منظور تھی ۔ دو نمبری سے پھر بیوروکریسی کی مدد سے شریف فیملی آ گئی ۔ شوگر ملز کی تعمیر میں بے شمار اضافہ ہوا۔ لوہے کا کاروبار چمکا، اور ملاں سے مکمل گٹھ جوڑ ہوا۔ مگر کارگل پہ آ کر پھر دو نمبری ہو گئی ۔ مشرف صاحب آ دھمکے ۔شریف جدہ کو سدھارے ۔ پھر عدلیہ کی کرپشن سامنے آئی تو ایک بھونچال آ گیا۔ این آر او کے ذریعہ دو نمبری پھر آ ڑے آئی ۔ دو نمبری سے دُخترِ مشرق کو موت کی نیند سُلا دیا گیا۔ پھر دو نمبری کے بادشاہ آ براَجمان ہوئے ۔جس نے ساری قوم کو دو نمبری کا کورس کروایا۔ اور قوم (مثلِ بنی اسرائیل) کا صدر بن بیٹھا۔ کیونکہ حُب الوطنی تو اب یہاں نام کو نہیں ۔حُب البطنی ہر سُو ہے۔ جس کا ہر طرف راج ہے ۔مساجد میں، درباروں پر، گدی نشینوں کے پاس، بازاروں میں، چوراہوں میں، علمائے سُو کے حجروں میں، ایوانوں میں، کھیل کے میدانوں میں، دو نمبری کا ہر طرف راج ہے ۔ بین الاقوامی طور پر پاکستان کے شہری کا امیج دو نمبری ہی بن چکا ہے ۔امیگریشن والے ان کو بے لباس کر کے رکھ دیتے ہیں ۔ پاسپورٹ، ڈگری، کاروبار، سب دو نمبری کا شکار ہیں حتیٰ کہ عمرہ اور حج بھی دو نمبری کے لئے کئے جاتے ہیں ۔ اہم دوائیوں میں ملاوٹ، ہر قسم کی خوراک میں ملاوٹ، دھوکہ دہی، قومی وطیرہ بن چکی ہے ۔ دہشت گردی، شدت پسندی، اغوا برائے تاوان میں بھی دو نمبری سے کام لیا جاتا ہے ۔ دو نمبری سے قوم کو گدھوں کا گوشت کھلا کر گدھے پن پر مجبور کر دیا گیا ہے ۔ پانامہ لیکس کا کس ڈھٹائی سے مقابلہ جاری ہے ۔لوگ دو نمبری سے طالبان بن کر کس طرح اپنے مسلمان

بھائیوں کو قتل کئے جا رہے ہیں۔ دونمبری فتاویٰ کی بھی بھرمار ہے۔ ہر فرقہ بزعم خویش مسلمان اور دوسرے کو کافر گردانتا ہے۔ ہر باریش دہشت گرد دونمبری سے مولانا بنا بیٹھا ہے عبدالقوی، طاہر اشرفی دونمبری کے شہکار ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہزاروں دونمبری علمائے سُو ہیں۔ قول وعمل میں تضاد ہی تو دونمبری ہے۔ ہر شہری دونمبر گوشوارے بنا کر ٹیکس دہندہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی دونمبر صدر ہے تو کوئی دونمبر خاوند۔ آپ کو انسان سے لے کر حیوان تک ہر چیز دونمبر مل جائے گی۔ کہاں؟ میرے مادرِ وطن میں۔ افسوس کہ ہم نے اپنے اسلاف کو، اپنے دین کو، اپنی اقدار کو، اپنی اقدار و روایات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ نہ دنیا میں کوئی کمال تک پہنچے نہ ہی دین میں۔ مگر دونمبری میں ہم سب سے آگے ہیں۔ کسی کے پاس کار دونمبر ہے تو کسی کے پاس گھر، کسی کے پاس بیگم۔ کوئی دونمبر اینکر ہے تو کوئی دونمبر وکیل اور کوئی جج۔ ہم اس دونمبر کے خول سے کب باہر آئیں گے۔ قوم کے جسم کا سارا خون دونمبر ہو چکا ہے۔ جس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس جعلی میک اپ سے تو قوم کا حلیہ ہی بدل چکا ہے۔ نہ ہم پر کوئی دوست اعتماد کرتا ہے۔ دشمن نے تو کیا اعتماد کرنا ہے۔ ہمارے سب ہمسائے اور دوست ہم سے بدظن ہو چکے ہیں۔ صرف چین باقی ہے۔ جس کا چین بھی ہم جلد چرا لیں گے۔ جس طرح ہم نے اپنے عوام کا، کل دنیا کا، غرباء کا، اقلیتوں کا، کمزوروں کا چین چرایا ہے۔



شرم تم کو مگر نہیں آتی

برصغیر پاک و ہند یعنی موجودہ پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش پر برطانیہ کے حکمرانی کے دوران ایک انگریز افسر کا تبادلہ کسی مہذب علاقہ سے برصغیر میں ہوا۔ کچھ عرصہ اس غلام علاقہ میں رہنے کے بعد انگریز آفیسر شدید ڈپریشن کا شکار ہوا۔ یہاں سے ٹرانسفر کے لئے کوششیں شروع کیں۔ جب ہر طرف سے ناکام ہوا تو ملکہ برطانیہ کو ایک عجیب خط لکھا کہ ملکہ عالی جاہ مجھے کسی جرم میں ایک ایسے علاقہ میں ٹرانسفر کیا گیا ہے جس علاقے کے لوگ غلط کام یا کوتاہی پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ وضاحت لکھتے ہوئے مزید کہا کہ جب میں کسی غلطی پر یا کوتاہی پر یہاں کہ کسی ماتحت مقامی سرکاری ملازم کو ڈانٹتا ہوں تو وہ شرمندہ ہونے کے بجائے دانت دکھا کر ہنس دیتا ہے۔ غلطی کی اصلاح کرنے کی بجائے غلطی دہراتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کے خلاف انسان ہیں۔ ان لوگوں میں شرمندگی اور ندامت کا جذبہ موجود نہیں۔ خط کے آخر میں دو

ٹوک بات کی کہ مجھے بلا تاخیر یہاں سے یورپ ٹرانسفر کیا جائے یا میرا یہ خط استعفیٰ سمجھ کر قبول کر لیا جائے۔ جواب میں ملکہ معظّمہ نے لکھا کہ اگر برصغیر کے لوگ غلطی کرنے پر شرمندہ ہوتے؛ کوتاہی ہنسنے کی بجائے اپنی اصلاح کرتے تو پھر ہم انگریزی دس ہزار میل دور سے آ کر انہیں غلام نہ بناتے؛ ان پر حکمرانی نہ کرتے؛ ہم حاکم اور یہ محکوم نہ ہوتے؛ یہ لوگ ہمیں اپنے وطن پر قبضہ کا موقعہ نہ دیتے؛ یہاں کے مقامی لوگوں کی اسی فطرت نے ہمیں آقا اور انہیں غلام رعایا کا منصب دیا ہے۔ غلط کام پر شرمندگی اور ندامت کا جذبہ ہو تو انسان انسان رہتا ہے ورنہ انسان دو ٹانگوں والا انسان نما جانور ہی رہ جاتا ہے۔ جنگ دوئم کے بعد انگریز چلے گئے مگر یہاں کے لوگوں کی فطرت نہیں بدلی۔ چپڑاسی سے لے کر وزیر اعظم تک کوئی شرمندہ نہیں ہوتا۔ غلطی تو معمولی بات ہے ہم تو جھوٹ جرم اور غداری پر بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ پاکستان کی شدید مخالفت پر علمائے کرام کبھی شرمندہ نہ ہوئے، پھر بے شرمی کے ساتھ پاکستان آ سکونت پذیر ہو گئے۔ لیاقت علی خان کے قتل پر ہم شرمندہ نہ ہوئے۔۔ مارشل لاء لگانے پر فوج کبھی شرمندہ نہ ہوئی، بنگلہ دیش بنانے پر یحییٰ خان اور باقی لیڈر شرمندہ نہ ہوئے۔ ہتھیار ڈالنے اور 93 ہزار جنگی قیدی بننے پر قوم کبھی شرمندہ نہ ہوئی۔ بدکردار پارلیمنٹ کو احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر کوئی شرم نہ آئی۔ نام نہاد مردِ مومن سعودیہ اور امریکہ کی اشیر باد پر مجاہدین ساری دنیا سے افغانستان لائے گئے۔ ملک کا بیڑہ غرق کیا۔ کلاشنکوف اور ہیروئین کو عام کیا۔ اس پر بھی مردِ مومن کو شرمندگی نہ ہوئی، بھٹو کے جوڈیشنل قتل پر عدلیہ کو زرداری دور میں اعتراف جرم پر تھوڑی سی شرم آئی تھی۔ بے نظیر کو ہرانے کے لئے فوج نے آئی جے آئی بنائی، طالبان کو منظم کیا، ذرہ بھر شرم نہ آئی۔ پھر مشرف کو مارشل لگاتے وقت کوئی شرم نہ آئی۔ اب تو کسی کو بھی شرم آنے کا امکان تک نہیں۔ بلکہ کسی ظلم کر کے، کسی کا مال کھا کر، ڈاکہ ڈال کر، چوری کر کے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ ہمارا کوئی صدر، وزیر اعظم، وزیر جج، یا کوئی سیاسی لیڈر کسی جعلی ڈگری پر، یا کسی بے انصافی پر، بے شک اُن کے کارندوں نے ہی کی ہو بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ ہمارے علمائے سُوا اپنے حجروں کی تماش بینی پر، جاگیردار مزارع کی بیٹی کی عصمت دری پر، تھانیدار رشوت لینے پر، مدرسوں کے ملاں لونڈے بازی پر بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ ہمارے با اختیار سیاسی کارکن بھتہ لینے والے، ملاوٹ کرانے والے اور کرنے والے، روڈز اور بلڈنگز بنانے والے، بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل میں کمیشن لینے والے، بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ بڑے بڑے فحاشی کے اڈے چلانے والے، عشر اور زکوٰۃ کھانے والے، بیوروکریٹس بالائی دولت کمانے والے، ناجائز فتاویٰ لگانے والے، طالبان کو شہید کہنے

والے، دہشت گردوں کو رحمۃ اللہ کہنے والے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ لال مسجد کا برقع پوش ملاں کبھی بھی اپنے بیانات پر شرمندہ نہیں ہوتا، کلمہ گو فرقوں کو غیر مسلم کہنے والے بدکردار لیڈر، اپنے آپ کو مسلم اور باقی سب کو کافر کہنے والے علمائے سُو بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ سندھ میں چائنہ کٹنگ کرنے والے، ہر محکمے کے فنڈز ہڑپ کرنے والے، پلید لیڈر بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ عورت کی آزادی کو غصب کرنے والے جبہ پوش، حجرہ نشین بدمعاش، تعویذ گنڈہ دینے والے، مریدنیوں کی عزت لوٹنے والے، بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ غیر مسلموں کو نام نہاد قانون توہین رسالت کی آڑ میں ذاتی انا پر مقدمات بنانے والے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ ملک کی دولت لوٹ کر باہر لے جانے والے، سرے محل اور پانامہ لیکس والے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ سبھی کہتے ہیں کہ ہم (نام نہاد) مسلمان ہیں۔ اُسوہ نبیؐ سے نابلد قوم اب مادر و پدر آزاد ہے۔ نہ اخلاقی قوانین پر، نہ انسانی قوانین پر عمل پیرا ہے۔ اسلامی قانون تو ان کے گھر کی باندی ہیں۔ رشوت، ملاوٹ، لوٹ مار، دھوکہ دہی، اغوا برائے تاوان کا دور دورہ ہے۔ کلمہ گو احمدی جیلوں میں مقید ہیں اور بدکار سب آزاد پھر رہے ہیں۔ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد۔ فارسی میں ایک مقولہ ہے۔ بے حیا باش ہر چہ خواہی بکن۔



خطوط وطن فروشوں کے

1۔ **شاہنواز بھٹو کا خط مسٹر بوچ کے نام**۔ آزادی کے بعد جونا گڑھ کے نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تب ذوالفقار علی بھٹو کے والد شاہنواز بھٹو نے انڈین حکومت کے نام خط لکھا جس میں انڈیا کو جونا گڑھ پر قبضے کی دعوت دی۔ چونکہ شاہنواز بھٹو اس وقت دیوان کے عہدہ پر تھے۔ انڈین حکومت نے اس خط کو جواز بنا کر جونا گڑھ پر حملہ کر دیا اور اس پر قابض ہو گئے۔ یوں ایک پوری ریاست پاکستان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ 2۔ **ذوالفقار علی بھٹو کا خط اسکندر مرزا کے نام**۔ 1958ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے اسکندر مرزا کے نام خط لکھا جس میں اس کی بے شمار تعریفیں کرتے ہوئے لکھا کہ "تاریخ تمہیں قائداعظم سے بھی بڑے لیڈر کے طور پر یاد کرے گی" اس خط کے بعد اسکندر مرزا نے ذوالفقار علی بھٹو کو کامرس کا وزیر بنا دیا۔ جس کے بعد بھٹو نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بعد میں ذوالفقار علی بھٹو نے جو کچھ پاکستان کے ساتھ کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ 3۔ **مجیب الرحمن کا خط نہرو کے نام**۔ بھارتی مصنف

ششا نکہ بینر جی نے اپنی کتاب ''انڈیا، مجیب الرحمن، بنگلہ دیش لبریشن اینڈ پاکستان'' میں انکشاف کیا ہے کہ نہرو کی ملاقات مجیب الرحمن سے 1962ء میں ہوئی جس میں مجیب الرحمن نے اُسے ایک خط دیا۔جس میں نہرو سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لئے مدد مانگی گئی تھی۔ پھر انڈیا نے بنگلہ دیش میں سازشوں کے جو جال بچھائے ہم ان سے واقف ہیں۔4۔**عاصمہ جہانگیر کا خط نیو یارک ٹائمز کو**۔1983ء میں عاصمہ جہانگیر نے ''نیو یارک ٹائمز'' کو خط لکھا جس میں اس نے بتایا کہ پاکستان میں عورتوں پر بدترین ظلم ہو رہا ہے۔اوراس کے خلاف کوئی ان کا مددگار نہیں۔'نیو یارک ٹائمز' اس ظلم سے ساری دنیا کو آگاہ کرے۔ان خطوط کے بعد عاصمہ جہانگیر کو پاکستان میں بتدریج طاقت دی گئی۔عاصمہ جہانگیر کی سرپرستی میں وہ طبقہ پروان چڑھا جنہیں ہم دیسی لبرلز کہتے ہیں۔

5۔**بے نظیر بھٹو کا خط راجیو گاندھی کے نام**۔1989۔1990 میں بے نظیر بھٹو نے راجیو گاندھی کے نام خط لکھا۔جس میں خالصتان کی تحریک چلانے والے تمام سکھوں کے متعلق معلومات تھیں۔اس خط کے ملنے کے بعد انڈیا نے خالصتان کی تحریک چلانے والے تمام سکھوں کو ان کی خفیہ پناہ گاہوں سی گرفتار یا قتل کر دیا۔بے نظیر بھٹو بعد میں بڑے فخر سے کہا کرتی تھیں۔کہ'' میری مدد کے بغیر راجیو گاندھی کبھی خالصتان کی تحریک پر قابو نہ پا سکتا تھا۔'' دادا کی وجہ سے جونا گڑھ گیا بیٹے کی وجہ سے بنگلہ دیش بنا،اور پوتی کی وجہ سے خالصتان ہاتھوں سے گیا۔یاد رہے اگر خالصتان بن جاتا تو باقی انڈیا بھی ٹوٹ جانا تھا۔6۔**بے نظیر بھٹو کا خط امریکی سفیر کے نام**۔1990ء میں بے نظیر بھٹو نے انڈیا میں امریکی سفیر کے نام خط لکھا۔جس میں اس نے امریکہ کو اپیل کی کہ پاکستان کو معاشی اور دفاعی امداد بند کی جائے۔اور ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف پاکستان کو قرضہ دینا بند کر دے۔بلکہ ہر قسم کی تجارت بند کرے۔ایف 16 ۔طیاروں کی، اور پرزوں کی فراہمی روک دی جائے۔اور امریکہ انڈین وزیر اعظم پر دباؤ ڈالکر حملہ کرائے۔یہ ہے محترم آصف علی زرداری نے 2011ء میں امریکی ایڈمرل مائکل مولن کے نام ایک خط لکھا کہ جو'' میمو گیٹ سکینڈل'' کے نام سے مشہور ہے۔جس میں آصف علی زرداری صدر پاکستان نے پاک فوج اور آئی ایس آئی کے خلاف مدد طلب کی۔جس کے بدلے میں مندرجہ ذیل پیشکش کی گئیں۔امریکی سفارشات کی روشنی میں اُسامہ بن لادن کو پناہ دینے یا اس سے تعلقات رکھنے والے تمام مشتبہ افراد اور جرنیلوں کے خلاف کاروائی۔2۔امریکہ کی پسندیدہ شخصیات پر مشتمل ایک نئے سول دفاعی ادارے کا قیام، جو آئی ایس آئی کو کنٹرول کرے۔3۔امریکی فورسز کو پاکستان کے کسی بھی علاقے میں

اپریشن کرنے کی اجازت ۔4۔ایمن الظواہری، ملاعمر، سراجدین حقانی کوفوری طور پر امریکہ کے حوالے کرنے کی یقین دہانی 5۔بمبئی حملوں میں شامل سب پاکستانیوں کے خلاف کاروائی، اور انڈیا حوالگی کی یقین دہانی۔اس مراسلے کا انکشاف ایک امریکی پاکستانی نژاد منصور اعجاز نے کیا کہ یہ سب کچھ فوج اور آئی ایس آئی کو لگام ڈالنے کے لئے کیا گیا۔6۔امریکہ حکومت کو ایٹمی پروگرام تک رسائی ۔ ایبٹ آباد آپریشن آصف زردار کے ایماء پر کیا گیا۔8۔**ایم کیوایم کا خط انڈیا حکومت کے نام**۔18 جون 2015 کو ایم کیوایم نے انڈیا حکومت کے نام ایک خط میں لکھا ہے۔کہ پاک فوج کے اپریشن کی وجہ سے ہم پر بہت ظلم ہورہا ہے۔بہت سے ہمارے کارکن غائب اور مارے جارہے ہیں۔ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اس صورت حال کو بہتر بنانے میں ہماری مدد کریں۔کیا انڈیا انڈیا جیسا خبیث دشمن ''نیشنل ایکشن پلان'' کے خلاف ایم کیوایم کے حق میں کیسے بہتر بنا سکتا ہے؟9۔پاکستانی میڈیا پر یہ خبر گردش کرتی رہی ہے کہ وزیراعظم پاکستان کے بیٹے حسین نواز نے 1999ء کی طرح اب پھر پانامہ لیکس کے بعد پاک فوج کے خلاف انڈیا سے مدد طلب کی ہے کہا جاتا ہے اس خط کے بعد انڈیا نواز شریف کو بچانے کے لئے کھل کر سامنے آیا ہے۔انڈیا میڈیا میں بعض اہم لوگوں کے بیان نواز شریف کے حق میں آئے ہیں۔



ہمارے اسلامی حکمرانوں کی تاریخ

عراق، شام، مصر، افغانستان، ایران، پاکستان اور دوسرے عرب ممالک میں جو قیامتیں برپا ہیں۔ وہ بے سبب نہیں۔زوال کبھی بے سبب نہیں آتے۔تاریخ بتاتی ہے جو کچھ اب ہو رہا ہے، وہ ایک تسلسل کا سلسلہ ہے۔یہ تو (بظاہر) تقریباً چھ دہائیوں سے وقتی کچھ سکون رہا ہے۔جو ایک بڑے طوفان سے پہلے ہوتا ہے، وہی سکوت اَب ٹوٹ رہا ہے۔یہ جو طالبان، القائدہ، آئی ایس آئی ایس (ISIS) داعش اور النصر کی اشکال میں طوفان نظر آرہے ہیں، یہ ابھی ان کی ابتدائی شکلیں ہیں۔ایسے کئی اور ٹرناڈو بنتے جا رہے ہیں۔جو ایک دوسرے میں ضم ہوتے جائیں گے۔کسی کو ان کے اصل مرکز یا اپی سنٹر کا پتہ نہیں چلے گا۔دنیا والے صرف اندازوں سے باتیں کریں گے۔یہ طوفان ساری مسلم دنیا کو خصوصاً اپنی لپیٹ میں لے گا۔باقی بچا ماندہ مسلمان جہاں بھی رہ رہا ہوگا، ان سے اثر لے گا اور وہ متاثر ہوگا۔کیونکہ ہر مسلمان تقوے کی حد تک یقین رکھتا ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہے، پھر وہ اس ملک کا شہری ہے۔یعنی ملک کا باشندہ ہونا

ثانوی حیثیت ہے، مسلمانوں میں یہی بڑی کمزوری ہے ریاست مذہب کے بعد آتی ہے۔ حالانکہ ریاست کو مذہب سے اوپر ہونا چاہئے۔ اسرائیل فلسطینی باشندے مارے تو اس کی تکلیف ہوتی ہے ہونی بھی چاہئے۔ مگر طالبان مسلمانوں کو ماریں تو وہ جہاد ہے۔ عراق میں شیعہ سُنی ماریں ایک دوسرے کی مسجدیں مقبرے بموں سے اُڑائیں تو کوئی بات نہیں۔ ہمارے ہاں طالبان مسجدوں، سکولوں کو تباہ کریں تو جہاد قرار دیا جاتا ہے۔ ڈرون حملوں کو ظلم کی اِنتہا سمجھا جاتا ہے۔ اس دنیا میں نوّے سے پچانویں فیصد مسلمان مسلمان کو قتل کر رہا ہے تو کوئی غم نہیں، مگر پانچ سے دس فی صد کوئی غیر ماریں تو ظلم عظیم ہے۔ یہ آخر کیوں ہو رہا ہے۔ اس کو جاننے کے لئے ذرا سا تاریخ کے دریچوں میں جانا ہوگا۔ کیونکہ ہمارے لوگوں کی اکثریت کو تاریخ سے دلچسپی نہیں۔ بڑی سادگی سے ہر الزام امریکہ پر لگا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ ہمارے خلاف یہود ہنود کی سازشیں ہیں۔ مسلمانوں کی خود کی تاریخ خون سے بھری پڑی ہے۔ چار خلفائے راشدین میں سے تین کو اسلام کے نام پر قتل کیا گیا تھا۔ خاندان رسالت کا بے دردی سے قتل عام کیا گیا تھا۔ حضورؐ کی سب سے پیاری بیوی جس کا بارہا ذکر قرآن میں آتا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کے نام پر حضرت عائشہؓ کو بھی انتہائی بے دردی سے قتل کیا۔ کئی دن تک اُن کی میت گہرے کھڈے میں بے گور و کفن نیزوں پر لٹکتی رہی۔ عباسی خلافت کا آغاز بھی ظلم اور اندھیر نگری سے ہوا تھا۔ عام مسلمانوں نے دیکھا اور اطمینان کر لیا۔ یہ خاندان رسالت کے لوگ ہیں۔ قرآن اور سنت کے مطابق کام کریں گے۔ انہوں نے یقین بھی دلایا کہ ہمارے ہاتھوں حدود اللہ قائم ہوگی۔ لیکن حکومت حاصل ہونے کے بعد کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ فریب اور دھوکہ تھا۔ بنواُمیہ کے دارالحکومت دمشق کو فتح کرنے کے بعد عباسی فوجوں نے وہاں قتل عام کیا۔ جس میں پچاس ہزار مسلمان مارے گئے۔ ستر (70) دن تک جامع مسجد بنی اُمیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی۔ حضرت امیر معاوّیہ سمیت تمام بنی اُمیہ کی قبریں کھود ڈالیں گئیں۔ ہشام بن عبدالمالک کی لاش قبر سے صحیح سلامت مل گئی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا، چند روز تک اسے سرِ عام لٹکائے رکھا گیا، اور پھر جلا کر اس کی راکھ اُڑا دی گئی۔ بنی اُمیہ کا بچہ بچہ قتل کیا گیا، اور اُن کی تڑپتی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ بعد میں بنواُمیہ کے لوگوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچی گئیں اور انہیں سڑکوں پر ڈال دیا گیا، جہاں کتے انہیں جھنجوڑتے رہے تھے۔ یہی کچھ مکہ اور مدینہ میں ان کے ساتھ کیا گیا۔ سفاح (بنوعباس کا پہلا خلیفہ) کے خلاف موصل میں بغاوت ہوئی۔ تو اس نے اپنے بھائی یحییٰ کو بغاوت کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ وہاں پہنچتے

ہی یحییٰ نے اعلان کیا کہ جوشہر کی مسجد میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے اَمان ہے،لوگ ہزاروں کی تعداد میں مسجد میں جمع ہو گئے ۔ پھر مسجد کے دروازے پر پہرہ لگا کر ان اَمان یافتہ پناہ گزینوں کا قتل عام کیا گیا، اس طرح تین دن تک موصل میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔یحییٰ کی فوج میں چار ہزار زنگی تھے۔ وہ موصل کی عورتوں پر ٹوٹ پڑے اور زنا بالجبر کا طوفان برپا کر دیا۔ایک عورت نے یحییٰ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے شرم دلائی کہ تم بنی ہاشم میں سے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد ہو،تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے سامنے زنگی (حبشی) سپاہی عرب مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کرتے پھر رہے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کو خلفائے بنوعباس کو ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حکومت عباسیہ کفر وفریب اور بے وفائی کی حکومت تھی۔اس میں جتنی قوت اور طاقت تھی اس سے کہیں زیادہ حیلہ گیر اور دغاباز تھی۔اگر آپ گہرائی سے مطالعہ کریں خصوصاً آخری دور میں تو عباسی خلفاء نے فریب اور دغا کو وَتیرہ بنالیا تھا۔مطلق العنان بادشاہ یا خلفا عام طور پر حد سے گزرنے والی حرکتیں کرتے تھے۔عباسی خلفاء میں بہت کم ایسے تھے، جو اعلیٰ ذاتی اوصاف کے مالک کہے جاسکیں۔اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں کہ ہم سارے خلفا کے بارے میں تفصیل پیش کریں۔ چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔سب سے پہلا عباسی خلیفہ سفاح تھا،جس نے بنی اُمیہ کی قبریں اُکھڑوائی تھیں اور ہزاروں بے گناہوں کو بے وجہ قتل کیا تھا۔دوسرا خلیفہ منصور ویسے تو بڑی سادگی کا دکھاوا کرتا تھا اور موسیقی کا دل دادہ تھا لیکن سخت حریض، کنجوس، کینہ پرور، اور ظالم تھا۔اسی خلیفہ نے امام اعظم ابوحنیفہ کو دُرّے لگوائے تھے۔اور قید میں ڈال کر سخت اَذیتیں دی تھیں۔حتیٰ کہ اُن کا وہیں پر انتقال ہو گیا۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ خلیفہ منصور کے حکم پر اَمام صاحب کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔علاوہ ازیں منصور نے بہت سے دوسرے اکابر علما جیسے ابن عجلان اور اَمام عبدالحمید بن جعفر کو بھی اذیتیں دیں تھیں۔ اس کے شر سے اپنے وقت کے قطب سفیان ثوری اور عباد بن کثیر بھی محفوظ نہ رہے۔انہیں بھی قید و بند میں مبتلا کیا گیا اور اَذیتیں دی گئیں تھیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ جس شخص نے بنی عباس کی حکومت کی بنیادیں رکھی تھیں۔یعنی ابومسلم خراسانی اسے بھی غداری اور فریب سے خلیفہ منصور نے قتل کر دیا۔جھوٹ بول کر اَمان دینے کے بہانے بلا کر قتل کر دینا منصور کی عادت تھی۔ابو مسلم خراسانی کو معلوم ہو گیا تھا کہ خلیفہ اُس کے دَرپے آزار ہے اسی لئے وہ خراسان چلا گیا، جہاں اس کے حامی بکثرت تھے۔خلیفہ نے قاصد بھیج کر اسے طلب کیا اور امان کا وعدہ کیا۔آخر وہ اعتبار کر کے خلیفہ سے ملنے اس کے دربار میں پہنچ گیا۔منصور کو اس کے آنے کی خبر ملی تو تمام لوگوں کو اس کے استقبال کا حکم دیا گیا۔

جب ابومسلم اندر گیا تو اس نے منصور کی دست بوسی کی ،منصور نے بڑے احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا، پھر اس سے کہا کہ اپنے خیمے میں جا کر آرام کرے اور غسل سے فارغ ہو کر ملاقات ہو گی۔ابومسلم چلا گیا اور دوسری صبح منصور کا قاصد اسے بلانے آیا۔منصور نے یہ انتظام کیا کہ چند مسلح افراد کو پردے کے پیچھے چھپا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ جونہی میں اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر ماروں (تالی) بجاؤں تم لوگ فوراً باہر نکل آنا اور ابومسلم کو قتل کر دینا۔جب ابومسلم منصور کے پاس آیا،تو منصور نے اس سے پوچھا،عبداللہ بن علی کی چھاؤنی سے جو تلواریں تمہیں ملی تھیں وہ کہاں ہیں؟ ابومسلم نے ایک تلوار جو اُس کے پاس تھی پیش کرتے ہوئے کہا،ایک تو یہ ہے۔منصور نے وہ تلوار لے کر جائے نماز کے نیچے رکھ لی،اس کے بعد ابومسلم کو ایک ایک الزام دہرا کر ڈانٹنا شروع کر دیا۔غیر مسلح اور تنہا ابومسلم ہر الزام میں معذرت پیش کرتا گیا۔ منصور نے اس کے بہت سے جرم گنوائے تو ابومسلم نے کہا کہ امیر المومنین میرے جیسے آدمی کو نہ تو ایسی باتیں سنانی چاہیے اور نہ ہی اس کے سامنے یہ جرم دہرانے چاہیے۔اس پر منصور لال پیلا ہو گیا اور کہا، او بدبودار عورت کے بچے تو نے یہ سب جرم کیئے ہیں۔تجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ہماری بدولت اور ہماری حکومت کے صدقے میں حاصل ہوا ہے۔ابومسلم نے کہا امیر المومنین ان باتوں کو جانے دیں۔میں نے جو کچھ کیا محض اللہ سے ڈر کر کیا تھا۔منصور نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا تو چھپے ہوئے مسلح آدمی باہر نکل آئے اور اَبومسلم پر تلواروں سے زخم لگانے لگے۔ابومسلم چلّایا،امیر المومنین مجھے اپنے دشمنوں کے لئے زندہ رکھیئے۔منصور بولا تجھ سے زیادہ بڑا دشمن میرا اور کون ہو سکتا ہے؟ منصور نے اشارہ کیا اور ابومسلم کی لاش دری میں لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ابومسلم کو امان اور پناہ دینے کے باوجود قتل کر دیا گیا۔یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے بنی عباس کی خاطر انہیں اقتدار دلانے کی خاطر یمن، عرب،عراق اور ایران میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد کا خون بہا دیا تھا۔اس کی تلوار سے نہ غیر مسلم محفوظ رہے اور نہ ہی مسلم۔ہزاروں مسلمان علما،صوفیا، عابدوں اور زاہدوں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔اس طرح اس کا خاتمہ ہوا کہ ایک شخص بھی مدد کرنے کے لئے موجود نہ تھا۔کہتے ہیں کہ ابومسلم کے باورچیوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔روزانہ تین من آٹے کی روٹیاں پکتیں،ایک سوتیس بکرے ذبح ہوتے بارہ سو جانور صرف اس کے باورچی خانے کا سامان اٹھانے کے لئے تھے۔بھیانک ظلم جب واقع ہوتا ہے تو اس کے اثرات فضا میں اُڑ کر غائب نہیں ہوتے،ظلم کے بیج ہوتے ہیں،ان بیجوں سے سلسلہ آگے چلتا ہے اور جو پودا نکلتا ہے،اس کے نوکیلے کانٹے ظلم کے بانی کو بھی ضرور نشانہ بناتے ہیں۔بنو اُمیہ نے جس ظلم کا آغاز

کربلا سے کیا وہ آگے بڑھتا چلا گیا، برداشت صبر اور درگزر سے کبھی کام نہ لیا گیا، حجاج بن یوسف نے تو ظلم کی اِنتہا کر دی۔ ردعمل میں بنواُمیہ کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو انہوں نے روا رکھا تھا۔ بنوعباس کی ایک بُری خصلت یہ تھی کہ پرَلے درجے کے عیاش تھے۔ ان کے ہاں عمر بن عبدالعزیز جیسا ایک بھی حکمران نہ ہوا۔ اس کے علاوہ وافر جھوٹ اور دغا سے کام لیتے تھے، فریب سے قتل کرنا ان کے لئے معیوب نہ تھا۔ مکافاتِ عمل تھی کہ خلیفہ معتصم باللہ اور پورے خاندان بنوعباس کو (جس کے افراد کی تعداد ہزاروں میں تھی) اسی طرح دھوکے سے قتل کیا گیا۔ روایت ہے کہ ایک بار خلیفہ منصور کو مکھیوں نے بہت پریشان کیا۔ منصور نے اپنے پاس موجود مقاتل بن سلیمان سے پوچھا آخر ان مکھیوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے، ان کا کیا فائدہ؟ مقاتل نے جرأت مومنانہ سے کام لیتے ہوئے کہا: ''اللہ نے انہیں ظالموں کو ذلیل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے'' خلیفہ منصور شراب خوری، نجوم، شگون اور خونریزی میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ خلیفہ المہدی ابن منصور کے بارے میں عام طور پر یہ لکھا جاتا ہے، کہ وہ بہت صحیح العقیدہ اور اچھا مسلمان تھا، لیکن انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک بوڑھے شخص کو زندیق ہونے کے الزام میں اس کے سامنے لایا گیا، خلیفہ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا، لیکن بوڑھے شخص نے کہا: ''میں اللہ سے اس گناہ کی توبہ کرتا ہوں'' اور خلیفہ سے معافی کی درخواست کی۔ خلیفہ نے معاف کر دیا، جب وہ شخص جانے لگا تو خلیفہ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور اسے قتل کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے مہدی شعر بھی کہتا تھا، ایک شعر میں کہتا ہے۔ میری عیش وعشرت اور لذت خوشبو میں بسی کنیزوں، موسیقی اور دنیا کی مزیدار چیزوں میں ہے۔ لیکن شراب کے ساتھ بہتے ہوئے خون کے نظاروں کا بھی شوقین ہوں۔ خلیفہ مہدی نے ایک دن اپنے بوڑھے وزیر ابوعبیداللہ سے کہا میں تمہارے فرزند کی دین اسلام سے واقفیت کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بیٹے کو طلب کیا گیا۔ قرآن کے بارے میں کچھ سوالات کئے، جن کے وہ معقول جواب نہ دے سکا۔ خلیفہ مہدی نے بوڑھے وزیر ابوعبیداللہ کو کہا ''اچھا اُٹھو اپنے فرزند کو قتل کرو'' خلیفہ کا حکم تھا، ابوعبیداللہ اُٹھا، مگر گر پڑا اور کانپنے لگا۔ مہدی نے ایک اور شخص کو کہا جو وہاں موجود تھا۔ قتل کا حکم دیا اور ابوعبیداللہ کے رُوبرُو اُس کے جواں سال بیٹے کو بے گناہ قتل کر دیا۔ مہدی کے دور کا ایک شاعر بشار کہتا ہے: ''اے لوگو، تمہاری خلافت ضائع ہو چکی ہے، اب اللہ کی خلافت ڈھونڈنی ہو تو، بانسری اور طبلے (طنبورے) میں ڈھونڈو'' یہ ایک مثال تھی مہدی کی لذت پرستی اور موسیقی پسندی کی۔ مہدی کے گزرنے کے بعد خلیفہ ہادی بھی شراب وشباب کا رسیا تھا، بلکہ کچھ زیادہ ہی اس طرف راغب تھا۔ عام طور پر نشے کی حالت میں رہتا۔ روایت ہے کہ اسے اس کی ماں

خیزران نے قتل کرادیا تھا۔ وہ بخار کی حالت میں منہ لپیٹ کر لیٹا ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے اس کی ماں کے اشارے پر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ خلیفہ کو امور مملکت سے دلچسپی نہ تھی اور تمام معاملات پر اس کی ماں چھائی ہوئی تھی۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید بنو عباس کے سب سے اچھے حکمران تھے۔ لیکن حدود اللہ کے معاملے میں ان کا ریکارڈ بھی اچھا نہیں تھا۔ برامکہ کے ساتھ ہارون الرشید کی زیادتی اور ظلم کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ درمیان میں تھوڑے عرصہ کے لئے امین کے پاس حکومت آئی، امین کا کردار اورنگ زیب کے بھائی داراشکوہ جیسا تھا۔ امین کو مامون نے قتل کر دیا۔ امین بے حد عیاش حکمران تھا۔ خونی کھیل میں غرق رہتا، حد یہ کہ جب اُس کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تو وہ مامون کے خوف سے بغداد چھوڑ کر مارا مارا پھرتا تھا۔ مگر تب بھی اپنی بری عادتوں سے توبہ نہ کی۔ ابراہیم بن مہدی سے ایک حقیقی روایت ہے، اس مصیبت کے زمانے میں وہ (یعنی ابراہیم) خلیفہ امین کے ساتھ منصورہ میں تھا، ایک رات امین نے مجھے بلایا، جب میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا دیکھو کیسی خوبصورت شب ہے، چاند جوبن پر ہے، چاندنی پانی جوت جگا رہی ہے۔ ایسے میں شراب کا دور چلنا چاہئے۔ میں نے کہا جیسا آپ کی مرضی۔ چنانچہ ہم نے جی بھر کے پی، اس کے بعد اس نے اپنی خاص لونڈی ضعف کو بلایا اور اسے گانے کا حکم دیا۔ تاریخ دان ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔ کہ خلیفہ امین کو ہیجڑوں کی صحبت سے بڑی رغبت تھی۔ ان سے قوم لوط کے عمل کا مرتکب ہوتا تھا۔ اس نے اپنے محل میں سینکڑوں خوبصورت خواجہ سرا بڑی بھاری رقمیں ادا کر کے جمع کئے ہوئے تھے۔ اور ہر وقت ان کی طرف متوجہ رہتا۔ علاوہ ازیں کھیل تماشا دکھانے والوں اور بازی گروں کو بھی جمع رکھتا تھا۔ خلیفہ مامون کے بارے میں ہماری تاریخ میں پڑھایا جاتا ہے۔ وہ بڑا ہی حلیم، متحمل مزاج اور بردبار تھا۔ لیکن تحقیق کرنے سے یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس نے خلق قرآن کے مسئلے پر اس وقت کے جید علماء پر بے پناہ تشدد کئے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے خلیفہ کے مؤقف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو انہیں اذیتیں دی گئیں۔ روایت ہے کہ اپنے وزیر فضل بن سہل کو سیاسی مصلحتوں کے تحت قتل کروادیا اور اس کے بعد اس کے قتل کرنے والوں کو بھی قتل کروادیا۔ جب ان لوگوں کو مامون کے حکم پر قتل کیا جانے لگا تو انہوں نے کہا حضور آپ ہی نے تو ہمیں فضل بن سہل کے قتل کا کہا تھا۔ اور اب ہم کو قتل کرا رہے ہیں۔ مامون نے کہا، میں تمہیں اس لئے قتل کرا رہا ہوں کہ تمہیں اس قتل کا اعتراف ہے اور مجھے نہیں۔ علی بن موسیٰ رضا کو انگوروں میں زہر ملا کر کھلایا اور وہ بھی جان سے گئے۔ خلیفہ معتصم باللہ مکمل اَن پڑھ ہونے کے باوجود قرآن کے پیچیدہ مسئلے پر وقت کے علما سے الجھتا رہا۔ ذہنیت قاتلانہ تھی معمولی بات پر لوگوں کو قتل کرا

دیتا تھا۔علما کی بڑی تعداد کوصرف اس لئے اذیتیں دے کوموت کے گھاٹ اُتارا کہ وہ خلق قرآن کے مسئلے پرسرکاری مؤقف سے متفق نہ تھے۔خوبصورت غلاموں کوخریدنے کا شوقین تھا۔وسط ایشیا سے اتنے غلام خریدے کہ بغداد کے شہری ان کے ہاتھوں عاجز آ گئے۔ان غلاموں کوخوب سجا کرشہر میں گھومنے کے لئے چھوڑا جاتا اور وہ لوگوں کو ستاتے تھے۔لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے اورعورتوں کے ساتھ دست درازی کرتے۔یہاں تک کہ وہاں کے لوگوں نے خلیفہ کوسرِعام بددعائیں دیناشروع کردیں۔جب خلیفہ معتصم مرنے لگا تو ایک کشتی میں سوار ہوااور''زنام'' نامی گوّیئے کو کہا کہ گائے اور وہ گاتا رہااور معتصم سنتا رہا۔گویا آخری وقت میں بھی رقص اورسرور میں کھویا رہا۔خلیفہ واثق کا دور بھی علماء کے لئے سخت ابتلا کا دور تھا،اس کے وزیر ابن زیاد نے علما کواذیت دینے کے لئے ایک آہنی تنور بنایا تھا،جس کے اندرنوکیلے کیل لگے تھے۔جب وہ خود زیرِعتاب آیا تو اپنے بنائے ہوئے تنور میں اُسے ڈالا گیا۔خلیفہ جعفر متوکل نے حضرت امام حسینؑ کی قبر پرہل چلوادیا تھا۔روایت ہے کہ اس کے فرزند منتصر نے اپنے باپ کواس وقت ہلاک کیا جب وہ مےنوشی اورعیاشی میں مصروف تھا۔خلیفہ متوکّل کے دور میں عجیب وغریب واقعات پیش آئے شہر حلاط کے باشندے یمن میں ایک پہاڑ نے اس طرح حرکت کی کہ لوگوں کے کھیت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گئے۔شہر حلب (شام) میں ایک عجیب وغریب سفید پروں والا پرندہ فضا میں نمودار ہوااور انسانوں کی بولی میں پکارکرکہالوگو:''اللہ سے ڈرو'' پرندے نے چالیس باریہ آواز لگائی اس کے بعد غائب ہوگیا۔خلیفہ متوکل کی عیش پسندی کی یہ کیفیت تھی کہ اس کے حرم میں چار ہزارلونڈیاں اورخوبصورت کنیزیں جمع تھیں۔خلیفہ المنتصر باللہ کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اس نے تاج وتخت کے لئے اپنے باپ کوقتل کیا تھا۔وہ خودصرف چھ ماہ تک حکمران رہااورمرگیا۔تاریخ کے طالب علم یہ سوچنے میں برحق ہیں کہ کاش ان اسلامی حکمرانوں نے اپنی عادتوں اورخواہشوں پرقابو پالیا ہوتا،تو آج مسلم دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی۔ہمارے ہاں طالبان جوکچھ کررہے ہیں یاعراق شام میں جوانقلابی گروپوں نے محشر برپا کیا ہواہے۔وہ بھی بنوعباس اوربنواُمیہ کی اُلجھی ہوئی کڑیاں ہیں۔لگتا ہے اب کی بارطالبان اورداعش کی شکل بنواُمیہ کا دورآنے کو ہے،اورپھراس دور کے بعد آئے گا ایک نیاہلاکوخان اعظم (چین) جس کے ہاں ہوگا، مذہب شجرہ ممنوعہ۔غلام قوموں کوآزادی راس نہیں آسکتی۔یہ جہاں بھی خوش اوراس کے غلام بھی خوش۔



شاہ سلمان کی طرف سے ڈونلڈ ٹرمپ کو پیش کئے جانیوالے تحائف کی لسٹ



شاہ سلمان کا ڈونلڈ ٹرمپ کا والہانہ استقبال، ٹرمپ کی خاطر داری کے بعد یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ (سلمان) ٹرمپ کو خالی ہاتھ رخصت کریں۔ متعدد ذرائع ابلاغ نے انکشاف کیا ہے کہ سعودی فرمانروا شاہ سلمان نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو انتہائی مہنگے ذاتی تحائف سے نوازا ہے اور یہ تحائف سعودی عرب کی تاریخ میں سب سے مہنگے تحائف میں شمار ہوتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق ٹرمپ کو شاہ سلمان کی طرف سے پیش کیے جانے والے تحائف ان چیزوں پر مشتمل تھے۔

1۔ انتہائی قیمتی اور نایاب قسم کا ہیرا۔ 2۔ خالص سونے سے تیار کردہ گن جس پر شاہ سلمان کی تصویر نقش ہے۔ 3۔ 25 کلوگرام وزنی خالص سونے سے تیار گردہ تلوار جس پر ہیرے اور دیگر نادر قسم کے پتھر اور جواہر نصب ہیں اور اس تلوار کی قیمت 200 ملین ڈالر ہے۔ 4۔ سونا اور ہیروں سے تیار 25 گھڑیاں، ٹرمپ اور اسکے گھر والوں کیلئے جن کی کل قیمت 200 ملین ڈالر ہے۔ 5۔ ہیرے اور جواہرات سے سجے 150 سے زائد عبایہ۔ 6۔ سعودی دارالحکومت ریاض میں واقع سب بڑی شاہراہ کا نام ڈونلڈ ٹرمپ سے منسوب کر دیا گیا ہے اور اس شاہراہ کے شروع میں ٹرمپ کی شکل کا ایک مجسمہ رکھ دیا جائے گا۔ 7۔ امریکہ میں واقع مشہور ''مجسمہ آزادی'' کا ایک چھوٹا سا ہم شکل، مگر یہ ہم شکل سونے، ہیرے اور جواہرات سے تیار شدہ ہے۔ جسے ایک خاص سعودی طیارے کے ذریع وائٹ ہاؤس منتقل کیا جائے گا۔ 8۔ 800 ملین ڈالر کی قیمتی یاٹ (کشتی) جسکی لمبائی 125 میٹر ہے اور یہ یاٹ دنیا کی سب سے لمبی ذاتی یاٹ ہے جس میں 80 کمرے اور 20 شاہی کمرے موجود ہیں اور ان کمروں کے بیشتر اجزاء سونے سے تیار کردہ ہیں اس یاٹ کو امریکی بحریہ کے ذریعے امریکہ روانہ کیا جائیگا۔

ذرائع کے مطابق اس قدر قیمتی تحائف سعودی عرب نے پہلے کسی بھی سعودی عرب کا دورہ کرنیوالے صدر کو نہیں دے اور سعودی عرب فرمانروا کا اصرار تھا کہ یہ تحائف ٹرمپ کے ذاتی تحائف ہیں اور انہیں امریکہ کے عجائب گھروں میں نہ رکھا جائے۔

ان تمام تحائف کے علاوہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب کے ساتھ 400 ارب ڈالر کے ہتھیاروں کی ڈیل کی ہے جو کہ تجزیہ نگاروں کے مطابق دنیا میں طے پانے والی ہتھیاروں کی خرید و فروخت کی سب سے بڑی ڈیل ہے، ماہرین کے مطابق ڈیل کی قیمت یعنی 400 ارب ڈالر اور مسلم دنیا کے تمام مسائل اور مشکلات کو ختم کر سکتی ہے۔



گستاخِ دیوبند

علماء دیوبند کی وہ کون سی گستاخیاں تھی جن کی وجہ سے ان پر سیدی اعلی حضرت اور 33 علماء حرمین نے کفر کا فتوی دیا تھا۔

الجواب: وہ کفریہ عقائد جن کی بنا پر ان چاروں علماء دیوبند اور ان کے کفر پر شک کرنے والوں پر کفر کا فتوی دیا گیا تھا۔(1) رشید احمد گنگوہی نے اپنی کتاب فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا۔ اللہ تعالی جھوٹ بول سکتا ہے۔(فتاوی رشیدیہ پارٹ (1) پیج نمبر (20) معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)(2) اشرفعلی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں لکھا کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ہے جیسے بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی ہوتا ہے (حفظ الایمان صفحہ نمبر 8 معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)(3) خلیل احمد امبیٹھوی اپنی کتاب براہین قاطع میں لکھتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم شیطان کو ہے (براہین قاطع صفحہ نمبر 51...52 معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ان گستاخیوں کی وجہ سے علماء حرمین نے (1903ع) میں یہ فتوی دیا تھا کہ یہ چاروں 4 گستاخ کافر ہیں اور انکے کفر پر شک کرنے والا بھی کافر ہیں۔ فتوی دینے والے علماء حرمین کے نام۔ مکہ معظّمہ۔(1) استاد حرمین شعید شافعی۔(2) سعید العلماء مولانا مفتی شیخ احمد عبدالخیر۔(3) مفتی حنفیہ علامہ شیخ صالح کمال۔(4) مفتی شیخ علی بن صدیق کمال۔(5) شیخ الدلائل مفتی محمد عبدالحق مجاھر الیادی۔(6) مفتی سید اسماعیل خلیل لبرارین مکہ شریف۔(7) مولانا مفتی شیخ عمر بن ابوبکر باضنید۔(8) علامہ مفتی شعید عبدالحسین المزرکی۔(9) مفتی شیخ عابد بن حسین مالکی۔(10) مفتی علی بن حسین مالکی۔(11) مفتی محمد جمال بن محمد حسین۔(12) مفتی شیخ اسد بن احمد دھان استاد حرامین مکہ شریف۔(13) مفتی شیخ عبدالرحمن دھان۔(14) مفتی شیخ محمد یوصف افغانی۔(15) مفتی شیخ احمد مالکی الامدادی استاد حرم مدرسہ احمدیہ مکہ شریف اور خلیفہ حاجی امداد اللہ مھاجر مکی۔(16) مفتی محمد یوصف الخیانی۔(17) شیخ محمد صالح بن محمد

فاضی۔(18) شیخ عبدالکریم ناضی دگستانی۔(19) شیخ محمد شعید بن محمد الیمنی ۔(20) مفتی شیخ حامد محمد الجد اوی۔فتوی علماء مدینہ منورہ۔(1) مفتی حنفیہ تاجدین الیاس۔(2) مفتی مدینہ علامہ عثمان بن عبدالسلام دگستانی۔(3) شیخ مالکیہ مفتی سید احمد الگیریا۔(4) مفتی خلیل بن ابرہیم خربوتی۔(5) شیخ الدلائل سید محمد شعید۔(6) مفتی شیخ محبوب بن احمد عمری۔(7) شخ الدلائل مفتی سید عباس بن سید جلیل۔(8) مفتی شیخ عمر بن حمدان۔(9) مفتی شعید حکیم محمد بن محمد مدنی۔(10) مفتی شائیہ علم سید شریف احمد برزنزی۔(11) مفتی محمد عزیز مالکی فورملی انڈونیشیا۔(12) مفتی شیخ محمد کیاری استاد حرم شریف مدینہ منورہ۔(13) مفتی شیخ عبدالقادر توفیق استاد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ہندوستان اور عرب کیکل ملا کر 265 علمائے کرام نے نے ان بدمذہبوں پر کفر کا فتوی دیا تھا۔❁❁❁

یہ میرا پاکستان ہے

ہمارے سب صاحبانِ اقتدار زرداری اور شریفوں کے رویہ کی طرح بدل چکے ہیں۔پہلی تو بات ہے کہ سب لوگ سفارشی بھرتی کئے گئے ہیں۔نااہل اور جعلی ڈگری ہولڈرز ہیں۔جو ہر ڈیپارٹمنٹ کے سال کا بجٹ اپنے اللوں تللوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔نئی گاڑی اور آفس کا فرنیچر ضروری بدلنا ہے۔دورہ جات کر کے ٹی اے ڈی اے کا بل بڑھا کر موج مستی کرنا ہے۔جب کوئی سائل آتا ہے تو بجٹ کا رونا روکر بالائی افسران کو برا کہہ کر جان چھڑائی جاتی ہے۔جھوٹ ہمارا خداوند اور رشوت ہماری خوراک ہے۔قومی املاک ہوں،قومی جنگلات ہوں،محکمہ تعلیم میں گھوسٹ سکول اور گھوسٹ اساتذہ کاغذوں میں دکھا کر کروڑوں کا بجٹ گھرل کیا جاتا ہے۔ہسپتالوں کی دوائیوں کو باہر ہی میڈیکل اسٹورز پر فروخت کیا جاتا ہے۔ہسپتالوں کے اپلائنسز اور انسٹرومنٹس کی کوئی دیکھ بھال نہیں۔پرائیویٹ ٹرانسپورٹروں نے جس طرح ریلوے کو فیل کر رکھا ہے اسی طرح پرائیویٹ ہسپتالوں نے محکمہ صحت کو ناکام کر رکھا ہے۔حُب الوطنی نام کی چیز بالکل موجود نہیں۔ایمان ثریا ستارے پر جا چکا ہے۔کوئی ماتحت،افسران بالا کے آگے جواب دہ نہیں۔کیونکہ چور ڈاکو کو کیا جواب دے۔ہر ڈیپارٹمنٹ میں جو جس کے ہاتھ لگتا ہے وہ لے اُڑتا ہے۔ہر محکمے کا دلال سب سے طاقت ور کردار ادا کرتا ہے۔سب کچھ دلال کی مرضی سے طے ہوتا ہے۔جتنے بھی پولیس اور انتظامیہ،عدلیہ،کے بیوروکریٹس ہیں۔ان سب کو منتھلی ملتی ہے دو کانوں سے ان کی مطلوبہ چیز بروقت فراہم کی جاتی ہے اور دفاتر کی سب فائلز اس سودا بازی کی رفتار کے ساتھ چلتی ہیں۔ہر آدمی کہتا

ہے کہ کوئی کام ہوتو بتانا۔فلاں افسر میرا واقف ہے۔سارا تانا بانا ہی بگڑ چکا ہے۔اس ساری کھیل کوفرقہ پرستی اور جہالت کے سانپ نے ڈس لیا ہے۔جب بھی کوئی کام کو درست کرنے کی کوشش ہونے لگتی ہے اسلام خطرات میں پڑ جاتا ہے۔جاہل ملاں نے اور پیرومرشد نے ان جاہل عوام کوجکڑ لیا ہے۔پہلے لوگ طالبان کے ایجنٹ تھے یا دینی جماعتوں کے۔اب RAW کا اثر ورسوخ بڑ رہا ہے۔لوگوں میں بد دلی بڑھ رہی ہے۔کسان کو مڈل مین اور شوگر ملز لوٹ رہے ہیں۔اور محکمہ انہار نہ پانی دے رہا ہے۔پٹواری غریب کسان کا خون چوس رہا ہے۔نہ بجلی ہے نہ امن ہے، نہ روزگار ہے، نہ تعلیم ہے، نہ صحت۔مہنگائی نے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔نہ ٹیکس کا کوئی نظام ہے۔اگر کسی غریب کے گھر چوری ہوجائے تو تھانہ والے چور سے تعاون کرتے ہیں غریب سے نہیں۔کیونکہ اس کے پاس روپے نہیں۔پھر وہ غریب، چور اور ڈاکو سے ہی دوستی رکھتا ہے۔ناجائز اسلحہ ملک میں عام ہے۔اگر کسی کے پاس ایک لائسنس والی بندوق ہے تو اس نے کلاشنکوف ناجائز رکھی ہوئی ہے۔ہر دوسری گاڑی ایران براستہ کوئٹہ دونمبر پاکستان میں چل رہی ہے۔جس کا سب کوعلم ہے۔جس کا نہ کوئی رجسٹریشن ہے۔نہ اس کا ٹیکس ادا شدہ ہے۔جس کی لاٹھی اُس کی بھینس ہے۔کچہریوں کے باہر سب منشی اور وکیل ایجنٹ کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ہر فیصلے کی سودا بازی ہوتی ہے۔ہر جج کے اپنے اپنے ذرائع ہیں۔یہ ملک پرائیویٹ لوگ چلا رہے ہیں۔حکومت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔خدا میرے ملک پر رحم کرے۔آمین



مصلحت یا منافقت

ہمارے معزز جج صاحبان ہائی کورٹس اور سپریم کورٹس جو یقیناً اکثر مقتدر اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔جب تک ان کا قبلہ دُرست نہیں ہوتا۔ملک کا قبلہ بھی دُرست نہیں ہوسکتا۔اب ان عدالتوں میں بیٹھے جج صاحبان کو یہ فیصلہ جلد کر دینا ہوگا۔کہ''6۔اپریل 2007 کو(اسلام آباد کی سرکاری لال مسجد کے ملازم) مولانا عبدالعزیز نے خود کو''امیر المومنین'' مقرر کرکے پورے ملک میں شریعت نافذ کرکے، مسجد میں شرعی عدالت قائم کرکے، ریاست کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا اور مسجد اور اس سے ملحقہ جامعہ حفصہ میں چھپے شریعت کے داعی عورتوں اور مردوں کے خلاف صدر جنرل پرویز مشرف کے حکم پر پاک فوج کا''sunrise operation'' کیا غیر قانونی/خلافِ شریعت تھا؟اور 12 جولائی 2007 کو اسلام

آباد میں امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد مرحوم، مولانا فضل الرحمن اور مولانا غفور حیدری کے اس'' مشترکہ فتوے'' کی کیا حیثیت ہے کہ'' ہم لال مسجد پر بمباری کرنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور امریکی مفادات کے لئے مارے جانے والے پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کو'' شہید'' نہیں سمجھتے۔'' طالبان کے باپ'' کہلانے والے مولانا سمیع الحق نے اپنی صدارت میں لاہور کے 15 فروری 2014 کے 20 مذہبی جماعتوں کے راہنماؤں اور 200 علماء کے اجلاس میں طالبان کو'' پاکستان کے بیٹے'' تسلیم کرایا تھا۔ جماعت اسلامی کے سابق امیر سید منور حسن بھی پاک فوج کے شہیدوں کو'' شہید'' ماننے سے انکاری ہیں۔ اور جہاد وقتال کا فلسفہ عام کرنے کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز جمہوریت کو'' کفر کا نظام'' قرار دے چکے ہیں۔ اُن کی بیگم اُمّ حسان کی مدرسے کی معلمات اور طالبات علی الاعلان'' داعش'' کا پروپیگنڈا کررہی ہیں۔ مولانا عبدُالعزیز کی نگرانی میں 18 مدرسوں میں داعش'' کا فتنہ پھیلایا جارہاہے۔

آصف علی زرداری کے بعد میاں نواز شریف بھی دہشت گردوں کے سہولت کاروں کے نرغے میں ہیں۔

اور چوہدری نثار ان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ ہمارے وطن میں منافقت نے ڈیرے ڈال لئے ہیں، کرپشن کے کالے سائے ہیں، ضیاء الحق کے چنگیزی دور نے اس نام نہاد علمائے اسلام کو ایسا سر پہ چڑھایا کہ وہ اب سارے محکموں میں مضبوط اور مقتدر رہے۔ مذہب کا ایسا تانا بانا سعودی ریال سے بُنا گیا کہ اب اس سے جان نہیں چھوٹتی۔ طالبان، القائدہ، داعش یہ سب ملاں کے ڈراؤنے ہتھکنڈے ہیں۔ جن سے قوم کے بزدل لیڈر خوف زدہ ہیں۔ دہشت گرد ہر جگہ مضبوط ہورہا ہے۔ عدلیہ فیصلہ شدہ مقدمات کے مجرموں کو پھانسی دینے کا جرات مندانہ فیصلہ کرنے سے خوفزدہ ہےاور سیاسی لیڈرز اس کام کو اپنے ذمہ لینے سے کتراتے ہیں۔ ملٹری کورٹ کے فیصلوں پر عملدرآمد ہو چکا ہے۔ قوم کے اکابریں اور عدلیہ کی بزدلی کسی گھمبیر صورت حال کی پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ سیاستدان اور فوج کبھی بھی ایک پیج پر نہیں رہے۔ ہماری قوم میں میر جعفر و صادق کی کمی نہیں۔ سنا ہے کہ RAW نے بھی پنجاب بلکہ سارے پاکستان میں اچھی خاصی انوسٹمنٹ کررکھی ہے۔ نیشنل ایکشن پلان پر سنجیدگی سے عمل نہیں ہورہا، گڈ طالبان اور برے طالبان کا ابھی بھی ڈھونگ رچایا جارہا ہے۔ ہمارے ہاں ایمان فروشوں کی کمی نہیں۔ اگر کسی بھی مردِ آہن نے اس صورتِ حال کو سنجیدگی سے face نہ کیا۔ اور (سانوں کی) کہہ کر گزر گیا۔ تو تاریخ اور قائد اعظم کی رُوح اُسے کبھی بھی معاف نہ کرے گی۔ اور پھر ساری یہ بد بخت قوم صدیوں تک بنی اسرائیل کی طرح بے آب وگیاہ غلامی کے صحرائے سینا میں بھٹکتی پھرے گی۔ اور آنے والی نسلیں اس ناشکری، بے

عمل، کرپٹ قوم پر اور اس کے سیاہ کرتوتوں پر ہزار ہزار لعنت بھیجا کریں گی۔ کہ اے بدبختو! خدا تعالیٰ کی سب نعماء ہونے باوجود،، تم ایک قوم نہ بن سکے اور انسان سے ایک باخدا انسان بننے سے قاصر رہے۔ اور ایک بت پرست قوم تمہاری بدعملی کی وجہ سے تم پر غالب آ گئی۔ تمہارے نعرے، تمہیں نہ بچا سکے۔ واقعی تم حکمرانی کے نہیں غلامی کے لائق قوم ہو۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔



انتباہ

کیونکہ جب ہر کوئی کشتی میں اپنے حصہ کو سوراخ کر رہا ہو تو پھر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ فلاں کا سوراخ میرے سے بڑا تھا اس لئے کشتی ڈوب گئی۔ سبھی قصوروار ہیں۔ تو پھر یاد کر لیجئے ایسی قوم کو رونے دھونے اور شکوے شکایتیں کرنے کی بجائے اپنے اعمال پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ جس قوم میں بھوک اور افلاس ناچتے ہوں اور حکمران تماشہ دیکھتے ہوں۔ جس قوم میں چوکیدار چوروں سے زیادہ لوٹتے ہوں جس قوم کے تاجر، دکاندار سو فیصد ہرام کی کمائی سے حج عمرے کرتے ہوں۔ جس قوم کے منصف انصاف کے ترازوں میں دولت کے وزن کے مطابق انصاف کرتے ہوں۔ جس قوم کے حکمران پیسہ لگا کر اقتدار خریدتے ہوں۔ جس قوم کے دہشت گرد خود کو مجاہد قرار دیتے ہوں۔ جس قوم کی فاحشہ دینی مسائل سمجھانے پر لگا دی جاتی ہو اور نام نہاد عالم آن لائن لوگوں کے ایمان کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوں۔ جس قوم میں جوان بیٹیوں والے غریب بھوکے کے گھر کی دیوار کے ساتھ کروڑوں کی مساجد بنائی جاتی ہوں۔ جس قوم کے ملاں عید شب رات کے دن چاند پر ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوں۔ جس قوم کے فرائڈیئے بہروپیے عالم دین کا ٹائٹل سجائے ہوئے ہوں۔ جس قوم میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری قابلیت کی بجائے سفارش اور رشوت کی بنیاد پر دینے کا رواج ہو۔ جس قوم کے وزیر جعلی ڈگریاں لے کر اسمبلیوں میں وزیر تعلیم لگ جاتے ہوں۔ جس قوم کے جاہل اسمبلیوں میں پہنچا دئے جائیں اور قاتل و مجرم قانون سازی کرتے ہوں جس قوم میں پانی کے ٹیکے لگانے والے اپنی کلینک کے ماتھے پر اسپیشلسٹ کا اشتہاری بورڈ لگائے ہوئے ہوں۔ جس قوم میں فٹ پاتھ پر سانڈے کا تیل لگانے والے اور کیکر کی گوند کو سلاجیت بنا کر بیچنے والے کو ڈاکٹر اور حکیم کہا جاتا ہو۔ جس قوم میں ہاتھ دیکھنے والا اور طوطے سے فال نکالنے والا پروفیسر اور عامل کا بورڈ لگائے بیٹھا ہو۔ جس قوم میں ہر ایک نمازی حاجی اور کلمہ گو کو علی الاعلان مسجد کے سپیکرز سے

کافر کہا جاتا ہو۔مسجدیں گرائی اور جلائی جاتی ہوں۔اُن پر ناجائز قبضے جائز قرار دیئے جائیں۔جس قوم کے دوائیوں میں، ملاوٹ، کھانے میں ملاوٹ، ایمان میں ملاوٹ، رشتوں میں ملاوٹ کی جاتی ہو۔جو قوم بیرونی ،فرنگیوں کے اشاروں پر ناچے اور وطن فروشی کی مثال قائم ہوجائے۔جس قوم کے علمائے سُو ساری قوم سے متصادم ہوں۔جس قوم کے علمائے سُو پاکستان کے قیام کے ہی مخالف ہوں۔جس قوم کے علمائے سُو کے اُمت کو پارہ پارہ کرنے پر تُلے ہوں۔جو پاک فوج کوشہید نہ کہنے پر بضد ہوں۔جنہوں نے مساجد کواسلحہ خانہ بنا کر رکھ دیا ہو۔جس قوم کے امیر المومنین یحییٰ خان اور ضیاء الحق اور نواز شریف ہوں،جس قوم کے افراداور لیڈر زرداری،نواز شریف،فضل الرحمن جیسے ہوں،جن کی آنکھوں پر علمائے سُو نے سعودی ریال کھا کر تعصب اور ظلم کی پٹیاں باندھ رکھی ہوں،جن کو ہر کامیاب اور دیانت دار شخص غیر مسلم نظر آتا ہو۔جس قوم کے کھلاڑی کھیل کے میدان میں ایک طوائف کی طرح فروخت ہوجائیں۔جس قوم کے تاجر ملاوٹ اور منافع خوری کو جائز سمجھیں۔جس قوم کے ڈاکٹر جعلی دوائیوں کے لئے اپنے ضمیر کا سودا کردیں۔جس قوم کے لیڈر RAW سے باقاعدہ مشاہرہ لیں۔جس قوم کے جوان لڑکےلڑکیاں ہندو کلچر سے متاثر ہوں اور انکو فالو کریں۔جس قوم کا لیڈر ہر وقت انڈیا سے مدد کا طالب ہو۔اور خدا تعالیٰ سے نا اُمید۔جس قوم کے کے انتظام و انصرام کی بھاگ دوڑ شرابیوں اور زنا کاروں کے ہاتھوں میں آجائے۔جس قوم کے لوگ تلور کے شکار کے بہانے عرب بدوؤں کواپنی بہن بیٹیاں پیش کریں۔اور اس کے بدلے میں ریال لے کر اپنے بنگلے بنائیں اور ان کے ماتھے پر (ھذا من فضل ربی) لکھیں۔جہاں ہر ایک ایم پی اے اور ایم این اے اپنے اپنے علاقے کا فرعون بن جائے۔قانون اس کے گھر کی لونڈی ہو۔تھانہ کچہری اس کی باندی بن کر رہ جائے۔جس قوم کے علمائے سُو نے اسلام کے نام پر قوم کی تربیت کے لئے اسلامی ممالک کی مدد سے دس ہزار سے زائد مدرسے کھول رکھے ہوں اور قوم کی کوئی اچھی تربیت کرنے میں کلی ناکام رہے ہوں اُن کو پھانسی پر چڑھانا جائز ہوگا۔جہاں مساجد کے حجرے تعویز گنڈے سے زنا کاری کو پروموٹ کریں۔یہاں غیر مسلموں کے چرچز،مندر اور مسلمانوں کی مساجد پر بھی گروہی قبضے شروع ہوجائیں۔اور انتظامیہ اس میں ملوث ہو۔جاہل موچھ بردار غنڈے وُزراء رانا ثناءاللہ، عابد گیدڑ علی لیڈر بن جائیں وہاں بتائیں قوم کا کیا بنے گا۔جس قوم کے کی میتیں مہنگائی کی وجہ سے بغیر گوروکفن رہ جائیں۔جس قوم کے یتیم خانوں میں جسم فروشی اور بردہ فروشی کی داستانیں رقم ہوں،جس قوم کے تعلیمی ادارے جعلی ڈگریوں کی پیداوار میں برابر کے شریک ہوں۔جس قوم کی پولیس

اورفوج کرپشن کی وجہ سے جرائم میں معاون اور مدد ہو۔جس قوم کے علمائے سُو چنگیز اور ہلاکو خان کے دلالوں کی طرح بھارت کو حملے کی دعوت دے رہے ہوں ۔جس قوم نے لاکھوں افغانیوں کو دودھ پلا کر آستین کے سانپ بنا کر پالا ہو، طالبان کو بچے بنا کر پرورش کی ہو۔اور آج وہی اس کے دشمن اور بھارت کے دوست ہوں ۔قوم کی منافقت اور بے ایمانی اظہر من الشمّس ہے۔صرف ایک ایٹم بم کی پرستش نہ کرو۔خدا کی پوجا ضروری ہے۔خاکم بدہن ۔ مجھے اگر مملکت پاکستان کا زوال بہت قریب آتا دکھائی دے رہا ہے۔جب ان بدکار لیڈروں، نام نہاد حب الوطن ذخیرہ اندوزوں، زرداروں، اورعلمائے سُو کی صف لپیٹ دی جائے گی ۔جو اپنے انجام سے بکلی بے خبر ابلیس کا کردار ادا کر رہے ہیں ۔اور مملکت خداداد کا شکرانِ نعمت کی بجائے کفرانِ نعمت میں شب و روز مصروف ہیں ۔جس ملک کو پاک کہنے والے سود اور سور اور مردار کا گوشت، گدھے گھوڑے تک کھا جائیں اس ملک کا کیا بنے گا۔اخلاق باختہ لیڈر، اور حواس باختہ قوم، سزا یافتہ جوان، شکست خوردہ قوم جسے انڈیا علی الاعلان کہہ رہا ہو کہ ہم تمہارے دس ٹکڑے کر کے رکھ دیں گے ۔ہم تمہارا پانی بند کر دیں گے، ہم تمہارا بلوچستان چھین لیں گے، ہم تمہیں ساری دنیا میں تنہا کر دیں گے ۔ یقیناً کسی حد تک تو وہ کامیاب نظر آ رہا ہے ۔غیرت کرو۔ اور اتفاق اور محبت ، عدل و انصاف کو فروغ دو۔تا کہ تمہارا وجود برقرار رہ سکے۔



پاکستان کے دشمن

عزتِ نفس کسی شخص کی محفوظ نہیں
اب تو اپنے نگہبانوں سے ڈر لگتا ہے
ڈنکے کی چوٹ پر فرعونوں کو کہتا ہوں
مجھے سولی سے نہ زندان سے ڈر لگتا ہے

وطن عزیز کے نام نہاد معمارو! وطن عزیز کے گنہگارو!۔۔اے وطن عزیز کے بے غیرت کشکول بردار گداگرو! اُمت کے غدارو! ایمان وضمیر فروشو!۔۔اے جعلی عدلِ جہانگیری کے نمائندو! غلام قوم کے غلام نالائقو! احساسِ کمتری کے متوالو!۔۔اے یزیدی طاقتوں کے پروردہ شمرو! ابن الوقت درباریو! بہترین اور بدترین خوشامدیو! منہ میں رام رام کرنے والو اور اوپر سے اللہ اکبر کا نعرہ لگانے والو منافقو! قبور کے

پجاریو! لوط قوم کے نمائندو!۔۔اے ہندو ذہنیت اور چانکیت کے مشعل بردارو! دولت کے پجاریو! مُردوں کا کفن اُتارنے والو!

پاکستان کو ازل سے نہ تسلیم کرنے والے مدنی، بخاریو، مودودیو! حج کے بیو پاریو! ابوالکلام کے شاگردو! لال رومال کے اور باچا خان کے پجاریو! منافقو! مفتی محمود کے جعلی فتویٰ بردارو! سرمایہ دارو! جاگیردارو!۔۔دھوکہ باز تاجرو! اسلام فروش مولویو! رویت ہلال کمیٹی کے نام پر ہرام کھانے والو! ملک میں تین تین عیدیں کروانے والو! پنجابی طالبانو! سعودیہ سے مدرسوں کے نام پر مال کھانے والو! اُسامہ بن لادن کو امام اور والدمحترم ماننے والو! ضیاء الحق کو مردِمومن کہنے والو! وطنِ عزیز کے معصوم مسلمانوں کی گندی تربیت کرنے والو خبیث مولویو! نکاحوں کے ٹوٹنے کا نام نہاد فتویٰ دینے والو! ملاوٹ کرنے والو!۔۔ساری مسلمان قوم کو اسلام کے نام پر لوٹنے والو! بردہ فروشو! نشہ شراب، افیون ہیروئن کا سرِ عام کاروبار کرنے اور کرانے والو!۔۔حج سکینڈل میں روپے بنانے والو، جعلی ڈگری بردارو! کرپٹ کارکنوں! بوری بند لاشیں گرانے والو! ساری قوم کو ایک دوسرے سے لڑانے والے چوہدریو!۔۔انگریز کے جدّی پشتی غلامو! تم سب نے مل کر اپنا نہ ایمان قائم رکھا ہے اور نہ اس مملکتِ خداداد کو پروان چڑھنے دیا ہے۔ نہ اسلام کا دامن تھاما ہے اور نہ انسانیت کا۔ آخر تم کون سی مخلوق ہو۔کیا تم یہودیوں سے بھی بدتر ہو۔ جو اسرائیل بنا کر اس کی ساری دنیا سے آبیاری کررہے ہیں۔ بیوروکریٹو! تھانے فروخت کرنے والو! مساجد کو اپنا ذاتی گھر سمجھنے والے خودساختہ نام نہاد عالمو! اس ملک کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔ لاکھوں ماؤں نے اپنے جگر گوشے شہید کرائے۔ ہزاروں بیوہ ہوئیں۔ لاکھوں کے سامنے ان کے والدین اور جوان بیٹے کرپانیں مار مار کر شہید کر دیئے۔تم سب کو اُن شہیدوں کی قسم ۔تم سب کو قائداعظم کی قسم، تمہیں اسلام اور ایمان کی قسم! جاگو اور ملک کو جگاؤ۔ دیکھو افیمی چین کیسے جاگ اُٹھا ہے۔تمہارے پاس تو قرآن کی دولت ہے۔ اُسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔تمہارے پاس ایک سراجاً منیرا ہے۔جس تم استفادہ کرسکتے ہو۔شرم کرو۔ اپنی قوم کا سر نہ جھکاؤ۔غیرت کرو ۔سقوط ڈھاکہ اور سقوط بغداد کیوں ہوا تھا وہ لوگ بھی آپ کی طرح اصل اسلام سے دور جا پڑے تھے۔ اپنے وطن کی ترقی کا سوچو۔ اپنی عزت کا سوچو۔ اپنے غریب بھائی کی طرف دیکھو۔ لالچ اور طمع کو چھوڑ دو۔ امن قائم کرو۔ سچ بولو۔ سب انسانوں کو برابری کے حقوق دو۔ انکساری اور عجز کو

فروغ دو۔محنت کرو۔رشک کرو حسد نہ کرو۔خالص اشیاءفروخت کرو۔ملاوٹ نہ کرو۔کسی کا حق نہ مارو۔انصاف کرو۔سچی گواہی دو۔حق نہ چھپاؤ۔اس زمین کو امن اور خیر سے بھر دو۔لسانی،مذہبی، گروہی،صوبائی، رنگ ونسل کے تعصب سے بچو۔خدا سے لو لگاؤ! قانون کی پاسداری کرو۔ان چیزوں نے تمہیں گھن کی طرح کھا لیا ہے۔تمہارا دشمن چالاک اور تم بے وقوف ہو۔انسان بنو۔



زندگی کیا ہے

ایک ایسا سوال جس پر شاید آپ نے بھی غور نہ کیا ہو،تو اب کر لیجیے۔

زندگی میں ایسے بھی لمحات بھی آتے ہیں جب انسان خود کو اتنا بے بس محسوس کرتے ہیں،کسی کی نصیحت تو کیا،اپنا آپ بھی برا لگتا ہے۔ایسے لوگ زیادہ تر اپنی راہیں کھوٹی کر دیتے ہیں،اور انہیں احساس اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔حالانکہ ٹھیک لگنے اور ٹھیک ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ہم بسا اوقات بہت کچھ ایسا کر جاتے ہیں جو ہمیں ٹھیک لگتا ہے۔جبکہ ہوتا اس کے برعکس ہے۔یہی تو زندگی ہے جو ہر سانس لینے والے کے پاس موجود تو ہے۔لیکن ہر کوئی اسکا استعمال نہیں جانتا۔اگر اس کی بہت بھاری قیمت دے کر اپنی ضد اور خواہش سے حاصل کیا ہوتا۔تو اس کی حفاظت بھی کرتے اور دنیاوی غلاظت سے اسے بچا کر اور پاک صاف بھی رکھتے۔لیکن صد افسوس! ہمیں دنیا میں سب سے پہلا تحفہ جو ملتا ہے وہ زندگی ہی تو ہوتی ہے۔کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ ہمیں تبھی ہوتا ہے جب وہ چیز ہم سے چھن جاتی ہے۔صوفی یا عالم کی زبان میں زندگی ''اللہ اللہ'' کرنے کا نام ہے۔استاد کے نزدیک زندگی علم حاصل کرنے اور اسے آگے پھیلانے کا نام ہے۔ڈاکٹر کے مطابق زندگی بیماری اور شفاء کے درمیان لٹکا ہوا پنڈولم ہے۔کسی معروف شخصیت کے نزدیک زندگی کام،کام اور صرف کام ہے۔اور کچھ کے نزدیک زندگی جہد مسلسل کا دوسرا نام ہے۔ایک ناکام انسان کے نزدیک زندگی ناکامیوں کا مجموعہ ہے۔بعض سست اور کاہل لوگوں کا کہنا ہے کہ زندگی خود کو مصروف رکھنے اور بعد میں میٹھی نیند سونے کا نام ہے۔خیر یہ تو تھے مختلف لوگوں کے مختلف خیالات زندگی کے متعلق۔سوال یہ ہے کہ آپ کی نظر میں زندگی کا کوئی مفہوم ہے۔؟اگر ہے تو کیا ہے؟ سوچئے،ضرور سوچیئے اور بھرپور سوچیئے۔



جمہوریت کے پانچ سال

16 مارچ سال 2013 کا دن پاکستان میں اپنے پانچ سالہ نام نہاد جمہوری دَور کو اپنے ساتھ لے کر فی الحال ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔اللہ تعالیٰ پھر کبھی ہمیں ایسی جمہوریت والے سال نہ دکھائے۔جب یہ لوٹ مار کرنے والے لوگ بار بار کہتے ہیں کہ ہم نے پہلی بار جمہوری دَور کے پانچ سال پورے کئے ہیں تو کلیجہ منہ کو آتا اور ہم بے بسی میں کچھ کر نہیں سکتے۔یہ دونوں سیاسی پارٹیاں جو بڑی بے شرمی سے بغلیں بجا رہی ہیں یہ کئی دہائیوں سے اپنی قوم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہیں۔چار چار بار یہ پارٹیاں حکومت میں آ کر جی بھر کے قوم کو لوٹ چکی ہیں اور پھر وہی گھسے پٹے دعوے کہ اگر اس بار موقعہ ملا تو اللہ کے فضل قوم کی کایا پلٹ دیں گے۔وہ پارٹی جس نے آج سے بتالیس برس قبل روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر غریبوں کی غربت کا مذاق اڑایا تھا اب بھی اسی نعرے کا سہارا لے کر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اُن ہی فریب خوردہ عوام سے ووٹ مانگنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

گذشتہ پانچ سال میں اس ملک اور قوم پر کیا گزری یہ حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔بین القوامی اداروں اور تجزیہ نگاروں کے علاوہ ملکی ٹی وی چینلز،اخبارات،اور ماہرین تجزیہ نگار رواں تبصرے کے انداز میں اٹھارہ کروڑ انسانوں کے سامنے صورتِ حال پیش کرتے رہے۔کس طرح روٹی کپڑا مکان کی دھجیاں اڑائی گئیں۔کس طرح لوگ بھوک سے تنگ آ کر اپنے معصوم بچے قتل کرتے رہے،بیچتے رہے، نہروں اور دریاؤں میں پھینکتے رہے اور خودکُشیاں کرتے رہے۔بجلی کے بغیر آدھے سے زیادہ ملک ہمہ وقت اندھیرے میں ڈوبا رہا۔گیس اور ایندھن اور امن و امان کی صورتِ حال اس سے بھی ابتر رہی۔آدھے سے زیادہ انڈسٹری بند ہونے سے کروڑوں انسان روزگار کی تلاش میں دربدر پھرتے رہے اور سرمایہ کار اپنا دھندہ دیگر ممالک میں لے جانے پر مجبور ہو گئے۔ملک کے سب سے بڑے روزگار مہیا کرنے والے شہر صرف کراچی میں تین سال سے مسلسل روزانہ دس سے پندرہ بے گناہ لوگوں کی لاشیں گرتی رہیں۔ملک کے تمام مالیاتی ادارے پی آئی اے،ریلوے،سٹیل ملز عرصہ دراز سے خسارے میں جا رہے ہیں۔انتظامی ادارے تو سراسر کرپشن اور سفارش سے مالا مال ہیں۔کرپشن کی بڑی بڑی دیو مالائی کہانیاں ملک کے طول وعرض میں گردش کر رہی ہیں۔ان سب کی تفاصیل اخبارات اور ٹی وی چینلز پر آئے دن اٹھارہ کروڑ افراد کے سامنے پیش کی جاتی ہیں یہ ہوش ربا بے ایمانیاں سننے کے لئے چھتیس کروڑ

کان تو موجود ہیں مگر ان پر غور کرنے والا، مداوا کرنے والا اس بھری دنیا میں کوئی نہیں۔ کسی ملک کا ٹیکس کا نظام سب سے بڑا آمدنی کا ذریعہ ہوتا ہے مگر ہمارا پاک وطن اس کمائی سے بھی پاک ہے۔ ہمارے ٹیکس وصول کرنے والے حضرات صرف اتنا ٹیکس وصول کرتے ہے جتنا ان کے دفاتر اور گھریلو اخراجات کے لئے کافی ہو۔ جب مملکتِ خداداد میں کوئی پوچھنے والا، تقاضیٰ کرنے والا اور احتساب کرنے والا ہی کوئی نہیں تو کسی فرد کو کیا پڑی ہے کہ وہ بھاگ دوڑ کرتا رہے۔ جب جزا اور سزا کا نظام ہی معطل ہے تو پھر بہتری کی امید رکھنا خیالِ خام کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ ایک محکمہ ضرور ہے جو فعال ہے جس کا نام NAB ہے وہ کرپشن میں ملوث بااثر افراد کو بے گناہ قرار دے کر تحفظ کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیتا ہے۔

ایک زمانہ تھا رشوت لینا اور رشوت دینا سرکار اور عوام دونوں کے نزدیک ناپسندیدہ عمل تھا ایسا کرنے والا شخص نظروں سے گر جاتا تھا۔ اگر پکڑا جائے تو ملنے جلنے والوں سے چھپتا پھرتا تھا اور عدالت سزا الگ دیتی تھی۔ مگر اب عجیب حال اور انقلاب ہے کہ ملک اور غریب قوم کا سرمایہ لاکھوں نہیں اربوں نہیں کھربوں میں دنیا کی نظروں کے سامنے کھایا جا رہا ہے۔ جتنا بڑا کرپشن کیس ہو اتنی ہی زیادہ شہرت اس خیانت کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔

ایک وقت ایسا بھی تھا ملک میں ہارس ٹریڈینگ کے خلاف قانون بنا کر پارٹی تبدیل کرنے والوں پر پابندی تھی۔ مگر ان ظالموں نے ملی بھگت کر کے قانون میں تبدیلی کر کے اس سے بھی نجات حاصل کر لی۔ اس کے ساتھ ہی لوٹا کریسی نے دوبارہ سے جنم لیا اور تمام کرپٹ اور غاصب لوگ مادر پدر آزاد ہو گئے۔ اب اگر کسی سیاسی لیڈر کا بیٹا، بھتیجا، بیوی یا سالا کسی بھی مقدمہ میں ملوث ہوتا ہے تو عوام کو پتہ چلنے سے پہلے پہلے وہ لیڈر پورے خاندان سمیت بڑی بے غیرتی کے ساتھ حکمران دھڑے میں شامل ہو جاتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ نائب وزارتِ عظمیٰ کا منصب پاتا ہے۔ وہ بیچارہ مقدمہ جو اس شریف خاندان کے سپوت کی تنابیں کسنے کی تیاری کر رہا تھا، قوم اور معاشرے کی بے حسی دیکھ کر شرمندگی کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ اس دھوکہ اور فریب کے کارنامے کو مفاہمت کی سیاست کا نام دے دیا گیا۔ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر مکتبہءِ فکر نے منافقت کے اس کاروبار کو بخوشی قبول کر لیا ہے۔

اللہ کے فضل سے ملک میں بڑی تعداد میں میڈیا متحرک ہے جس میں بڑے بڑے دانشور، تجزیہ کار اور کالم نویس شامل ہوتے ہیں شائد ان لوگوں نے بھی کسی مصلحت کے تابع ہارس ٹریڈینگ اور لوٹا ٹریڈینگ کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ عین ممکن تھا تجدیدِ ذکر سے ہی کچھ لوگ شرم محسوس کر کے اس قبیح دھندے سے توبہ کر

لیتے۔ان چوروں اورلٹیروں نے اس کمال ہوشیاری اور عیاری سے آپس میں مک مکا کر کے اٹھارہ کروڑ انسانوں کی زبان اس طرح بند کی اور ہاتھ پاؤں باندھے کہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دیا۔آئین کی اصل شکل میں بحالی کا چکمہ دے کر ذاتی مفادات کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور کرتے رہے اورعوام نے اس نیک کام کی مداح سرائی میں حواسِ خمسہ بند کئے رکھے۔جعلی ڈگریوں کو جائز کروالیا، وزیرِ اعظم کے عہدہ پر دو بار کی پابندی ختم کروالی تا کہ جب تک چاہیں لوٹ مار کا بازار گرم رکھیں،لوٹا اینڈ ہارس ٹریڈ ینگ کو جائز کروا لیا، یہ بھی پاس کروالیا کہ وہ ملک اورقوم کا جو بھی حشر کریں جیسا کہ گذشتہ پانچ سالوں میں کیا تو ہمیں کوئی روکنے والا نہ ہو۔ہماری قابلِ صداحترام عدالتِ عظمٰی نے ہمیشہ کے لئے اس پر مہر بھی لگادی اور یہ بھی کہ اگر کبھی بھی کوئی جج قوم پر ترس کھاتے ہوئے کسی طاقت ور ادارے کی مداخلت کو جائز کہہ دے تو اس کو راندہِ درگاہ کر دیا جائے گا۔کاش عدالتِ عالیہ یہ مہر لگاتے وقت اس فیصلہ کے نیچے ایک چھوٹا سا نوٹ بھی لکھ دیتی کہ جب کبھی ملک اورقوم کی حالت زار ہوجائے،غربت اورافلاس کی چکی میں پسنے والے انسانوں کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہو۔غاصب ور ظالم حکمران ان کا مداوہ کرنے کی بجائے ہر سال ملک کے شہر شہر میں اربوں روپے کی لاگت سے بم پروف بلاول ہاؤس بنا تا جائے۔نہ وہ خود حساب دے اور نہ کسی اپنے ساتھی کو حساب دینے دے تو وہ اپنی فریاد لے کر کس کے پاس جائیں۔اگر فوج مداخلت نہ کرے تو کون ان طاقت ور لوگوں کا ہاتھ روکے، آخر کوئی تو ہو۔با اختیار عدلیہ کے فیصلوں پر اگر کوئی عمل نہیں کرواسکتا تو ان نام نہاد تاریخ ساز فیصلوں پر تالیاں کیوں بجائیں۔کیوں نہ ہم ان ظلم اور بربریت کا بازار گرم رکھنے والوں پر خدا تعالیٰ کے غضب اورقہر کے نزول کا انتظار کریں۔

سنا ہے اب پھر نئے انتخاب میں پرانے شکاری[PPP,MQM,ANP ,MLN,JUI,MLQ] ایک نئے جال کے ساتھ میدان میں اترے ہیں اور آئین کی شق 63,62 کا مذاق اڑاتے ہوئے دندناتے پھرتے ہیں اور ملک وقوم کے تنِ مردہ کو بے گور وکفن کرنے پر آمادہ ہیں۔کیا تماشہ ہے کہ جمہوریت کے نام پر اتحاد کرنے والے لوگ اختیارات کے مزے لوٹنے کے ساتھ ساتھ مگر مچھ کے آنسو بھی بہاتے رہے۔ہم پردیس میں بیٹھ کر اپنے ملک کی حالتِ زار پر سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہیں کر سکتے۔مگر اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ اپنی آواز اُن اداروں تک پہنچا دیں جو انصاف کا ترازو اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں۔اور وہ بھی جو ملک کی سرحدوں کی حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اٹھارہ کروڑ عوام کی جان، مال اورعزت کی حفاظت جن کے ذمہ ہے! ایک دن آپ سے پوچھا ضرور جائے گا کہ تم کہاں تھے

اس وقت جب سال ہا سال انصاف کا خون ہوتا رہا، کمزور اور غریب لوگ فاقہ کشی پر مجبور رہے، صاحبانِ اختیار و اقتدار قانون کی حدوں پھلانگ کر، ایوانوں میں بیٹھ کر جاگیروں، پلاٹوں، کارخانوں اور منشیات کی تجارت کرتے رہے۔ بیرونی قرضوں سے لیا ہوا روپیہ دھوکہ دہی سے باہر لے جا کر بنکوں میں جمع کرتے رہے۔ خاص طور پر گذشتہ پانچ سال کے آخری دو دن اور دو رات تم کیوں سوئے رہے جب ان چوروں، لٹیروں، اور ڈاکوؤں نے قوم کو پورے ملک میں اندھیرا کر کے سلا دیا، ہفتہ اور اتوار کو بنک کھلوائے اور کونوں کھدروں میں پڑی ہوئی دولت کو اِدھر اُدھر کرتے رہے۔ اور راجہ صاحب تو کئی روز بعد تک بھی جھاڑو ہاتھ میں لئے باقی ماندہ صفائی پر کاربند رہے۔ پوری قوم اپنا سب کچھ جن کے حوالے کر کے بے فکر تھی کہ ہماری دھن دولت اور وقار محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ حکومت تو آنی جانی چیز ہے۔ کیا یہ سب کچھ اُن عقابی نظروں اور آہنی ہاتھوں کے سامنے نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ان اداروں عدلیہ، فوج نے جمہوریت کو گرنے نہیں دیا۔ بھئی اگر تو جمہوریت کسی گائے یا بکری کا نام ہے تو بجا فرمایا لیکن اگر جمہوریت OF THE PEOPLE,FROM THE PEOPLE,FOR THE PEOPLE ہے تو وہ فی الحال دم توتوڑ چکی ہے۔ اگر کوئی ہے بے خوف و خطر سچ سچ بتانے والا تو بتائے کہ ان اندرونی اور بیرونی خطرات سے ملک اور قوم کو بچانا کس کی ذمہ داری تھی۔



ملکہ وکٹوریہ 1819ء تا 1901ء



الیگزنڈر ریانا وکٹوریان 24 مئی 1819ء کو کنسینگٹن Kensington(palace)m لندن میں پیدا ہوائیں۔ وکٹوریہ کے والد کا نام شہزادہ ایڈورڈ تھا۔ جو کینٹ اور سڑاتھرن کا ڈیک تھا اور شہنشاہ جارج سوم کا چوتھا بیٹا تھا۔ دونوں باپ بیٹے کی وفات 1864ء میں ایک ہفتہ کے اندر ہوئی۔ وکٹوریہ کی والدہ سیکس کوبرگ سافیلڈ کی شہزادی تھی جو دراصل وکٹوریہ (جرمن نژاد اور بیوہ تھی۔ وکٹوریہ کی والدہ اس کی بہتر پرورش اور تربیت کی لئے شاہی خاندان سے الگ ایک علیحدہ جگہ پر رہتی تھی جہاں اسے شاہی رسم و رواج کے علاوہ فرنچ، جرمن، اٹالین زبانیں بھی سکھائی جاتی تھیں۔ وکٹوریہ کے تین بڑے بھائی تھے جو سب کے سب کم

سنی میں ہی فوت ہو گئے جس کے بعد تخت برطانیہ کا کوئی بادشاہ امیدوار نہ بچا تھا۔وکٹوریہ کی والدہ نے اس کی اچھی تربیت کی جس کی وجہ سے جون وکٹوریہ عوام میں خاصی مقبول تھی۔ چنانچہ 1837ء کو وکٹوریہ سلطنتِ برطانیہ اور آئرلینڈ کی ملکہ بنی اور تاوفات عرصہ 64 سال تک اس تخت پر متمکن رہی۔ یکم مئی 1876 کو اس تخت کا دائرہ کار اور وسیع ہو گیا جب وہ ہند بھی بن گئی۔ملکہ وکٹوریہ نے 1840ء میں اپنے فرسٹ کزن البرٹ سے شادی کی جو سیکس برگ کا شہزادہ تھا۔ان کے ہاں نو بچے پیدا ہوئے۔جن کی شادیاں سارے براعظم کے مختلف شاہی اور معزز خاندانوں میں طے پائیں۔جس کی وجہ سے اسے یورپ کی دادی اماں کہا جانے لگا۔

ملکہ کی پانچ بیٹیوں اور چار بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ملکہ پیدائش 21 نومبر 1840ء، وفات 15 اگست 1901ء۔ 2 ایلس پیدائش 25 اپریل 1843ء وفات 14 دسمبر 1874ء 3 ہیلینا پیدائش 25 مئی 1846ء وفات 9 جون 1923ء، 4 لوئز پیدائش 18 مارچ 1848ء وفات 3 دسمبر 1939ء 5 بیٹرکس پیدائش 14 اپریل 1857ء وفات 26 اکتوبر 1944ء 6۔ ایڈورڈ ہفتم پیدائش 9 نومبر 1841ء وفات 6 مئی 1901ء۔ 7 الفرڈ پیدائش 6 اگست 1844ء وفات 30 جولائی 1900ء 8۔ آرتھر پیدائش یکم مئی 1850ء وفات 16 جنوری 1942ء 9۔ لیوپولڈ پیدائش 7 اپریل 1853ء وفات 28 مارچ 1884ء۔

1861ء میں اپنے خاوند البرٹ کی وفات کے بعد وکٹوریہ کو شدید صدمہ ہوا اور اس نے عوام میں نمودار ہونا بند کر دیا جس کی وجہ سے ریپبلکن پارٹی نے زور پکڑنا شروع کر دیا۔لیکن اس نے اپنے آپ کو پھر سے سنبھالا اور ایک بار پھر عوام میں شہرت پا گئی۔جس کا ثبوت اس کی گولڈن اور ڈائمنڈ جوبلی کی تقریبات ہیں جو عوام میں جوش وخروش سے منائی گئی۔20 جون 1887ء کو 50 سال مکمل ہونے پر گولڈن جوبلی منائی گئی۔جس میں یورپ بھر سے بادشاہ اور شہزادے شاہی دعوت میں شامل ہوئے۔اسی طرح 20 جون 1897ء کو وکٹوریہ کی ڈائمنڈ جوبلی منائی گئی۔اس موقع پر امام الزمان حضرت مسیح موعود نے ایک رسالہ 25 مئی 1897 کو شائع فرمایا جس میں جوبلی کی تقریب پر معظّمہ کو مبارکباد اور دعاؤں کے علاوہ نہایت لطیف پیرایہ اور حکیمانہ انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کی صداقت کا اظہار اور ان کے اصولوں کا ذکر فرمایا جو امن عالم اور اخوت عالمگیر کی بنیاد بن سکتے ہیں۔پھر اسی رسالہ میں آپ نے معظّمہ کو اسلام کی طرف بھی دعوت دی ہے۔

20 جون 1897ء کو قادیان میں اس ڈائمنڈ جوبلی کے حوالہ سے ایک خصوصی تقریب کا بھی

انعقاد ہوا جس میں شمولیت کی لئے باہر سے بھی احباب تشریف لائے اور گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق مبارکباد کا ریزولیشن پاس کر کے تار کے ذریعہ سے وائسرائے ہند کو بھیجا گیا اور کتاب کی چند کاپیاں نہایت خوبصورت جلد کرا کے ان میں سے ایک وکٹوریہ قیصرہ ہند کی خدمت میں بھیجنے کے لئے ڈپٹی کمشنر پنجاب ضلع گورداسپور کو، ایک وائسرائے گورنر جنرل کو اور ایک جناب لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو بھیجی گئی اور جلسہ عام میں چھ زبانوں میں خاص طور پر دعا کی گئی۔ ملکہ وکٹوریہ کا 64 سالہ دور کسی بھی برطانوی وکٹوریہ کا حکمران کا سب سے زیادہ بڑا دور تھا جس وجہ سے اسے وکٹورین عہد کہا جاتا ہے۔ یہ دور اپنی طاقت ،شہرت اور اثر ورسوخ میں اپنی انتہا پر تھا جس میں صنعتی ،ثقافتی ،سیاسی ،سماجی ،سائنسی اور عسکری شعبہ جات میں نمایاں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ جس کی بدولت سلطنت برطانیہ کی توسیع عمل میں آئی۔ ملکہ وکٹوریا کی وفات 82 سال کی عمر میں 1901ء کو اوزربورن میں ہوئی۔ جبکہ تدفین فرگمور ونڈسر میں ہوئی۔ ملکہ کی بہت سی یادگاریں موجود ہیں۔ مثلاً آسٹریلیا کے ایک صوبے کا نام وکٹوریا ہے افریقہ میں ایک جھیل اور ایک آبشار کا نام وکٹوریہ ہے۔ للّی کے خاندان میں ایک بڑے پتوں والے پودے کا نام وکٹوریہ ہے۔ برطانیہ کے سب سے بڑے فوجی اعزاز کا نام وکٹوریہ کراس ہے۔ کراچی کے ایک میوزیم اور بہاولپور کے ہسپتال کا نام وکٹوریہ ہے وغیرہ وغیرہ



گدھا اور انسان

غالباً 1975 میں فلمساز رنگیلے نے اس نام سے فلم بنائی تھی۔ جس کا نام ''گدھا اور انسان'' تھا۔ یوں تو لوگ بڑی آسانی سے ایک دوسرے کو گدھا کہہ دیتے ہیں مگر خود کو کبھی بھی گدھا تصور نہیں کرتے۔ گدھا ایک بہت ہی خوب جانور ہے جو ازل سے بار برداری کے کام آتا ہے۔ یہاں اگر کوئی بھلا آدمی ہر وقت ہر کسی کے کام آئے تو آج کل لوگ اُسے بھی گدھا ہی کہنے لگ جاتے ہیں۔ جیسے کہ انسان کو شاطر، مکار، چالباز ہونا ضروری ہے۔ ہر انسان زندگی میں کبھی کبھی گدھا ضرور بن جاتا ہے یا خود محسوس کرتا ہے۔ مثلاً کسی کے بےلوث کام آنا، یا کسی سے دھوکہ کھا جانا، یا سادگی میں کوئی غلطی کر جانے سے انسان خود کو کبھی کبھی گدھا سمجھتا ہے۔ گدھا یوں تو کوئی مکروہ چیز نہیں۔ ایک پالتو جانور ہے۔ مگر آج کل گدھے کی شان بلند ہو رہی ہے۔ دیکھا جائے تو امریکہ کی حکمران پارٹی کا نشان گدھا ہے۔ اگر مزید

غور کیا جائے تو سب سے بڑا گدھا تو اُبامہ ہے۔جس کو بڑے بڑے جانور کیا بادشاہ، کنگ،صدور،سلام کرنے میں ہی اپنا بھلا سمجھتے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان کا شیر تو دُم ہلائے اُس گدھے کے آگے پیچھے پھرتا ہے مگر وہ اُسے گھاس تک نہیں ڈالتا کیونکہ گھاس تو وہ خود ہی کھا جاتا ہے۔ پھر ہم نے بہت اقسام کے گدھے دیکھے ہیں خصوصاً عرب علاقے میں جب سے تیل نکل آیا ہے گدھے تو گئے کام سے۔گدھوں کی جگہ حضرتِ انسان نے لے لی ہے۔سچ مچ انسان گدھا بن گیا ہے۔جس ہستی نے ان ریگزاروں کو تیل جیسی دولت دے کر سونا بنا دیا۔اس ہستی کو تو یہ لوگ بھول بیٹھے مگر گدھوں کو سلام کرتے کرتے خود ہی گدھے بن گئے ہیں۔اب ان عربوں کی حماقتوں کے قصے سب دنیا میں لوگ حقارت سے بیان کرتے ہیں۔ان کی شاہ خرچیاں، ان کے گدھوں جیسے فیصلے،حرکات، زبان زدِ عام ہیں۔جیسے گدھے کو مستقبل کی فکر نہیں ہوتی، اپنی قوم کی فکر نہیں ہوتی، اپنی برادری کی فکر نہیں ہوتی، کوئی مدّو جزر کی فکر نہیں ہوتی وہی ان کا حال ہے۔ پھر ہماری قوم پاکستانی تو اس کام میں بھی آگے نکل گئی۔ کیونکہ ہر کام میں یہ ہمیشہ آگے ہوتی ہے۔عربی علاقے کا گدھا تو کیا کوئی کتا بھی سامنے آجائے تو ہمارے گدھے لالچ اور عقیدت سے دُم ہلانے لگ جاتے ہیں۔دُم ہلاتے ہلاتے ہم نے اپنا ستیاناس ہی کر ڈالا۔ پہلے جہادِ افغانستان کے چکر میں مدرسے کھول کر اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، پھر اس مسلسل شکم پُری کے لئے نیم ملاں نے ان گدھوں کی پیروی میں اور امریکی گدھوں کی جی حضوری میں اپنا جسم تار تار کر لیا۔اب وہ خون منہ کو لگ گیا ہے۔جو گدھے کبھی گھاس کھاتے تھے اب ایک دوسرے کا مذہب کے نام پر خون پیتے ہیں۔گدھوں سے بھی آگے دو ہاتھ بڑھ کر حرکات کرتے ہیں، جعلی ڈگری سے، لے کر قتل و غارت، ڈرگ، ملاوٹ، دھوکہ دہی، فریب دہی، مکاری، بے ایمانی ان کا وطیرہ بن گئی ہے۔ بلکہ عربی اور امریکی گدھوں سے زیادہ آگے ہیں۔ساری پارلیمنٹ میں بھی گدھوں جیسی سوچ کی قرار دادیں پاس ہوتی رہتی ہیں۔مثلاً کسی بھی کلمہ گو کو کافر قرار دے دینا یہ گدھا پن نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ پھر سب سے بڑی جمہوری پارٹی کے صدر کو پھانسی دے دینا گدھا پن نہیں تو اور کیا ہے۔ بعد میں عدلیہ کا یہ تسلیم کر لینا کہ یہ عدالتی قتل تھا۔گدھوں جیسی حرکت ہے۔اب کچھ گدھے ڈھینچوں ں، ڈھینچوں کر رہے ہیں۔ نہ جانے کون سے گدھوں کی پیروی میں حکومت کو گرا رہے ہیں کیونکہ حکومت نے الیکشن میں گدھے پن کا ثبوت دیا ہے۔گدھے کو بے شرمی کا سمبل بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے گدھے بھی موجود ہیں جن کے بزرگ، بہن بھائیوں نے تحریک آزادی پاکستان کو اپنے خون کی، عصمت، اولاد کی، قربانی دی۔اب وہ امن کی آشا کے چکر میں

بھارت سے دوستی کا دم بھرنے میں سب سے آگے ہیں۔اس میں بڑے بڑے گدھے شامل ہیں۔ بلکہ گدھیاں بھی۔ بات کہاں سے نکلی اور کہاں چلے گئی ،اب آپ کو گدھے اور انسان کی صفات میں واضح فرق نظر آ گیا ہوگا۔



پاکستان یواین او میں انسانی حقوق کی ممبر شب سے باہر

عالمی طور پر پاکستان کی کارکردگی پر پھر ایک سوالیہ نشان لگ گیا۔ جب پچھلے دنوں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے آئندہ تین سال کے لئے ہیومن رائٹس کونسل کے 18 ممبران کا انتخاب کیا۔جس میں پاکستان کو اپنے گروپ میں سب سے کم ووٹ ملے۔اور وہ کونسل سے باہر ہو گیا۔کونسل کے 18 ممبران میں سے 5 ممبر ایشیا پیسیفک مما لک سے لئے جاتے ہیں۔لاؤس اور پاکستان کو سب سے کم ووٹ ملے۔جو ممبر منتخب نہ ہو سکے۔جیتنے والوں میں منگولیا، 172، کرغستان 147،عرب امارات 159،کوریا 136،فلپائن نے 113 ووٹ حاصل کر کے آئندہ تین سال کے لئے ممبر شپ حاصل کر لی۔عالمی دنیا نے ہمیں منگولیا اور کرغستان سے بھی کم اہمیت دے کر لاؤس جیسے چھوٹے ملک کے برابر لا کھڑا کیا۔ ہمارے سفارت کار اور وزارتِ خارجہ بالکل نا کام نظر آتے ہیں۔وزارتِ انسانی حقوق نے جو پورٹ پارلیمانی کمیٹی میں جمع کروائی اُس کے مطابق جاری سال یعنی 2015 کے دوران انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے 3538 تین ہزار پانچ سو اڑتیس کیس رجسٹرڈ ہوئے ہیں۔ابھی اس کے علاوہ وہ واقعات بھی ہیں جو لوگ پولیس اور عدالت پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے درج ہی نہیں کرواتے۔اور ایسے واقعات کا معاملہ اپنے خدا کے سپرد کر دیتے ہیں۔مزید کمیٹی کو بتایا گیا کہ گزشتہ چار سال کے دوران انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بیس ہزار سے زائد واقعات رُونما ہوئے۔25 ہزار سے زائد بچے لاوارث ہیں۔1547 افراد قتل ہوئے۔65 پر تیزاب پھینکا گیا۔ماورائے عدالت قتل بھی 65 ہیں۔ٹارگٹ کلنگ 172،غیرت کے نام پر کاروکاری کے 117 واقعات،زنا کیس 200،گھریلو تشدد 413،اغواء کیس 430،اور جنسی طور پر ہراساں کرنے کے 753 واقعات رجسٹرڈ کروائے گئے۔یہ وہ رزلٹ ہے جسے حکومت پاکستان تسلیم کرتی ہے۔مغربی دنیا کے ممتاز اخبارات ابھی تک لکھ رہے ہیں کہ پاکستان میں دہشت گردی کم ہو رہی ہے لیکن انتہا پسندی میں کمی نہیں آئی۔مغربی دنیا کے لئے ہیومن

رائٹس کمیشن آف پاکستان جس کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر صاحبہ ہیں کی رپورٹ کے زیادہ معتبر ذرائع ہیں۔جس میں دیئے جانے والے اعداد وشمار اس سے بھی زیادہ بھیانک منظر پیش کررہے ہیں۔ یہ اب کی بات نہیں دیکھا جائے تو عرصہ دراز سے پاکستان انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں مسلسل مبتلا رہا ہے۔اوراب تک ہے۔ پاکستان میں انسانیت کی تذلیل کے نت نئے منصوبے بنتے ہیں اور بڑے بڑے بھیانک انسانیت سوز مظالم غریب عوام پر ڈھائے جاتے ہیں۔اقلیتوں اور غیر مسلم عوام کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔تھر میں غریب عوام کو پینے کا پانی تک نہیں۔نہ سڑک ہے نہ ٹرانسپورٹ ہے بجلی تو در کنار کھانے کو اور پینے کو بھی کچھ نہیں ۔شہروں میں لوگوں کی زندگی اجیرن کردی گئی ہے ۔ بے روزگاری بے حد ہے۔غریب عوام اپنے بچے فروخت کرنے پر مجبور ہیں۔اور پھر غرباءاپنے بچے فروشی اور عصمت فروشی، بلکہ گردہ فروشی پر مجبور ہیں۔نہ کوئی حاکم ہے اور نہ کوئی عدالت ہے۔عورت کو تو زندان میں رکھا جاتا ہے۔نہ تو اسے تعلیم دلائی جاتی ہے اور نہ اس کو ووٹ کا حق ہے اور نہ اس کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق ہے۔ بچوں سے مزدوری کروائی جاتی ہے ان کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں۔آپ کو عام بازاروں میں چوک میں چھوٹے چھوٹے بچے جوتے پالش کرتے ہوئے ، کاریں صاف کرتے ہوئے ، رکشے چلاتے ہوئے اور ہر قسم کی مزدوری کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ اگر اسلامی طور پر بھی جائزہ لیا جائے جس اسلام کا یہ پاکستانی نعرہ لگاتے رہتے ہیں یہ سب حرکات غیر اسلامی اور غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں۔مگر کسی کے کان میں جوں تک نہیں رینگتی۔ بڑے بڑے جبہ پوش، وکلاء، امام مسجد، علمائے کرام، ڈاکٹرز، جج حضرات، بڑی توند والے، بڑے بڑے مدرسوں والے، جو دہشت گرد اور طالبان پیدا کرتے ہیں۔سبھی یہ تماشا دن رات دیکھتے ہیں بڑے بڑے فتاویٰ فروش ٹس سے مس تک نہیں ہوتے۔ یہ سب انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں اُن کے ناک کے نیچے دن رات ہوتی ہیں۔یقیناً پاکستان اپنے مسلسل بھیانک عمل کی وجہ سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے آئندہ تین سال کے لئے ہیومن رائٹس کونسل کا ممبر بننے کا حق دار نہیں۔جب تک کوئی بھی ملک اپنا قبلہ سیدھا نہ کرے۔اپنی گورنس دُرست نہ کرے۔اور انسانی حقوق کی مسلسل پامالی کرتا رہے اسے اس اہلیت کے لئے درخواست بھی نہیں دینی چاہیے۔ پاکستان اپنی سر زمین کی ہر سطح پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ ہزاروں کا ،احمدیوں کا ،عیسائیوں کا ،شیعوں کا ، بلوچوں کا ، کراچی میں عوام کا ، ماڈل ٹاؤن میں غریب عوام کا قتل، اور جعلی پولیس مقابلوں میں بھی، قتل عام کرتا رہے گا۔ یہ خون اس کے گماشتوں کے مونہوں کو لگ چکا ہے۔تاجر،

سرمایہ دار، بیوروکریٹ، سیاستدان، منافع خور، علمائے سُو، یہ سب ظالم ہیں اور ظالموں کے معاون ہیں۔ یہ انسان بھی نہیں تو انسانی حقوق کا کیا حال رکھیں گے۔ ان سب کو اپنے ضمیر کی آواز سے اپنے اس بھیانک کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ جب تک ہم من حیث القوم انسانیت نواز نہیں بن جاتے۔ اور غریب انسانوں کے حقوق نہیں دیتے تب تک ہم انسان بھی نہیں مسلمان بھی نہیں اور اچھے پاکستانی بھی نہیں۔



اُمت کے غدار کون؟

فلسطین میں جماعت احمدیہ کا قیام 1920 کی دہائی میں ہوا جب عودہ قبیلہ جو سینکڑوں سال سے یروشلم کے نواح میں آباد تھا کے لوگ احمدی ہوئے۔ بعد میں یہ علاقہ اسرائیل کے قبضہ میں آ گیا۔ سو فلسطینی احمدی وہاں کے باسی ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس ویڈیو میں جماعت احمدیہ فلسطین (موجودہ اسرائیل) کے سربراہ ایک سرکاری دورے پر بھارتی وزیراعظم کے استقبالیہ پر مودی کا شکریہ ادا کر رہے ہیں کہ آپ نے ہندوستان میں جماعت احمدیہ کی مدد کی ہے۔ کن معنوں میں مدد کی ہے؟* یہی کہ انڈین سپریم کورٹ نے جماعت احمدیہ کو یہ کہتے ہوئے کہ "ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں"، غیر مسلم قرار دینے اور مذہبی و سیاسی پابندیاں عائد کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اس میں اسلام و پاکستان کے خلاف شر اور سازش کہاں سے آ گئی؟ اور سازشیں ڈھونڈنے کی کوشش کرنے والے کوئی ایک بھی ایسا واقعہ بتا دیں جس میں کسی احمدی کی وجہ سے اسلام و پاکستان کا نقصان ہوا ہو؟۔ 1۔ کتنے احمدی امام بارگاہوں، مساجد، جنازوں، درگاہوں یا پبلک جگہوں پر پھٹے ہیں؟۔ 2۔ پاکستان کے کس احمدی سفیر یا وزیر نے ملکی مفادات کے خلاف کام کیا؟۔ 3۔ کونسا احمدی کرپشن اور بدعنوانی میں نیب کے زیر انکوائری ہے؟۔ 4۔ پاکستان کے کس ادارے کے احمدی سربراہ نے ملکی وقار کا سودا کیا؟۔ 5۔ کس پاکستانی احمدی نے ملکی دولت لوٹ کر اربوں ڈالر سوئس بنکوں میں ڈالے؟۔ 7۔ کبھی جماعت احمدیہ نے دہشتگردی، مسلح تصادم یا گورنمنٹ کی رٹ کو چیلنج کیا؟۔ 8۔ کونسا ملک ہے جس کی احمدی حکومت اسرائیل اور انڈیا کی تیل کی ضروریات پوری کرتی ہے؟۔ 8۔ پچھلے 10 سالوں میں دہشتگردی میں، دھماکوں میں اور جنگ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے خون کا لہو کس کے ہاتھ پر ہے؟۔ اگر آپ دیانتداری اور تعصب کے بغیر سوچیں تو جواب مل جائے گا۔ اس کے برعکس اگر آپ تاریخ اور مستند واقعات کا بھی دیانتداری اور تعصب کے بغیر جائزہ لیں

تو جماعت احمدیہ آپکو اسلام اور پاکستان کی خدمت کرتی ہی نظر آئے گی۔ 1۔ بانئ جماعت احمدیہ سے شدید اختلاف کے باوجود معروف ہمعصر علماء مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی محمد حسین، علامہ اقبال اور بعد ڈاکٹر اسرار احمد، جاوید اقبال وغیرہ بانئ جماعت احمدیہ کی عیسائیوں اور ہندوؤں کے خلاف دفاع اسلام کی خدمات کے معترف ہیں۔ 2۔ دوسری مذہبی جماعتوں کے برعکس جماعت احمدیہ نے پاکستان کی حمایت کی اور پاکستان ہجرت کی۔ 3۔ علامہ اقبال کی تجویز اور قائداعظم کی توثیق سے امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب کشمیر کمیٹی کے پہلے صدر منتخب ہوئے اور کشمیریوں کے سیاسی حقوق کا باقاعدہ آغاز کیا۔ آزاد کشمیر کے پہلے صدر غلام نبی گلکار احمدی تھے جو آزادء کشمیر کے جرم میں بھارت کی قید میں رہے۔ اسیر کشمیری سیاسی کارکنوں کی رہائی کے لیے احمدی وکلاء نے بلا معاوضہ خدمات سرانجام دیں۔ آج کشمیر کمیٹی کیا کرتی ہے آپ جانتے ہی ہیں۔ 4۔ جنگ آزادء کشمیر 1948 میں جماعت احمدیہ نے ریاست کے پرچم تلے جہاد کشمیر میں حصہ لیا۔ پاکستان آرمی کو مکمل انفنٹری بٹالین کے برابر احمدی افرادی قوت مہیا کی۔ اس بٹالین کا نام فرقان بٹالین رکھا گیا اور اسکی ٹریننگ جہلم/سرائے عالمگیر میں ہوئی۔ کرنل حیات قیصرانی CO مقرر ہوئے۔ یونیفارم، ہتھیار، راشن اور ساز وسامان کا خرچ جماعت احمدیہ نے ادا کیا۔ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے اپنے 4 بیٹوں نے بنفس نفیس جنگ میں حصہ لیا۔ یہ بٹالین موجودہ 23 ڈویژن کے علاقہ (بھمبر کے علاقہ میں اگلے مورچوں پر) میں تعینات رہی اور جنگ کے بعد منتشر کر دی گئی۔ یہ منفرد اعزاز کس مذہبی، سیاسی یا جہادی تنظیم کو حاصل ہے؟۔ 5۔ قائد اعظم کی ہدایت پر قرارداد پاکستان کا ڈرافٹ مرتب کرنا، لارڈ ایٹلی کے سامنے پاکستان کا مقدمہ پیش کرنا، نومولود مملکت کی وزارت خارجہ مسلسل 7 سال چلانے کی خدمت بھی احمدی سر ظفر اللہ خان کے کھاتے میں ہی آئی۔ قائداعظم کی نگاہ مردم شناس کیا غلط تھی؟۔ 6۔ پاکستان کی اقتصادی و معاشی ترقی کے سنہری دور (ایوب خان) کے وزیر خزانہ اور چیئر مین پلاننگ کمیشن مرزا مظفر احمدی تھے۔ 7۔ سپارکو اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے بانی نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام احمدی تھے۔ 8۔ ائر مارشل ظفر چودھری پاکستان ایئر فورس کے چیف آف ایئر سٹاف احمدی تھے (1972-74)۔ 9۔ میجر جنرل اختر حسین ملک فاتح چھمب، 1965 کی جنگ کے ہیرو ہیں میجر جنرل اختر حسین ملک اوران کے برادر خورد لیفٹینٹ جنرل عبدالعلی ملک احمدی تھے۔ 10۔ میجر جنرل افتخار جنجوعہ شہید ہلال جرات، ستارہء جرات احمدی تھے۔ کیا یہ معمار وطن اور یہ جنرلز بھی غدار تھے؟۔ 11۔ تو پھر اسلام اور پاکستان کا خیر خواہ کون ہے

؟ تاریخ کا تعصب کی عینک اُتار کر مطالعہ کیجئے، کہیں بھی آپ کسی بھی غدار کو احمدی نہیں پائیں گے۔اور خدارا جماعت احمدیہ کی مخالفت اور دشمنی میں اتنے اندھے نہ ہو جائیں کہ بھلی چیز بھی آپکی نظر میں بری ٹھہرے اور آپ حسن ظن سے ہی محروم نہ ہو جائیں۔



پاکستان چِپ بورڈ فیکٹری جہلم جلادی گئی

آج خبروں سے پتہ چلا کہ جہلم میں پچاس سال سے موجود پاکستان چِپ بورڈ فیکٹری جہلم کو جلا کر خاک کر دیا گیا ہے۔اسے بھی مذہب کی بھینٹ چڑھنا پڑا۔اصل میں جو کچھ میڈیا میں کہانی آئی ہے۔کہانی یہ نہیں۔نہ قرآن جلایا گیا۔یہ صرف بہانہ بنایا گیا۔اور اس واقعہ کو ڈھیل دی گئی۔اور یوحنا باد، اور جوزف کالونی کی طرح تماشا دیکھا گیا۔ملاں حضرات کے ساتھ مل کر مقامی اور ارد گرد کے گماشتوں نے اس فیکٹری کی بڑھتی ہوئی ساکھ کو حسد کی آگ میں جلایا ہے۔یوں اگر آگ لگنے لگتی تو کب کی یہ عوام زرداری ہاؤس اور رائے ونڈ فارم کو جلا ڈالتی۔مگر ایسا نہیں۔اس سارے واقعہ کی ذمہ دار وہاں کی پولیس اور انتظامیہ ہے۔جو مسلسل کسی اشارے پرستی کا شکار رہی۔اور عوام کا الانعام کو ان ہی کی اشیر باد حاصل تھی۔اور مقتدر افسران کو فون کالز آرہی تھیں کہ کام تمام ہو لینے دو۔پھر کاروائی ڈالنا، پھر جب کارکنوں کو اشیر باد حاصل تھی تو انہوں نے احمدیہ مسجد کے سامان کو بھی نذ آتش کیا، مسجد کو دھویا اور پھر ازل کے بے نمازی بھی نماز پڑھنے لگے۔اور پھر مسجد پر قبضے کا سوچنے لگے۔انتظامیہ نے پھر نمبر بنانے کی خاطر مسجد کو تالا لگا دیا۔کیونکہ اسلام کو خطرہ درپیش تھا۔نام نہاد مسلمانوں کے ایمان کا مسئلہ تھا۔دراصل کچھ بھی نہ تھا۔ایک سازش تھی جسے بڑی مکاری اور چالاکی سے منصوبہ بندی کر کے پورا کیا گیا۔جب تحقیق ہوگی اگر کوئی منصف یا باضمیر انسان نے سچ اُگلوایا تو حقیقت باہر آجائے گی۔مگر سزا کسی کو نہ کبھی ملی ہے اور نہ ملے گی۔ہماری انتظامیہ کی ذہنیت سیاسی ہے۔اور اپنے آقاؤں کے اشاروں پر دُم ہلاتی ہے۔فرائض کی ادائیگی کے برعکس وہ مالی اور سیاسی ادائیگی کو ترجیح دیتی ہے۔ہمارے ملک میں ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ ”جس کی لاٹھی اُس کی بھینس“۔قانون کی حکومت نہیں۔نہ اخلاق کی اور نہ انسانیت کی ہے اور نہ اصل اسلام کی بالادستی ہے۔اقلیتوں سے اور غیر مسلموں سے سلوک، اس ملک میں اس سے بھی بدتر ہوتا آیا ہے۔گوجرہ، یوحنا باد، جوزف کالونی، گورنر سلمان تاثیر کا قتل، پشاور چرچ کیس، لاہور میں احمدیہ مساجد میں 90 شہادتیں

ہوئیں، بیسیوں ایسے کیس ہیں جن پر کمیٹیاں بنتی ہیں، سیاسی وزراء، اور لیڈر نمبر ٹانکنے کے لئے وعدے کرتے ہیں اور پھر فائلیں گم ہو جاتی ہیں، ججز حضرات ہر مقدمے کا فیصلہ اوپر سے آنے والے حکم کا انتظار کرتے ہیں، جو لوگ اب پھانسیوں کے انتظار میں کال کوٹھڑیوں میں ہیں اُن کی قیمت ادا ہو چکی ہے، اگر بچا لئے گئے تو ٹھیک ورنہ قیمت واپس ہو جائے گی۔ اب یہاں ضمیروں کے سودے ہونے لگے ہیں۔ کشمیر کے ساتھ ساتھ ضمیر بھی قابل فروخت ہیں۔ اس نام نہاد اسلامی معاشرے میں ڈاکو صدر ہوتا ہے تو لوہا چور وزیر اعظم ہوتا ہے۔ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ انصاف اور انسانیت کیا ہوتی ہے۔ یہاں جج منہ چھپاتے پھر رہے ہیں اور ممتاز قادری جیسے قاتل جبہ پوش پیر بن کر دندناتے پھر رہے ہیں۔ اس ملک کا ملاں ہر چیز کو اپنے لئے حلال قرار دیتا ہے اور دوسروں کے لئے وہی چیز بذریعہ فتویٰ حرام قرار دیتا ہے۔ یقیناً یہ ہنود و یہود کے نمائندہ ہیں۔ نہ یہاں قرآن کی، نہ اسلام کی حکومت ہے، یزید کا وقت ہے یزید ان چیزوں کے ہی سہارے قتل حسین کر کے بھی پارسا بنتا ہے، اور غریب عوام پر بذریعہ دھاندلی مسلط ہے۔ لگتا ہے یہ قوم کسی عذاب کو دعوت دے رہی ہے، جب کسی بھی دھرتی سے انصاف اُٹھ جاتا ہے، اور ظلم مسلط ہو جاتا ہے تو اس دھرتی کا مقدر خدائی عذاب ہوتا ہے۔ اے اللہ اس قوم کو ہدایت دے۔ آمین۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



تاریخ کے سب سے بڑے ظالم اور قاتل

(بھلائی اور برائی کبھی برابر نہیں ہو سکتی اور برائی کو اچھے طریقے سے دور کر دو۔)

آج اس نام نہاد مہذب دنیا میں انسانی حقوق کے نام پر انسان ہی کا قتل انسان ہی کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ مگر کمزور کسی طاقت ور کو قاتل بھی نہیں کہہ سکتا۔ اگر تاریخ انسانی کا جائزہ لیا جائے تو اس دھرتی کو خون سے رنگ دینے والوں کے سیاہ ترین چہرے ان ہی غیر مسلموں کے ہیں جو آج درسِ امن کے نام پر دنیا میں جنگی آلات فروخت کرنے کی خاطر جنگی حالات پیدا کر رہے ہیں۔ ان کی اس اصلیت سے آگاہی کے لئے یہ مضمون حاضر ہے

چنگیز خان اور منگول دہشت گردی

اس کا نام چنگیز خان تھا، اس نے تقریباً چار کروڑ انسانوں کا قتل عام کیا اس نے ایک گھنٹے میں 17 لاکھ 48 ہزار انسانوں کو قتل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا، وہ شہروں کو فتح کرنے کے بعد انسانی کھوپڑیوں

کے مینار بنانے میں شہرت رکھتا تھا جسے ہلاکوں خان نے جاری رکھا، اسکے ظلم کا نشانہ بنے والے چینی اور مسلمان تھے چنگیز خان مسلمان نہیں تھا۔

ہٹلر

ہٹلر پیدائشی طور پر عیسائی تھا جو بعد میں ملحد اور سوشلسٹ نظریات کی طرف راغب ہو گیا، ہٹلر نے اپنے دور حکومت میں ایک سے زیادہ کروڑ انسانوں کا قتل عام کیا جن میں یہودی، جنگی قیدی معذور اور سیاسی مخالفین شامل تھے قتل کے لئے تشدد بیگار اور گیس چیمبر کا استعمال کیا جاتا تھا۔

نپولین

نپولین فرانس سے تعلق رکھنے والا ایک عیسائی لیڈر تھا۔ اس نے اپنے دور حکومت میں پورے یورپ پہ انقلابی جنگوں کا سایہ مسلط کیا جس میں اندازاً 50 لاکھ افراد لقمہ اَجل بن گئے۔ چونکہ ایک عیسائی تھا اس لئے اس شخص کو بطور ہیرو تسلیم کیا گیا اور دنیا کا عظیم فاتح اور جرنیل مانا جاتا ہے۔ اگر 50 لاکھ لوگ مر بھی گئے تو انقلابی تو انقلابی ہوتا ہے جہادی نہیں ہے کہ مذمت کی جائے۔

اسٹالن

اسٹالن روس کی کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ تھا جو پیدائشی طور پر عیسائی اور بعد میں سوشلسٹ اور ملحد نظریات کی طرف مائل ہو گیا تھا اس کے دور حکومت میں تقریباً 6 کروڑ لوگوں کا قتل کیا گیا جبری مشقت کے گلاس کیمپوں میں بیس لاکھ مزدوروں کو قتل کیا گیا خوبصورتی یہ ہے کہ 1945 اور 1948 میں اسے دو بار نوبل انعام کے لئے نامزد کیا گیا۔ پاکستان کی عوامی نیشنل پارٹی فرزانہ باری، تیمور لال اور دیسی سرخے اسی اسٹالن کی نظریاتی اولادیں ہیں۔

عراق

عراق پر سیکیولر امریکی وحشیوں نے بڑے پیمانہ پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے شبہ میں حملہ کیا اور قریبا 15 لاکھ عراقیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ خوبصورتی یہ ہے کہ اس سیکولر خبیث نے بعد میں معذرت کر لی اطلاع غلط تھی اور اپنی نظریاتی اولادوں کو حکومت سپرد کر کے قتل عام کے اس سلسلہ کو جاری رکھا گیا یاد رہے کہ یہ حملہ ایران کے کہنے پہ کیا گیا اور ایران نے مقامی دلال کے فرائض سرانجام دیئے کہ اس کشت وخون کو جاری رکھا ہوا ہے۔

روانڈا کا قتل عام

روانڈا ایک عیسائی ملک ہے جہاں اکثریتی آبادی عیسائی اور 2 فیصد مسلمان ہیں۔ 1994ء میں اکثریتی ہوتو اور اقلیتی تتسی قبائل کے درمیان نسلی فسادات پھوٹنے کیوجہ سے صرف 100 دن کے اندر دس لاکھ انسانوں کا قتل عام کر دیا گیا۔ تقریبا پانچ لاکھ خواتین کی عصمت دری کی گئی اور اکثر کو قتل کر دیا گیا۔ یہ ایک منظم قتل عام تھا جو حکومت کی ایما پر کیا گیا اور با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت نسل کشی کی گئی۔ ہیرو شیما 16 گست 1945 کو انسانی حقوق کے چیمپین سیکولر امریکہ نے جاپان کے شہر ہیروشیما پہ ایٹم بم گرایا بم عین شیما درجیکل ہسپتال کے اوپر گرایا گیا۔ اس کے نتیجہ میں 80 ہزار افراد قتل اور 70 ہزار زخمی ہوئے جن میں اکثریت عام شہریوں کی تھی۔ دھما کہ کے نتیجہ میں 12 مربع کلومیٹر کا علاقہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔

سرکاسین کا قتل عام

اٹھاریوں صدی کے آخر میں عیسائی ریاست نے قفقار کے رہنے والوں کو نشانہ بنایا اور اندازاً 15 لاکھ مسلمانوں کا قتل عام کا ی اور پانچ لاکھ کو نقل مکانی پہ مجبور کر دیا۔ روسی ریاست نے 90 فی صد آبادی کو قتل کر دیا یا نقل مکانی پر مجبور کر دیا اور نقل مکانی کرنے والوں کی اکثریت بھوک پیاس اور بیماریوں کا شکار ہو کر ختم ہو گئی افسوس کہ آج ہم مسلمان ان کے بارے میں جانتے تک نہیں۔

کریما کے تاتاروں کی ملک بدری۔

1942ء میں سوشلسٹ اور ملحد اسٹالن کے حکم پر ڈھائی لاکھ شہریوں کو زبردستی ان کے ملک سے نکال دیا گیا، ان لوگوں کو تیس منٹ کا وقت دیا گیا اور اس کے بعد انہیں ٹرینوں میں لاد کر کریمیا سے نکال دیا گیا، ان لوگوں میں سے اکثریت کو کشتیوں میں لاد کر سمندر کے بیچ لے جا کر ڈبو دیا گیا ایک اندازہ کے مطابق ملک بدر کئے گئے افراد میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے۔

سکندر اعظم۔

آدھی سے زیادہ دنیا فتح کرنے والا سکندر سوئم یونان کا عیسائی حکمران تھا۔ دنیا فتح کے جنون میں وہ ملکوں کو تاراج کرتا ہوا برصغیر تک آ پہنچا تھا ایک اندازے کے مطابق اس جنون میں سکندر نے تقریبا 10 لاکھ سے زائد انسانوں کا قتل عام کیا جس کی بنا پر اسے سکندر اعظم کہا جاتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ نہ تو کسی مدرسے کا طالب علم تھا نہ اس نے مطالعہ پاکستان کا دینیات پڑھی تھی پھر بھی وہ اتنا وحشی کیسے ہو گیا۔

جنرل لوتھر وون ٹروتھا

اس نے نمیبیا کے علاقے ہیریرونما کا میں ایک لاکھ انسانوں کا قتل عام کیا اس نے ہیورد قبائل کو قتل کرنے کے بعد بقیہ لوگوں کو صحرا میں دھکیل دیا جہاں بھوک اور پیاس سے ان کی ہلاکت ہوئی۔ اسکا حکم تھا کہ ''ہیرورو جہاں نظر آئے قتل کرو چاہے وہ مرد ہو عورت ہو یا بچہ

فلسطین

برطانوی حکومت کی قائم کردہ کی قائم کردہ یہودی اسرائیلی ریاست کے قائم ہوتے ہی 7 لاکھ فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق 1948ء سے لے کر آج تک 51 لاکھ فلسطینیوں کو اسرائیل میں شہید کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ بچ جانے والے فلسطینیوں کو بیگاری کیمپوں کی طرح علاقوں میں محصور کر دیا گیا ہے جہاں بنیادی انسانی ضروریات کی چیزیں بھی میسر نہیں۔

پہلی جنگ عظیم

1914ء میں اس جنگ عظیم کا آغاز ہوا جب ایک عیسائی گورنر پرنسپ نے آسٹریلیا کے عیسائی لیڈر فریز فرڈینٹنڈ کو قتل کیا۔ پہلی عالمی جنگ کا آغاز عیسائیوں نے کیا، اس جنگ میں دو کروڑ انسان ہلاک ہوئے اور دو کروڑ زخمی ہوئے، جنگ میں وسیع پیمانے پر مشین گنوں کیمیائی ہتھیاروں اور زہریلی گیسوں کا استعمال کیا گیا لاکھوں لوگ بھوک اور بیماریوں اور افلاس سے ہلاک ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم

1939ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز عیسائی جرمن ریاست کے عیسائی پولینڈ پہ حملہ سے ہوا دوسری جنگ عظیم کا سہرا عیسائیوں کے سر جاتا ہے اس جنگ میں تقریباً 6 کروڑ انسان جنگ سے اور 2 کروڑ بیماریوں اور بھوک سے ہلاک ہوئے۔

سری لنکا

سری لنکا میں حکومت اور تامل باغیوں کے درمیان لڑائی تین عشروں پہ محیط رہی جس میں تقریبا ایک لاکھ انسانوں کا قتل عام کیا گیا۔ تامل باغیوں کا تربیت اور اسلحہ فراہم کرنے والا ہندو بھارت اور انہیں کچلنے والی سری لنکا کی بدھ حکومت تھی یوں یہ قتل عام ہندوؤں اور بدھ مت کے کے پیروں کے درمیان وقوع

پذیر ہوا۔ یاد رہے کہ خودکش تامل باغیوں کی ہی ایجاد ہیں جنہیں بھارت نے تربیت دی۔

شاکا زولو۔شاکا زولو اٹھارویں صدی میں جنوبی افریقہ کا حکمران تھا شاکا نہ صرف جنگ وجدل میں مہارت رکھتا تھا بلکہ دشمنوں کی آبادیوں کو مکمل طور پر ختم کرنے کا حامل تھا، اس نے اپنے دور میں 10.20 لاکھ انسانوں کا قتل عام کیا قیدیوں عورتوں بچوں حتیٰ کہ جانوروں کو قتل کے حوالے سے بھی شاکا کو پہچانا جاتا ہے، شاکا زولو ایک عیسائی حکمران تھا۔

شام

شام میں نام نہاد شیعہ مسلمان نے ایرانی تعاون اور مدد سے مسلمانوں کی نسل کشی شروع کررکھی ہے جس میں اب تک تقریباً 5 لاکھ سنی مسلمان عورتوں بچوں اور مردوں کو شہید کیا جا چکا ہے اس قتل وغارت میں روس امریکہ اور داعش اور باقی ممالک بھی حسب توفیق اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ اس نسل کشی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ نام نہاد شیعہ فرقے نے کھل کر اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے اور دیگر ممالک نے فدائین بھرتی کر کے انہیں بھی قتل کا موقع دے رہے ہیں۔

خمیر روگ کا سرخ انقلاب

1975ء میں ریاست کمبوڈیا میں سرخ انقلاب آیا جسے خمیر روگ کا نام دیا گیا مزدوروں کسانوں اور غریبوں کے حقوق پہ اُٹھنے والی سرُخ آندھی نے صرف چار سال کے دوران 20 لاکھ انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔

آج پاکستان میں عوامی نیشنل پارٹی، فرزانہ باری، تیموری لال اور ان جیسے کئی اور کچی بستیوں کے مکینوں اور کسانوں کو سرُخ انقلاب کی جھنڈی دکھا کہ اُلو بنا رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ لوگ اندھے اور پاگل ہیں جو انہیں جانتے نہیں۔

افغانستان

افغانستان میں جب رُوس سرخ انقلاب ٹینکوں پہ بٹھا کر لایا تو مقامی سرخوں نے پرتپاک استقبال کیا۔ اس انقلاب میں 15 لاکھ افغانوں کا خون پیش کیا گیا اور پچاس لاکھ کو ملک بدر کر دیا گیا بھر سیکولر امریکہ بہادر کو جوش آیا اور افغانستان پہ چڑھ دوڑا جس میں 4 لاکھ افغانوں کا قتل عام کیا گیا اور یہ خونریزی اب بھی جاری ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان 19 لاکھ افغانوں کو سیکولرزم اور سوشل ازم کی بھینٹ

چڑھانے کے بعد اسلام کو کٹہرے میں کھڑا کر کہ مجرم بنا دیا گیا۔

سوویت کمیونیسٹ جیزیخ یگوڈا

یہ سخت کمیونسٹ رُوس کی خفیہ پولیس کا چیف اور بدنام زمانہ گلاک کمپنیوں کا بانی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اندازاً دس لاکھ انسانوں کا گلاگ کیمپوں میں تشدد بیگار اور اذیتیں دے کر قتل کیا چونکہ موصوف سُرخ انقلاب کے حامی تھے اس لئے ان کا نام تاریخ میں بھلا دیا گیا تا کہ فرزانہ باری اور باچا کان جیسے سرخے اپنی اپنی دکانداری چمکا سکیں اور دنیا کو فریب کے جال میں پھانس سکیں۔

انقلاب فرانس

سترھویں صدی کے آخر میں فرانسیسی حکمرانوں کے خلاف انقلاب کی لہر اُٹھی جس میں عیسائیوں نے حکران کا تختہ اُلٹا انقلاب کا مقصد حکمرانوں سے نجات اور سیکولیر لبرل اور روشن خیال معاشرے کا قیام کیا تھا۔ انقلاب کے دوران ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا قتل عام کیا گیا یہاں غور کرنے والی بات یہ ہے کہ انقلاب کے نام پہ انسانی خون بہانا درست اور جہاد کے نام پر استعمار کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کو دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بوسنیائی مسلمانوں کا قتل عام

1992ء میں بوسنیا میں بسنے والے مسلمانوں کی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت نسل کشی کی گئی۔ سرب اور کروٹ عیسائیوں نے ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا بیس لاکھ کو ملک بدر اور بیس ہزار سے زائد خواتین کی عصمت دری کی ۔تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جنگ کے دوران اقلیتی مسلمانوں کو ہتھیاروں کی سپلائی پہ پابندی لگا دی گئی اور مسلمان ممالک سمیت عالمی دنیا تماشا دیکھتی رہی۔

دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا دہشت گرد امریکہ

کیا آپ جانتے ہیں کہ 1776ء میں امریکی ریاست کے قیام سے لے کر آج تک سیکولر امریکہ نے 70 ملکوں پہ حملہ کیا ہے جس کے نتیجہ میں ہونے والی اموات کی تعداد ایک ارب 30 کروڑ ہے کتنی خوبصورت بات ہے کہ اربوں انسانوں کو جمہوریت اور روشن خیالی کے نام پر موت کی نیند سلا دیا گیا اور امریکہ کے حوالی اور دیسی لبرل آج بھی امریکہ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے ۔شاید دنیا میں ضمیر اندھا ہوتا تو اب تک امریکہ کا نام ونشان مٹا دیا گیا ہوتا۔

لینن

لینن روس کا کمیونسٹ کا صدر تھا مارکسٹ سوشلسٹ ملحد نظریات کا حامل سرخا تھا اسکے دور حکومت میں 2 کروڑ انسانوں کا قتل عام کیا گیا، اس کے دور حکومت میں تمام زمینیں حکومت کی ملکیت میں لی گئیں جن پہ کسانوں سے مزدوری لی جاتی تھی اور حکومت کی مرضی کی اُجرت دی جاتی تھی۔ میڈیا پہ مکمل حکومتی کنٹرول قائم کیا گیا کسانوں کی مزاحمت کو کچلنے کے لئے طاقت کا استعمال اور بے دریغ قتل عام کیا۔

کالے امریکیوں کی نسل کشی

ان کا رنگ کالا تھا اور امریکہ کے مقامی باشندے تھے۔ نئے علاقوں کی تلاش میں عیسائی تاجر امریکہ آئے اور کالے امریکیوں نے انہیں خوش آمدید کہا اور یہ ان کی غلطی تھی تاجروں نے ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا مالی مویشی لوٹے اور 10 کروڑ مقامی امریکیوں کا قتل کر دیا۔ آج امریکہ میں کالے اقلیت میں ہیں اور عیسائی گورے امریکہ کے مالک ہیں وہ ہر سال کالوں کی نسل کشی کو خوشی مس یوم تشکر مناتے ہیں خود کو سیکولر لبرل قوم قرار دیتے ہیں۔

1943ء میں بنگالیوں کا قتل

1943ء میں برطانوی وزیر اعظم چرچل کے حکم پر بنگالیوں پر ایک مصنوعی قحط مسلط کیا گیا۔ کھانے پینے کی اشیاء اور خوردنی کی اشیا کی مصنوعی قلت پیدا کی گئی جس کے نتیجہ میں 70 لاکھ بنگالی لقمہ اجل بن گئے۔ اس کی بنیادی وجہ جنگ عظیم دوئم کے بعد برطانیہ کا خوراک اور کھانے پینے کی اشیا میں ذخیرہ کرنا تھا۔

کشمیر

بھارتی ہندوؤں نے بزور جبری کشمیری مسلمانوں کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے اور اب تک ایک لاکھ سے زائد کشمیری مسلمانوں کو شہید اور ہزاروں خواتین کے بے حرمتی کر چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے باوجود آج تک کشمیریوں کو استصواب رائے کے حق سے محروم رکھا گیا ہے اور ان کا قتل عام جاری ہے۔

صلیبی جنگیں

گیارھویں صدی میں عیسائی پوپ کی اجازت سے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کیا گیا۔ جنگوں کے نتیجہ میں تقریباً ڈھائی کروڑ انسانوں کو قتل کیا گیا اور کئی ملکوں کو تاراج کر کہ تباہ کر دیا گیا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اتنے بڑے بڑے قتل عام کے بعد کوئی شرمندگی دکھائی جاتی لیکن حالت یہ ہے کہ پڑھے مہذب اور متحمل عیسائی آج بھی ان کا ذکر فخر سے کرتے ہیں اور ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

ماؤزے تنگ۔

ماؤزے تنگ چین کا کمیونیسٹ سربراہ تھا اس کے دور حکومت میں تقریباً پانچ کروڑ انسانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا اس کے دور حکومت میں کسانوں کا استحصال کیا گیا۔ ایک آلو چوری کرنے والوں کو نہر میں دھکا دینا والدین اکے ہاتھوں بچوں کا زندہ دفن کرانا، ناک کان کاٹنا، سردیوں میں کسانوں سے ننگے بدن کام کروانا عام تھا اور مزدوروں کی حقوق کی ڈھونگ رچانے والی دیسی سرخے اس کی نظریاتی اولادیں ہیں۔



آئی سی چیمپین ٹرافی یا جنگ

آئی سی سی چیمپیئن ٹرافی کا فائنل کیا ہوا۔ ایک معجزہ ہوا۔ انہونی ہوئی، میں نے بھی خیال کیا تھا کہ پاکستان اس قدر مضبوط نہیں کہ فائنل تک پہنچ سکے۔ مگر محنت اور دیانت کسی کو بھی عزت سے نواز سکتی ہے۔ ہماری قوم محنتی تو ہے مگر دیانتداری میں اس قدر کمزور ہے کہ ہماری جگ ہنسائی عروج پر ہے۔ ہماری قوم نے بے غیرتی کے بہت سے میڈلز جیتے ہیں۔ بھارت بھی ان کاموں میں ہم سے پیچھے نہیں۔ احساس برتری کی کوئی حد ہوتی ہے۔ جب سے مودی کی حکومت آئی ہے بھارت بھی شدت پسندی میں بڑھ چکا ہے۔ اس قدر غرور اور تکبر بھارت کے بعض لوگوں نے دکھایا کہ پاکستان کی غلطیاں بھی ہر کوئی بھول گیا۔ 4 جون سے انڈیا سے ہارنے کے بعد پاکستان کی ٹیم میں چار کھلاڑی نئے ڈالے گئے۔ وہ بھی آئی سی ایل کے۔ سابق کھلاڑی۔ پھر اُن کی نگرانی اس طرح کی کہ ان کے ساتھ کئی کئی نگران لگا دیئے کہ نہ کوئی فون اور نہ کوئی بُکی اُن تک پہنچ پایا۔ پہلے تو ہمارے یہ مشترکہ دشمن، انڈیا، اسرائیل، اور فرنگی نے کھلاڑیوں کو رشوت دے دے کر ہمارے ملک کی اتنی تذلیل کی ہے کہ الامان۔ اس بار سلیکشن کمیٹی کا کمال ہے۔ نہ کہ حکومت یا نجم سیٹھی کا۔ یہ معجزہ ہوا ہے۔ اور خدا نے پاکستانی ٹیم کو اور قوم کو بتایا ہے کہ دیانت اور محنت اگر ہو تو تم ایک لیڈنگ پاور قوم ہو۔ یہ ہماری سب کمزوریاں ہیں۔ دشمن ہمارے کم قصوروار ہیں۔ جس دن پاکستان بنا اسی دن سے کانگرسی ہماری صفوں میں گھس چکے ہیں۔ یہ نام نہاد اسلام کا نعرہ لگانے والے شکست خوردہ عناصر ملاں کے رُوپ میں ہمارے اندر موجود ہیں۔ جو ہماری قوم کو منتشر کرنے، پالیسیوں

پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ پاکستان میں ایمان ، تنظیم، دیانت ، امانت سب کچھ ہے مگر لیڈر شپ نہیں مل رہی۔جس کی وجہ سے قوم شتر بے مہار کی طرح گم گشتہ راہ ہے۔رہی انڈیا کی بات، وہ خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ کیونکہ ہم اس کے ہاتھ کئی بار فروخت ہو چکے ہیں۔ہم میر جعفر و صادق کی ہی قوم ہیں۔ بنگلہ دیش کی مثال کافی ہے۔ بھارت جتنا بھی بڑا بنے پھر بھی مسلمانوں کی غلامی میں گیارہ سو سال تک رہا ہے۔ یہ احساس کمتری اس کے خون میں سے کیسے جا سکتی ہے ۔ بے شک جتنی بڑی طاقت کے زعم میں بپھرتا پھرے۔بھیڑوں کی تعداد بھیڑیوں کی تعداسے ہمیشہ زیادہ ہی رہتی ہے ۔ہاں برابری کی بنیاد پر اس برّ صغیر میں رہا جا سکتا ہے۔ہمیں احترام تو ہے بھارت کا مگر اسے باپ کا درجہ نہیں دیا سکتا۔ دیکھا جائے تو اصل میں یہ رشتہ داماد اور ساس کا ہے۔ پھر غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔جس طرح 1965 میں شاستری نے کہا تھا کہ ’’میں ناشتہ لاہور میں کروں گا‘‘ ۔ پھر اسی کا ناشتہ ہو گیا۔اگر کوئی انسان بھی کسی کا احترام برابری کی بنیاد پر تو کر سکتا ہے۔مگر طاقت سے ڈر کر نہیں کیا جا سکتا۔احترام تو محبت کی بنیاد پر ہوا کرتا ہے نا کہ نفرت کی وجہ سے ۔اوچھے، بے ضمیر انسان دونوں مما لک میں ہیں مگر ہمیں یا ہماری حکومتوں کو ان کے آلہ کار نہیں بننا چاہیے۔کھیل کو کھیل ہی رہنے دیا جائے ۔اور بطور ہمسایہ اچھے دوستوں کی طرح باہم رہنا چاہیے۔ کیونکہ ہمسائے بدلے نہیں جا سکتے ۔صبر اور حوصلے سے ،ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیے۔کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں، اسرائیل کو دیکھیں اور عرب مما لک (بدوؤں) کی آبادی کو دیکھیں۔عقل سلیم کی ضرورت ہوتی ہے ۔طاقت یا برتری عقل اور محبت سے تسلیم کروائی جا سکتی ہے۔ برطانیہ کی آبادی دیکھیں اور اس کی ساری دنیا پر حکومت کی تاریخ پڑھیں۔ بڑا بننے کے لئے بڑے پن کا کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔تعداد سے نہیں کردار سے اور محبت سے بڑا بنا جا سکتا ہے۔محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں۔



خدا جس کو عزت دے

اللہ تعالیٰ علیم الغیب ہے۔مگر انسان متکبر اور ابلیس کا نمائندہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو اللہ والے ہی جانتے ہیں۔اللہ جس کو رکھے اُسے کون چکھے۔ پاکستان کی ہی بات کرتے ہیں۔ جسے قدرت نے بنایا۔ اور اس کے معاونین میں من حیث الجماعت صرف ایک ہی مذہبی جماعت تھی جس کا نام جماعت احمدیہ ہے سیاسی جماعت مسلم لیگ تھی۔ باقی سب مذہبی جماعتیں کانگرسی کفش بردار تھیں۔1930 کی گولمیز کانفرنسز

لندن میں چوہدری سر ظفر اللہ کی نمائندگی سے لے کر، قائد اعظم کی لندن واپسی، 1940ء میں قرارداد کے مسوّدے کی تیاری تک سر ظفر اللہ خان اور جماعت احمدیہ بلکہ آج تک شامل رہی۔ نہرو رپورٹ، اور باقی انگریزی حکومت پر بر وقت تبصرے جماعت احمدیہ کی طرف سے راہنمائی کی صورت میں ملتے رہے۔ باؤنڈری کمیشن میں چوہدری سر ظفر اللہ خاں کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اُدھر مدنی، بخاری، مودودی، آزاد، باچا خان کی کانگرس نوازی کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ پاکستان کے قیام کے بعد یہ سب بڑی ڈھٹائی سے پاکستان آ دھمکے۔ اور پھر بھی اپنی منافقت اور نظریاتی تلبیسیت سے باز نہیں آئے۔ عوام کالانعام کو کیا پتہ کہ ہمارے آئمہ مساجد کا کیا کردار ہے۔ 1953 میں ممتاز دولتانہ مذہبی جماعتوں کے کندھے پر سوار ہو کر وزارت عظمیٰ کی خواہش لے کر مارشل لاء اور منیر رپورٹ کا شکار ہوا اس بغاوت پر مودودی، اور عبدالستار نیازی کو پھانسی کا حکم ہوا۔ جو ابلیسی طاقتوں والے احباب نے معافی نامے میں بدل ڈالا۔ پھر جماعت اسلامی اور باقی اُس وقت شکست خوردہ عناصر اور مذہبی جماعتوں نے زمین دوز ہونے کو ترجیح دی۔ پھر جب 1970 کا الیکشن آیا تو پھر باسی کڑہی میں اُبال آیا۔ ان سب نام نہاد مذہبی جماعتوں نے بھٹو سے ایسی شکستِ فاش کھائی۔ جو رہتی دنیا تک ان کے آباء واجداد تک کو بھی یاد رہے گی۔ جس کا کریڈٹ یہ سب جماعت احمدیہ کو دیتے ہیں۔ جو کہ واقعی درست بھی ہے۔ پھر باسی کڑاہی میں اُبال آیا بھٹو صاحب نے جماعت کی طاقت کو آزما کر بھی پھر اُسے انڈر ایسٹیمیٹ کیا۔ اور بین الاقوامی لیڈر بننے کے لالچ میں، اور سعودی حمایت کے لالچ میں نام نہاد اسمبلی کا نام آگے رکھ کر بزعم خود جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ جبکہ کانگرسی کفش برداروں کا بھی یہی مطالبہ تھا۔ بھٹو صاحب ایک خواب دیکھ رہے تھے۔ اسلامی کانفرنس منعقد کی گئی۔ شاہ فیصل کو امیر المومنین بنانے کا پروگرام بنا۔ ان کانگرسی جماعتوں نے پہلے بھٹو صاحب کو لالچ دیا پھر جب ضیاع الحق کی گود میں بیٹھے تو بھٹو کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر دم لیا۔ بھٹو نے جماعت احمدیہ سے عظیم احسان فراموشی کی، مذہبی جماعتوں نے بھٹو صاحب سے عظیم احسان فراموشی کی، اسی طرح زرداری نے بھی بھٹو فیملی سے احسان فراموشی کی۔ یہ تاریخ ہے۔ اور قدرت کا انتقام ہے۔ شاہ فیصل بھتیجے کے ہاتھوں مارا گیا، بھٹو پھانسی چڑھا، اور ضیاع الحق واصل نار جہنم ہوا۔ جیسے مبشر حسن وزیر خزانہ پی پی کا بیان ہے کہ شاہ فیصل کہتا تھا کہ احمدیوں کو حج پر نہ آنے دو اگر یہ غیر مسلم ہیں۔ ان کے پاسپورٹ پر غیر مسلم لکھو۔ احمدیوں پر اللہ کا فضل یوں ہوا کہ اکثر احمدیوں کے پاس اب غیر ملکی پاسپورٹس ہیں۔ جنھیں سعودی عرب یا پاکستانی حکومت حج سے روک ہی نہیں سکتی۔ اور

احمدی ہر سال حج اور عمرہ بخوشی کرتے ہیں ۔اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو فراخی رزق بھی دی ہے اور عزت بھی ۔ان مکفرین کا جعلی فتویٰ بے اثر ہو چکا ہے۔آج بھی پاکستان کی عوام کسی افسر کو دیانتدار محسوس کرتی ہے تو اُسے احمدی مسلمان کہنے لگ جاتی ہے۔جماعت احمدیہ نے ان بدقماش مذہبی جماعتوں کا صبر اور حوصلے سے سامنا کیا ہے۔جو جبر اور عیاری سے اقتدار تک رسائی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں،کلمہ گو ہونے کے باوجود جماعت احمدیہ کے خلاف کذب بیانی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔جہاد کے کندھے پر سوار ہو کر اقتدار کی دہلیز تک پہنچنے والی بدنیت جماعتیں عوام کے دلوں میں کلیتاً ناکام ہو چکی ہیں۔امریکی ڈالر اور سعودی ریال تو ملے مگر راہِ مستقیم سے بھٹک چکی ہیں۔جماعت احمدیہ کا ساری دنیا کے ممالک میں ایک مقام ہے،عزت ہے،احترام ہے۔اُن کو ساری دنیا مسلم مانتی ہے،آج تک کل عالم اسلام کو وہ عزت نہیں مل سکی جو احمدیوں کو ملی ،مثلاً چوہدری سر ظفر اللہ خان صدر عالمی عدالت،نوبل لاریئٹ ڈاکٹر عبدالسلام، کوئی بھی سرکاری مسلمان نہ بن سکا۔ایم ایم احمد، جنرل اختر ملک، جنرل عبدالعلی ملک،ظفر چوہدری ائر مارشل،لارڈ طارق احمد آف برطانیہ، جرمنی ، برطانیہ، کنیڈا، امریکہ، بلکہ افریقہ میں بھی بہت سے احمدی پارلیمینٹیرین موجود ہیں اور بہت سے احمدی مدّبر اور سکالرز جن کو ساری دنیا میں عزت سے نوازا گیا۔ایک نئ مومنین کی جماعت براہین و دلائل سے لیس کفار کا سامنا کر رہی ہے ۔ان کے لیڈر جیسے ڈاکٹر عبدالقدیر عالمی ڈاکو مشہور ہوا۔ بلکہ اُس نے خود تسلیم کیا۔دنیائے اسلام کے بڑے بڑے جبہ پوش کوئی عزت نہیں رکھتے، پاکستان کے مولاناؤں کی کوئی عزت نہیں، سیاسی لیڈر بھکاریوں کی طرح اغیار کی قدم بوسی میں مصروف ہیں۔جرمنی میں جماعت احمدیہ کے پیش کردہ اسلام کو ملکی نصاب میں شامل کر دیا گیا ہے ۔۔بلکہ ملکہ الزبتھ ،ٹریزا مے، اوبامہ،ٹرمپ اور سب ممالک ان کے خلیفہ وقت کو وی آئی پی استقبال دیتے ہیں اُن کی مساجد میں جاتے ہیں ۔جماعت احمدیہ پر کوئی کہیں بھی کوئی ظلم ہو اس کے خلاف اپنی پارلیمنٹس میں آواز اُٹھاتے ہیں۔جماعت احمدیہ کا محترم خلیفہ وقت ملکی پارلیمنٹس اور یورپی یونین کو خطاب کرتا ہے ۔ساری دنیا میں قرآن کے تراجم سو زبانوں میں جماعت احمدیہ کر چکی ہے۔ہزاروں مساجد، اسکول، کالج، ہسپتال بنا رہی ہے۔ہر سال سب ممالک میں کروڑوں رقوم چیرٹی میں اکٹھے کر کے غرباء میں تقسیم کرتی ہے۔اور جماعت احمدیہ کسی قسم کی امداد (اللہ کے فضل سے) کسی ملک سے نہیں لیتی ۔۔۔پاکستان کے حکمرانوں، مذہبی جماعتوں کا، سیاسی لیڈروں کا امیج ساری دنیا میں خاک میں مل چکا ہے۔یہ دو نمبری، ملاوٹ، لوٹ کھسوٹ، دھوکہ دہی، تشدد، بے انصافی، ڈرگ، میں مشہور ہیں

۔مذہبی جماعتوں نے اسلحہ اُٹھا کر اپنا امیج تباہ کرلیا ہے۔طالبان اپنا امیج ظالمان، جاہل اور دقیانوسی منوا چکے ہیں۔مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے خلاف مقامی اور بین الاقوامی طور پر اور عوام میں شدید غصہ پایا جاتا ہے۔لوگ ان علمائے سُو کو ووٹ تک نہیں دیتے۔کیونکہ مذہبی لیڈر بھی دولت کے پجاری ہیں۔اور یقین باللہ سے مطلق خالی۔ان کے فتاویٰ بدنام زمانہ سطحی اور غیر شرعی ہیں۔غیر ملکی امداد سے بنائے ہوئے جہادی اور دہشت گردوں کے مدرسے ان کی آمد کا حصہ ہیں۔ان کے مقابلے میں ایک سو اٹھائیس سال کی جدوجہد میں جماعت احمدیہ کامیاب و کامران رہی ہے۔ساری دنیا میں وہ اسلام کی نمائندہ اور پر امن جماعت مسلمہ سمجھی جاتی ہے۔باغی خلافت ترکیہ اسلامیہ جابر و آمر سعودی عرب پارہ پارہ ہونے کو ہے مسلم اُمہ اُس کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔سعودی خاندان میں باہمی چپقلش اس کے تنزّل کی غماز ہے ۔ساری اُمت مسلمہ کے پاس کوئی ایسا لیڈر نہیں جو امن سے اس اُمت کو کنارے لگا سکے۔عرب شراب، زنا، جوئے میں لت پت ہیں، اسلحے سے اپنی برتری جتانے کے چکر میں خود رُو بہ تنزل ہیں۔سعودیہ، قطر، ایران، اور ترکی، یمن سے حالت جنگ سے گزرنے کو ہے۔ساری دنیا اسلام دشمنی میں بڑھتی جارہی ہے۔اور یہ بے لگام علمائے سُو صرف قیل و قال سے اسلام زندہ باد کے لئے نعرہ زَن ہیں۔مگر جماعت احمدیہ ایک منظم، خلافت کے سائے میں، اتحاد و محبت کے پر امن، طریقے سے جدوجہد کر کے اپنے قول اور عمل سے، اطاعت رسول سے اسلام کو غالب کرنے کی کوشش میں ہے۔جو انشاء اللہ جلد کامیاب اور کامران ہوگی۔



نام نہاد حُب الوطنوں کا حملہ میرے وطن پر

کیا یہ لوگ کسی اور سیارے سے آئے ہیں۔جو ہمارے وطن کو لوٹنے آئے ہیں۔اس طرح کا سلوک تو ہمارے ساتھ انگریز نے بھی نہ کیا تھا اس کے زمانے میں انصاف تھا، امن تھا مگر اب اسلام کے نام پر کیا ہو رہا ہے۔اپنے فرائض سے اسقدر غفلت اور اپنے حقوق کا حصول مسلسل۔ان سیاسی لونڈوں کے گھر میں سب کچھ ہے، بجلی، پانی، تیل، کھانا، آرام، صحت، امن ہے۔نہیں ہے تو غریب عوام کے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ہم پٹرول کے لٹر پر، ایک سو روپے کے کالنگ کارڈ پر 70 فیصد ٹیکس دے رہے ہیں۔یوریا کھاد کا ایک پچاس کلو کا تھیلا پاکستان میں 1800 سو روپے کا ہے جبکہ انڈیا میں یہی تھیلا چار سو

روپے کا دستیاب ہے ۔نفسا نفسی کا عالم ہے، قیامت کا منظر ہے ۔آج تک ان کو معلوم نہیں تھا کہ مستقبل کے لئے کالا باغ ڈیم ضروری تھا۔کیا ان کو معلوم نہیں تھا کہ مستقبل میں آبادی بڑھے گی اس کے لئے وافر وسائل کی ضرورت ہوگی ۔اَقرباء پروری سے سب اپنے اپنے خاندانوں کو پروموٹ کر رہے ہیں ۔کوئی اپنے حلقے کے ووٹروں کو پکا کرنے کے لئے ،ناجائز بھرتیاں کروا رہا ہے،کوئی اپنے اقرباء کو کہیں نہ کہیں ایڈ جسٹ کروا رہا ہے۔تاجر حضرات اپنی تاجر برادری کو داؤ پیچ بتا کر حکومت کو نقصان پہنچانے کے طریقے بتا رہا ہے۔حکومتی محکمہ جات ناکام اور پرائیویٹ ادارے کامیاب ہو رہے ہیں ۔کمیشن اور رشوت ستانی کا دور ہے۔جاہل لوگوں اور جعلی ڈگری ہولڈرز کا راج ہے ۔انسانیت نام کو نہیں ۔حیوانیت اپنے پنجے گاڑھے کھڑی ہے ۔ بڑی بڑی گاڑیوں اور بڑے بڑے بنگلے والوں کا قبضہ ہو چکا ہے ۔علمائے سُواس دوڑ میں سب سے آگے ہیں ۔ بڑے بڑے سمگلرز اپنے مادرِوطن کی دولت کو اپنی ماڈل گرلز ایان علی کے ذریعے مال باہر لے جا رہے ہیں ۔رائے ونڈ کا محل پہلے ہی کئی یتیموں کی جائیدادوں پر تعمیر ہوا ہے جس کی روشنیوں قمقمے دن کو بھی روشن رہتے ہیں ادھر عوام کی جھگیاں ماہِ رمضان میں بھی تاریک رہتی ہیں ۔پی آئی اے ، پاکستان اسٹیل ملز، واپڈا، سب محکمہ جات خرد بُرد کا شکار ہیں ۔کمیشن اور کک بیکس کا رواج ہے ۔صحت خانوں کی بجائے جنگلہ بس بنائی جا رہی ہے ۔سرکاری ہسپتالوں میں نہ ڈاکٹرز ہیں نہ کوئی مشین اور نہ کوئی دوائی ۔سکول اور کالجز میں سیاست چمکائی جا رہی ہے ۔فیسوں کے نام پر لکوکھہا روپے طلباء سے تعلیم کے نام پر لوٹے جا رہے ہیں ۔غریب اور نالائق طلباء جعلی ڈگری لینے پر مجبور ہیں ۔طالبان کے نام پر کئی بدمعاشوں نے داڑھی رکھ کر اغوا اور ڈکیتی کو کاروبار بنا لیا ہے ۔مساجد اب سب جرائم کے اڈے ہیں ۔سعودیہ تک فرقہ پرستی کے نام پر ریال تقسیم کر رہا ہے ۔ پرائیویٹ تنظیمیں سوشل پروگراموں کی آڑ میں فحاشی کے اڈے چلا رہی ہیں جن کو بدقماش لوگوں اور بااثر لوگوں کی سرپرستی حاصل ہے ۔ ہر گھر میں اسلحہ عام ہے ۔اگر ایک لائسنس والی کلاشنکوف ہے تو پانچ اور ساتھ ناجائز رکھی ہوئی ہیں ۔چوری ڈکیتی کی واردات پولیس سے مل کر کی جاتی ہیں جب ڈکیتی ہو چکی ہوتی ہے تو پولیس پہنچتی ہے ۔اور گھر والوں کو ہی ملزم گردان کر گرفتار کر لیتی ہے ۔تھانے بک رہے ہیں ۔کئی کئی لاکھ ان کی ماہانہ ٹھیکہ ہے جو آئی جی تک سب کو حصہ رسدی پہنچتا ہے ۔ اگر سپاہی سے لیکر اے ایس پی تک بھرتی ہوتی ہے تو اس کے الگ ریٹس ہیں ۔فحاشی کے اڈے پولیس چلاتی ہے یا اس کی اجازت سے چلتے ہیں ۔ اسلام آباد میں بھی کئی مساج سینٹر یہی دھندہ کرتے ہیں ۔سارے ملک کی شوگر ز ملز کے گنے کا شیرہ کراچی کو جاتا ہے ۔ جہاں اس سے

شراب بنتی ہے۔پنجاب میں ایک بہت بڑی ملز بھی شراب بناتی ہے۔علمائے سُو کو معلوم ہے مگر ان کو بھتہ دے کر چپ کروادیا جاتا ہے۔جہاد غیر مسلم کے لئے مخصوص ہے مگر ساری برائی تو مسلمان ہی کرتے ہیں۔اسی لئے اب تک ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان پاکستان میں قتل ہو چکے ہیں جن کو قتل کرنے والے بھی شہید ہیں اور مقتول بھی شہید۔مگر جماعت اسلامی کا لیڈر منور حسن کے نزدیک صرف طالبان شہید ہیں پاکستانی فوجی نہیں۔اسی طرح لال مسجد کا عبدالعزیز بھی یہی کہتا ہے۔علمائے سُو نے ساری قوم کو اسلام کے نام پر کنفیوز کر کے اغواء کر لیا ہے۔قوم بددل ہو چکی ہے۔نوجوان نسل RAW کا نمائندہ بن رہا ہے اور انڈیا اور طالبان ، داعش کے لئے بڑی بڑی رقوم حاصل کر کے مادر وطن کی مخبری کر رہا ہے۔پہلے پاکستانی کرپٹ تو تھے ہی مگر اب منافق اور غداری کا مرتکب بھی ہو رہا ہے۔وہ بھی اسلام کے نام پر۔انسان خونخوار بھیڑیئے کا کردار ادا کر رہا ہے۔عدل و انصاف نام کو نہیں۔اسلام آباد تو ہے مگر اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔غیر مسلم اور اقلیتیں ملک چھوڑنے پر مجبور ہیں یا قتل ہونے پر۔ہندو انڈیا کو دوڑ رہا ہے، باقی جہاں بھی پناہ ملے ادھر بھاگ رہے ہیں۔میثاق مدینہ کا چارٹر یہی سکھاتا ہے کیا؟۔امیر امیر تر ہو رہا ہے۔جو بھی سیاست دان بنتا ہے راتوں رات امیر ہو جاتا ہے۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔



اُلو کے پٹھے

یہ کوئی گالی نہیں ہے۔اس مطلب ہے کہ اُلو کے شاگرد۔پٹھے کو پنجابی میں شاگرد اور اُلو کو بے وقوف کہا جاتا ہے۔حالانکہ اُلو کو ہر ملک میں بے وقوف نہیں سمجھا جاتا۔یہ محاورہ چونکہ پاک و ہند کا ہے اس لئے اس کا مقصد بھی وہی مدنظر رکھا جائے گا۔ہر قوم میں عقلمند اور بے وقوف لوگ بھی ہوتے ہیں۔اور کسی کو بھی اپنے آپ کو زیادہ سمجھدار یا عقلمند نہیں سمجھنا چاہیے۔کیونکہ عقیل اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔پاکستان ہمارا ملک ہے۔اس کے کشمیر سمیت پانچ صوبے ہیں۔اس میں مختلف اقوام رہائش پذیر ہی ان کے مختلف کلچر ہیں رسم و رواج ہیں۔عادات ہیں۔عقائد و اعتقادات ہیں۔پاکستانی قوم بہ حیثیت قوم بہت اچھی ہے۔مگر عرصہ دراز سے اس کو جہالت یا عذاب الٰہی نے گھیر رکھا ہے۔اور اسی وجہ سے بیرونی حملہ آوروں کی یہ غلام قوم کوئی آقا نہ پیدا کر سکی۔جہالت ہی کی بنا پر یہاں اسلام کی روشنی دلوں کو مسخر نہ کر سکی۔یہ جہالت کی ماری ہوئی قوم دقیانوسی کے جنگل میں اب تک بھٹک رہی ہے۔اسی وجہ سے اس قوم میں حب الوطنی کا

فقدان ہے۔غلامانہ ذہنیت،غربت کی ماری ہوئی قوم کی بھوک ختم نہیں ہوتی،اسلام اور قرآن کی عظمت کی دعویدار ہے مگر اس پر عمل کرنے سے لاچار۔علمائے سُو کی فوج ظفر موج مگر اصل اسلامی اخلاق واقدار سے عاری۔جب پاکستان بنا تو یہی فرقہ مولویاں اس کا شدید مخالف ٹھہرا۔اور جب بن گیا تو پھر یہی پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا کر اسی ملک میں آدھمکے۔مگر رہے وہی ڈھاک کے تین پات۔نہ پاکستان کو قبول کیا اور نہ اسلام کی اعلیٰ تعلیم کو۔آج تک اُلو کی طرح آنکھیں بند۔دنیا نہ جانے چاند پر پہنچ گئی مگر یہ ابھی بھی جادوٹونے،تعویز گنڈے،قبر پرستی، کے پیچھے لگے ہیں۔جھوٹ ان کی خوراک،سود اِن کا ناشتہ،حُب الوطنی سے عاری،لسانی،صوبائی تعصب سے مرّصع یہ بدوقوم بے لگام گدھے کی طرح اندھا دُھند صحرا کی طرف رواں دواں ہے۔نہ کوئی تنظیم،نہ ایمان اور نہ یقین ہے۔خود ہی قانون بناتے ہیں اور خود ہی اس کی تذلیل پہ اُتر آتے ہیں۔کوئی بھی نیک لیڈر اس قوم کو قائداعظم کے بعد اب تک نہیں ملا۔لیاقت علی خان کے بعد نہ کوئی وزیراعظم ملا،سب ہی شرابی،کبابی اور زانی ملے۔جس طرح آج تک بھٹو زندہ ہے اسی طرح ان کا اسلام بھی زندہ ہے۔مگر عمل ناپید۔عوام جاہل ان کا علاج نہیں کر سکتے۔اسمبلیوں کے ممبران سب ڈاکو لٹیرے ہیں۔آئمہ مساجد اُن کے ٹاؤٹس ہیں۔جاگیردار اور انتظامیہ رشوت لے کر اپنی شکم پری کے دھیان میں ہیں۔ملک اسقدر مقروض ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لاکھوں ڈالر کا مقروض ہوتا ہے۔ ملک میں تعلیم وصحت،بجلی و پانی سے محروم ہے۔ڈگری قابل فروخت ہے۔ ہر کوئی جعلی ڈگری اور اصلی اقامے چکر میں ہے۔اور یورپ اور امریکہ کے ویزے کے چکر میں ہے۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ بڑے شہروں ح میں قبضہ مافیا جوبن پر ہے۔پولیس کسی کی جائز بات بھی روپوں کے بغیر نہیں سنتی۔کسی بیٹی اور بہن کی عزت محفوظ نہیں۔کلمہ گو کلمہ گو سے محفوظ نہیں۔دن دیہاڑے قتل ڈاکے اور اغوا برائے تاوان کے واقعات ہر جگہ پر ہورہے ہیں۔ ہر بیسوا عورت ممبران اسمبلی بننے کی کوشش میں ہے۔اور پھر اپنے مخالفین پر ریپ کا پرچہ درج کروانے کے چکر میں ہے۔کوئی بھی کسی کا دوست نہیں۔نہ ہی کوئی قابل اعتبار ہے ۔کوئی طالبان کا ایجنٹ ہے تو کوئی RAW کا۔کوئی جہادی ہے تو کوئی فسادی۔کوئی ڈبل شاہ کے پیچھے پھر رہا ہے۔لوگ بیدین ہو چکے ہیں مساجد اصل ہدایت سے خالی ہیں مدرسے گناہ کا گہوارہ بن چکے ہیں۔لوگوں کو کھلے عام ملاوٹ والی چیزیں،جعلی دوائیں،اور گدھے کا گوشت کھلا کر گدھے بنایا جارہا ہے۔ساری قوم میں یہ آثار نظر آنے شروع ہو گئے ہیں۔خواجہ سعد رفیق،عابد شیر علی،دانیال عزیز،طلال چودھری،فہد چودھری،اور دیگر گدھوں کی طرح ہینگنے والے قوم کو گدھا سمجھتے ہیں۔نہ ان کو سچ کا علم ہے،سب کرائے کے

گدھوں جیسا مظاہرہ کررہے ہیں۔اب تو طاہرالپادری بھی میدان میں آ گیا ہے۔یہ لوگ ہنود و یہود سے دو قدم آگے ہیں۔پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور جو پاکستان میں کلمہ گو ہیں ان پر 295 سی لگواتے ہیں۔عدلیہ نے ستر سال میں بزعم خود اگر ایک عدل کیا ہے تو اسے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ایسے ایسے علمائے اسلام اور مسلمان ہیں۔قندیل بلوچ کو مرواتے ہیں۔ایان علی سے سمگلنگ کرواتے ہیں، داشتائیں رکھتے ہیں۔پانچ پانچ جعلی منکوحہ عورتیں سرعام رکھی ہوئی ہیں۔علمائے سُوجنت فروخت کرتے ہیں۔ہر جرم امیر کو جائز ہے غریب جیل میں جاتا ہے تو ہین عدالت ہو جاتی ہے۔مگر امیر کو کچھ نہیں ہوتا۔اگر مونس الٰہی، یا حمزہ شہباز کوئی گناہ کرتا ہے تو چھپایا جاتا ہے۔آرمی کے آفیسر بھی جو مرضی کریں۔کوئی انگلی نہیں اُٹھاتا۔احمدی کوئی نماز بھی پڑھے تو اس کو جیل جانا پڑتا ہے۔خدا دیکھ رہا ہے۔کوئی عیسائی غلطی بھی نہ کرے تو اسے زندہ آگ میں پھینکا جاتا ہے۔ورنہ اسلام خطرے میں آجاتا ہے۔یہاں سب مسلمان عیسائیوں کے ساتھ ہر قسم کا میل جول رکھتے ہیں حتیٰ کہ شراب بھی اکھٹے پیتے ہیں کبھی اسلام کو خطرہ نہیں ہوتا۔پاکستان کا اسلام کافی کمزور لگتا ہے۔اس مولوی نے ساری قوم کی غلط تربیت کی ہے۔اور ساری قوم کا بیڑہ غلط کر دیا ہے جسطرح کہ طاہرالپادری نے شریف فیملی کی نسل کی تربیت کی تھی اب خود ہی بھگت رہا ہے۔



کیا سب ناکامیوں اور بے ایمانیوں کی ذمہ دار پاک فوج ہے؟ نہیں ہرگز نہیں

ذوالفقار علی بھٹو کو ایوب خان نے وزیر خارجہ بنایا۔لیکن ایوب خان کے بعد اسی بھٹو کو عوام نے 2 بار پاکستان کا سربراہ مملکت بنایا۔اسکی بیٹی اور داماد کو تین بار پاکستان کی سربراہی سونپی۔جس کے بدلے میں انہوں نے نہ صرف پاکستان کو دولخت کر دیا بلکہ پاکستان پر بیرونی قرضے چڑھانے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی معیشت کا وہ بیڑا غرق کیا کہ دوبارہ نہیں اُٹھ سکی۔اسکی ذمہ دار پاک فوج ہے؟ نواز شریف کو جنرل ضیاء الحق نے صوبائی وزیر خزانہ بنایا۔لیکن عوام نے اس کو* تین بار پاکستان کا وزیر اعظم بنایا اور 6 بار پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کا سربراہ* اسکا نتیجہ پاکستان پر ریکارڈ

ساز قرضوں، قومی اداروں کی مکمل تباہی، اونے پونے فروخت اور کشمیر سمیت خارجہ محاذ پر تباہ کن پالیسی کی صورت میں نکلا۔۔ اسکی ذمہ داری پاک فوج پر ہے؟ پاکستان میں 8 لاکھ پولیس، کم از کم 2 لاکھ ججز، وکیل اور ان کے معاؤنین ہیں۔ اربوں روپے کا بجٹ رکھنے والی والی ایف آئی اے اور نیب نامی ادارے ان کے علاوہ ہیں۔لیکن کرپشن کرنے والوں کو سزائیں نہ ملنے کی ذمہ دار پاک فوج ہے؟ کل 50 ارب ڈالرز کے قومی بجٹ میں سے 7 ارب ڈالرز پاک فوج کو ملتے ہیں باقی 43 ارب ڈالر کا بجٹ پارلیمنٹ کے پاس جاتا ہے۔ لیکن پاکستان کی معاشی بدحالی کی ذمہ دار پاک فوج ہے؟ پاک فوج نے دہشت گردی کی سہولت کار پکڑ کر شہادتوں کے ساتھ عدالتوں کے حوالے کیئے۔ جہاں سے ان کو رہائیاں مل گئیں اور باہر آتے ہیں عوام نے ان کو سونے کے تاج پہنا دیئے۔لیکن ذمہ دار پاک فوج ہے؟ پاکستان کی کل آبادی تقریباً 21 کروڑ ہے جن میں سے 6 لاکھ فوج ہے۔ پاک فوج بیک وقت دہشگردوں اور غیر ملکی ایجنسیوں کے خلاف دنیا کی سب سے بڑی پراکسی جنگ کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ۔ پاکستان میں تمام قدرتی آفات کے موقعوں پر سارے چھوٹے بڑے ریلیف آپریشنز کر رہی ہے۔سی پیک کو پایہ تکمیل تک پہچانے کے لیے دن رات مصروف ہے۔چین، روس اور اب خلیج (اسلامی اتحاد) کے محاذ پر انڈیا اور امریکہ کی خارجہ پالیسی کا مقابلہ کر رہی ہے۔ دہشت گردی سے متاثرہ لاکھوں آئی ڈی پیز کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔سول عدالتوں سے ملنے والے دہشت گردی کے کیسز سن رہی ہے۔ پولیو کے قطرے پلا رہی ہے۔مردم شماری کر رہی ہے۔ پاک فوج اس وقت دنیا مین سب سے زیادہ جانیں دینے والی فوج بن چکی ہے جس میں آفیسرز کی شہادتوں کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے اور کوئی ایسا دن نہیں گزرتا جو پاک فوج کی شہادت سے خالی گیا ہو۔ لیکن پاکستان میں ہر خرابی کی ذمہ دار پاک فوج ہے۔ یہ باقی 20 کروڑ 93 لاکھ کیا کر رہے ہیں؟ کیا ان سب پر کوئی فرض اور ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ؟ کیا کبھی ہم نے اپنے گریبانوں میں جھانکا ہے؟

کیا نام نہاد اشرافیہ، علمائے حق، اساتذہ کرام، ڈاکٹر صاحبان، وکلاء، جج، بیورو کریٹس، تاجر، جاگیرداران، بزنیسمین، عام شہری مادرِ وطن کی ترقی پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔کیا اپنے فرائض منصبی سے غافل، شکم پُری میں مگن ہیں۔کب یہ قوم اپنی آواز بلند کرے گی؟۔کب یہ افراد غیرت دکھائیں گے؟۔ ستر سال کے زنگ اُتارنے کے لئے کوئی مردِ حق، مردِ میدان بن کر سامنے نہیں آرہا، کیا کوئی ہے جو عدل فاروقی اور قوت علی دکھائے۔اور اس قوم کی ترقی میں کار ہائے نمایاں ادا کر سکے۔اپنے اسلاف

کی روشن روایتوں کو زندہ کر سکے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا



شعارِاسلام پرعمل اور میرا وطن

میں نے آج ہی ایک اشتہار پڑھا ہے جو کہ محمد حسن ولد حافظ سلیمان جنرل سیکٹری تحفظ ختم نبوت برلاس بلڈنگ ۱۳ فین روڈ لاہور کی طرف سے ہے۔کہ پاکستان میں قادیانی شعارِاسلام پرعمل نہیں کر سکتے لہذا ان کو عید قرباں کے موقع پر قربانی سے منع کیا جائے۔یا پھران پر 298 سی دفعہ کے تحت مقدمہ درج کر کے سزا دی جائے۔اورعوام کو کہا گیا ہے کہ اگر کسی کے علم میں ایسا واقعہ ہو تو رابطہ کرے تا کہ یہ گماشتے پرچے کرواسکیں۔واہ رے خدمت اسلام۔دیکھا جائے تو یہ قربانی کا فریضہ سنتِ ابراہیمی ہے ۔جو کہ قبل اسلام سے جاری ہے۔یہود و نصاریٰ بھی اس پرعمل پیرا ہیں۔اسطرح تو یہ بڑی نیکی سارے عالم اسلام میں رائج کرنی ضروری ہے۔اسطرح تحفظ ختم نبوت کا جہاد مزید وُسعت اختیار کر سکتا ہے۔ یہ شعارِابراہیمی ہے۔رہی شعارِاسلام پرعمل کی بات۔کیا سارے پاکستان میں شعارِاسلام پر ساری قوم یا سرکاری مسلمان عمل پیرا ہیں۔کیا فحاشی کے اڈے،قہوہ خانے،شاہی محلے،مساج سنٹران علمائے سُو نے بند کر دیئے ہیں۔کیا شمسی ائربیس،رحیم یار خاں کے تیتر کے شکار کی آڑ میں اپنی بیٹیوں کی قربانی یہ قوم ہر وقت نہیں دیتی،کیا عربی شہزادوں کی شہوت کا شکار اسی قوم کی بیٹیاں نہیں ہوتیں۔کیا یہ دھندے تحفظ ختم نبوت کے اراکین کے علم میں نہیں۔کیا احمدیوں پر جو پرچے کروائے جاتے ہیں۔اُن میں وکلاء،جج، علمائے سُو برابر سور نہیں کھاتے،کیا انصاف ان کی بھتہ خوری سے نہیں بکتا،کیا تحفظ ختم نبوت کے کتے کسی نہ کسی شکار کی ٹوہ میں ہر وقت سرگرداں نہیں رہتے۔جب سے یہ قادیانی آرڈیننس آیا ہے۔جب سے علمائے سُو کی چاندی نہیں ہوگئی۔حکومت وقت کو ووٹر اور گماشتے اس آڑ میں نہیں مل گئے۔بدکاری،شراب نوشی،ان لوگوں نے اپنی شکم پُری کی خاطر اس قدر بڑھا دی ہے کہ حج سیکنڈل بھی بننے لگے ہیں۔کیا یہی لوگ لاکھوں احمدیوں سے کروڑوں روپے کی رقوم لے کر بیرون ملک نہیں بھیج رہے۔کیا ان ہی گماشتوں میں سے ایمان کی شان دیکھ کر ہزاروں لوگ احمدیت کی بیعت کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔میرے مادرِ

وطن میں کیا نہیں ہو رہا۔ ہرام حلال کی تمیز، ان تحفظ ختم نبوت کے آوارہ بدمعاشوں نے ختم کر دی ہے۔ تھانے دار پولیس ان کی باندی بنی ہوئے ہیں۔اور یہ بدکردار تحفظ ختم نبوت کے لونڈے اسلام پھیلانے کے چکر میں بربریت پھیلا رہے ہیں۔رائے وُنڈ سے احکام آتے ہیں اشرفی شرابی بھی انکا ملاں ہے۔جس سے سڑاند آتی ہے۔قربانی روکنے کی بجائے لوگوں کو اُسوہ حسنہ پر چلاؤ۔ یزیدو، ہلاکو، چنگیز اور شمر کی اولا دو شکم پُری کے بجائے دین کو پھیلاؤ۔اپنی نحوستوں، بے غیرتیوں کو پھیلا کر خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب نہ بنو۔احمدیت پہلے سے بھی مضبوط اور زندہ تر ہے۔ پاکستان سے دس گنا اس کا سالانہ بجٹ ہے۔خدا نے اسے عزت دی ہے۔تمہارے پاس ہے کیا صرف گالیوں کے سوا۔تمہاری مکاریوں کی لعنت تم پر اُلٹ پڑ رہی ہے۔72 سال میں پاکستان کی تربیت کر کے اس کی شکل بدل دی گئی ہے۔حقوق العباد، اور حقوق اللہ سے ناواقف بھیڑیو، تم یوسف مصر کا کیا بگاڑ سکتے ہو۔بھیک منگے اور جمعراتی، نکاح اور طلاق کرا کر حلالہ کروانے والے پلید ملاؤں قرآن کو مت بدلو۔خود کو بدلو۔چودھویں صدی کے ملاؤں۔تمہاری حیثیت پہلے ہی میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتا دی تھی۔کہ تم لوگ کنوئیں کے مینڈک ہو۔راشی ہو، زانی ہو، ڈاکو ہو، مداری ہو، سور ہو، بندر ہو۔احکام کے چمچے ہو۔سگِ حکومت ہو، تم اپنی شکم پُری کرو۔تم خدا مت بنو۔اور ہی خود رسول بنو۔جعلی ڈگری، ملاوٹ، بے ایمانی، چور بازاری، سے تمہارا وزیر اعظم نہیں نکل سکا۔تمہارے جج، وکلاء، بیوروکریٹس، تاجر، طلباء، جاگیردار، ملز اونرز، علمائے سُوشعارِ اسلام پر عمل سے قاصر ہیں۔قانون سے بالا ہیں، خود سوچو، اور انسان بن جاؤ۔محسن انسانیت کو پڑھو۔اپنی اندھی عقل سے باہر نکلو۔ پاکستان کے اصلی اور نسلی دشمن تم ہی ہو۔خدا جلد تمہارا حساب لینے والا ہے۔

تم مسلماں ہو کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود

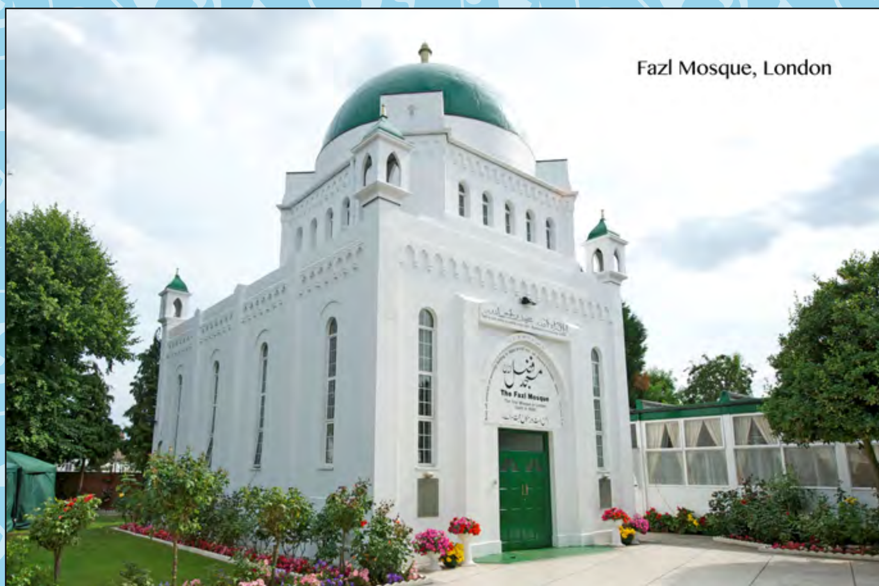








مسجد اقصیٰ قادیان



مسجد فضل لندن



مصنف کتاب ہذا

رانا عبدالرزاق خان

بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان

ادیب وشاعر، کالم نگار، اینکر، صحافی

ایڈیٹر۔ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

حال مقیم: وانڈزورتھ لندن برطانیہ

e-mail : ranarazzaq52@gmail.com, (M) 00-44-7886-304637

قندیل حق

یہ کتاب معلومات کا خزینہ ہے جس میں مختلف موضوعات پر انتہائی اہم اور معلوماتی مضامین یکجا کئے گئے ہیں۔ سیرت النبیؐ اسلامیات، قرآنیات اور جماعت احمدیہ سے متعلق مختلف علمی، تاریخی و تربیتی مضامین ایک گلدستہ کی شکل میں پیش ہیں۔ اسی طرح طنزومزاح اور ادب سے تعلق رکھنے والے احباب کیلئے کئی نادر مضامین شامل ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

QINDEEL-E-HAQ

BY

RANA ABDUL RAZZAQ KHAN, LONDON